



الهيئة العامة للشؤون الإسلامية
General Secretariat of Islamic Affairs

وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية



موسوعة فقهاء الكويت

جلد - ۸

بئر - بیطرة

موسوعة فقهية

منايع كروه

وزارة اوقاف و اسلامى امور، كويت

© جملہ حقوق بحق وزارت اوقاف و اسلامی امور کویت محفوظ ہیں

پوسٹ بکس نمبر ۱۳، وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

اردو ترجمہ

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

161-F، جوگابائی، پوسٹ بکس 9746، جامعہ نگر، نئی دہلی - 110025

فون: 26982583, 26981779-11-91

Website: <http://www.ifa-india.org>

Email: ifa@vsnl.net

اشاعت اول : ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء

ناشر

جینوین پبلیکیشنز اینڈ میڈیا (پرائیویٹ لمیٹڈ)

Genuine Publications & Media Pvt. Ltd.

B-35, Basement, Opp. Mogra House

Nizamuddin West, New Delhi - 110 013

.....Tel: 24352732, 23259526,

وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

موسوعه فقہیہ

اردو ترجمہ

جلد - ۸

بئر — بیطرة

مجمع الفقہ الاسلامی الہند

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً
 فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي
 الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

(سورہ توبہ، ۱۲۲)

”اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ (آئندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ
 ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے، تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ
 حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس
 آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں!“۔

”من یرد اللہ بہ خیراً

یفقہہ فی الدین“

(بخاری و مسلم)

”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے

اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔“

فہرست موسوعہ فقہیہ
جلد - ۸

صفحہ	عنوان	فقرہ
۳۵	بَر	دیکھئے: آبار
۳۵	بَرِ اِضَاعَہ	دیکھئے: آبار
۳۶-۳۵	بَاءۃ	۳-۱
۳۵		۱ تعریف
۳۵		۲ متعلقہ الفاظ
۳۶		۳ اجمالی حکم
۳۶	بادی	دیکھئے: بدو
۳۷-۳۷	بازلتہ	۲-۱
۳۷		۱ تعریف
۳۷		۲ اجمالی حکم
۳۷	باسور	دیکھئے: اُغذار

صفحہ	عنوان	فقہ
۳۸-۳۸	بانسۃ	۲-۱
۳۸	تعریف	۱
۳۸	اجمالی حکم	۲
۳۸	باطل	
	دیکھئے: بطلان	
۳۸	باغی	
	دیکھئے: بغاۃ	
۳۹-۴۰	بتات	۳-۱
۳۹	تعریف	۱
۳۹	اجمالی حکم	۲
۴۰	بحث کے مقامات	۳
۴۱-۴۲	بتر	۶-۱
۴۱	تعریف	۱
۴۱	اجمالی حکم	۲
۴۱	کئے عضو کی طہارت	۳
۴۱	کسی ضرورت سے اعضاء کو کاٹنا	۴
۴۱	جنایات میں اعضاء کو کاٹنا	۵
۴۲	جانور کے کئے ہوئے اعضاء	۶
۴۲-۴۲	بتراء	۲-۱
۴۲	تعریف	۱

صفحہ	عنوان	فقہ
۴۲	اجمالی حکم	۲
۴۳-۴۳	بیع	۲-۱
۴۳	تعریف	۱
۴۳	اجمالی حکم	۲
۴۴	بیعۃ	
	دیکھئے: بتلہ	
۴۵-۴۴	بتلہ	۲-۱
۴۴	تعریف	۱
۴۴	اجمالی حکم	۲
۴۵	نکح	
	دیکھئے: کلام	
۴۸-۴۵	بحر	۹-۱
۴۵	تعریف	۱
۴۵	مخالقۃ الفاظ: نہر، عین	۳-۲
۴۶	سمندر سے متعلق احکام	
۴۶	الف - سمندر کا پانی	۴
۴۶	ب - سمندر کا شکار	۵
۴۷	ج - سمندر کا مردار	۶
۴۷	د - کشتی میں نماز	۷
۴۷	ھ - کشتی میں مرجانے والے کا حکم	۸

صفحہ	عنوان	فقہ
۴۸	و۔ سمندر میں ڈوب کر مر جانا	۹
۴۹-۵۰	بخار	۴-۱
۴۹	تعریف	۱
۴۹	متعلقہ الفاظ: بخار	۲
۴۹	بخار (بھاپ) سے متعلق احکام	
۴۹	الف۔ جمع شدہ شبنم سے رفع حدت	۳
۴۹	ب۔ جمع شدہ بھاپ سے رفع حدت	۴
۵۰-۵۱	بخر	۲-۱
۵۰	تعریف	۱
۵۰	اجمالی حکم	۳
۵۱	بخس	
	دیکھئے: غبن	
۵۱-۵۲	بخیلۃ	۳-۱
۵۱	تعریف	۱
۵۱	پہلا مسئلہ	۲
۵۱	دوسرا مسئلہ	۳
۵۲-۵۳	بدعت	۳۸-۱
۵۲	تعریف	۱
۵۳	پہلا نقطہ نظر	۲
۵۳	دوسرا نقطہ نظر	۳

صفحہ	عنوان	فقہ
۵۶	متعلقہ الفاظ: محدثات، فطرت، سنت، معصیت، مصلحت مرسلہ	۸-۴
۵۸	بدعت کا شرعی حکم	۹
۵۸	عقیدہ میں بدعت	۱۰
۵۹	عبادات میں بدعت	
۵۹	الف: حرام بدعت	۱۱
۵۹	ب: مکروہ بدعت	۱۲
۶۰	عادات میں بدعت	۱۳
۶۰	بدعت کے محرکات و اسباب	۱۴
۶۰	الف: مقاصد کے ذرائع سے ما واقفیت	۱۵
۶۰	ب: مقاصد سے ما واقفیت	۱۶
۶۱	ج: سنت سے ما واقفیت	۱۷
۶۲	د: عقل سے خوش گمان ہونا	۱۸
۶۳	ه: متشابہ کی اتباع	۱۹
۶۳	و: خواہش کی اتباع	۲۰
۶۳	خواہشات کے درآنے کے مواقع	۲۱
۶۴	بدعت کی قسمیں	
۶۴	بدعت حقیقی	۲۲
۶۵	اضافی بدعت	۲۳
۶۵	کافرانہ اور غیر کافرانہ بدعت	۲۴
۶۶	غیر کافرانہ بدعت کی گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں تقسیم	۲۵
۶۷	داعی اور غیر داعی بدعتی	۲۷
۶۸	بدعتی کی روایت حدیث	۲۸
۶۸	مبتدع کی شہادت	۲۹
۶۹	مبتدع کے پیچھے نماز	۳۰
۷۰	مبتدع کی ولایت	۳۱

صفحہ	عنوان	فقہ
۷۰	مبتدع کی نماز جنازہ	۳۲
۷۰	مبتدع کی توبہ	۳۳
۷۱	بدعت کے بارے میں مسلمانوں کی ذمہ داری	۳۴
۷۳	اہل بدعت کے تین مسلمانوں کی ذمہ داری	۳۵
۷۳	ازالہ بدعت کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراحل	۳۶
۷۴	مبتدع کے ساتھ معاملہ اور میل جول	۳۷
۷۴	مبتدع کی اہانت	۳۸

بدل

دیکھئے: ابدال

۷۵-۷۹	بدنہ	۹-۱
۷۵	تعریف	۱
۷۹-۷۶	اجمالی حکم	۹-۲
۷۶	الف: بدنہ کا پیشاب اور گوہر	۲
۷۶	ب: وضو ٹوٹنا	۳
۷۷	ج: بدنہ کا جوٹھا	۴
۷۷	د: اونٹ اور بکریوں کے باندھنے کی جگہ میں نماز	۵
۷۸	ھ: (ج میں) واجب ہونے والے دم	۶
۷۸	و: ہدی	۷
۷۸	ز: بدنہ کا ذبح	۸
۷۹	ح: دہیت: جان کا بدلہ دہیت	۹

۸۰-۸۳	بدو	۱۳-۱
۸۰	تعریف	۱

صفحہ	عنوان	فقہ
۸۰	بدو سے متعلق احکام	۲
۸۰	الف: باد یہ میں اذان	۳
۸۰	ب: جمعہ اور عیدین کا سقوط	۴
۸۱	ج: بتر بانی کا وقت	۵
۸۱	د: وظیفہ کا عدم استحقاق	۶
۸۲	ھ: دیہات والے شہر والوں کے عاقلہ میں داخل نہیں اور اسی طرح برعکس	۷
۸۲	و: دیہاتی کی امامت	۸
۸۲	ز: لا وارث بچہ کو دیہات منتقل کرنا اور اس کا حکم	۹
۸۲	ح: شہری کے خلاف دیہاتی کی شہادت	۱۰
۸۲	ط: حلال کھانے کی تعیین میں دیہات والوں کی عادات فیصل نہیں	۱۱
۸۳	ی: دیہات والوں میں سے عدت والی عورت کے کوچ کرنے کا حکم	۱۲
۸۳	ک: دیہاتی کا شہری ہو جانا	۱۳
۸۴-۸۳	بذر	۳-۱
۸۴	تعریف	۱
۸۴	اجمالی حکم	۲
۸۴	بحث کے مقامات	۳
۸۵-۸۵	بذر قہ	۲-۱
۸۵	تعریف	۱
۸۵	اجمالی حکم	۲
۸۸-۸۶	براءة	۹-۱
۸۶	تعریف	۱
۸۶	متعلقہ الفاظ: ابراء، مبارأة، استبراء	۲-۲
۸۷	اجمالی حکم	۵

صفحہ	عنوان	فقہہ
۸۸	بحث کے مقامات	۹
۸۹-۸۹	براجم	۲-۱
۸۹	تعریف	۱
۸۹	اجمالی حکم	۲
۹۰-۹۱	براز	۵-۱
۹۰	تعریف	۱
۹۰	متعلقہ الفاظ: غائظ، بول، نجات	۲-۲
۹۱	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۵
۹۱-۹۲	برود	۳-۱
۹۱	تعریف	۱
۹۱	متعلقہ الفاظ: ابراد	۲
۹۱	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۳
۹۲	برود	
	دیکھئے: میاہ	
۹۳-۹۳	بُر	۲-۱
۹۳	تعریف	۱
۹۳	اجمالی حکم	۲
۹۴-۹۸	بُر	۸-۱
۹۴	تعریف	۱
۹۴	اجمالی حکم	۲

صفحہ	عنوان	فقہ
۹۵	والدین کے ساتھ حسن سلوک	۳
۹۶	بر الاراحام (صلہ رحمی)	۴
۹۷	یتیموں، یتیموں اور غریبوں کے ساتھ بر	۵
۹۷	حج مبرور	۶
۹۷	فج مبرور	۷
۹۸	بر اہمیں (قسم پوری کرنا)	۸
۹۹-۱۱۰	پڑاوالدین	۱۵-۱
۹۹	تعریف	۱
۹۹	شرعی حکم	۲
۱۰۱	غیر مذہب والے والدین کی فرمانبرداری	۳
۱۰۳	ماں کی اطاعت اور باپ کی اطاعت کے درمیان تعارض	۴
۱۰۵	دارالحرب میں مقیم والدین و اقارب کے ساتھ حسن سلوک	۶
۱۰۵	حسن سلوک کس طرح کیا جائے؟	۷
۱۰۷	تجارت یا طلب علم کے لئے سفر کی خاطر والدین کی اجازت	۹
۱۰۷	نوافل کے ترک یا ان کو توڑنے میں والدین کی اطاعت کا حکم	۱۰
۱۰۸	فرض کفایہ کے ترک میں ان کی اطاعت کا حکم	۱۱
۱۰۸	بیوی کو طلاق دینے کے مطالبہ میں ان کی اطاعت کا حکم	۱۲
۱۰۸	ارتکاب معصیت یا ترک واجب کے امر میں ان کی اطاعت کا حکم	۱۳
۱۰۹	والدین کی نافرمانی اور دنیا و آخرت میں اس کی سزا	۱۴
۱۱۰	نافرمانی کی سزا	۱۵
۱۱۱-۱۱۲	برزہ	۴-۱
۱۱۱	تعریف	۱
۱۱۱	متعلقہ الفاظ: مخدہ (پردہ نشیں)	۲

صفحہ	عنوان	فقہہ
۱۱۱	اجمالی حکم	۳
۱۱۲	بحث کے مقامات	۴
۱۱۲ - ۱۱۲	برسام	۴-۱
۱۱۲	تعریف	۱
۱۱۲	متعلقہ الفاظ: منہ، جنون	۲
۱۱۳	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۴
۱۱۳ - ۱۱۳	برص	۶-۱
۱۱۳	تعریف	۱
۱۱۳	متعلقہ الفاظ: جذام، بہق	۲
۱۱۳	برص کے مخصوص احکام	
۱۱۳	برص کی وجہ سے فسخ نکاح میں خیار کا ثبوت	۳
۱۱۳	مسجد میں برص کے آنے کا حکم	۴
۱۱۵	برص سے مصافحہ اور معافیت	۵
۱۱۵	برص کی امامت کا حکم	۶
۱۱۵	برکتہ	
	دیکھئے: تشہد، تحیۃ	
۱۱۵	برکتہ	
	دیکھئے: میاء	
۱۱۷ - ۱۱۷	برناج	۴-۱
۱۱۷	تعریف	۱

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۱۶	متعلقہ الفاظ: رقم، انموزج	۲
۱۱۶	اجمالی حکم	۳
۱۱۸-۱۱۷	برید	۲-۱
۱۱۷	تعریف	۱
۱۱۸	بحث کے مقامات	۲
۱۱۸	بریتہ	
	دیکھئے: طلاق	
۱۱۸	بزا ق	
	دیکھئے: بصاق	
۱۱۹-۱۱۸	بساط الیمین	۳-۱
۱۱۸	تعریف	۱
۱۱۹	اجمالی حکم	۳
۱۳۰-۱۲۰	بسملہ	۱۲-۱
۱۲۰	تعریف	۱
۱۲۰	بسملہ قرآن کریم کا جز ہے	۲
۱۲۲	بغیر پاکی کے بسم اللہ پڑھنے کا حکم	۴
۱۲۳	نماز میں بسم اللہ پڑھنا	۵
۱۲۶	بسم اللہ پڑھنے کے دوسرے مواقع	
۱۲۶	الف: بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت تسمیہ	۶

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۲۶	ب: وضو کے وقت تسمیہ	۷
۱۲۷	ج: وضو کے وقت تسمیہ	۸
۱۲۸	د: شکار پر تسمیہ	۹
۱۲۹	ه: کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا	۱۰
۱۲۹	و: تیمم کے وقت تسمیہ	۱۱
۱۲۹	ز: ہر اہم کام کے وقت تسمیہ	۱۲
۱۳۱-۱۳۳	بشارت	۵-۱
۱۳۱	تعریف	۱
۱۳۱	متعلقہ الفاظ: خبر جعل (معاوضہ)	۲
۱۳۱	اجمالی حکم	۳
۱۳۳	بحث کے مقامات	۵
۱۳۴-۱۳۵	بصاق	۴-۱
۱۳۴	تعریف	۱
۱۳۴	متعلقہ الفاظ: قہل، لعاب	۲
۱۳۴	اجمالی حکم	۳
۱۳۶-۱۳۷	بصر	۶-۱
۱۳۶	تعریف	۱
۱۳۶	اجمالی حکم	۲
۱۳۶	آنکھ پر جنائیت	۲
۱۳۶	نماز میں ادھر ادھر دیکھنا	۳
۱۳۷	نماز کے باہر دعا میں آسمان کی جانب نگاہ اٹھانے کا حکم	۴
۱۳۷	ایسی چیز سے نگاہ نیچی کرنا جو حرام ہے	۵
۱۳۷	بحث کے مقامات	۶

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۳۸	بضاعت	دیکھئے: اِبضاع
۱۳۸	بُضع	دیکھئے: فُرَج
۱۳۸-۱۴۱	ابطالۃ	۷-۱
۱۳۸	تعریف	۱
۱۳۸	اس کا شرعی حکم	۲
۱۳۹	توکل بے روزگاری کا دوائی نہیں	۳
۱۴۰	عبادت بے روزگاری کے لئے وجہ ہوا نہیں	۴
۱۴۰	بے روزگار کے نفقہ کے مطالبہ پر بے روزگاری کا اثر	۵
۱۴۰	زکاۃ کا مستحق ہونے میں بے روزگاری کا اثر	۶
	روزگار نہ ہونے کی وجہ سے حکومت اور معاشرہ کی جانب سے	۷
۱۴۱	بے روزگاروں کی کفالت	
۱۴۱-۱۴۵	ابطالۃ	۷-۱
۱۴۱	تعریف	۱
۱۴۲	متعلقۃ الفاظ: حاشیہ، اہل شوری	۲
۱۴۲	ابطالۃ سے متعلق احکام	
۱۴۲	اول: بطلان بمعنی انسان کے خواہ	۳
۱۴۲	صالح خواہ کا انتخاب	۴
۱۴۳	غیر مومنین میں سے خواہ کا انتخاب	۵
۱۴۴	دوم: کپڑے کا اندرونی حصہ	۶

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۴۴	ایسے کپڑے پر نماز جس کا اندرونی حصہ مپاک ہو	۶
۱۴۴	مرد کے لئے ایسے کپڑے پہننے کا حکم جس کا اندرونی حصہ مریشمی ہو	۷
۱۴۵ - ۱۶۳	بطلان	۱ - ۳۰
۱۴۵	تعریف	۱
۱۴۶	متعلقہ الفاظ: فساد، صحت، انعقاد	۲ - ۴
	دنیا میں تصرف کے بطلان اور آخرت میں اس کے اثر کے	۵
۱۴۶	بطلان کے درمیان تلازم کا نہ ہونا	
۱۴۸	جان بوجھ کر یا لاعلمی میں باطل تصرف پر اقدام کا حکم	۷
۱۴۹	باطل عمل کرنے والے پر نکیر کرنا	۹
۱۴۹	بطلان اور فساد کے درمیان فرق میں اختلاف اور اس کا سبب	۱۰
۱۵۱	تجزیی بطلان	۱۳
۱۵۲	کوئی شی باطل ہو تو جو اس کے ضمن میں ہے اور جو اس پر مبنی ہے وہ بھی باطل ہوگا	۱۶
۱۵۴	باطل عقد کو صحیح بنانا	۱۸
۱۵۵	طویل مدت گزرنے یا حاکم کے فیصلہ سے باطل صحیح نہیں ہوگا	۲۲
۱۵۷	بطلان کے آثار	
۱۵۷	اول: عبادات میں	۲۴
۱۵۸	دوم: معاملات میں بطلان کا اثر	۲۵
۱۵۹	ضمان	۲۶
۱۶۰	نکاح میں بطلان کا اثر	۲۸
۱۶۱	الف - مہر	۲۹
۱۶۲	ب - عدت اور نسب	۳۰
۱۶۳	بعض	

دیکھئے: بعضیہ

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۶۷-۱۶۴	بعضیہ	۹-۱
۱۶۴	تعریف	۱
۱۶۴	متعلقہ الفاظ	۲
۱۶۷-۱۶۴	اجمالی حکم	۹-۳
۱۶۴	طہارت کے باب میں	۳
۱۶۵	نماز کے باب میں	۴
۱۶۶	زکاۃ کے باب میں	۵
۱۶۶	صدقہ فطر کے باب میں	۶
۱۶۶	طلاق، طہار اور آزادی غلام کے باب میں	۷
۱۶۶	شہادت کے باب میں	۸
۱۶۷	بعضیت کی وجہ سے غلام کی آزادی	۹
۱۶۸-۱۶۷	بغاء	۲-۱
۱۶۷	تعریف	۱
۱۶۸	زانیہ عورت کے مہر لینے کا حکم	۲
۱۶۷-۱۶۸	بغاة	۳۹-۱
۱۶۸	تعریف	۱
۱۶۹	متعلقہ الفاظ: خوارج، مجاہدین	۳-۲
۱۷۰	بھی کا شرعی حکم	۴
۱۷۱	بغاوت کے تحقق کی شرطیں	۶
۱۷۲	کس امام کے خلاف خروج بغاوت ہے	۷
۱۷۲	بغاوت کی علامات	۸
۱۷۳	اہل فتنہ سے ہتھیار کی فروختگی	۹
۱۷۴	باغیوں کے تین امام کی ذمہ داری	۱۰

صفحہ	عنوان	فقہہ
۱۷۴	الف: قتال سے پہلے	۱۰
۱۷۶	ب: باغیوں سے قتال	۱۱
۱۷۸	باغیوں سے جنگ میں معاونت	۱۲
۱۷۹	باغیوں سے قتال کی شرائط اور اس کے امتیازات	۱۳
۱۷۹	باغیوں سے قتال کی کیفیت	۱۴
۱۸۱	برسر پیکار باغی عورت	۱۵
۱۸۱	باغیوں کے اموال کو غنیمت بنانا، ان کو ضائع کرنا اور ان کا ضمان	۱۶
۱۸۲	اہل عدل کا باغیوں کو نقصان پہنچانا	۱۷
۱۸۲	باغیوں کا اہل عدل کو نقصان پہنچانا	۱۸
۱۸۳	باغی مقتولین کا مسئلہ کرنا	۱۹
۱۸۴	باغی قیدی	۲۰
۱۸۵	قیدیوں کا فدیہ	۲۱
۱۸۵	باغیوں سے مصالحت	۲۲
۱۸۶	کن باغیوں کا قتل جائز نہیں	۲۳
۱۸۶	قدرت کے باوجود جنگ نہ کرنے والوں کا باغیوں کے ساتھ شریک ہونا	۲۵
۱۸۷	باغیوں میں سے محرم سے قتال کا حکم	۲۶
۱۸۸	مقتول باغی سے عادل کی وراثت اور اس کے برعکس	۲۷
۱۸۹	باغیوں سے قتال کے لئے کن اسلحوں کا استعمال جائز ہے	۲۸
۱۸۹	باغیوں کا ان سے مقبوضہ ہتھیار سے مقابلہ	۲۹
۱۹۰	باغیوں سے قتال میں شرکیں سے مدد	۳۰
۱۹۰	باغیوں سے معرکہ کے مقتولین اور ان کی نماز جنازہ	۳۱
۱۹۱	باغیوں کی باہمی لڑائی	۳۲
۱۹۲	باغیوں کا کفار سے مدد لینا	۳۳
۱۹۳	باغی کو عادل کی جانب سے امان فراہم کرنا	۳۴
۱۹۳	باغیوں کے امام کے تصرفات	۳۵

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۹۳	الف: زکاۃ، جز یہ عشر اور خراج کی وصولی	۳۵
۱۹۵	ب: باغیوں کا فیصلہ اور اس کا نفاذ	۳۶
۱۹۶	ج: باغی تناضی کا خط عادل تناضی کے نام	۳۷
۱۹۶	د: باغیوں کا اجرائے حدود اور ان پر حدود کا وجوب	۳۸
۱۹۷	باغیوں کی شہادت	۳۹

۱۹۷	بھی	دیکھئے: بغاۃ
-----	-----	--------------

۱۹۸-۲۰۶	بقر	۱-۱۷
۱۹۸	تعریف	۱
۱۹۸	گائے کی زکاۃ	۲
۱۹۸	بقر میں وجوب زکاۃ کی شرائط	۳
۱۹۹	چرنے کی شرط	۴
۱۹۹	جنگلی گائے پر زکاۃ	۵
۲۰۰	پالتو اور جنگلی سے مل کر پیدا ہونے والے جانوروں کی زکاۃ	۶
۲۰۰	گائے کی زکاۃ میں سال گزرنے کی شرط	۷
۲۰۱	نسب مکمل ہونے کی شرط	۸
۲۰۲	قربانی میں کافی ہونے والے جانور	۱۰
۲۰۳	ہڈی میں گائے	۱۲
۲۰۴	تھلید (قلاوہ ڈالنے) کا حکم	۱۳
۲۰۴	گائے کا ذبح	۱۴
۲۰۴	سواری کے لئے گائے کا استعمال	۱۵
۲۰۵	گائے کا پیشاب اور گوہر	۱۶
۲۰۵	دیت میں گائے کا حکم	۱۷

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۰۶-۲۱۵	بکاء	۱-۱۹
۲۰۶	تعریف	۱
۲۰۷	متعلقہ الفاظ: صیاح، صراخ، نباح، ندب، نحب یا نحبیب، عویل	۲-۶
۲۰۷	بکاء کے اسباب	۷
۲۰۷	مصیبت میں رونے کا شرعی حکم	۸
۲۰۸	اللہ کے خوف سے رونا	۹
۲۱۰	نماز میں رونا	۱۲
۲۱۱	قرآن پڑھتے وقت رونا	۱۳
۲۱۲	موت کے وقت اور اس کے بعد رونا	۱۴
۲۱۳	قبر کی زیارت کے وقت رونا	۱۵
۲۱۴	رونے کے لئے عورتوں کا جمع ہونا	۱۶
۲۱۴	ولادت کے وقت بچہ کے رونے کا اثر	۱۷
۲۱۴	کنواری لڑکی کا شادی کے لئے اجازت طلبی کے وقت رونا	۱۸
۲۱۵	آدمی کا رونا کیا اس کے صدق گفتاری کی علامت ہے؟	۱۹

۲۱۶-۲۲۳	بکارة	۱-۱۳
۲۱۶	تعریف	۱
۲۱۶	متعلقہ الفاظ: عذرة، شیوہ، بت	۲-۳
۲۱۷	اختلاف کے وقت بکارت کا ثبوت	۴
۲۱۷	عقد نکاح میں بکارت کا اثر	۵
۲۱۷	کنواری عورت کی اجازت کس طرح ہوگی	۵
۲۱۸	ولی کی شرط یا عدم شرط	۷
۲۱۹	بکارت کے باوجود اجبار کب ختم ہوگا؟	۸
۲۱۹	شوہر کی جانب سے زوجہ کی بکارت کی شرط	۹
۲۲۱	حکمی بکارت، نیز اجبار اور عورت کی اجازت کی معرفت میں اس کا اثر	۱۰

صفحہ	عنوان	فقہہ
۲۲۱	بغیر جماع کے بالقصد پردہ بکارت زائل کرنا اور اس کا اثر	۱۱
۲۲۲	جماع کے بغیر انگلی سے بکارت دور کر دینے کی صورت میں مہر کی مقدار	۱۲
۲۲۲	بکارت کا دعویٰ اور قسم لینے پر اس کا اثر	۱۳
۲۲۳	بلاغ	
	دیکھئے: تبلیغ	
۲۲۶-۲۲۴	بلعوم	۴-۱
۲۲۴	تعریف	۱
۲۲۴	بلعوم سے متعلق احکام	۲
۲۲۴	الف: روزہ اور اس کو توڑنے سے متعلق احکام	۲
۲۲۴	ب: تذکیہ و نوح سے متعلق احکام	۳
۲۲۵	ج: جنایت سے متعلق احکام	۴
۲۲۶	بلغم	
	دیکھئے: نعامۃ	
۲۲۵-۲۲۶	بلوغ	۴۴-۱
۲۲۶	تعریف	۱
۲۲۶	متعلقہ الفاظ: کبر، ادراک، حلم و احتلام، امرہ وقت، اھد، رشد	۲-۷
۲۲۸	مرد، عورت اور منث میں بلوغ کی فطری علاماتیں	۸
۲۲۸	احتلام	۹
۲۲۸	انبات	۱۰
۲۳۰	عورت کی مخصوص علامات بلوغ	۱۵
۲۳۱	منث کی فطری علامات بلوغ	۱۷

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۳۲	عمر کے ذریعہ بلوغ	۲۰
۲۳۳	بلوغ کی ادنیٰ عمر جس سے قبل دعوائے بلوغ درست نہیں	۲۱
۲۳۳	بلوغ کا ثبوت	۲۲
۲۳۳	پہلا طریقہ: اقرار	۲۲
۲۳۴	دوسرا طریقہ: اذنیات	۲۳
۲۳۵	فقہاء کے نزدیک احکام شرعیہ کے لزوم کے لئے بلوغ شرط ہے	۲۴
۲۳۶	جن احکام کے لئے بلوغ شرط ہے	۲۵
۲۳۶	الف: جن کے وجوب کے لئے بلوغ شرط ہے	۲۵
۲۳۷	ب: جن احکام کی صحت کے لئے بلوغ شرط ہے	۲۶
۲۳۷	بلوغ سے ثابت ہونے والے احکام	۲۷
۲۳۷	اول: طہارت کے باب میں	۲۸
۲۳۷	اعادۃ تیمم	۲۸
۲۳۸	دوم: نماز کے باب میں	۲۹
۲۳۹	سوم: روزہ	۳۲
۲۴۰	چہارم: زکاۃ	۳۵
۲۴۱	پنجم: حج	۳۶
۲۴۲	ششم: خیار بلوغ	۳۹
۲۴۲	بچپن میں لڑکی یا لڑکے کی شادی پر اختیار	۳۹
۲۴۴	ہفتم: بلوغ کی وجہ سے ولایت علیٰ انفس کا اختتام	۴۳
۲۴۵	ہشتم: ولایت علیٰ المال	۴۴
۲۴۶-۲۵۳	بناء	۲۵-۱
۲۴۶	تعریف	۱
۲۴۶	متعلقہ الفاظ: ترمیم، عمارۃ، اصل، عقار	۵-۲
۲۴۷	اجمالی حکم	۶

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۴۷	اول: بناء (بمعنی مکان بنانا)	۶
۲۴۷	مکان کی تعمیر کا ولیہ	۷
۲۴۸	بناء کے احکام	۸
۲۴۸	الف: کیا عمارت منقولہ اشیاء میں ہے؟	۸
۲۴۸	ب: عمارت پر قبضہ	۹
۲۴۸	ج: ہنر وخت شدہ مکان میں شفعہ	۱۰
۲۴۸	د: مباح زمینوں میں تعمیر	۱۱
۲۴۹	ھ: زمین کو تعمیر کے لئے قبضہ میں لینا	۱۲
۲۴۹	و: غصب کی ہوئی اراضی میں تعمیر	۱۳
۲۴۹	ز: کرایہ کی زمین پر تعمیر	۱۴
۲۵۰	ح: عاریۃ لی ہوئی زمین میں تعمیر	۱۵
۲۵۱	ط: موقوفہ اراضی میں تعمیر	۱۶
۲۵۱	ی: مساجد کی تعمیر	۱۷
۲۵۱	ک: نجاست آمیز اینٹ سے تعمیر	۱۸
۲۵۲	ل: قبروں پر تعمیر	۱۹
۲۵۲	م: مشترکہ مقامات پر تعمیر	۲۰
۲۵۲	ن: حمام کی تعمیر	۲۱
۲۵۲	دوم: عبادات میں بناء	۲۲
۲۵۳	نماز میں بھول جانے والے کا اپنے یقین پر بناء کرنا	۲۳
۲۵۳	جمعہ کے خطبہ میں بناء	۲۴
۲۵۳	طواف میں بناء	۲۵
۲۵۳	بناء یا لزوجہ	

دیکھئے: دخول

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۵۳	بناء فی العبادات	دیکھئے: استخفاف
۲۵۳	بنان	دیکھئے: اصبع
۲۵۵-۲۵۴	بنت	۶-۱
۲۵۴	تعریف	۱
۲۵۴	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۲
۲۵۴	الف۔ نکاح	۲
۲۵۴	نکاح میں ولایت	۴
۲۵۴	ب۔ بیٹی کی وراثت	۵
۲۵۵	ج۔ نفقہ	۶
۲۵۶-۲۵۵	بنت الابن	۴-۱
۲۵۵	تعریف	۱
۲۵۵	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۲
۲۵۵	نکاح	۲
۲۵۶	زکاۃ	۳
۲۵۶	فرائض	۴
۲۵۶	بنت لبون	دیکھئے: ابن لبون

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۵۶	بنت مخاض	دیکھئے: ابن مخاض
۲۵۸-۲۵۷	بخ	۷-۱
۲۵۷		۱ تعریف
۲۵۷		۲-۳ متعلقہ الفاظ: ایون، شیشہ
۲۵۷		۴ بھنگ استعمال کرنے کا شرعی حکم
۲۵۷		۵ بھنگ استعمال کرنے کی سزا
۲۵۸		۶ بھنگ کی طہارت کا حکم
۲۵۸		۷ بحث کے مقامات
۲۵۸	بندق	دیکھئے: صید
۲۵۸	بنوة	دیکھئے: ابن
۲۵۸	بہتان	دیکھئے: افتراء
۲۵۸	بہیمۃ	دیکھئے: حیوان
۲۵۸	بول	دیکھئے: قضاء الحاجۃ

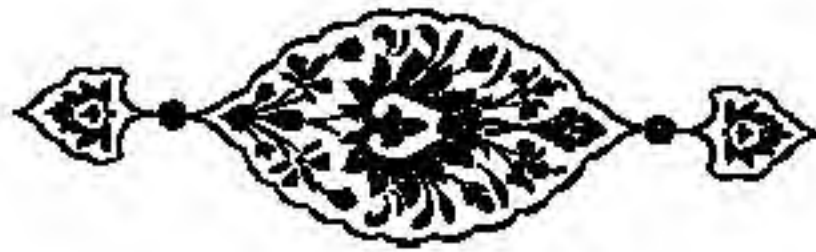
صفحہ	عنوان	فقہہ
۲۵۹	بیات	دیکھئے: بیوتہ
۲۵۹-۲۶۵	بیان	۱-۱۵
۲۵۹	تعریف	۱
۲۶۰	متعلقہ الفاظ: تفسیر، تاویل	۲-۳
۲۶۰	اصولیین کے نزدیک بیان سے متعلق احکام	۴
۲۶۰	قول اور فعل کے ذریعہ بیان	۴
۲۶۱	بیان کے انواع	۵
۲۶۱	بیان تقریر	۶
۲۶۱	بیان تفسیر	۷
۲۶۲	بیان تغیر	۸
۲۶۲	بیان تبدل	۹
۲۶۲	بیان ضرورت	۱۰
۲۶۳	ضرورت کے وقت سے بیان کی تاخیر	۱۱
۲۶۴	فقہاء کے نزدیک بیان سے متعلق احکام	۱۲
۲۶۴	اقرار کردہ مجہول شی کا بیان	۱۳
۲۶۵	مبہم طلاق میں بیان	۱۴
۲۶۵	غلام کی مبہم آزادی کا بیان	۱۵
۲۶۶-۲۷۴	بیت	۱-۱۶
۲۶۶	تعریف	۱
۲۶۶	متعلقہ الفاظ: دار، منزل	۲-۳
۲۶۷	گھر کی چھت پر رات گزارنا	۴
۲۶۷	بیت سے متعلق احکام	۵

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۶۷	الف: بیع	۵
۲۶۷	ب: خیاری بیع	۶
۲۶۸	ج: شفعہ	۷
۲۶۸	د: اجارہ	۸
۲۶۹	گھر کی چیزوں میں پڑوسی کے حق کی رعایت	۹
۲۶۹	گھروں میں داخل ہونا	۱۰
۲۷۰	گھر میں داخل ہونے کی اباحت	۱۱
۲۷۱	اپنے گھر میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے کی دعا	۱۲
۲۷۱	گھر میں مرد اور عورت کی فرض نماز	۱۳
۲۷۳	گھر میں نفل نماز	۱۴
۲۷۳	گھر میں اعتکاف	۱۵
۲۷۴	گھر میں رہنے کی قسم کا حکم	۱۶
۲۷۶-۲۷۴	البیت الحرام	۲-۱
۲۷۴	تعریف	۱
۲۷۵	اجمالی حکم	۲
۲۷۵	بیت الخلاء	
	دیکھئے: قضاء الحاجة	
۲۸۱-۲۷۵	بیت الزوجیۃ	۱۰-۱
۲۷۵	تعریف	۱
۲۷۵	بیوی کی رہائش میں ملحوظہ امور	۲
۲۷۶	بیوی کے گھر کے لئے شرائط	۳
۲۷۸	بیوی کے گھر میں شیر خوار بچہ کی رہائش	۴

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۷۸	بیوی کے لئے اپنے مخصوص گھر سے نکلنے کی اجازت	۵
۲۷۸	الف: اپنے گھر والوں سے ملاقات	۵
۲۷۹	ب: عورت کا سفر کرنا اور رہائشی گھر سے باہر رات گزارنا	۶
۲۸۰	ج: اعتکاف	۷
۲۸۰	د: محرم کی دیکھ رکھ	۸
۲۸۰	ھ: ضروریات کی تکمیل کے لئے ٹھکانا	۹
۲۸۱	رہائشی گھر میں رہائش سے بیوی کے انکار کے اثرات	۱۰
۲۸۲-۳۰۲	بیت المال	۲۹-۱
۲۸۲	تعریف	۱
۲۸۳	اسلام میں بیت المال کا آغاز	۳
۲۸۴	بیت المال کے اموال میں تصرف کا اختیار	۵
۲۸۵	بیت المال کے فرائع آمدنی	۶
۲۸۸	بیت المال کے شعبے اور ہر شعبہ کے مصارف	۷
۲۸۸	پہلا شعبہ: زکاۃ کا شعبہ	۸
۲۸۸	دوسرا شعبہ: خس کا شعبہ	۹
۲۸۹	تیسرا شعبہ: لاوارث اموال کا شعبہ	۱۰
۲۸۹	چوتھا شعبہ: فنی کا شعبہ	۱۱
۲۹۰	مال فنی کے مصارف	۱۲
۲۹۲	بیت المال کے اخراجات میں ترجیحات	۱۴
۲۹۲	بیت المال میں زائد اموال	۱۵
۲۹۵	اگر بیت المال سے حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکے	۱۶
۲۹۶	بیت المال پر دیون کے سلسلہ میں امام کے تصرفات	۱۷
۲۹۶	بیت المال کے اموال کا فروغ اور ان میں تصرف	۱۸
۲۹۷	جاگیر دے کر مالک بنادینا	۱۹

صفحہ	عنوان	فقرہ
۲۹۸	انتفاع و استفادہ کے لئے جاگیر دینا	۲۰
۲۹۹	بیت المال کی جائیداد کا وقف	۲۱
۲۹۹	بیت المال کے حقوق بیت المال میں لانے سے قبل ملکیت میں دے دینا	۲۲
۲۹۹	بیت المال کے دیون	۲۳
۲۹۹	بیت المال کا انتظام اور اس کا بگاڑ	۲۴
۳۰۱	بیت المال کے موال پر زیادتی	۲۶
۳۰۲	بیت المال کے موال کے سلسلہ میں مقدمہ	۲۷
۳۰۲	ولایت کی نگرانی اور مصلحتیں کا محاسبہ	۲۸
۳۰۲-۳۰۴	بیت المقدس	۲-۱
۳۰۴	تعریف	۱
۳۰۴	اجمالی حکم	۲
۳۰۴	بیت النار	
	دیکھئے: معابد	
۳۰۴	بیوتہ	
	دیکھئے: تہبیت	
۳۰۵-۳۱۰	بیض	۱۰-۱
۳۰۵	تعریف	۱
۳۰۵	انڈے سے متعلق احکام	۲
۳۰۵	ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے انڈے	۲
۳۰۵	جلالہ (نجاست کھانے والا جانور) کے انڈے	۳
۳۰۵	نجس پانی میں انڈے بانا	۴
۳۰۶	خراب انڈے (جو عام صورت میں خراب ہو جائے)	۵
۳۰۶	موت کے بعد نکلنے والے انڈے	۶

صفحہ	عنوان	فقہ
۳۰۶	انڈے کی فروختگی	۷
۳۰۸	انڈے میں بیج سالم	۸
۳۰۸	حرم میں اور حالت احرام میں انڈے پر زیادتی	۹
۳۱۰	انڈے کو غصب کرنا	۱۰
۳۱۱-۳۱۰	بیٹہ	۲-۱
۳۱۰	تعریف	۱
۳۱۰	شرعی حکم	۲
۳۲۸-۳۱۵	تراجم فقہاء	



موسوعه فقهيہ

بِرّ

دیکھئے: ”آبار“۔

باءۃ

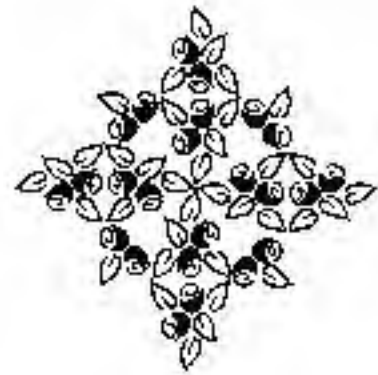
تعریف:

۱- ”الباءۃ“ لغت میں نکاح کو کہتے ہیں^(۱)، یہ جماع (مباشرت) سے کنایہ ہے، یا تو اس لئے کہ عام طور پر یہ عمل گھر میں ہوتا ہے یا اس لئے کہ مرد اپنی زوجہ پر قابو یافتہ ہوتا ہے جس طرح اپنے گھر پر قابو یافتہ ہوتا ہے^(۲)۔

حدیث شریف میں ہے: ”یا معشر الشباب! من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فإنہ أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فإنہ له وجاء“^(۳) (اے نوجوانو! تم میں سے جس کے اندر نکاح کی استطاعت ہو وہ شادی کر لے کہ یہ پست نگاہی اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اور جو اس کی استطاعت نہیں رکھتا ہو وہ روزہ رکھے کہ روزہ اس کے لئے توڑ ہے)۔
 شارح منہاج لکھتے ہیں: الباءۃ نکاح کے اخراجات کا نام ہے^(۴)۔

متعلقہ الفاظ:

۲- الف - ”الباء“ طلی کرنے کے معنی میں ہے۔



(۱) لسان العرب، المخطوۃ مادہ ”بوا“۔

(۲) المصباح الممیر: مادہ ”باء“۔

(۳) حدیث: ”یا معشر الشباب.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۹/۱۱۳ طبع

الترغیب) اور مسلم (۲/۱۰۱۸ طبع المجلس) نے کی ہے۔

(۴) المجلس علی الصہاح بحاشیہ قلیوبی و میرہ ۳/۲۰۶ طبع مکتفی المجلس۔

باءۃ ۳، بادی

ایسے شخص کے نکاح کی بابت فقہاء کی رائیں مختلف ہیں جس کے پاس نکاح کی استطاعت تو ہو لیکن وطی کی رغبت و شوق دل میں نہ ہو، بعض فقہاء کے نزدیک اس کے لئے نکاح افضل ہے (۱)، اور دوسرے فقہاء کی رائے میں عبادت کے لئے یکسوئی اس کے حق میں افضل ہے (۲)۔

اس موضوع کی تفصیلات فقہاء کرام کتاب النکاح کے آغاز میں بیان کرتے ہیں۔

بادی

دیکھئے: ”بدو“۔



ب۔ ”أهبة النکاح“: یعنی نکاح کے اخراجات مہر وغیرہ پر قدرت، پس یہ ”الباءۃ“ کے معنی میں ہوا ان حضرات کی رائے کے مطابق جو حدیث بالا کی تشریح اس معنی سے کرتے ہیں (۱)۔

اجمالی حکم:

۳۔ ”الباءۃ“: بمعنی وطء کے احکام اسی موضوع کے تحت دیکھے جاسکتے ہیں، دیکھئے: اصطلاح ”وطء“۔

اگر اسے اخراجات نکاح کے معنی میں لیا جائے تو جس شخص کے پاس یہ اخراجات ہوں اور اس کے اندر وطی کی رغبت ہو اور حرام کے ارتکاب کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لئے نکاح مستحب ہے (۲)، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج۔۔۔“۔

لیکن اگر حرام کا ارتکاب یقینی ہو تو ایسے شخص پر نکاح فرض ہے، کیونکہ اپنی پاکدامنی اور حرام سے اپنا تحفظ اس پر لازم ہے، ابن عابدین فرماتے ہیں: جس چیز کے بغیر ترک حرام تک رسائی ممکن نہ ہو وہ چیز فرض ہوگی (۳)۔

اگر استطاعت نکاح پائی جائے لیکن اسے کوئی مرض ہو جیسے بڑھاپا وغیرہ، تو بعض فقہاء نے ایسے شخص کے لئے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے (۴)، اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک عورت کو نقصان پہنچانے کی وجہ سے نکاح حرام ہے (۵)۔

(۱) المحلی علی المہاج بحاشیہ قلیوبی و عمیرہ ۲/۳۶۱، لوطاب ۳/۳۰۳۔

(۲) سابقہ مراجع، المغنی ۶/۳۳۶۔

(۳) المغنی ۶/۳۳۶، ابن عابدین ۲/۲۶۰، شرح المہاج بحاشیہ قلیوبی ۲/۳۶۱۔

۲/۳۶۱۔

(۴) المحلی علی المہاج ۳/۲۰۷۔

(۵) المواق ہاشم لوطاب ۳/۳۰۳۔

(۱) المغنی ۶/۳۳۸۔

(۲) حوالہ سابق، المحلی علی المہاج ۳/۲۰۶۔

بازلتہ

باسور

تعریف:

۱- ”بزول“ کا ایک معنی لغت میں ”شق“ (پھاڑنا) ہے، کہا جاتا ہے: ”بزول الرجل الشی یبزله بزلاً“، یعنی اس شق کو پھاڑ دیا، بازلتہ ایک قسم کا زخم ہے جو جلد کو پھاڑ دیتا ہے، کہا جاتا ہے: ”انبزول الطلع“ کلی کھل گئی (۱)۔

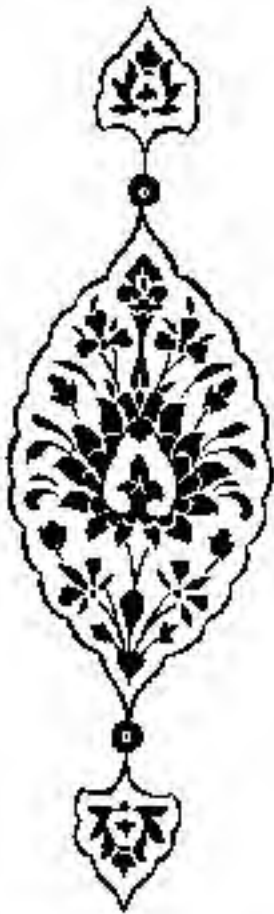
فقہاء کی اصطلاح میں ”بازلتہ“ وہ زخم ہے جو کھال کو پھاڑ دے اور اس سے خون بہہ جائے، بعض فقہاء بشمول حنفیہ اسے ”وامعۃ“ کہتے ہیں کہ ومعین (آنکھ کے آنسو) کی مانند اس سے بھی کم خون نکلتا ہے، اسے ”وامیۃ“ بھی کہا گیا ہے۔

اجمالی حکم:

۲- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ ”بازلتہ“ (زخم) خواہ جان بو جھ کر ہو یا انجانے، اس میں ”حکومت عدل“ (ماہرین جو اس کا معاوضہ طے کر دیں) واجب ہے، مالکیہ کے نزدیک اگر عدا ہوا ہے تو اس میں قصاص ہے، چونکہ ”بازلتہ“ جنایات کے باب میں زخم کی ایک قسم ہے، اس لئے فقہاء نے قصاص اور دیات کے ابواب میں اس پر گفتگو کی ہے، جنایات اور دیات کے ابواب میں اس کی تفصیل ملے گی (۲)۔

(۱) لسان العرب: مادہ ”بزول“۔

(۲) الاختیار ۵/۳۱، جامعہ الدسوقی ۳/۲۵۱، جوہر لا طیل ۲/۵۹، شرح روض الطالب ۳/۲۲، قلیوبی ۳/۱۱۳، المغنی ۸/۵۳ طبع استودیہ



باضعة

تعریف:

۱- لغت میں ”بضع“ کا ایک معنی ہے پھاڑنا، کہا جاتا ہے: ”بضع الرجل الشيء يبضعه“ جب کہ آدمی چیز کو پھاڑ دے، اسی سے ”باضعة“ ہے، یہ وہ زخم ہے جو کھال کے بعد گوشت کو پھاڑ دے لیکن ہڈی تک نہ پہنچے، اور نہ ہی اس سے خون بہے^(۱)۔
اجمالی حکم:

۲- ”باضعة“ سر کے زخم کی ایک قسم ہے، اس کے حکم سے متعلق فقہاء نے جنایات اور دیات کے باب میں گفتگو کی ہے، اس کی تفصیلات بھی ان ہی دونوں بابوں میں ملے گی۔

چنانچہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ ”باضعة“ میں عمدہ وغیر عمدہ کی صورت میں ”حکومت عدل“ ہے، اس کی مقدار وہ ہوگی جسے اہل تجربہ جنایت کے عوض کے بطور متعین کر دیں جو اصل متاثرہ عضو کی دیات سے زائد نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں: عمدہ کی صورت میں اس میں قصاص ہوگا^(۲)۔



باطل

دیکھئے: ”بطان“۔

باغی

دیکھئے: ”بغاة“۔

(۱) لسان العرب: مادہ ”بضع“۔

(۲) الاختیار ۳۱/۵ طبع دار المعرفۃ، جامعۃ الدینوی ۲۵۱/۳، جوہر للکلیل ۲۵۹/۲ طبع البان شرح المروض ۲۲/۳ طبع المکتب الاسلامی، قلیوبی ۱۱۳/۸، المغنی ۵۳/۸ طبع المریض۔

النبیۃ کا معنی ہے نیت کو پختہ کر دیا (۱)۔

فقہ میں ان الفاظ کے معانی لغوی معانی سے مختلف نہیں ہیں، البتہ شافعیہ لفظ ”النبیۃ“ سے طلاق کو رجعی قرار دیتے ہیں اگر مطلقہ مدخول بہا ہو، اور شوہر نے تین طلاق سے کم کی نیت کی ہو (۲)۔

جیسا کہ فقہاء خیار سے عقد کے خالی ہونے کی تعبیر لفظ ”البت“ سے کرتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”البيع علی البت“ (۳) خیار سے خالی بیع۔

اور یہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اسی طرح جس معتدہ کو تین طلاق دی گئی ہو یا اس کے اور شوہر کے درمیان محبوب اور منین وغیرہ ہونے کی وجہ سے تفریق کر دی گئی ہو اس کو ”معتلة البت“ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ بعینہ کے برخلاف ہے (۴)۔

اجمالی حکم:

۲- مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ”ہی بتہ“ کہہ کر طلاق دی تو تین طلاق واقع ہوگی، اس لئے کہ اس نے اپنی بیوی کو ایسے لفظ سے طلاق دی ہے جو بیونہ (جدائی) کا متقاضی ہے، اور ”البت“ کا ثنا ہے، کو یا اس نے نکاح کو بالکلیہ ہی کاٹ دیا، انہوں نے اس پر عمل صحابہ سے استدلال کیا ہے (۵)۔

(۱) تاج العروس، المرجع للحدیثی (المرآت)، تہذیب و اسماء والصفات، ۱/۱۸۳، المرہر ص ۳۲۳، المصباح للمیر: مادہ ”بت“۔

(۲) ابن ماجہ ص ۳۹۲، جوہر الاکلیل ۱/۵۳، الشروانی ۸/۷۸-۷۹، مختصر امرنی مع ۱/۳۳، طبع اول، ۱۶۲/۳، طبع اول، قلیوبی ۳۲۵، المغنی ۷/۱۲۸، ۹/۲۳۰، طبع سوم۔

(۳) الدسوقی ۱۶/۳، طبع مجلس۔

(۴) البحر الرائق ص ۱۶۳، ابن ماجہ ص ۲۷۱۔

(۵) جوہر الاکلیل ۱/۳۲۵، المغنی ۷/۱۲۸، طبع المریض۔

بتات

تعریف:

۱- لغت میں ”بتات“ کے معنی ہیں جڑ سے کاٹنا، کہا جاتا ہے: ”بتت الحبل“ یعنی میں نے رسی کو پوری طرح سے کاٹ دیا، اور کہا جاتا ہے: ”طلّقها ثلاثاً بنة وبتاتاً“ (اس نے اسے تین بنة طلاق دی) یعنی کاٹ دینے والی، جد کر دینے والی، اس کا مطلب اس طرح کاٹنا ہے جس میں رجوع نہ ہو، اسی طرح کہا جاتا ہے: ”الطّلقۃ الواحده تبتّ تبتّ“ یعنی ایک طلاق نکاح کے رشتہ کو کاٹ دیتی ہے جبکہ عدت گزر جائے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”حلف علی ذلک یمیناً بتاً وبتة وبتاتاً“ اس نے فلاں چیز پر ایسی قسم کھائی جس کو پورا ہی کر دیا۔

”بتات“ ہی کی طرح لفظ ”بتّ“ بھی ہے اور یہ ”بتّ“ فعل کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے: اس نے کاٹ دیا، کہا جاتا ہے: ”بت الرجل طلاق امرأته، وبت امرأته“ جب اپنی بیوی کو رجعت سے کاٹ دے، اور ”أبت طلاقها“ کا بھی یہی معنی ہے۔

اسی طرح دونوں فعل ”بتّ“ اور ”أبت“ لازم استعمال ہوتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”بت طلاقها“ اور ”أبت“ اور ”طلاق بات وبتت“، اسی طرح ”بتّ“ لازم کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”بت القاضي الحكم علیہ“ جب قاضی قطعی فیصلہ کر دے یعنی حکم کو لازم کر دے، اور ”بتّ

ہیات ۳

”شہادۃ“ کے باب میں فقہاء نے ”بینۃ البت“ کا ذکر کیا ہے جس کے مقابلہ میں ”بینۃ السماع“ ہے، اور کب پہلا بینۃ دوسرے پر مقدم ہوگا (۱)۔
اور بیع کے باب میں ”البیع علی البت“ کا تذکرہ خیروالی بیع کے مقابلہ میں کیا ہے (۲)۔

حنفیہ کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اس لئے کہ اس نے طلاق کو ایسے لفظ سے بیان کیا جو جدائی کا احتمال رکھتا ہے (۱)، اور امام شافعی نے فرمایا: اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا، حنابلہ کی ایک روایت بھی یہی ہے، حنابلہ میں سے ابو الخطاب نے اسی کو اختیار کیا ہے (۲)۔

اس سلسلہ میں مکمل بحث کی جگہ ”کتاب الطلاق“ ہے۔

بحث کے مقامات:

۳- فقہاء نے ہیات - اور اس کے مثل بقیہ مصادر و مشتقات - پر کتاب الطلاق میں الفاظ طلاق کے سیاق میں گفتگو فرمائی ہے جیسا کہ گذرا۔

اسی طرح کتاب العدة میں ”معتدة البت“ اور اس پر سوگ منانے کے وجوب کے ذیل میں بھی گفتگو کی ہے (۳)۔

اور ظہار کے باب میں ذکر کرتے ہیں کہ جدائی بیوی پر لازم ہو جاتی ہے اگر شوہر نے اس سے کنایہ کے لفظ سے ظہار کیا اور اس سے طلاق مراد لی، اس سلسلہ میں مزید تفصیل بھی ہے (۴)۔

اور ”ایمان“ میں فقہاء ”الحلف علی البت“ کا معنی ذکر کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں ”الحلف علی العلم“ یا ”علی نفی العلم“ ہے، اور یہ ذکر کرتے ہیں کہ کس صورت میں قسم کھانے والے سے ”حلف علی البت“ لیا جائے گا (۵)۔



(۱) ابن عابدین ۳۴۹/۲۔

(۲) اشروانی ۸/۷۸-۷۹ طبع المیمیہ، مختصر المرونی ۳۸/۷۲ طبع اول، و ام ۱۶۲ اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی ۷/۱۲۸۔

(۳) البحر الرائق ۳/۶۳، ابن عابدین ۳/۶۱۷۔

(۴) المشرع المصغیر ۳/۶۳۹ طبع دار المعارف۔

(۵) المغنی ۹/۲۳۰ طبع دوم، ۱۲/۱۱۸ طبع اول، نیز دیکھئے قلیوبی ۳/۲۹۲۔

(۱) المشرع المصغیر ۳/۷۸ طبع دار المعارف۔

(۲) المدنی ۱۶/۱۶۔

والی دونوں ہڈیوں کا دھونا بھی واجب ہے، لہذا جب ایک ہڈی ختم ہوگئی تو دوسری دھوئی جائے گی، اور اگر دونوں کہنیوں کے اوپر سے کاٹا گیا ہو تو دھونا ہی ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ دھونے کا محل باقی نہیں رہا^(۱)۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ”وضو“ اور ”غسل“ کی اصطلاح۔

بتر

تعریف:

۱- لغت میں ”بتر“ کے معنی کسی چیز کو جڑ سے کاٹنا ہے، کہا جاتا ہے: ”بتر الذنب أو العضو“ جب دم یا عضو کو جڑ سے کاٹ دے، جیسا کہ اس لفظ کا اطلاق کسی چیز کو تمام کاٹنے پر بھی ہوتا ہے اس طور پر کہ اس عضو کا کچھ حصہ باقی رہ جائے۔

فقہاء کے نزدیک اس لفظ کا استعمال اصطلاحاً ان دونوں معنوں میں ہوا ہے، اور کبھی اس لفظ کا اطلاق ہر قسم کے کاٹنے پر بھی ہوتا ہے، اور اس معنی میں کہا جاتا ہے: ”سیف بتار“ یعنی کاٹنے والی تلوار۔

اجمالی حکم:

۲- کاٹنا یا تو بطور جنایت کے ظلماً ہوگا خواہ عمداً ہو یا خطاً، اور یہ حرام ہے، یا کسی حق کی وجہ سے ہوگا جیسے حد یا قصاص کے طور پر ہاتھ کاٹنا، یا بطور وسائل علاج ہوگا مثلاً ناسور میں مبتلا ہاتھ کا کاٹنا تاکہ بدن کے دوسرے حصہ میں بیماری سرایت نہ کر جائے۔

کٹے عضو کی طہارت:

۳- جس شخص کا ہاتھ کہنی کے نیچے سے کاٹا گیا ہو تو (وضو میں) فرض کی باقی ماندہ جگہ کو دھوئے گا، اور اگر کہنی ہی سے کاٹا گیا ہو تو اس ہڈی کو دھوئے گا جو بازو کے کنارہ پر ہے، اس لئے کہ کھائی اور بازو کی باہم ملنے

کسی ضرورت سے اعضاء کو کاٹنا:

۴- اگر پورے جسم میں بیماری کے پھیلنے کا اندیشہ ہو تو جسم کی حفاظت کے لئے فاسد عضو کو کاٹ دینا جائز ہے۔

تفصیل ”طب“ اور ”تداوی“ کی اصطلاحات میں دیکھی جائے۔

جنایات میں اعضاء کاٹنا:

۵- دوسرے کے اعضاء کو جان بوجھ کر ظلماً کاٹنے میں قصاص واجب ہوتا ہے، ان شرائط کے ساتھ جن کو قتل سے کم درجہ کی جنایت کے قصاص کی بحثوں میں بیان کیا گیا ہے، اور کبھی بعض ان مخصوص اسباب کی بنا پر قصاص سے گریز بھی کر لیا جاتا ہے جن کا ذکر متعلقہ مقام میں ملتا ہے۔

دیکھئے: اصطلاح ”قصاص“ اور ”جنایات“۔

رہی بات خطاً عضو کو کاٹنے کی تو اس صورت میں اس عضو کے لئے شریعت میں مقررہ دیت یا تاوان بالاتفاق واجب ہوگا، اس کی مقدار کاٹے گئے عضو کے فرق سے مختلف ہوگی^(۲)، دیکھئے: اصطلاح ”دیات“۔

(۱) ابن ماجہ ۱/۵۵، لخرشی ۱/۱۳۳ طبع بولاق وصادق قلیوبی ۱/۴۹۸، المغنی ۱/۱۳۳۔

(۲) ابن ماجہ ۵/۵۳، قلیوبی ۳/۱۳۵، المغنی ۱/۵۸۸، الدیوبی ۴/۲۵۳، طبع دار الفکر۔

جانور کے کٹے ہوئے اعضاء:

۶- زندہ ماکول اللحم جانور کے اعضاء میں سے جو حصہ کاٹ لیا گیا ہو وہ کھانے اور نجاست یا طہارت میں مردار کے حکم میں ہے، چنانچہ بکری کا کوئی حصہ کاٹ لیا گیا ہو یا اس کی ران کاٹ لی گئی ہو تو یہ حلال نہیں ہے، اور اگر کسی نے مچھلی کو مارا اور اس کا ایک حصہ کاٹ لیا تو اس کا کھانا حلال ہوگا، اس لئے کہ اس کا مردار بھی حلال ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ - وَهِيَ حَيَّةٌ - فَهُوَ كَمَيْتٍ“^(۱) (زندہ جانور کا جو حصہ کاٹ لیا گیا ہو وہ مردہ کی طرح ہے)۔

اس مسئلہ میں اختلاف اور تفصیل ہے جو اپنے مقام پر مذکور ہے، (دیکھئے: صید، ذبائح)۔

انسان کا جو عضو کاٹ دیا گیا ہو اس کے غسل، تکفین^(۲) اور تدفین کے واجب ہونے اور اس کی طرف دیکھنے کے مسئلہ میں اس کا حکم فی الجملہ مردہ انسان کے حکم کی مانند ہے، (دیکھئے: جنازہ)۔



بتراء

تعریف:

۱- ”بتر“ کا لغوی معنی ہے: کاٹنا، بکریوں میں ”بتراء“ نامکمل دم کٹی بکری کو کہتے ہیں، مادہ کو ”بتراء“ اور زکو ”بتر“ کہا جاتا ہے۔
اصطلاح میں اس کا معنی اس کے لغوی معنی سے مختلف نہیں ہے^(۱)۔

اجمالی حکم:

۲- علماء نے لفظ ”بتراء“ چکتی کٹی بکری کے لئے استعمال کیا ہے، چنانچہ انہوں نے ہدی اور قربانی کے باب میں اس کے تعلق سے گفتگو کی ہے، حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ”بتر“ ان عیوب میں سے ہے جو ہدی اور قربانی کی تکمیل میں مانع ہوتے ہیں۔
اور حنابلہ نے اس کو ایسا عیب نہیں شمار کیا ہے جو تکمیل میں مانع ہو^(۲)، (دیکھئے: اضحیہ اور ہدی)۔

(۱) حدیث: ”مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ.....“ کی روایت احمد (۲۱۸/۵) طبع المیہ (۲۳۹/۳) اور حاکم (۲۳۹/۳) طبع دائرة المعارف العثمانیہ نے کی ہے ذہبی نے اس کی تصحیح و موافقت کی ہے۔

(۲) ابن ماجہ میں ۱۳۸، ۵۸۰، الدرستی ۱/۵۳، قلیوبی ۱/۳۲۸، ۳۲۲، المغنی ۱/۷۳-۷۴، ۵۵۶/۸-۵۵۷، النووی ۱/۲۳۱-۲۳۲، شرح الروضہ ۱/۱۱۰-۱۱۱۔

(۱) المعصباح لسان العرب: مادہ ”بتر“۔

(۲) ابن ماجہ میں ۲۵۱/۲، ۲۰۶/۵، بدایۃ المجتہد ۱/۳۵۵، الخطاب ۳/۲۳۱، قلیوبی و عمیرہ ۳/۲۵۱، المغنی ۳/۵۵۲، ۵۵۵/۸-۶۲۵۔

پیانہ آور ہوتا ہے (۱)۔

حنفیہ اس طرف گئے ہیں کہ ”خمر“ انگور کا کچا پانی ہے جب وہ جوش مارے اور تیز ہو جائے اور جھاگ پھینک دے، اور یہی حرام لعینہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”حرمۃ الخمر لعینہا“ (۲) ”خمر“ لعینہ حرام ہے، اس کے علاوہ دیگر مشروبات حرام لعینہ نہیں ہیں۔

حنفیہ نے کہا: ”بتع“ کا پیا حرام نہیں ہوگا جب تک اس کا پینے والا اس سے نشہ میں نہ آتا ہو، پس جب نشہ کی حد تک پہنچ جائے تو حرام ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے ”بتع“ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کل شراب أسکر فہو حرام“، یعنی نشہ کی حد تک پی لے، لیکن انہوں نے اس کے پینے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ مکروہ مشروبات میں سے ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہ نے اس کے بارے میں فرمایا: ”البتع خمر یمانیہ“ (۳) ”بتع“ یعنی شراب ہے، ان کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اہل یمن اس کو نشہ کی حد تک پی لیا کرتے ہیں، اور جس کا پیا حلال ہو اس کی بیع بھی حلال ہے۔

اس کی تفصیلات فقہاء ”کتاب لا شربة“ میں بیان کرتے ہیں۔

بتع

تعریف:

۱۔ یمن میں شہد سے بنائی جانے والی نبیذ کو ”بتع“ کہتے ہیں (۱)۔

اجمالی حکم:

۲۔ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ ہر نشہ آور چیز ”خمر“ (شراب) ہے جس کا پیا اور فروخت کرنا حرام ہے، اس پر انہوں نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے: ”کل شراب أسکر فہو حرام“ (۲) (ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے حرام ہے)۔

نیز رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے کہ ”ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام“ (۳) (جس کی زیادہ مقدار کا پیا نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار پیا بھی حرام ہے)۔

اسی بنیاد پر (شہد کی بنی ہوئی نبیذ) ”بتع“ ان کے نزدیک حرام ہے، اس لئے کہ یہ ان مشروبات میں سے ہے جس کی زیادہ مقدار کا

(۱) لسان العرب، المغرب، عمدة القاری ۶/۲۲۲ اور اس کے بعد کے صفحات، طبع الممیر یب

(۲) حدیث: ”کل شراب أسکر فہو حرام“ کی روایت بخاری (الفتح ۲/۱۰ طبع المنقہ) اور مسلم (۵/۵۸۵ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام“ کی روایت ترمذی (۲/۲۹۳ طبع المجلد) اور ابن حجر نے (۳/۳۳ طبع شرکت المطابع النوریہ) میں کی ہے اور کہا کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۱) فتح الباری ۱۰/۳۲۲ شرح سوانی الآداب للخواوی ۳/۲۶۶ طبع الممیر یب

(۲) حدیث: ”حرمۃ الخمر لعینہا“ کی روایت عقیل نے ضعیف میں مرفوعاً کی ہے، جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے (۳/۳۰۶ طبع مجلس العلمی)، اور محمد بن لفرات کی وجہ سے اسے معلول بتایا ہے دارقطنی نے حضرت ابن عباس پر موقوف ہونے کی تصویر کی ہے (سنن الدارقطنی ۳/۵۶۶ طبع دارالمحاسن)۔

(۳) عمدة القاری ۱۰/۱۷۰۔

بتلہ

دیکھئے: ”بتلہ“۔

بتلہ

تعریف:

۱- ”بتل“ لغت میں ”قطع“ (اس نے کاٹا) کے معنی میں ہے،
”المتبتل“: اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے سب سے یکسو ہو جانے
والا، ”البتلہ“: کٹ جانے والی۔

طلاق چونکہ ازدواج کی رسی کو کاٹنے والی چیز ہے، کیونکہ طلاق کی
وجہ سے بیوی اپنے شوہر سے کٹ جاتی ہے، اسی لئے کبھی کبھی اس لفظ
سے طلاق مراد لی جاتی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”أنت بتلہ“ یعنی تو
طلاق والی ہے (۱)، اسی لئے فقہاء نے لفظ ”بتلہ“ کو طلاق کے ظاہری
کنایات میں مانا ہے، لیکن طلاق کے لئے یہ صریح نہیں ہے، اس لئے
کہ اس سے کبھی نکاح کے علاوہ دوسری چیزوں سے علیحدگی کا قصد
کیا جاتا ہے۔

اجمالی حکم:

۲- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ ”بتلہ“ کنایات طلاق میں سے
ہے، اور اس لفظ سے بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسا کہ
کنایات کا قاعدہ ہے، اور اگر اس لفظ کے ذریعہ ایک طلاق کی نیت کی
ہے تو ایک طلاق پڑے گی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین پڑے گی،
اور اگر مطلق رکھا، کسی عدد کی نیت نہیں کی تو بعض فقہاء نے فرمایا: ایک



(۱) المعصباح للمیر، لسان العرب، أساس البلاغة مادة ”بتل“، الخرش ۳۴۳-۳۴۴۔

نح، بحر ۱-۳

واقع ہوگی، اور بعض نے کہا: تین واقع ہوگی، اور اس کی تفصیل ”طاق“ کی اصطلاح کے تحت دیکھی جائے (۱)۔

بحر

تعریف:

۱- ”بحر“ زیادہ پانی، کھارا ہوا شیریں، اور یہ ”نہر“ (خشکی) کے برخلاف ہے، سمندر کو ”بحر“ اس کی وسعت اور پھیلاؤ کی وجہ سے کہا گیا، اس کا زیادہ استعمال کھارے پانی کے لئے ہوتا ہے، یہاں تک کہ ٹیٹھے پانی کے لئے اس لفظ کا استعمال بہت قلیل ہے (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- نہر:

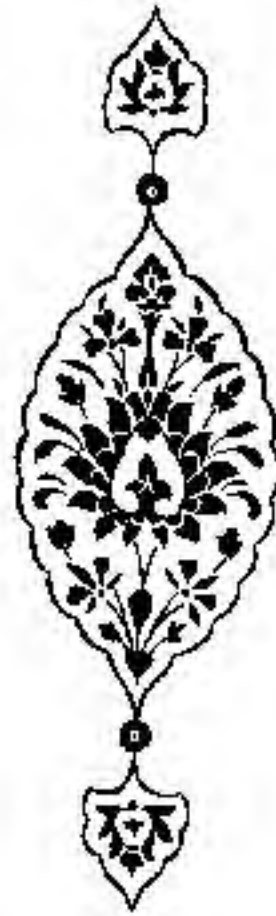
۲- ”نہر“: جاری پانی، کہا جاتا ہے: ”نہر الماء“ جب زمین میں پانی رواں ہو جائے، اور ہر زیادہ پانی جب بہنا شروع کر دے تو کہتے ہیں: ”نہر واستنہر“ (۲)۔
بحر کے برخلاف لفظ ”نہر“ کا استعمال اکثر شیریں پانی کے لئے ہوتا ہے۔

ب- عین:

۳- ”عین“: پانی کا وہ چشمہ جو زمین سے ابل کر رواں ہو جائے (۳)۔

نح

دیکھئے: ”کلام“۔



(۱) لسان العرب، الکلیات: مادہ ”بحر“ ۳۹۰/۱، جامع الطحاوی علی مراتب الفلاح ص ۱۳۔

(۲) لسان العرب، المصباح الممیر، المغرب: مادہ ”نہر“۔

(۳) لسان العرب: مادہ ”عین“، الفواکر الدوائی ۱/۱۳۴۔

(۱) الاختیار ۱/۳۳، کنز المطالب ۳/۲۸۶، کشاف القناع ۵/۲۵۱، البحر ۳۴۴۔

اور یہ مشترک الفاظ میں سے ہے، اس لئے کہ اس کے اور بھی کئی معانی ہیں جیسے جاسوس، سونا اور دیکھنے والی آنکھ۔

ماوردی نے حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے^(۱): یعنی یہ حضرات سمندر کے پانی سے وضو جائز نہیں سمجھتے تھے، دیکھئے: اصطلاح ”طہارة“، ”ماء“۔

سمندر سے متعلق احکام:

سمندر سے متعلق بعض احکام مندرجہ ذیل ہیں:

ب- سمندر کا شکار:

۵- جمہور فقہاء کی رائے سمندر کے تمام جانوروں کے شکار کے جواز کی ہے، خواہ مچھلی ہو یا کچھ اور، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أَحْلَلْ لَكُمْ صَيْدَ الْبَحْرِ وَطَعَامَهُ“^(۲) (تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا) یعنی سمندر کا شکار اور اس کا کھانا سب حلال ہے، اور اس لئے کہ جب نبی اکرم ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”هو الطہور ماؤه، الحل ميتته“ (اس کا پانی پاک ہے، اس کا مردار حلال ہے)۔ شافعیہ اور حنابلہ نے گھڑیاں اور مینڈک کو مستثنیٰ کیا ہے، کیونکہ مینڈک کو قتل کرنا ممنوع ہے، یہ ثابت ہے کہ ”أن النبی نہی عن قتله“^(۳) (نبی اکرم نے اس کے قتل سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت ابن عمرو سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ: ”مینڈک کو مت قتل کرو، ان کا ٹرڑ کرنا تسبیح ہے“^(۴)، اور گھڑیاں میں خباثت ہے، اور اس لئے بھی کہ وہ اپنے دانتوں سے طاقت حاصل کرتا اور لوگوں کو کھاتا ہے۔

الف- سمندر کا پانی:

۴- جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم لوگ سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا پانی لیتے ہیں، اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پیا سے رہ جائیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”هو الطہور ماءه، الحل ميتته“^(۱) (اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردار حلال ہے)۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”جس کو سمندر کا پانی پاک نہ کرے تو اللہ اس کو پاک نہ کرے“، اور اس لئے بھی کہ وہ ایسا پانی ہے جو اپنی اصل خلقت پر باقی ہے تو شیریں پانی کی طرح اس سے بھی وضو کرنا جائز ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے حکایت کی گئی ہے کہ ان دونوں حضرات نے سمندر کے بارے میں فرمایا: ہم کو تیمم کرنا اس (سمندر کے پانی سے وضو کرنے) سے زیادہ پسند ہے،

(۱) جامعہ الطحاوی علی مرآۃ الفلاح ج ۱ ص ۱۲-۱۳، جامعہ الدسوقی ج ۱ ص ۳۳، الفواکیر

الدوانی ج ۱ ص ۱۳۳، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۶، المغنی ج ۱ ص ۸

(۲) سورہ مائدہ ۹۶۔

(۳) حدیث: ”لہی عن فضل الصفدع.....“ کی روایت احمد (۳۳ ص ۵۳ طبع

المیصریہ) اور بیہقی (۳۱۸/۹ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے بیہقی نے اس کی سند کو قوی بتایا ہے۔

(۴) عبداللہ بن عمرو کے اثر کی روایت بیہقی (۳۱۸/۹ طبع دائرة المعارف

العثمانیہ) نے کی ہے اور بیہقی نے اس کی سند کو صحیح بتایا۔

(۱) حدیث: ”هو الطہور ماءه الخ“ کی روایت ترمذی (۱۰۱ طبع المجلس

نے کی ہے بخاری (۹۱۱ ص ۹۱) شریک الطبائع لغویہ (متحدہ) نے اس کو صحیح قرار دیا

ہے جیسا کہ ان سے ابن حجر نے انہیں میں نقل کیا ہے۔

ہے کہ اس کا پیٹ اوپر ہو جائے، اگر اس کی پیٹھ اوپر ہو تو وہ ”طانی“ نہیں ہے، اور اس کو کھایا جائے گا^(۱)۔
تفصیل کے لئے ”اطعمۃ“ کی اصطلاح دیکھئے۔

و۔ کشتی میں نماز:

۷۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ کشتی کے اندر نماز مجموعی حیثیت میں جائز ہے بشرطیکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت قبلہ رخ ہو، اور کشتی اگر دوسری طرف مڑ جائے تو نماز پڑھنے والا قبلہ کی طرف مڑ جائے اگر ممکن ہو، کیونکہ قبلہ رخ ہونا واجب ہے، اس سلسلہ میں فرض اور نفل نماز کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ قبلہ رخ ہونا آسان ہے۔

حنابلہ نے نوافل کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہے، انہوں نے صرف فرائض کے اندر قبلہ کی طرف مڑ جانا ضروری قرار دیا ہے، نفل نماز میں مڑنا حرج اور مشقت کی وجہ سے ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح ان حضرات نے ملاح کے لئے فرض میں بھی قبلہ کی طرف نہ مڑنا جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس کو کشتی چلاتے رہنے کی ضرورت ہے^(۲)۔
تفصیل کے لئے ”قبلہ“ کی اصطلاح دیکھئے۔

ھ۔ کشتی میں مرجانے والے کا حکم:

۸۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص سمندر میں کشتی کے اندر جاں بحق ہو جائے اور خشکی قریب ہونے کی وجہ سے اس کا دفن کرنا ممکن ہو اور کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو تو اہل کشتی پر دفن میں تاخیر لازم ہے تا کہ خشکی

حنابلہ نے (اس حرمت میں) سانپ کا اضافہ کیا ہے، شافعیہ میں سے ماوردی نے اس کے اور اس کے علاوہ دیگر سمندری زہریلے جانوروں کے حرام ہونے کی صراحت کی ہے، شافعیہ نے صرف اس سانپ کو حرام قرار دیا ہے جو خشکی اور پانی دونوں میں زندہ رہتا ہے، اور جو سانپ صرف پانی میں رہتا ہے وہ حلال ہے۔

حنفیہ کے نزدیک سمندر کے شکار میں سے صرف مچھلی جائز ہے، اس کے علاوہ دوسرے سمندری جانور حلال نہیں ہیں^(۱)۔
تفصیل کے لئے ”اطعمۃ“ کی اصطلاح دیکھئے۔

ج۔ سمندر کا مردار:

۹۔ جمہور فقہاء کی رائے میں سمندر کا میتہ (مردار) مباح ہے، خواہ مچھلی ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا سمندری جانور، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ“^(۲) (تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا)، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”هُوَ الطَّيْهُورُ مَأْوَاهُ، الْحِلُّ مِيتَتُهُ“^(۳) (اس سمندر) کا پانی پاک اور اس کا میتہ (مردار) حلال ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ”جو جانور سمندر میں مرجائے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس کا تذکیہ فرما دیا ہے“ (یعنی حلال کر دیا ہے)۔

حنفیہ نے صرف اس مردہ مچھلی کو جائز قرار دیا ہے جو کسی آفت کی وجہ سے مر گئی ہو، اور جو مچھلی اپنی طبعی موت مرجائے اور ”طانی“ ہو جائے وہ جائز نہیں ہے، اور حنفیہ کے نزدیک ”طانی“ کی تعریف یہ

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۱۹۳، اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیہ الدسوقی ۱۱/ ۵۲، مغنی المحتاج ۴/ ۲۹۷، اور اس کے بعد کے صفحات، کشاف القناع ۶/ ۱۰، ۱۱/ ۳۸۳۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۱۹۳، حاشیہ الدسوقی ۱۱/ ۲۲۶، مغنی المحتاج ۴/ ۳۳، کشاف القناع ۶/ ۳۰۳، روایت لفظ لکین ۱۱/ ۲۱۰۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۱۹۳، حاشیہ الدسوقی ۱۱/ ۵۲، مغنی المحتاج ۴/ ۲۹۷، اور اس کے بعد کے صفحات، کشاف القناع ۶/ ۱۱، ۱۱/ ۳۸۳۔

(۲) سورہ مائدہ ۹۶۔

(۳) اس حدیث کی تخریج کذا رکعی (فقہ نمبر: ۳)۔

اور اگر لاش کا پتہ نہ چلے تو شافیہ اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، مالکیہ نے اس کو ناپسند کیا ہے، اور حنفیہ نے اس سے منع کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک نماز جنازہ کے لئے میت یا اس کے اکثر بدن یا نصف بدن مع سر کی موجودگی شرط ہے^(۱)، دیکھئے: ”غسل“ کی اصطلاح۔



میں اس کو دفن کر دیں، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب لاش کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ غسل، کفن اور نماز جنازہ کے بعد اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے گا۔

شافیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد لاش کو دو تختوں (تابوت) میں رکھا جائے تاکہ پھول نہ جائے، پھر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تاکہ سمندر اس کو ساحل کی طرف پھینک دے، ہو سکتا ہے یہ تابوت کسی قوم کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس کو دفن کر دیں۔ اور اگر اہل ساحل کافر ہوں تو تابوت کو کسی چیز سے وزنی کر دیا جائے تاکہ نیچے چلا جائے، اور اگر تابوت میں نہ رکھا جائے تو لاش کو کسی چیز کے ذریعہ بوجھل کر دیا جائے تاکہ سمندر کی تہہ میں تر جائے، لاش کو وزنی کرنے کی رائے حنابلہ کی بھی ہے^(۱)۔

و- سمندر میں ڈوب کر مر جانا:

۹- علماء کی رائے ہے کہ جو شخص سمندر میں ڈوب جانے کی وجہ سے جاں بحق ہو گیا ہو وہ شہید ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”الشهداء خمسة: المطعون، والمبطون، والغريق، وصاحب الهدم، والشهيد في سبيل الله“^(۲) (شہداء پانچ ہیں: طاعون میں مرنے والا، پیٹ کی تکلیف میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، انہدام میں دب کر مرنے والا، اللہ کے راستہ میں شہادت حاصل کرنے والا)۔

اور اگر ڈوبنے والے کی لاش مل جائے تو عام میت کی طرح اس کو غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا، اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی،

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ۵۹۹/۱ اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیہ الدسوقی ۳۲۹/۱، روایت الطائیین ۱۳۱/۱، المغنی لابن قدامہ ۵۰۰/۲۔
(۲) حدیث: ”الشهداء خمسة المطعون“ کی روایت بخاری (الفتح ۳۹۹/۲ طبع استغیہ) اور مسلم (۵۲۱/۳ طبع لعلی) نے کی ہے۔

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ۵۷۷/۱، ۶۱۱، حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح ۳۱۵، ۳۱۹، حاشیہ الدسوقی ۳۱۵/۱، ۳۲۷، شرح روض الطالب ۲۹۹/۱، ۳۱۵، ۳۲۱، المغنی ۵۱۳/۲، ۵۳۶۔

جواز اسی پر مبنی ہے۔

الف۔ جمع شدہ شبنم سے رفع حدث:

۳۔ فقہاء کی رائے ہے کہ شبنم کے ذریعہ پاکی حاصل کرنا جائز ہے، شبنم وہ ہے جو درخت کے پتوں پر جمع ہو جائے جسے اکٹھا کر لیا جائے، اس لئے کہ وہ ”ماء مطلق“ (خالص پانی) ہے۔

اور بعض فقہاء سے جو یہ وارد ہوا ہے کہ ”شبنم“ دراصل ایک سمندری جانور کی سانس ہے، لہذا وہ پاک ہو گا یا ناپاک؟ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں^(۱)۔

ب۔ جمع شدہ بھاپ سے رفع حدث:

۴۔ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اس جمع کی گئی بھاپ سے پاکی حاصل کرنا اور نجاست کو دور کرنا جائز ہے جو پاک ایندھن سے جوش دئے گئے پاک پانی سے نکلے، اس لئے کہ وہ ”ماء مطلق“ ہے، اس لئے کہ وہ ”ماء مطلق“ ہے اور شافعیہ کے نزدیک یہی معتمد ہے، لیکن ان میں سے رافعی نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے رائے دی ہے کہ ایسی بھاپ حدث کو دور نہیں کر سکتی، اس لئے کہ اس کا نام پانی نہیں ہے، بلکہ وہ بھاپ ہے^(۲)۔

نجاست کے دھوئیں سے متاثر بھاپ کی طہارت میں اختلاف ہے، اور اس کی بنیاد فقہاء کا یہ اختلاف ہے کہ نجاست کا دھواں پاک ہے یا ناپاک؟

چنانچہ حنفیہ کا منتفی ہے قول، مالکیہ کا معتمد قول اور بعض حنابلہ کی

(۱) ابن عابدین ۱/ ۱۲۰، لوطاب مع المواق بہلہ ۱/ ۵۰، الدرستی ۱/ ۳۳،

حلیہ الباجوری علی ابن قاسم ۱/ ۲۷، مطالب اُولیٰ اُئی ۱/ ۳۳، کشاف

القناع ۱/ ۲۶، ۲۷۔

(۲) جوہر الکلیل ۱/ ۶، لُحُل ۱/ ۲۹، کشاف القناع ۱/ ۲۶۔

بخار

تعریف:

۱۔ ”بخار“ لغت و اصطلاح میں وہ (بھاپ) ہے جو پانی، شبنم یا کسی تر مادہ سے حرارت کے نتیجے میں اوپر اٹھے۔

”بخار“ کا اطلاق لکڑی وغیرہ کے دھوئیں پر بھی ہوتا ہے، اور گندگی یا کسی اور چیز سے اٹھتی ہوئی بدبو پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے^(۱)۔

متعلقہ الفاظ:

بخر:

۲۔ ”بخر“ منہ کی بدلی ہوئی بو ہے، امام ابو حنیفہ نے فرمایا: بخر وہ بدبو ہے جو منہ وغیرہ میں ہوتی ہے، ایسے شخص کو ”أبخر“ اور ایسی عورت کو ”بخراء“ کہتے ہیں^(۲)۔

فقہاء کے نزدیک ”بخر“ کا استعمال صرف منہ کی بدبو کے لئے خاص ہے۔

بخار (بھاپ) سے متعلق احکام:

”بخار“ کے کچھ خاص احکام ہیں، کبھی وہ پاک ہوتا ہے اور کبھی ناپاک، اور بخار کے قطرات سے پاکی حاصل کرنے کا جواز اور عدم

(۱) المصباح للمیر، تاج العروس، لسان العرب، متن المد، المعجم الوسیط: مادہ ”بخر“، الانصاف ۱/ ۳۱۹۔

(۲) لسان العرب، المصباح للمیر۔

رائے ہے کہ نجاست کا دھواں اور اس کی بھاپ دونوں پاک ہیں،
حنفیہ نے کہا: یہ استحسان کی بنیاد پر دفع حرج کے لئے ہے۔
اسی بنا پر نجس پانی سے اٹھنے والی بھاپ پاک ہے جو حدث اور
نجاست دونوں کو دور کرتی ہے۔

بخر

تعریف:

۱۔ بخر: گندگی وغیرہ کی وجہ سے منہ کی بدلی ہوئی بو ہے، کہا جاتا ہے: "بخور
القم بخرا" باب سمع سے، جب منہ گندہ ہو جائے اور اس کی بو بدل
جائے۔ فقہاء کے نزدیک اس لفظ کا استعمال اسی معنی میں ہے (۱)۔

اجمالی حکم:

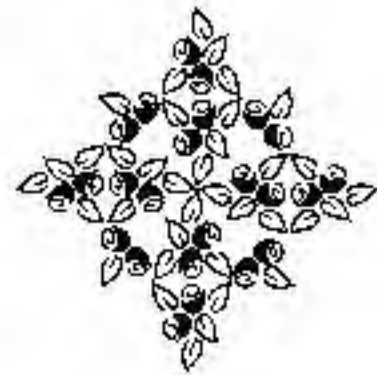
۲۔ چونکہ انسان میں منہ کا بدبودار ہونا نفرت اور تکلیف کا باعث ہے،
اس لئے فقہاء نے اس کو عیب میں شمار کیا ہے، اور ان کا اتفاق ہے کہ
یہ ان عیوب میں سے ہے جن کی وجہ سے باندیوں کی بیعت میں خیار
ثابت ہوتا ہے۔

نکاح کے باب میں "بخر" کی وجہ سے ثبوت خیار اور فسخ نکاح
کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں اور یہی
حنابلہ کا دوسرا قول ہے کہ اس کی وجہ سے خیار ثابت نہیں ہوگا، اور نہ ہی
زوجین کے درمیان اس کی بنیاد پر تفریق کی جائے گی (۲)۔
مالکیہ کہتے ہیں اور یہی حنابلہ کی بھی ایک رائے ہے کہ "بخر" کی
وجہ سے خیار اور فسخ نکاح ثابت ہوگا۔

اس سلسلہ کی تفصیلات کتاب المبیوع کے باب خیار العیب اور

شافعیہ نیز حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی رائے اور حنابلہ کا مختار
مذہب یہ ہے کہ نجاست کی بھاپ بھی اپنی اصل کی طرح نجس ہے، اس
بنیاد پر نجاست کے دھوئیں سے متاثر بھاپ بھی نجس ہے جس کے
ذریعہ طہارت حاصل نہیں ہوتی ہے، لیکن شافعیہ کی رائے ہے کہ اس کا
قلیل حصہ معاف ہے (۱)۔

حمام وغیرہ سے اٹھنے والی بھاپ، جیسے نجاست سے اٹھنے والی
کرہہ گیس، جب کپڑے کو لگ جائے تو حنفیہ کے مسلک میں صحیح قول
کے مطابق کپڑا نجس نہیں ہوگا، جیسا کہ انسان سے خارج ہونے والی
ریاح ناپاک نہیں کرتی، خواہ پانچامہ وغیرہ تر ہو یا خشک، اور ظاہر یہ
ہے کہ اس مسئلہ میں دوسرے مذاہب کا حنفیہ کے مسلک سے اختلاف
نہیں ہے (۲)۔



(۱) ابن ماجہ ۲۱۶/۱، مجمع الزوائد ۶۱، الدسوقی ۵۷-۵۸، کشاف القناع

۲۸/۱، الإصناف ۱۹۹، الجمل ۱۷۷-۱۷۸

(۲) ابن ماجہ ۲۱۶/۱۔

(۱) لسان العرب، المصباح المہیر: مادہ "بخر"۔

(۲) ابن ماجہ ۲۱۶/۱، ۵۷-۵۸، جوہر الکلیل ۲۹۹/۱، ۳۰۰، الجمل علی

المعجم ۲۱۵/۳، نہایہ المحتاج ۲۹۳، المغنی ۲۳/۱۶۸، ۶۵۲ طبع السعودیہ۔

بخس، بخیلہ ۱-۳

کتاب النکاح کے باب العیب میں ملاحظہ کی جائیں۔
 ”بخر“ (منہ کی بدبو) والے انسان کے لئے جمعہ وجماعت میں
 حاضری اور عدم حاضری کی اجازت کے بارے میں باب ”صلاة
 الجماعة“ کی طرف رجوع کیا جائے۔

بخیلہ

تعریف:

۱- ”بخیلہ“ میراث کے باب میں مسائل ”عول“ میں سے
 ہے، اس کو ”بخیلہ“ اس لئے کہا گیا کہ اس میں سب سے کم ”عول“
 ہوتا ہے۔

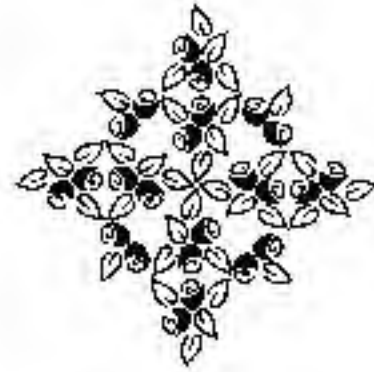
اس کو ”منبریہ“ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ اس کے بارے میں
 حضرت علیؓ سے منبر کے اوپر ہی دریافت کیا گیا تھا، اور یہ فرائض کے
 ان حصوں میں سے ہے جن میں ”عول“ ہوتا ہے، اور یہ ان دو مسئلوں
 میں آتا ہے جن میں ۲۴ اصل کا عول ۲۷ تک ہوتا ہے۔

۲- پہلا مسئلہ: وہ ہے جس میں ایک نصف (آدھا)، ایک ثمن
 (آٹھواں حصہ) اور تین سدس (چھٹا حصہ) کے حصہ ہوں، مثلاً: ایک
 بیوی، ایک بیٹی، والدین اور ایک پوتی ہو تو بیوی کو ثمن ملے گا، بیٹی کے
 لئے نصف ہوگا، پوتی کے لئے سدس اور والدین کے لئے دو سدس۔
 ۳- دوسرا مسئلہ: وہ ہے جس میں ثمن کے ساتھ دو ٹمٹ اور دو سدس
 ہوں، مثلاً: ایک بیوی، دو بیٹی اور والدین ہوں، تو بیوی کے لئے ثمن
 ہوگا، دو بیٹیوں کے لئے دو ٹمٹ اور والدین کے لئے دو سدس، اور
 اس کا مسئلہ ۲۴ کے بجائے ۲۷ سے ہوگا۔

ان دونوں مسئلوں میں سے ہر ایک کو ”بخیلہ“ کہتے ہیں، اس لئے
 کہ ان میں عول کم ہوتا ہے، کیونکہ اس میں عول صرف ایک بار ہوتا
 ہے، اور دوسرے مسئلہ کو ”منبریہ“ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حضرت

بخس

دیکھئے: ”غبین“۔



بدعت ۱

علیؑ سے یہ مسئلہ اس وقت دریافت کیا گیا جب آپ منبر پر تھے، پھر آپ نے جواب دیا تھا^(۱)۔

”تفصیل کے لئے ”ارث“ کے باب میں ”عول“ کی بحث دیکھی جائے۔

بدعت

تعریف:

۱- لغوی طور پر لفظ ”بدعة“ ”بدع الشيء يبدعه ببدعا“ اور ”ابتدعه“ سے بنا ہے، جب اس کو ایجاد کرے اور شروع کرے۔

”البدع“ وہ چیز جو اول (پہلی) ہو، اسی سے ارشاد ربانی ہے: ”قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ“^(۱) (آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں) یعنی میں لوگوں کی طرف بھیجا ہوا پہلا رسول نہیں ہوں، بلکہ پہلے بھی بہت سے رسول آچکے ہیں، لہذا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوں جس کی کوئی نظیر نہ ہو کہ تم مجھے اجنبی سمجھو۔

البدعة: نئی چیز، اور دین مکمل ہونے کے بعد جو چیز اس میں ایجاد کی جائے۔

”لسان العرب“ میں ہے: ”مبتدع“ وہ شخص ہے جو کسی کام کو اس انداز سے کرے کہ اس طرح پہلے وہ کام نہیں کیا گیا، بلکہ اس نے اس کا آغاز کیا ہے۔

”أبدع“، ”ابتدع“ اور ”تبدع“ کا معنی ہے: نئی چیز لانا^(۲)، اسی معنی میں ارشاد ربانی ہے: ”وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ“^(۳) (اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر واجب نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے اللہ کی



(۱) سورۃ احقاف ۹۔

(۲) لسان العرب، الصحاح مادہ ”بدع“۔

(۳) سورۃ حدید ۲۷۔

(۱) ابن ماجہ ۵۰۲/۵، حاشیۃ الدسوقی ۳/۶۵، قلیوبی وغیرہ ۳/۵۲،

المغنی ۱۹۲/۶ طبع المکتبۃ المدینہ، الفائز ۲/۷۰ طبع مکتبۃ المدینہ۔

بدعت ۲

رضامندی کی خاطر اسے اختیار کر لیا تھا)، اور ہمدردی: اس کو بدعت کی طرف منسوب کیا، اور البدیع: انوکھی نئی چیز، اور أبدعت الشيء: میں نے اس کو بغیر کسی (سابقہ) مثال کے ایجاد کیا، اور ”البدیع“ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے، اور اس کا معنی ہے: ”المبدع“ (نئی چیزیں پیدا کرنے والا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو پیدا کرتے اور ان کو وجود میں لاتے ہیں۔

اصطلاح میں بدعت کی تعریفیں الگ الگ اور کئی ایک ہیں۔ اس لئے کہ اس کے مفہوم و مراد کے سلسلہ میں علماء کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض علماء نے اس کے مفہوم کو وسعت دی ہے، یہاں تک کہ ہر نئی چیز پر اس کا اطلاق کیا ہے، اور بعض نے اس کی مراد کو محدود رکھا ہے، چنانچہ اس کے ذیل میں درج احکام مختصر ہو گئے۔ ہم اختصاراً اس کو دو نقطہ نظر میں بیان کرتے ہیں:

پہلا نقطہ نظر:

۲- پہلے نقطہ نظر والے علماء ”بدعت“ کا اطلاق ہر ایسی نئی چیز پر کرتے ہیں جو کتاب و سنت میں نہیں ملتی ہو، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا عادات سے، اور خواہ وہ مذموم ہو یا غیر مذموم۔ اس کے قائلین میں امام شافعی اور ان کے متبعین میں اعز بن عبد السلام، نووی اور ابوشامہ ہیں، مالکیہ میں سے قرانی اور زرقانی ہیں، حنفیہ میں سے ابن عابدین، اور حنابلہ میں سے ابن الجوزی، اور ظاہر یہ ہیں سے ابن حزم ہیں۔

یہ نقطہ نظر عز بن عبد السلام کی ”بدعت“ کی تعریف میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ یوں ہے: ”بدعت“ نام ہے ایسے کام کے کرنے کا جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو، اور اس کی کئی قسمیں ہیں: بدعت واجبہ، حرام بدعت، مستحب بدعت، مکروہ بدعت، جائز

بدعت (۱)۔ ان لوگوں نے ان تمام قسموں کی مثالیں دی ہیں: چنانچہ واجب بدعت: جیسے علم نحو میں مشغول ہونا، جس کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کلام سمجھا جاتا ہے، اور یہ واجب ہے، کیونکہ شریعت کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے، اور جس کے بغیر واجب پورا نہ ہوتا ہو وہ بھی واجب ہے۔

حرام بدعت کی مثالوں میں سے قدریہ، جبریہ، مرجئہ اور خوارج کا مذہب ہے۔

مستحب بدعت: مثلاً مدارس کھولنا، پل بنانا، اور اسی میں سے مسجد میں ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھنا بھی ہے۔

مکروہ بدعت: مثلاً مساجد میں نقش و نگار اور مصاحف (قرآن) کو آراستہ کرنا۔

جائز بدعت: مثلاً نمازوں کے بعد مصالحہ اور لذیذ کھانے، پینے اور پہننے میں توسع کرنا (۲)۔

ان حضرات نے بدعت کو پانچ قسموں میں تقسیم کرنے کے سلسلہ میں چند دلائل پیش کئے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(الف) رمضان کے مہینہ میں مسجد کے اندر جماعت کے ساتھ نماز تراویح کے بارے میں حضرت عمر کا قول ہے: ”نعمت البدعة هذه“ (۳) (کتنی اچھی یہ بدعت ہے)، چنانچہ عبد الرحمن بن

(۱) قواعد و احکام للرحمن عبد السلام ۱۷۲/۲ طبع الاستقامہ، الجاوی للسیوطی ۵۳۹/۱ طبع مکتبۃ المدین، تہذیب و اسما و اللغات للنووی ۲۲/۱ القسم الثانی، طبع المیر یہ تلمیذ مس الیسی لابن الجوزی ۱۶ طبع المیر یہ ابن عابدین ۳۷۶/۱ طبع بلاق، الباعث علی إظهار البدع والحدوث لابن شامہ ۱۵، ۱۳، ۱۵ طبع المطبعة العربیہ۔

(۲) قواعد و احکام ۱۷۲/۲، الفروق ۲۱۹۔

(۳) تراویح کے سلسلہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ: ”نعمت البدعة هذه“ کی روایت بخاری (فتح ۲۵۰ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

بدعت ۳

(برہ) کی تقسیم کا پتہ چلتا ہے، ان احادیث میں سے یہ مرفوع حدیث ہے: ”من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامة، ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها الى يوم القيامة“^(۱) (جس شخص نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کے لئے اس کا اجر ہے، اور ان تمام لوگوں کا اجر ہے جو اس پر عمل کرتے رہیں گے قیامت تک، اور جس شخص نے بُرا طریقہ ایجاد کیا تو اس کے لئے اس کا گناہ اور ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس پر عمل کرتے رہیں گے قیامت تک)۔

دوسرا نقطہ نظر:

۳- علماء کی ایک جماعت بدعت کے مذموم ہونے کی رائے رکھتی ہے، انہوں نے ثابت کیا کہ تمام تر بدعت گمراہی ہے، خواہ وہ عادات سے متعلق ہو یا عبادات سے، اس کے قائلین میں امام مالک، شافعی اور طرطوشی ہیں۔ حنفیہ میں سے امام شافعی اور حنفی، اور شافعیہ میں سے بیہقی، ابن حجر عسقلانی، ابن حجر عسقلانی، اور حنابلہ میں سے ابن رجب اور ابن تیمیہ ہیں^(۲)۔

اس نقطہ نظر کی تشریح کرنے والی سب سے واضح تعریف شافعی نے کی ہے، انہوں نے ”بدعت“ کی دو تعریف کی ہے:

پہلی تعریف: ”یہ دین میں ایجاد کردہ ایسا طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو جس پر چلنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ کرنا

(۱) حدیث: ”من سن سنة حسنة.....“ کی روایت مسلم (۷/۵۸۳ طبع النجفی) نے کی ہے۔

(۲) الاعتصام بالہدای ۱/ ۱۸، ۱۹ طبع التجاریہ، الاعتقاد علی مذاہب اہل السنن للبیہقی ص ۱۱۳ طبع دار الہند الحدیث، الحوادث والبدع للطرطوشی ص ۸ طبع تونس، اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ص ۲۲۸، ۲۷۸ طبع المحمدیہ، جامع بیان العلوم والحکم ص ۱۶۰ طبع المہند، جوہر واکلیل ۱/ ۱۱۳ طبع مشرق، عمدۃ القاری ۲/ ۳۷۵ طبع المیزان، فتح الباری ۵/ ۱۵۶ طبع النجفی۔

عبدالقاری سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ”میں رمضان کی ایک رات میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ مسجد گیا لوگ (وہاں) الگ الگ اور جدا جدا تھے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی نماز پڑھتا تو اس کے پیچھے کچھ لوگ بھی شریک ہو جاتے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو ایک قاری (امام) پر اکٹھا کروں تو بہت بہتر ہو، پھر یہ خیال عزم میں بدلا، اور ان سب کو حضرت ابی بن کعب پر جمع کر دیا، پھر میں ان کے ساتھ ایک دوسری رات کو نکلا اور لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: کتنی اچھی بدعت ہے یہ، اور جس وقت لوگ سو رہتے ہیں وہ وقت زیادہ افضل ہے اس وقت سے جس میں نماز پڑھتے ہیں، ان کی مراد تھی رات کا آخری حصہ، لوگ رات کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھتے تھے۔“

(ب) مسجد میں جماعت کے ساتھ چاشت کی نماز کو حضرت ابن عمرؓ نے ”بدعت“ کا نام دیا، جب کہ یہ اچھے کاموں میں سے ہے۔

حضرت مجاہد سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: ”دخلت أنا وعروة بن الزبير المسجد، فإذا عبد الله بن عمر جالس إلى حجرة عائشة، وإذا ناس يصلون في المسجد صلاة الضحى، فسألناه عن صلاتهم، فقال: بدعة“^(۱) (میں اور عروہ بن الزبیر مسجد میں گئے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے کمرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، ہم نے ان سے ان کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ ”بدعت“ (نئی چیز) ہے۔

(ج) وہ احادیث جن سے بدعت کے حسنہ (اچھی) اور سیئہ

(۱) صلاة الضحی کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ کے قول کی روایت بخاری (فتح ۵/ ۵۹۳) نے کی ہے۔

بدعت ۳

ہو۔ اس تعریف نے ”بدعت“ میں عادات کو داخل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو دنیاوی امور میں نئی ایجاد کے برخلاف عبادات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔

دوسری تعریف: یہ دین میں ایجاد کردہ ایسا طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو جس پر چلنے کا مقصد وہی ہو جو شرعی طریقہ کا ہے^(۱)۔ اس تعریف سے عادات بھی ”بدعت“ میں داخل ہو جاتی ہیں جب کہ وہ شریعت کے مشابہ ہوں، جیسا کہ کوئی نذر مانے کہ وہ کھڑے ہو کر روزہ رکھے گا بیٹھے گا نہیں، دھوپ میں رہے گا سایہ میں نہیں جائے گا، کھانے اور پہننے کے سلسلہ میں بلا وجہ کسی خاص نوع پر اکتفا کرے گا^(۲)۔

مطلقاً بدعت کو مذموم کہنے والوں نے چند دلیلیں پیش کی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل شریعت مکمل ہو گئی، چنانچہ ارشاد ہے: ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“^(۳) (آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بہ طور دین کے پسند کر لیا)، تو اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ (اس کے بعد) کوئی انسان آئے اور اس میں نئی چیز ایجاد کرے، اس لئے کہ اس پر اضافہ کرنا اللہ تعالیٰ (کی طرف سے رہ گئی کمی) کا مکمل کرنا ہے، اور اس سے ایک قسم کا یہ اشارہ ملتا ہے کہ شریعت ناقص ہے، اور یہ بات

(۱) الاعتصام باللہا طبعی ۱۹/۱ طبع البھاریہ

(۲) سٹاٹس کی پہلی تعریف بدعت کو اختراع فی الدین کے ساتھ خاص کر دیتی ہے برخلاف اختراع فی الدنیا کے، اسی وجہ سے اس کا نام بدعت نہیں رکھا جاتا، اس قید کی وجہ سے وہ علوم جو حد مت دین کے لئے ہو بدعت کی تعریف سے الگ ہو جاتے ہیں مثلاً علم نجوم و ہر ف۔

(۳) سورہ مائدہ ۳۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے منافی ہے۔

(ب) ایسی قرآنی آیات موجود ہیں جو مجموعی حیثیت سے مبتدعین کی مذمت کرتی ہیں، ان میں سے یہ ارشاد ہے: ”وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ“^(۱) (اور (یہ بھی کہہ دیجئے) کہ یہی میری سیدھی شاہراہ ہے سوائے پر چلو، اور (دوسری دوسری پگڈنڈیوں) پر نہ چلو کہ وہ تم کو (اللہ کی) راہ سے جدا کر دیں گی)۔

(ج) رسول اللہ ﷺ سے جتنی بھی حدیثیں بدعت کے بارے میں وارد ہوئیں سب بدعت کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، ان احادیث میں سے حضرت عرابض بن ساریہ کی حدیث ہے: ”وَعظما رسول الله ﷺ موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب. فقال قائل: يا رسول الله كأنها موعظة مودع فما تعهد إلينا، فقال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة لولاة الأمر وإن كان عبداً حبشياً، فإنه من يبعث منكم بعدي فسيروا اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعصوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة“^(۲) (رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک بلیغ نصیحت کی، جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں، دل لرز اٹھے، تو ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کو یا یہ رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے تو آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور

(۱) سورہ انفصام ۱۵۳۔

(۲) حضرت عرابض کی حدیث کی روایت ابن ماجہ (۱۶/۱ طبع المجلس)، ابوداؤد (۱۶/۵ طبع عزت عید دھاس) اور حاکم (۹۶/۱ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے حاکم نے اس کو مستقر ادلیا ہے اور ذہبی نے اس سے موافقت کی ہے۔

بدعت ۴-۶

اور اجماع میں نہ ملتی ہوں^(۱)، اس معنی میں ”محدثات“ ”بدعت“ سے دوسرے معنی کے اعتبار سے باہم مل جاتے ہیں۔

ب- فطرت:

۵- فطرة: آغاز کرنا، ایجاد کرنا، ”فطر الله الخلق“ (اللہ نے مخلوق کو از سر نو پیدا کیا)، اور کہا جاتا ہے: ”أنا فطرت الشيء“ (میں نے فلاں چیز پیدا کی) یعنی میں پہلا انسان ہوں جس نے اس چیز کا آغاز کیا^(۲)۔

اس مفہوم کے اعتبار سے ”بدعت“ کے ساتھ اس کے بعض لغوی معانی کے اندر دونوں لفظ باہم مل جاتے ہیں۔

ج- سنت:

۶- سنة: لغت میں ”طریقہ“ کو کہتے ہیں، خواہ اچھا ہو یا بُرا^(۳)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”من سن سنة حسنة فله اجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة، ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها إلى يوم القيامة“^(۴) (جس نے اچھا طریقہ جاری کیا اس کے لئے اس کا اجر اور ان تمام لوگوں کا اجر ہے جو اس پر قیامت تک عمل کرتے رہیں گے، اور جس نے بُرا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کا اور ان تمام لوگوں کا گناہ ہے جو اس پر قیامت تک عمل کرتے رہیں گے)۔

اصطلاح میں: ”سنت“: دین میں وہ قائل اتباع جاری طریقہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ یا ان کے صحابہ سے منقول ہو، ارشاد نبوی ہے:

(۱) لسان العرب، الصحاح للجوهري مادة ”حدث“۔

(۲) لسان العرب، الصحاح مادة ”فطر“۔

(۳) لسان العرب، الصحاح، أمصباح والمغرب مادة ”سنن“۔

(۴) حدیث ”من سن سنة حسنة.....“ کی تخریج (نفرہ نمبر ۲ میں) گذر چکی۔

اولی الامر (حکام) کے جمع وطاعت کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو، جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، ان سنتوں کو مضبوطی سے تھام لو، اور دانتوں تک دب لو، اور خبردار! دین کی نئی چیزوں سے بچنا، اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

(د) اس سلسلہ میں صحابہ کے قول بھی ہیں، ان میں حضرت مجاہد کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں عبد اللہ بن عمر کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوا، اس میں اذان ہو چکی تھی اور ہم اس میں نماز پڑھنا چاہ رہے تھے تو مؤذن نے ”تھویب“ کی، تو عبد اللہ بن عمر مسجد سے نکل آئے اور کہا: ”أخرج بنا من عند هذا المبتدع“ (اس بدعتی کے پاس سے نکل چلو)، اور آپ نے اس میں نماز نہیں پڑھی^(۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- محدثات:

۴- ”حدیث“ (نیا) ”قدیم“ (پرانا) کی ضد ہے، اور الحدوث: کسی چیز کا عدم سے وجود میں آنا ہے، ”محدثات الأمور“ سلف صالح جن چیزوں پر قائم تھے ان کے علاوہ اہل اہواء (خواہشات والوں) نے جن چیزوں کو ایجاد کر لیا ہو، حدیث میں ہے: ”ایاکم ومحدثات الأمور“^(۲) (دین کی نئی چیزوں سے بچو)، محدثات ”محدثہ“ کی جمع ہے، اور اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو کتاب، سنت

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر کے اثر کی روایت طبرانی (مجمع الزوائد ۲/۲۰۲) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”ایاکم ومحدثات الأمور.....“ کی مطول روایت اور اس کی تخریج (نفرہ نمبر ۳ میں) گذر چکی۔

بدعت ۷-۸

میں سے کسی چیز کا قوع نہ ہونا ہو جب تک ان پر اصرار کرنے سے امتراز کیا جائے، ارشاد خداوندی ہے: ”إِنَّ تَحْتَبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ“^(۱) (اگر تم ان بڑے کاموں سے جو تمہیں منع کئے گئے ہیں بچتے رہو، تو ہم تم سے تمہاری (چھوٹی) برائیاں دور کر دیں گے)، اس مفہوم میں ”بدعت“ معصیت سے زیادہ عام ہوگی، کیونکہ وہ معصیت کو بھی شامل ہوگی، جیسے حرام بدعت اور مکروہ تحریمی بدعت، اور غیر معصیت کو بھی شامل ہوگی، جیسے واجب بدعت، مستحب بدعت اور جائز بدعت^(۲)۔

۷- مصلحت مرسلہ:

۸- ”المصلحة“ لغت میں معنی اور وزن دونوں اعتبار سے منفعت کی طرح ہے، پس یہ مصدر ہے ”صلاح“ (نیکی) کے معنی میں، یا ”مصلح“ کا واحد ہے۔

اصطلاح میں ”مصلحت مرسلہ“ پانچ ضروریات میں منحصر شریعت کے مقاصد کی محافظت کرنا ہے، جیسا کہ امام غزالی نے فرمایا، یا امام شافعی کے نزدیک وہ ایسے مناسب امور کا اعتبار کرنا ہے جن کی تائید کسی معین اصل سے نہ ہوتی ہو، یا ”مصلحت مرسلہ“ یہ ہے کہ مجتہد کسی کام میں راجح منفعت محسوس کرے، اور شریعت میں اس کی نفی نہ ہو، یہ تعریف ابن تیمیہ کے نزدیک ہے، یا ”مصلحت مرسلہ“ یہ ہے کہ کسی امر کو ایسے مناسب کے اعتبار سے متعلق کیا جائے کہ شریعت میں اس کے اعتبار یا عدم اعتبار کی صراحت نہ ہو، البتہ وہ تصرفات شرعیہ سے ہم آہنگ ہو^(۳)، اس کے علاوہ بھی دیگر کئی تعریفیں ہیں جن کی

”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی“ (میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو)، اس معنی میں ”سنت“ بدعت کے مقابل اور بالکل مخالف ہے۔

”سنت“ کے اور بھی دوسرے شرعی معانی ہیں جن میں وہ مشہور ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں: اس کا اطلاق پوری شریعت پر بھی ہوتا ہے، جیسے کہتے ہیں: امامت کا مستحق وہ ہے جو سنت یعنی شریعت سے سب سے زیادہ واقف ہو۔

ان میں سے وہ ”سنت“ بھی ہے جو چار ائمہ شریعہ میں سے ایک ہے، اور اس سے مراد ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو (قرآن کے علاوہ) خواہ قول ہو یا فعل ہو یا ”تقریر“ ہو۔ ان ہی معانی میں سے ایک معنی ہے جو نفل کو عام ہو، اس سے مراد وہ کام ہے جو فرض یا واجب تو نہ ہو مگر اس کا کرنا اس کے چھوڑنے سے بہتر ہو^(۴)۔

۷- معصیت:

۷- عصیان: طاعت کی ضد ہے، کہا جاتا ہے: ”عصى العبد ربه“ جب بندہ اپنے رب کی نافرمانی کرے، ”عصى فلان امیره“: جب اس کے حکم کی مخالفت کرے۔

شریعت میں اس کا معنی ہے: شارع کے حکم کی تصدأ نافرمانی کرنا، اور اس کا ایک ہی درجہ نہیں ہے۔

وہ یا تو کبائر ہوں گے، اور کبائر کہتے ہیں: ایسے گناہ جن پر حد جاری ہوتی ہو یا جن کے ارتکاب پر آگ یا لعنت یا غضب کی وعید ہو، یا وہ ہیں جن کے حرام ہونے پر تمام شریعتوں کا اتفاق ہو اگرچہ ان کی تحدید کے سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

یا وہ صغائر ہوں گے، اور صغائر: وہ گناہ ہیں جن پر مذکورہ چیزوں

(۱) سورہ نساء ۳۱۔

(۲) المغنی لابن قدامة ۹/۱۶۷، حاشیہ ابن مفلح ۳/۷۷۷، مفتی محمد صالح ۳/۲۷۷۔

(۳) المستملی ۱/۲۸۶، الاعتصام ۳/۹۵، فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱/۳۳۲، رد المحتار

المجلد ۲ ص ۲۳۲۔

(۴) اتھانوی ۳/۷۰۳، دستور العلماء ۲/۱۸۲ طبع (۱) علی للطباعة۔

بدعت ۹-۱۰

تفصیلات کے لئے اصطلاح ”مصلحت مرسلہ“ کی طرف رجوع کیا جائے۔

بدعت کا شرعی حکم:

۹- شافعیہ میں سے امام شافعی، عز بن عبد السلام، ابوشامہ اور نووی، مالکیہ میں سے امام قرطبی اور زرقانی، حنابلہ میں سے ابن الجوزی، اور حنفیہ میں سے ابن عابدین کی رائے ہے کہ احکام خمسہ کے تابع ہو کر بدعت کی تقسیم واجب یا حرام یا مستحب یا مکروہ یا جائز میں ہوگی (۱)۔ ان حضرات نے ان تمام قسموں کی مثالیں بھی دی ہیں۔

واجب بدعت کی مثالوں میں سے علم نحو میں مشغول ہونا ہے جس کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کلام سمجھا جاتا ہے، اس لئے کہ شریعت کی حفاظت واجب ہے، اور اس کی حفاظت اس علم کے جانے بغیر نہیں ہو سکتی، اور واجب جس کے بغیر پورا نہ ہوتا ہو وہ بھی واجب ہے، اور جرح و تعدیل کے مسائل کی تدوین تاکہ صحیح اور غیر صحیح احادیث کا پتہ چل سکے، اس لئے کہ قواعد شرعیہ بتاتے ہیں کہ قدر متعین سے زیادہ شریعت کی حفاظت فرض کفایہ ہے، اور یہ حفاظت مذکورہ چیزوں سے ہی ہوتی ہے۔

حرام بدعت کی مثالوں میں سے: قدریہ، خوارج اور مجسمہ کا مذہب ہے۔

مستحب بدعت کی مثالوں میں سے: مدارس کھولنا، پل بنانا، مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرنا ہے۔

(۱) قواعد الاحکام للعز بن عبد السلام ۲/۲۷ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت، دیلم الفالحین ۱/۳۱۶، الحاوی للسیوطی ۱/۵۳۹ طبع محی الدین، تہذیب الاسماء واللغات المعنوی ۱/۲۲ القسم الثانی، طبع المیر یب تلمیس البیس لابن الجوزی ص ۱۶ طبع المیر یب حاشیہ ابن عابدین ۱/۳۷۶ طبع بولاق، والباحث علی انکار البدع والحوادث لابن مائتہ ص ۱۳، ۱۵، طبع المطبعۃ العربیہ المکھورنی القواعد ۱/۲۱۸۔

مکروہ بدعت کی مثالوں میں سے: مساجد میں نقش و نگار اور مصاحف کو مزین و آراستہ کرنا ہے۔

جائز بدعت کی مثالوں میں سے: فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے، پینے اور پہننے کی پسندیدہ چیزوں میں توسع کرنا ہے (۱)۔ اس کے ساتھ علماء نے حرام بدعت کی تقسیم کی ہے، کافر بنادینے والی بدعت، کافر نہ بنانے والی بدعت، صغیرہ بدعت، کبیرہ بدعت، جس کا بیان ابھی آنے والا ہے۔

عقیدہ میں بدعت:

۱۰- علماء کا اتفاق ہے کہ عقیدہ میں بدعت حرام ہے، اور کبھی یہ بدعت کفر تک پہنچ جاتی ہے، کفر تک پہنچانے والی بدعت یہ ہے کہ دین کی ضروری معلوم شئی کی مخالفت کی جائے جیسا کہ اہل جاہلیت کی بدعت تھی جس پر قرآن نے ان کو متنبہ کیا تھا، ارشاد ربانی ہے: ”مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ“ (۲) (اللہ نے نہ بحیرہ کو شروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو)، اور ارشاد باری ہے: ”وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰؤُلَاءِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مِنْتَهُ فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ“ (۳) (اور کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے، اور ہماری بیویوں کے لئے حرام ہے، اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں وہ سب شریک ہیں)، اسی طرح علماء نے کفر تک پہنچانے والی بدعت کا ضابطہ یہ مقرر کیا ہے کہ سب کا اتفاق ہو کہ یہ بدعت بلاشبہ صریح کفر ہے (۴)۔

(۱) قواعد الاحکام ۲/۲۷، الفروق ۳/۲۱۹، المکھورنی القواعد ۱/۲۱۸۔

(۲) سورۃ مائدہ ۱۰۳۔

(۳) سورۃ انعام ۱۳۹۔

(۴) قواعد الاحکام ۲/۲۷، الاعتصام ۲/۳۱، ۳۲۔

عبادات میں بدعت:

علماء کا اتفاق ہے کہ عبادات میں بدعت کی قسموں میں سے بعض وہ ہیں جو حرام اور گناہ ہیں اور بعض مکروہ ہیں۔

الف- حرام بدعت:

۱۱- اس کی مثالوں میں سے: شادی نہ کرنا، دھوپ میں کھڑے ہو کر روزہ رکھنا، شہوت جماع کو ختم کرنے اور عبادت کے لئے فارغ ہونے کی خاطر خصی کرنا ہے، (حرمت کی دلیل) رسول اللہ ﷺ کی (یہ) حدیث ہے: ”جاء ثلاثة رهط إلى بيوت أزواج رسول الله ﷺ، يسألون عن عبادته، فلما أخبروا كأنهم تقالوها فقالوا: وأين نحن من النبي ﷺ، قد غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر، قال أحدهم: أما أنا فإني أصلي الليل أبداً، وقال الآخر: أنا أصوم الدهر ولا أفطر، وقال الآخر: أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبداً، فجاء رسول الله ﷺ فقال: أنتم الذين قلتم كذا وكذا أما والله إنني لأخشاكم لله واتقاكم له، لكني أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني“ (۱) (تین آدمی نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھر آئے اور اللہ کے رسول ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھا، جب ان کو بتایا گیا تو کو یا انہوں نے اس کو کم سمجھا اور کہا: نبی کریم ﷺ کے مقابلہ میں ہم کہاں؟ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ رات کو نمازیں پڑھوں گا، دوسرے نے کہا: میں پورے زمانہ روزہ رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔

تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم ہی لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے، اللہ کی قسم میں تم سب میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، تو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں)۔

ب- مکروہ بدعت:

۱۲- عبادات میں بدعت کبھی مکروہ ہوتی ہے، مثلاً یوم عرفہ کی شام کو غیر حجاج کے لئے دعا کی غرض سے جمع ہونا (۱)، جمعہ کے خطبہ میں تعظیماً سلاطین کا ذکر کرنا، دعا کے لئے ذکر ہو تو جائز ہے، اور مساجد میں نقش و نگار کرنا (۲)۔

محمد بن ابوالقاسم سے مروی ہے، وہ ابو البختری سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو بتایا کہ کچھ لوگ مغرب کے بعد مسجد میں بیٹھتے ہیں، ان میں ایک شخص کہتا ہے: اتنی بار ”اللہ اکبر“ کہو، اتنی بار ”سبحان اللہ“ کہو، اتنی بار ”الحمد للہ“ کہو، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: جب تم ان کو ایسا کرتے ہوئے دیکھو تو میرے پاس آؤ اور ان کی نشست گاہ مجھے بتاؤ، پھر وہ شخص آیا اور بیٹھ گیا، جب ان سب کو کہتے ہوئے سنا تو اٹھا اور حضرت ابن مسعود کے پاس آیا، حضرت ابن مسعود تشریف لائے، (اور وہ بڑے سخت آدمی تھے) اور فرمایا: میں عبداللہ بن مسعود ہوں، قسم ہے

(۱) البدع والأشیء عنها للوضاح القرطبي، ص ۳۶، ۳۷، طبع الاعتدال دمشق ۱۳۳۹ھ۔

(۲) قواعد الأحكام ۲/۲، الاعتصام ۳/۳، ۳۴، انظار البدع والحوادث ص ۲۳، ۲۵۔

(۱) حدیث ”جاء ثلاثة رهط.....“ کی روایت بخاری (فتح ۹/۱۰۳، طبع استقویہ) اور مسلم (۲/۱۰۳، طبع المجلد) نے کی ہے۔

اس اللہ کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، تم لوگوں نے ظلماً ایک بدعت پیدا کی اور تم اصحاب محمد ﷺ سے علم میں بڑھ گئے، تو عمرو بن عتبہ نے کہا: ”استغفر اللہ“، تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم لوگ بس راستہ کو لازم پکڑو اور اسی کے مطابق چلو، اگر تم دائیں یا بائیں ہوئے تو بہت دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے (۱)۔

عادات میں بدعت:

۱۳- عادات کی بدعتوں میں بعض مکروہ ہیں، مثلاً کھانے پینے جیسی چیزوں میں فضول خرچی کرنا، اور بعض مباح (جائز) ہیں، مثلاً کھانے، پینے، پہننے اور رہنے کی چیزوں میں لذیذ چیزوں کا اضافہ کرنا، جیسے پہننا، آستین چوڑی رکھنا بشرطیکہ اسراف اور تکبر نہ ہو۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ جن عادات کا تعلق عبادات سے نہیں ہے ان میں نئی عادات کا اختیار کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اگر نئی عادات کے اختیار کرنے پر مؤاخذہ کیا جائے تو ضروری ہوگا کہ دور اول کے بعد جتنی بھی نئی عادتیں کھانے، پینے، پہننے اور پیش آمدہ مسائل میں ظاہر ہوئیں سب مکروہ بدعتیں قرار دی جائیں اور یہ باطل ہے، اس لئے کہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ جو عادتیں دور اول کے بعد وجود میں آئی ہیں وہ ان کے مخالف ہیں، اور اس لئے بھی کہ عادات ان چیزوں میں سے ہیں جو زمان و مکان کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں (۲)۔

بدعت کے محرکات و اسباب:

۱۴- بدعت کے اسباب محرکات بہت زیادہ اور متعدد ہیں، ان

(۱) تلمیذین و تلمیذات، ۱۶-۱۷ طبع ۱۹۵۷ء، الآداب الشرعیہ ۲/ ۱۱۹ طبع الریاض،

الکتاب البدع والحوادث لا بی ثامہ ص ۲۳۔

(۲) قواعد الاحکام ۲/ ۱۷۲-۱۷۳، الاعتصام ملہا طبعی ۲/ ۳۱، ۳۲۔

سب کا شمار کرنا دشوار ہے، اس لئے کہ وہ حالات، زمانہ، مقام اور اشخاص کے اعتبار سے بدلتے بھی رہتے ہیں، دین کے احکام اور اس کے فروع (جزئیات) بہت ہیں، اور ان سے انحراف کرنے اور ہر حکم میں شیطانی راستوں پر پڑ جانے کے اسباب بھی متعدد ہوتے ہیں، باطل کے کسی بھی راستہ پر نکل جانے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے، اس کے باوجود درج ذیل چیزیں بدعت کے اسباب و محرکات ہو سکتی ہیں:

الف- مقاصد کے ذرائع سے ناواقفیت:

۱۵- اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں غیر عربیت بالکل نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ، معانی اور اسلوب میں عرب کی زبان کے بالکل مطابق ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا“ (۱) (بے شک ہم نے اتارا ہے قرآن فصیح)، اور ارشاد ہے: ”قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ“ (۲) (قرآن واضح جس میں کوئی کجی نہیں)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اس وقت تک نہیں سمجھی جاسکتی جب تک عربی زبان نہ سمجھ لی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا“ (۳) (اسی طرح ہم نے اس کو عربی حکم نازل کیا)، اور اس (عربی زبان) کے اندر کوتاہی کبھی کبھی بدعت کی طرف لے جاتی ہے۔

ب- مقاصد سے ناواقفیت:

۱۶- مقاصد میں سے دو چیزیں ایسی ہیں جن کا جاننا اور ان سے

(۱) سورہ یوسف ص ۲۔

(۲) سورہ زمر ص ۲۸۔

(۳) سورہ بقرہ ص ۱۷۷۔

واقف رہنا انسان کے لئے ضروری ہے:

(۱) شریعت کامل و مکمل ہو کر آگئی اس میں نہ تو کوئی کمی ہے اور نہ زیادتی، اور شریعت کو کمال کی نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے نہ کہ نقص کی نظر سے، اور شریعت کی عادات، عبادات اور معاملات کے بارے میں اس کے ساتھ اعتماد اور یقین کا تعلق رکھنا ضروری ہے، اور اس سے ذرا بھی خروج کرنا صحیح نہیں ہے، اسی چیز سے مبتدعین غافل رہے اور شریعت میں کچھ اضافہ کر دیا، اور اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولنے کا ارتکاب کیا، اور ان سے جب اس سلسلہ میں کہا گیا تو انہوں نے کہا: ہم اللہ کے رسول کے خلاف جھوٹ نہیں بولتے بلکہ ان کی حمایت میں جھوٹ بولتے ہیں۔ محمد بن سعید اردنی سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا کہ جب کوئی بات اچھی ہو تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ اس کو اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کروں۔

(۲) اس کا پختہ یقین رکھا جائے کہ قرآن کی آیات اور احادیث کے درمیان یا قرآنی آیات میں باہم یا احادیث میں باہم کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے، اس لئے کہ سرچشمہ ایک ہی ہے، اور رسول اللہ ﷺ خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتے تھے، وہ وحی ہوتی تھی جو آپ پر اترتی تھی، اور کچھ لوگوں پر ان کی نادانی کی وجہ سے بعض چیزیں مختلف ہو گئیں، یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "يَقْرءُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ" (وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے گلے سے آگے نہیں بڑھے گا)۔ گذشتہ معروضات سے واضح ہے کہ شریعت کامل و مکمل ہے اور اس کے نصوص کے مابین کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے۔

شریعت کے کمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے:

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" (۱) (آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بہ طور دین کے پسند کر لیا)۔

ربالفاظ یا معنی میں تضاد کا نہ ہونا تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ غور کرنے والا قرآن میں اختلاف نہیں پائے گا، اس لئے کہ اختلاف علم، قدرت اور حکمت کے منافی ہے (۲)، "أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا" (۳) (کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ (کلام) اللہ کے سوا کسی (اور) کی طرف سے ہوتا تو اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے)۔

ج- سنت سے ماواقیفیت:

۱۷- بدعت کے اسباب میں سے سنت سے ماواقیفیت بھی ہے۔

سنت سے ماواقیفیت سے مراد وہ چیزیں ہیں:

(۱) اصل سنت سے لوگوں کی ماواقیفیت۔

(۲) صحیح اور غیر صحیح احادیث سے ان کا ماواقف ہونا جس کی وجہ

سے ان پر مسئلہ گندھ ہو جاتا ہے۔

سنت صحیح سے ماواقیفیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط

منسوب کی گئی احادیث کو اختیار کرنے لگتے ہیں۔

قرآن و سنت کے بہت سے نصوص اس سے منع کرتے ہیں،

ارشاد ربانی ہے: "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ، إِنَّ السَّمْعَ

وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا" (۴) (اور

(۱) سورہ مائدہ/۳۔

(۲) الاعتصام ۲/۲۶۸، الفخر الرازی ۱۰/۱۹۶، ۱۹۷۔

(۳) سورہ نساء/۸۲۔

(۴) سورہ اسراء/۳۶۔

بدعت ۱۸

اعتبار سے بھی اور کیفیت کے اعتبار سے بھی، اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے، اور جو متناہی ہو وہ غیر متناہی کے برابر نہیں ہو سکتا، اس کا خلاصہ یہ نکالو:

(۱) عقل جب تک اس صورت پر باقی ہے، اس کو علی الاطلاق ”حاکم“ (فیصل) نہیں مانا جائے گا، اور عقل پر ایک مطلقاً ”حاکم“ ثابت ہو چکا ہے، اور وہ ”شریعت“ ہے، لہذا ضروری ٹھہرا کہ جس کا حق مقدم ہونا ہے اس کو مقدم رکھا جائے، اور جس کا حق مؤخر رہنا ہے اس کو مؤخر رکھا جائے۔

(۲) جب انسان شریعت میں ایسی باتیں پائے جو بظاہر معروف عادات کے خلاف ہوں یعنی ویسا اس سے پہلے انسان نے نہ دیکھا تھا اور نہ ہی صحیح علم کے ذریعہ اس کو معلوم ہوا تھا تو ایسے موقع پر اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ فوراً اس کا انکار کر دے، بلکہ اس کے سامنے دو باتیں ہیں:

(۱) اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ”وَالَّذِينَ اسْتَحْيَوْا فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ، كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا“^(۱) (اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے) (وہ) سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے) پر عمل کرتے ہوئے ان کی تصدیق کرے اور تفصیلی علم کو راسخین فی العلم اور ماہرین علماء کے حوالے کرے۔

(۲) دوم یہ کہ اس میں تاویل کرے اور ممکن حد تک ظاہر کے مطابق آراء پر محمول کرے^(۲)، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرنا ہے: ”ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“^(۳) (پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک

اس چیز کے پیچھے مت ہولیا کہ جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان کی پوچھ ہر شخص سے ہوگی)۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“^(۱) (جو میرے اوپر قصداً جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے)۔

سنت سے ماواقیف ہی میں سے قانون سازی میں سنت کے رول سے ماوائف رہنا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے کہ شریعت میں سنت کا کیا مقام اور درجہ ہے، ارشاد ہے: ”وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“^(۲) (تو رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جایا کرو)۔

د- عقل سے خوش گمان ہونا:

۱۸- بدعت کے اسباب میں سے علماء نے عقل سے خوش گمانی کو بھی شمار کیا ہے، وہ یوں ہوتا ہے کہ مبتدع اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے اور وحی اور معصوم نبی ﷺ کے بتانے پر اعتماد نہیں کرتا، تو اس کی ناقص عقل صراط مستقیم (سیدھے راستہ) سے اس کو بہت دور ہٹا دیتی ہے اور وہ غلطی اور بدعت میں پڑ جاتا ہے، اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کی عقل اس کو منزل تک پہنچانے والی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عقل اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔

اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کے سوچنے کی ایک حد مقرر فرمادی ہے جس سے آگے وہ بڑھ ہی نہیں سکتی، کیت کے

(۱) حدیث: ”مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا...“ کی روایت بخاری (فتح ۲۰۲/۱ طبع استقبر) نے حضرت ابوہریرہ سے اور مسلم (۲۲۹۸، ۲۲۹۹ طبع الحلی) نے حضرت ابوسعید خدری سے کی ہے۔

(۲) سورہ حشر/۷۔

(۱) سورہ آل عمران/۷۔

(۲) الاعتصام للہامی ۲/۵۷، ۲۸۳، (علامہ الموقدین ۱/۲۷ طبع دار الفکر، الموافقات ۱/۸۷۔

(۳) سورہ جاثیہ/۱۸۔

فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ^(۱) (وہ وہی (خدا) ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے اس میں محکم آیتیں ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں، اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اس کے (اسی حصہ کے) پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے) تو دلیل کے اندر ان کی نگاہ تحقیق کرنے والے کی نگاہ کی طرح نہیں ہوتی کہ ان کی خواہش دلیل کے حکم کے تابع ہو جائے، بلکہ ان کی نظر اس شخص کی نظر کی طرح ہوتی ہے جو خواہش کے مطابق حکم لگاتا ہے، پھر اس کی تائید میں دلائل فراہم کرتا ہے^(۲)۔

و۔ خواہش (ہوی) کی اتباع:

۲۰۔ ”ہوی“ کا اطلاق نفس کے میلان اور کسی چیز کی طرف اس کے جھکاؤ پر ہوتا ہے، پھر اس کا استعمال اکثر بُرے میلان اور گندے رجحان پر ہونے لگا^(۳)۔

”بدعت“ کی نسبت ”اُہواء“ (خواہشات) کی طرف کی گئی، اور بدعتیوں کو ”اَہل الأُہواء“ (خواہشات والے) کہا گیا، اس لئے کہ انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور دلیلوں کو ضرورت اور بنیاد کی حیثیت سے نہیں دیکھا، بلکہ اپنی خواہشات کو مقدم کیا اور اپنی رائے پر اعتماد کیا پھر شرعی دلائل کو ان کا مؤید بنایا۔

۲۱۔ خواہشات کے در آنے کے مواقع^(۴):

الف۔ عادات اور آباء و اجداد کی پیروی کرنا اور ان سب کو دین بنادینا، ان ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”إِنَّا

خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی پر چلے جائیں اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے)، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا“^(۱) (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو، پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو رسول کی طرف لوٹا لیا کرو، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے)۔

ھ۔ متشابہ کی اتباع:

۱۹۔ بعض علماء نے فرمایا: قرآن کے جن احکام میں اختلاف ہو وہ متشابہ ہے، دوسرے حضرات نے کہا: متشابہ وہ ہے جس میں دلائل متقابل ہوں^(۲)، رسول اللہ ﷺ نے متشابہ کی اتباع سے منع فرمایا ہے: ”إِذَا رَأَيْتُمُ الْمُنِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَلَا تُلْكُمُ الْمُنِينَ سَمَى اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ“^(۳) (جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن کے متشابہ کی پیروی کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے، تم ان سے بچتے رہنا)، اللہ نے ان کا ذکر اس آیت میں کیا ہے: ”هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ، فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ

(۱) سورہ نساء، ۵۹۔

(۲) احکام القرآن للجصاص ۲/۳۳ طبع دار الکتب، تفسیر المیزان ۳/۳۳۳ طبع المجلس، الاعتصام ۱/۱۷۲۔

(۳) حدیث: ”إِذَا رَأَيْتُمُ الْمُنِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ.....“ کی روایت بخاری (فتح ۲/۸۸، طبع المستوفی) اور مسلم (۲۰۵۳/۳، طبع المجلس) نے کی ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۱) سورہ آل عمران ۷۷۔

(۲) الاعتصام ۱/۱۷۵۔

(۳) المعصباح فی المادۃ۔

(۴) الاعتصام ۱/۱۷۵ طبع ۲/۲۹۳، ۳/۳۱۳، اقتضاء الصراط المستقیم ص ۵۱۲، ۳۔

بدعت ۲۲

ہوسکتا ہے کہ اس کے مطابق حکم لگایا جائے؟

بدعت کی قسمیں:

دلائل سے قربت اور دوری کے اعتبار سے بدعت کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور اضافی۔

بدعت حقیقی:

۲۲- یہ وہ بدعت ہے جس کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو، نہ کتاب و سنت میں، نہ اجماع میں، نہ اہل علم کے نزدیک معتبر استدلال ہو، نہ فی الجملہ اور نہ تفصیلاً، اسی لئے اسے حقیقی بدعت کہا گیا کہ یہ ایسی نوپیداشی ہے جس کی مثال پہلے نہ تھی، اگرچہ بدعتی پسند نہیں کرتا ہے کہ اس کی جانب شریعت سے خروج کی نسبت کی جائے، کیونکہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا استنباط مقتضائے دلائل کے تحت ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے، نہ حقیقتاً اور نہ ظاہراً، حقیقتاً تو دلائل کی رو سے غلط ہے، اور ظاہراً یوں کہ اس کے دلائل شکوک و شبہات ہیں دلائل نہیں ہیں^(۱)، مثال کے طور پر تقرب الی اللہ کے لئے رہبانیت اختیار کرنا، شادی کا سبب پائے جانے اور کسی شرعی رکاوٹ کے نہ ہونے کے باوجود شادی نہ کرنا، جیسے اس آیت کریمہ میں مذکور عیسائیوں کی رہبانیت ”و رہبانیۃ ابتدعوہا ما کتبناہا علیہم إلا ابتغاء رضوان اللہ“^(۲) (اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر واجب نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اسے اختیار کر لیا تھا)۔ یہ چیز ماقبل اسلام تھی، اسلام آنے کے بعد ہماری شریعت میں اس فرمان کے ذریعہ سے

وَجَلَلْنَا آبَاعَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِم مُّهُتَمُونَ“^(۱) (ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک خاص طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش پر قدم رکھ رہے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے کہلوا دیا: ”قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَلْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءُكُمْ“^(۲) ((اس پر ان کے پیغمبر نے) کہا کہ اگرچہ میں اس سے بہتر طریقہ منزل پر پہنچا دینے کے اعتبار سے لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے)۔

ب۔ بعض مقلدین کا اپنے ائمہ کے بارے میں خاص رائے رکھنا اور ان کے لئے تعصب برتنا، کیونکہ تقلید کے اندر یہ مبالغہ پسندی بعض نصوص اور دلائل کے انکار یا ان کی تاویل اور اپنے مخالفین کو جماعت سے الگ شمار کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔

ج۔ غلط تصوف اور متصوفین پر طاری ہونے والے حالات یا ان سے منقول قول کو دین و شریعت کا درجہ دینا، اگرچہ وہ کتاب و سنت کے نصوص شرعیہ کے مخالف ہوں۔

د۔ کسی امر کے اچھے یا بُرے ہونے کا فیصلہ عقل کے ذریعہ کرنا، اس مذہب کا حاصل یہ ہے کہ شریعت کے بجائے انسانی عقول کو حاکم بنایا جائے، اور یہ ان بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے جس پر دین میں بدعت پیدا کرنے والوں کی عمارت کھڑی ہوئی ہے، اس طرح کہ شریعت اگر ان کی رائے کے موافق ہوئی تو اسے قبول کیا ورنہ چھوڑ دی گئی۔

ھ۔ خواب پر عمل کرنا، اس لئے کہ خواب کبھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اور کبھی نفسانی باتوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی پر اگندہ خیالات کا نتیجہ ہوتا ہے، تو صاف ستھرا اچھا سچا خواب کب متعین

(۱) الاعتصام ۱/۲۳۲۔

(۲) سورہ حدید ۱/۲۷۔

(۱) سورہ زخرف ص ۲۲۔

(۲) سورہ زخرف ص ۲۳۔

منسوخ کر دیا گیا: ”فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي“^(۱) (جو میری سنت سے اعراض کرے وہ میرے راستہ پر نہیں ہے)۔
اسی طرح مسلمان کا وہ کام کرنا جو اہل ہند کرتے ہیں کہ نفس کو مختلف قسم کی تکلیفوں اور عذاب میں مبتلا کرتے ہیں، ان طریقوں سے قتل کرتے ہیں جن سے دل دہل جائیں اور رو ٹگٹے کھڑے ہو جائیں مثلاً آگ سے جلا کر جلدی موت لانا تاکہ بزعم خود اللہ کا تقرب اور بلند درجات حاصل ہوں۔

اس کے اضافی بدعت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی اصل کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ جائز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ طبرانی نے ”الاوسط“ میں روایت کیا ہے کہ ”الصلاة خير موضوع“^(۱) (نماز سب سے بہتر عمل ہے) لیکن اس کے لئے مخصوص وقت اور مخصوص کیفیت کی پابندی کے اعتبار سے یہ غیر مشروع ہے۔
پس یہ اپنی ذات کے اعتبار سے مشروع ہے، اور اپنی کیفیت کے اعتبار سے بدعت ہے^(۲)۔

اضافی بدعت:

۲۳- اس بدعت کی دو جہتیں ہیں: ایک جہت وہ ہے جس سے دلائل کا تعلق ہے، اس جہت سے یہ بدعت نہیں ہے، دوسری جہت وہ ہے جس کا حقیقی بدعت کی مانند دلائل سے تعلق نہیں ہے، چونکہ اس عمل کے دونوں پہلو ہیں اور کسی ایک جہت میں مکمل طور سے داخل نہیں ہے، اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا، اس لئے کہ اپنی ایک جہت کے اعتبار سے یہ سنت ہے کہ یہ دلیل پر مبنی ہے، اور دوسری جہت کے اعتبار سے یہ بدعت ہے کہ اس کی بنیاد دلیل پر نہیں شہ پر ہے، یا اس کی بنیاد کسی پر ہے ہی نہیں، بدعت کی یہی قسم بدعت وسنت پر گفتگو کرنے والوں کے درمیان موضوع بحث و اختلاف ہے، اس کی بہت ساری مثالیں ہیں، جیسے ”صلاة الرغائب“، یعنی ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں مخصوص کیفیت کے ساتھ بارہ رکعت نماز، علماء نے فرمایا ہے کہ یہ قبیح و منکر بدعت ہے، اسی طرح نصف شعبان کی رات میں نماز جو مخصوص کیفیت کے ساتھ ایک سو رکعات کی ہے، اور والدین کی فرمانبرداری کی نماز۔

کافرانہ اور غیر کافرانہ بدعت:

۲۴- بدعت کے مختلف درجات ہیں، یہ کہنا درست نہیں کہ ہر بدعت کا ایک حکم ہے، خواہ صرف کراہت کا ہو یا صرف حرمت کا، کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ بدعت کے احکام مختلف ہیں، کچھ تو صریح کفر ہیں جیسے جاہلیت کی بدعت جن پر قرآن نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا: ”وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا“^(۳) (اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو (اللہ) ہی نے پیدا کئے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر رکھا ہے، اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا)، اور فرمایا: ”وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِلَّذُكُورِ نَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ“^(۴) (اور کہتے ہیں کہ ان

(۱) حدیث: ”الصلاة خير موضوع“ کی روایت ابن حبان (سوارو اطمینان) ۳ ص ۵۲ طبع استغیہ) نے کی ہے۔

(۲) ابن عابدین ۱/ ۳۶۱، الاعتصام للہا طبعی ۱/ ۲۳۲، المجموع للووی ۵۶/ ۳، انکار البدع والحوادث ص ۶۳، ۶۷۔

(۳) سورة النعام ۱۳۶۔

(۴) سورة النعام ۱۳۹۔

(۱) حدیث: ”فَمَنْ رَغِبَ“ کی روایت بخاری (الفتح ۹/ ۱۰۳ طبع سلفیہ) نے کی ہے۔

بدعت ۲۵

چوپایوں کے شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے، اور ہماری بیویوں کے لئے حرام ہے، اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں وہ سب شریک ہیں)، اور کہا گیا: ”مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ مَبْحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ“^(۱) (اللہ نے نہ بکیرہ کو شروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو)۔

اسی طرح منافقین کی بدعت جنہوں نے دین کو جان و مال وغیرہ کے تحفظ کا ذریعہ بنالیا تھا: ”يَقُولُونَ بَأْوََاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ“^(۲) (یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں)، ان جیسے امور بلاشبہ صریح کفر ہیں کہ نصوص شریعت میں ان پر نکیر ہے، اور ان پر وعید سنائی گئی ہے۔

کچھ بدعات گناہ کبیرہ ہیں، کفر نہیں ہیں، یا ان کے کفر ہونے میں اختلاف ہے، جیسے گمراہ فرقوں کی بدعات۔ اور کچھ بدعات بالاتفاق کفر نہیں ہیں صرف معصیت ہیں، جیسے دنیا سے کنارہ کشی اور دھوپ میں کھڑے ہو کر روزہ رکھنا، شہوت جماع کو ختم کرنے کے لئے خصی کرنا کہ احادیث میں ان کی ممانعت وارد ہے، بعض ایسی احادیث گذر بھی چکی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا“^(۳) (اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو، بے شک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے)۔

غیر کافرانہ بدعت کی گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں تقسیم:

۲۵- معاصی کچھ صغائر ہوتے ہیں اور کچھ کبائر، اس کا تعین اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ ضروریات سے متعلق ہیں یا حاجیات سے یا

تحسینیات سے، اگر ضروریات سے متعلق معصیت ہو تو وہ اکبر الکبائر ہے، اگر تحسینیات کے حق میں ہو تو وہ معصیت بلاشبہ ادنیٰ درجہ کی ہے، اور اگر حاجیات سے ان کا تعلق ہو تو ان کا مقام دونوں مذکورہ درجوں کے درمیان ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”الَّذِينَ يَحْتَبُونَ كِبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّثَمَ“^(۱) (وہ لوگ ایسے ہیں جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچے رہتے ہیں، مگر ہاں یہ کہ ہلکے ہلکے گناہ ہو جائیں)، اور ارشاد ہے: ”إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا“^(۲) (اگر تم ان بڑے کاموں سے جو تمہیں منع کئے گئے ہیں بچتے رہو، تو ہم تم سے تمہاری (چھوٹی) برائیاں دور کر دیں گے اور تمہیں ایک مقرر مقام پر داخل کر دیں گے)، پس جب معاصی ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ ان میں تفاوت ثابت ہے تو بدعات میں بھی اسی طرح تصور کیا جائے گا، کیونکہ بدعات بھی بمثلہ معاصی کے ہیں، کچھ بدعات کا تعلق ضروریات سے ہوگا، کچھ کا تعلق حاجیات سے، اور کچھ بدعات تحسینیات سے متعلق ہوں گی۔

ضروریات سے تعلق رکھنے والی بدعات یا تو دین سے متعلق ہوں گی یا جان، نسل، عقل یا مال سے متعلق ہوں گی^(۳)۔

دین سے متعلق بدعت کی مثال کفار کی اختراع اور ملت ہر ایہی میں ان کی جانب سے تبدیلی ہے، جیسے اللہ کا ارشاد ہے: ”مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ مَبْحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ“^(۴) (اللہ نے نہ بکیرہ کو شروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو)، اس آیت کا حاصل بھی یہی ہے کہ تقرب الہی کی نیت سے اللہ کی حلال

(۱) سورہ نجم ۳۲۔

(۲) سورہ نساء ۳۱۔

(۳) الاعتصام ملخصاً طبعی ۳۱/۲، قواعد الاحکام ۱۹۱، ابن ماجہ ۳۰۹/۳، ۳۱۰۔

(۴) سورہ انعام ۱۳۹۔

(۱) سورہ مائدہ ۱۰۳، دیکھئے قرطبی ۳۳۵/۷ طبع دار الکتب، الفخر الرازی

۱۰۹/۱۲، ۲۰۳/۱۳ طبع عبد الرحمن محمد۔

(۲) سورہ آل عمران ۱۶۷۔

(۳) سورہ نساء ۲۹، دیکھئے احکام اہل الذمہ ۶۷۳/۲۔

بدعت ۲۶-۲۷

کردہ اشیاء کو حرام کیا گیا ہے، باوجودیکہ وہ سابقہ شریعت میں بھی حلال تھیں۔

جان سے متعلق بدعت کی مثال بعض ہندوستانی فرقوں کا بڑے خود مقام بلند حاصل کرنے کے لئے اپنی جانوں کو مختلف قسم کے عذاب میں مبتلا کرنا اور مرنے میں جلدی کرنا ہے۔

نسل سے متعلق بدعت کی مثال عہد جاہلیت کے وہ نکاح ہیں جن کا معمول و رواج دین کی مانند ان میں تھا، حالانکہ نہ تو شریعت لہذا انہی ان سے آشنا تھی اور نہ دوسرے نبی کی شریعت، وہ محض ان کی اختراعات تھیں، ایسے ہی نکاح کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جاہلیت کے نکاحوں والی حدیث میں ہے^(۱)۔

عقل سے تعلق رکھنے والی بدعت کی مثال منشیات اور نشہ آور اشیاء کا رواج ہے جن کا استعمال بعض جائز واجبات کی ادائیگی میں قوت اور دیگر فوائد کے حصول کے دعویٰ سے کیا جاتا ہے۔

مال سے متعلق بدعت کی مثال قرآن کی زبان میں لوگوں کا یہ قول ہے: ”إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا“ (بیع بھی تو سودی کی طرح ہے) اس میں انہوں نے ایک فاسد قیاس سے استدلال کیا ہے^(۲)، اسی طرح دھوکہ، غرر اور خطرات پر مبنی وہ سارے خرید و فروخت کے معاملات جو لوگوں میں رواج پا جاتے ہیں۔

۲۶- بدعت کی کبیرہ اور صغیرہ کے اعتبار سے تقسیم چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

اول: اس پر مداومت نہ کی جائے، اس لئے کہ گناہ صغیرہ مداومت کرنے والے کے حق میں کبیرہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ مداومت

اس پر اصرار کا نتیجہ ہوتی ہے، اور صغیرہ گناہ اصرار کے نتیجے میں کبیرہ ہو جاتا ہے، اسی لئے علماء کہتے ہیں کہ صغیرہ اصرار کے ساتھ صغیرہ نہیں رہتا، اور کبیرہ استغفار کے ساتھ کبیرہ نہیں رہتا، یہی بات بغیر کسی فرق کے بدعت کے اندر بھی ہے۔

دوم: اس کی طرف دعوت نہ دی جائے، اگر کوئی انسان کسی بدعت میں مبتلا ہو اور اس کی طرف دعوت بھی دے تو اس کے گناہ کے ساتھ دوسروں کے گناہ بھی اس کے سر آئیں گے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَاعْلَيْهِ وَزَرُهَا وَوَزَرَ مَنْ عَمِلَ بِهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“^(۱) (جو شخص کوئی بُرا طریقہ رائج کرے تو اس پر اس کا گناہ اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہوگا)۔

سوم: ایسے عمومی مقامات پر اسے نہ انجام دیا جائے جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں، یا ایسے مقامات جہاں سنتوں پر عمل ہوتا ہو اور شریعت کے شعار کا بول بالا ہو، اور بدعت کرنے والا شخص ایسا نہ ہو جس کی لوگ اقتداء کرتے ہوں یا جس سے حسن ظن رکھتے ہوں، اس لئے کہ عوام آنکھ بند کر کے ان کی اتباع کرتے ہیں جن پر انہیں اعتماد ہو یا جن سے حسن ظن ہو، ایسی صورت میں عموم بلوئی ہوگا، اور لوگوں کے لئے ان معاصی کا ارتکاب آسان ہوگا^(۲)۔

داعی اور غیر داعی بدعتی:

۲۷- عرف میں بدعت کی جانب منسوب شخص یا تو اس بدعت میں مجتہد ہوگا یا مقلد، اور مقلد یا تو اپنے بدعتی مجتہد کی دلیل کا قرا بھی کرنا ہوگا، یا ایک عامی مقلد ہوگا جو کسی غور و فکر کے بغیر محض صاحب بدعت

(۱) حدیث: ”مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً.....“ کی ترویج (فقہ نمبر ۲ میں) گذر چکی ہے۔

(۲) الاعتصام ۲/۵۷، ابن ماجہ ۲/۱۳۰، الترمذی ۱/۳۴، قواعد الاحکام لابن عبد السلام ۲/۲۲ طبع الاستقامہ۔

(۱) حدیث: ”فِي الْكُفَّةِ الْجَاهِلِيَّةِ“ کی روایت بخاری (فتح ۱۸۲-۱۸۳ طبع المستوفی) نے کی ہے۔

(۲) الاعتصام ۲/۵۷، طبع ۱۳۱/۵۹۔

سے حسن ظن کی بنا پر ایسا کرتا ہوگا، حسن ظن کے سوا اس بابت کوئی تفصیلی دلیل اس کے پاس نہیں ہوگی، عوام میں اس قسم کے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، پس جب واضح ہوا کہ بدعتی گناہ گار ہے تو اس پر مرتب گناہ ایک درجہ کا نہیں ہوگا، بلکہ اس کے بھی مختلف درجات اس اعتبار سے ہوں گے کہ صاحب بدعت اس کا داعی بھی ہے یا نہیں، اس لئے کہ داعی کے دل میں کئی مقلد کی بہ نسبت زیادہ پائیدار ہوگی، اور اس لئے کہ اس نے اولاً اس طریقہ کو رائج کیا، اور اس لئے بھی کہ فرمان نبوی ”من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها الي يوم القيامة“ کے مطابق وہ اپنے قابعین کے گناہ کا بھی ذمہ دار ہوگا۔

اسی طرح خفیہ بدعت کا گناہ اعلانیہ بدعت سے مختلف ہوگا، اس لئے کہ خفیہ عمل کرنے والے کا ضرر اس کی ذات تک محدود رہتا ہے، اس سے تجاوز نہیں کرتا، اعلانیہ کرنے والا اس کے برعکس ہوتا ہے۔

اسی طرح بدعت پر اصرار اور عدم اصرار، بدعت کے حقیقی اور اضافی ہونے اور بدعت کے کافرانہ اور غیر کافرانہ ہونے کے اعتبار سے بھی گناہ کے درجات مختلف ہوں گے^(۱)۔

کے سلسلہ میں علماء کے تین اقوال ہیں:

اول: مطلقاً اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا، یہ امام مالک کی رائے ہے، اس لئے کہ بدعتی سے روایت اس کے کام کی ترویج اور اس کی عزت افزائی ہے، اور اس لئے کہ وہ اپنی بدعت کی وجہ سے فاسق ہو چکا ہے۔

دوم: اگر وہ اپنے مسلک کی تائید کے لئے جھوٹ کو روانہ سمجھتا ہو تو اس سے روایت کی جائے گی خواہ وہ بدعت کا داعی ہو یا نہیں، یہ امام شافعی، ابو یوسف اور ثوری کا قول ہے۔

سوم: کہا گیا ہے کہ اگر اپنی بدعت کا داعی نہ ہو تو استدلال کیا جائے گا، اگر داعی ہو تو نہیں کیا جائے گا۔

نووی اور سیوطی فرماتے ہیں کہ یہی قول سب سے زیادہ ترین انصاف اور اظہر ہے، اور یہ بہت سے بلکہ اکثر لوگوں کا قول ہے، اور اسی رائے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں بہت سارے غیر داعی مبتدعین سے استدلال کیا ہے۔

مبتدع کی شہادت:

۲۹- مالکیہ اور حنابلہ نے مبتدع کی شہادت رو کر دی ہے خواہ اس کی بدعت کی وجہ سے اس کی تکفیر کی گئی ہو یا نہیں، اور خواہ وہ بدعت کا داعی ہو یا نہیں، یہی رائے شریک، اسحاق، ابو عبید اور ابو ثور کی ہے، ان حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ مبتدع فاسق ہے جس کی شہادت اس آیت کریمہ کی وجہ سے مردود ہے: ”وَأَشْهِدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ“^(۱) (اور اپنے میں سے دو معتبر شخص کو کو اہ تھرا لو)، اور اس آیت کی وجہ سے ”إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا“^(۲)

بدعتی کی روایت حدیث:

۲۸- اپنی بدعت کی وجہ سے ارتکاب کفر کرنے والے کی روایت علماء نے رو کر دی ہے، اور روایت کی صحت میں اس سے استدلال نہیں کیا ہے۔

لیکن بدعت کی وجہ سے تکفیر کے لئے انہوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ صاحب بدعت شریعت کے کسی متواتر دین کے معروف و معلوم امر کا انکار کرے۔

جس شخص کی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہیں کی گئی ہو اس کی روایت

(۱) سورہ مائدہ ۱۰۶۔

(۲) سورہ حجرات ۱۲۔

(۱) الاعتصام ۱/۲۶۹، ۱۲۹، ۱۳۰، ابن ماجہ ۳/۵۲۹، ۵۳۶۔

(اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم تحقیق کر لیا کرو)، حنفیہ نے اور شافعیہ نے اپنے رائج قول میں کہا ہے کہ مبتدع کی شہادت قبول کی جائے گی جب تک کہ اس کی بدعت کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو، مثلاً وہ اللہ کی صفات اور بندوں کے افعال کی تخلیق کا منکر ہو، اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دلائل کی رو سے وہ حق پر ہیں۔

شافعیہ کا مرجوح قول یہ ہے کہ داعی بدعت مبتدع کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی^(۱)۔

مبتدع کے پیچھے نماز:

۳۰۔ مبتدع کے پیچھے نماز کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ، شافعیہ کی رائے ہے، اور یہی مالکیہ کی ایک رائے ہے کہ جب تک مبتدع کی اس کی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہ کی گئی ہو اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ جائز ہے، اگر اس کی بدعت کی وجہ سے تکفیر کی گئی ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، ان فقہاء نے اس رائے پر مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے، جن میں سے ایک نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ”صلوا خلف من قال لا إله إلا الله“^(۲) (جو لا الہ الا اللہ کہے اس کے پیچھے نماز پڑھو)، اور فرمان نبوی ہے: ”صلوا

خلف کل بر و فاجر“^(۱) (ہر نیک و فاجر کے پیچھے نماز پڑھو)۔ اور مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ خوارج وغیرہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں نماز پڑھتے تھے جب کہ وہ برسرِ پیکار تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ ایسے ایسے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں جو ایک دوسرے سے قتال کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: جو کہتا ہے ”حي على الصلاة“ (آؤ نماز کی طرف) میں اسے قبول کرتا ہوں، اور جو کہتا ہے ”حي على الفلاح“ (آؤ کامیابی کی طرف) میں اسے قبول کرتا ہوں، اور جو کہتا ہے آؤ اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرنے اور اس کا مال لوٹنے کے لئے، تو میں اس سے انکار کرتا ہوں۔ اور اس لئے کہ مبتدع مذکور کی نماز درست ہے تو اس کی اقتداء بھی دوسرے کی اقتداء کی طرح درست ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ جو شخص ایسے مبتدع کے پیچھے نماز پڑھے جو اپنی بدعت کا اعلان کرنا اور اس کی دعوت دیتا ہو تو وہ انتخاباً اپنی نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر ایسے مبتدع کے پیچھے نماز پڑھی جو اپنی بدعت کو پوشیدہ رکھتا ہو تو اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے^(۲)۔ اس رائے پر استدلال نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے کیا گیا ہے: ”لا تؤمن امرأة رجلاً، ولا فاجر مؤمناً إلا أن يقهره بسلطان أو يخاف سوطه أو سيفه“^(۳) (کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ

(۱) حدیث: ”صلوا خلف کل بر و فاجر“ کی روایت ابوداؤد (۳۹۸/۱ طبع عزت عید دہاس) اور دارقطنی (۵۶/۲ طبع دارالماہین) نے کی ہے الفاظ مؤخر مذکور کے ہیں، ابن حجر نے فرمایا: منقطع ہے (الطحاوی ۳۵۲/۲ طبع شرکت الطبائع الفقیہ)۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۱۸۵/۲، مغنی الحاج ۲۳۲/۱، فتح القدیر ۳۰۳/۱، حاشیہ ابن ماجہ ۳۷۱/۱، جامع الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳۲۹/۱۔

(۳) حدیث: ”لا تؤمن امرأة رجلاً“ کی روایت ابن ماجہ (۳۳۳/۱ طبع الطحاوی) نے کی ہے الزوائد میں ہے اس کی سند ضعیف ہے اس لئے کہ علی بن زبیر بن جعدان اور عبداللہ بن محمد عدوی ضعیف ہیں۔

(۱) تدریب الروی شرح تغریب النووی ص ۲۱۶-۲۱۷ طبع المکتبۃ العلمیہ، الکتاب فی علم الرویہ للخطیب ابن عدوی ص ۱۲۵-۱۳۲، قواعد التحدیث ص ۱۹۳-۱۹۵ طبع عتبی الخلی، کمال شرح النجاشی ص ۸۶-۸۷، المغنی ۱۶۶/۸ طبع سعودیہ حامیۃ الدسوقی ص ۱۶۵ طبع دار الفکر لشرح البغیر ص ۲۳۰ طبع سحارف، المجموع للنووی ص ۲۵۳ طبع المیزان لانتقیر۔

(۲) حدیث: ”صلوا خلف من قال لا إله إلا الله“ کی روایت دارقطنی (۵۶/۲ طبع دارالماہین) نے حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے ابن حجر نے فرمایا: عثمان بن عبد الرحمن - جو اس سند میں ہیں - کی بیٹی بن معین نے مکذہب کی ہے (الطحاوی ۳۵۲/۲ طبع شرکت الطبائع الفقیہ)۔

ﷺ کا فرمان ہے: ”صلوا علی من قال لا إله إلا الله“ (۱)
(لا إله إلا الله کہنے والوں پر نماز پڑھو)۔

لیکن مالکیہ کی رائے ہے کہ اصحاب فضل کے لئے مبتدع پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، تاکہ اس کا عمل دوسروں کے لئے اس جیسی حالت سے روکنے کا سبب بنے، اور اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی تو آپ ﷺ نے اس پر نماز نہیں پڑھی (۲)۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ مبتدع پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے مقروض اور خودکشی کرنے والے پر نماز نہیں پڑھی، حالانکہ ان دونوں کا جرم مبتدع سے کم ہے (۳)۔

مبتدع کی توبہ:

۳۳- ایسے مبتدع کی توبہ کی قبولیت میں جس کی بدعت کی وجہ سے تکفیر کی گئی ہو، علماء کا اختلاف ہے، جمہور حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَشَاءُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ“ (۴) (آپ کہہ دیجئے (ان) کافروں سے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں گے تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ (سب) انہیں معاف کر دیا جائے گا)۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله، فإذا قالوها فقد عصموا مني“

(۱) حدیث: ”صلوا علی من قال لا إله إلا الله“ کی تخریج فقرہ نمبر ۳۰ میں گذر چکی ہے۔

(۲) حدیث: ”انہی بوجل قتل نفسه فلم یصل علیہ“ کی روایت مسلم (۶۷۲/۲ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”لوک الصلاة علی صاحب الدین“ کی روایت بخاری (الفتح ۳۶۷/۳ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

(۴) سورة انفال ۳۸۔

کرے، اور نہ کوئی فاجر کسی مومن کی امامت کرے إلا یہ کہ قوت سے اسے مجبور کیا جائے، یا اس کو اس کے کوڑے یا اس کی تلوار کا اندیشہ ہو)۔

مبتدع کی ولایت:

۳۱- علماء کا اتفاق ہے کہ اصحاب ولایات عامہ جیسے امام اعظم، خلیفہ، صوبوں کے سربراہ اور قضاة وغیرہ کے لئے ضروری شرائط میں سے عادل ہونا بھی ہے، اور یہ کہ وہ خواہش پرست اور بدعتی نہ ہوں، تاکہ عدالت مصالح کے حصول اور مفاسد کے ازالہ میں کوتاہی پر اسے متنبہ کرے اور ہوا و ہوں اسے حق سے ہٹا کر باطل کی طرف نہ لے جائے، کہا جاتا ہے کہ محبت انسان کو اندھا اور ہر ابنادیتی ہے (۱)۔ لیکن امامت یا دیگر ولایات پر اگر کوئی زبردستی غالب آجائے تو اس کی ولایت منعقد ہو جاتی ہے، اور جائز امور میں اس کے امر و نہی اور فیصلہ کی اطاعت باتفاق فقہاء واجب ہے، خواہ وہ اہل بدعت و ہوی میں سے ہی ہو، بشرطیکہ اس کی بدعت کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو، ایسا اس لئے ہے تاکہ فتنہ کا ازالہ ہو، مسلمانوں میں وحدت باقی رہے، اور امت کا اتحاد برقرار رہے (۲)۔

مبتدع کی نماز جنازہ:

۳۲- مبتدع میت پر نماز جنازہ پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ جس مبتدع کی اس کی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہ کی گئی ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے، نبی کریم

(۱) قواعد الاحکام فی مصالح الامام ۵/۲، منہج الفکر ۱/۵۹، مغنی المحتاج ۳/۱۳۰، ۵/۳، حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۹۸، مغنی لابن قدامہ ۳/۳۹۹، الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۹۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۱۳۲، الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۳۳۔

مبتدع کی توبہ کی قبولیت کی بابت علماء کا اختلاف اس کے حق میں دنیاوی احکام سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ کے اس کی توبہ قبول کرنے اور اس کے گناہ معاف کر دینے کا جہاں تک تعلق ہے اگر وہ مخلص ہو اور اپنی توبہ میں صادق ہو تو اس کے قبول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے^(۱)۔

بدعت کے بارے میں مسلمانوں کی ذمہ داری:

۳۴- بدعت کے تین مسلمانوں پر چند ذمہ داریاں اس سے امتراز کی غرض سے عائد ہوتی ہیں:

الف۔ قرآن کریم سے لگاؤ، اس کا حفظ، اس کی تعلیم اور اس کے احکام کا بیان، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“^(۲) (اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کر دیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے)۔ اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلِمَهُ“^(۳) (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے)، اور ایک روایت میں ہے: ”أَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلِمَهُ“^(۴) (تم میں افضل وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے)، اور ارشاد نبوی ہے: ”تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدَّ تَفْصِيًّا مِنَ الْإِبْلِ فِي عَقْلِهَا“^(۵)

(۱) الاعتصام ۲/۲۳۰، والمآخذ ۱/۱۶۵، المغنی لابن قدامة ۸/۱۲۶، مغنی المحتاج ۳/۱۳۰، المحمل شرح المنہج ۵/۱۲۶، حاشیہ ابن ماجہ ۳/۲۹۷۔

(۲) سورہ نحل ۳۳۔

(۳) حدیث: ”خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلِمَهُ“ کی روایت بخاری (الفتح ۴/۷۳ طبع استغیہ) نے کی ہے۔

(۴) حدیث: ”أَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلِمَهُ“ کی روایت بخاری (الفتح ۴/۷۳ طبع استغیہ) نے کی ہے۔

(۵) حدیث: ”تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ“ کی روایت بخاری

دماء هم وأموالهم إلا بحقها، وحسابهم على الله“^(۱) (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ کلمہ کا اقرار کر لیں، اگر وہ کلمہ کا اقرار کر لیں تو اپنے خون اور اپنے مال کو سوائے اس کے حق کے، مجھ سے محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے)۔

حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں سے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ مبتدع کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اگر وہ ظاہر میں اسلام اور باطن میں کفر پر عمل پیرا ہو، جیسے منافق، زندیق اور باطنی، اس لئے کہ اس کی توبہ ڈر کے مارے ہوئی ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کی جانب سے ایسی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی جس سے اس کی توبہ کی صداقت واضح ہو، کیونکہ وہ اظہار تو اسلام کا کرتا تھا اور کفر بھی پوشیدہ رکھتا تھا، پس جب وہ توبہ کا اظہار کرتا ہے تو اپنی سابق حالت میں کوئی اضافہ نہیں کرتا ہے، ان لوگوں نے اس رائے پر بعض احادیث سے استدلال کیا ہے، مثلاً نبی کریم ﷺ کا قول ہے: ”سَيُخْرِجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَجَارِي بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ، لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصَلٌ إِلَّا دَخَلَهُ“^(۲) (عنقریب میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جن کے اندر خواہشات اس طرح دوڑیں گی جس طرح کتا اپنے مالک کے ساتھ دوڑتا پھرتا ہے، اس کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ نہیں بچے گا جہاں خواہش داخل نہ ہو جائے)۔

(۱) حدیث: ”أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۶/۱۱۳ طبع استغیہ) اور مسلم (۱/۵۳ طبع الحلی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”سَيُخْرِجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ.....“ کی روایت احمد (۳/۱۰۳ طبع المسیہ) اور ابوداؤد (۵/۵ طبع عزت عید دھاس) نے کی ہے ابن حجر نے تخریج احادیث الکشاف (۲/۸۳ طبع دار الکتاب العربی) میں اس کو صریح قرار دیا ہے۔

(قرآن سے تعلق رکھو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ اپنی تکمیل میں بندھے اونت سے زیادہ تیزی سے نکل جاتا ہے)، اس لئے کہ قرآن کی تعلیم اور اس کے احکام کے بیان کی صورت میں احکام شریعت کا ظہور مبتدعین کا راستہ بند کر دیتا ہے۔

ب۔ سنت کا اعلان و اظہار اور اس کا تعارف، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“^(۱) (تو رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جائیا کرو)، اور ارشاد ہے: ”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا“^(۲) (اور کسی مؤمن یا مؤمنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا)۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه غيره“^(۳) (اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی تو اسے یاد رکھا یہاں تک کہ دوسروں تک اسے پہنچایا)۔

اور فرمان نبوی ہے: ”ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها

من السنة“^(۱) (جب بھی کوئی قوم کوئی بدعت پیدا کرتی ہے تو اس کے برابر سنت اٹھالی جاتی ہے)۔

ج۔ ما اہل شخص کے اجتہاد کو قبول نہ کیا جائے، اور غیر مقبول مصادر سے کئے گئے دین میں اجتہاد کو رد کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“^(۲) (سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو)، اور ارشاد ہے: ”فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ“^(۳) (پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو)، اور ارشاد ہے: ”وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ“^(۴) (در آنحالیکہ کوئی اس کا (صحیح) مطلب نہیں جانتا بجز اللہ کے، اور پختہ علم والے)۔

د۔ جب تک کوئی رائے یا اجتہاد دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل سے مؤید نہ ہو اس کی متعصبانہ حمایت نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ“^(۵) (اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے)۔

ھ۔ عوام کو دین میں رائے زنی سے روکا جائے اور ان کی رائے کو اہمیت نہ دی جائے خواہ جو بھی ان کے عہدے اور مناصب ہوں، اور جتنے بھی وہ خدا ترس ہوں، إلا یہ کہ ان کی رائے کے ساتھ دلیل ہو۔

(۱) حدیث: ”ما أحدث قوم بدعة إلا.....“ کی روایت احمد (۳/۱۰۵ طبع المصنوع) نے کی ہے، ثقی نے کہا اس میں ابو بکر بن مریم ہیں جو منکر الحدیث ہیں (مجمع الروايات ۱/۱۸۸ طبع القدسی)۔

(۲) سورہ نحل ۳۳۔

(۳) سورہ نساء ۵۹۔

(۴) سورہ آل عمران ۷۔

(۵) سورہ قصص ۵۰۔

= (الفتح ۷/۹ طبع المصنوع) نے کی ہے۔

(۱) سورہ حشر ۷۔

(۲) سورہ احزاب ۳۶۔

(۳) حدیث: ”نضر الله امرأ سمع منا حديثاً.....“ کی روایت ابوداؤد

(۳/۶۹ طبع عزت عید دہاس) نے کی ہے ابن حجر نے اس کی تصحیح کی ہے

جیسا کہ فیض القدیر میں ہے (۲۸۵/۶ طبع المکتبۃ التجاریہ)۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“^(۱) (اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے، اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب یہی تو ہیں)، اور ارشاد ہے: ”وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“^(۲) (اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں، نیک باتوں کا (آپس میں) حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہتے ہیں)۔

۳۶- ازالہ بدعت کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراحل:

الف۔ دلائل کے ساتھ صحیح اور غلط کی وضاحت کی جائے۔
ب۔ حسن کلام سے وعظ کیا جائے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے: ”أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ“^(۳) (آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلائے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے)۔

ج۔ بدعت سے متعلق شرعی احکام بیان کر کے دنیاوی اور آخروی سزا و عقاب کا خوف دلایا جائے۔

د۔ جبراً روکا جائے، مثلاً (غلط) لہو و لعب کے آلات توڑ دئے جائیں، کاغذات پھاڑ دئے جائیں اور (ایسی) نشستوں کو درہم برہم کر دیا جائے۔

هـ۔ خوف و جہم کی صورت پر مارا جائے جو تعزیر کی حد تک ہو سکتا

ہو نیز یہ بسطامی کہتے ہیں: اگر تم دیکھو کہ ایک شخص اس قدر صاحب کرامات ہے کہ وہ ہوا میں اڑ رہا ہے تو بھی اس سے دھوکہ نہ کھاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اللہ کے احکام، حدود الہی کے تحفظ اور شریعت پر عمل میں وہ کس مرتبہ پر ہے^(۱)۔

ابو عثمان حیری فرماتے ہیں: جس نے سنت کو تو لا اور عملاً اپنا رہنما و حاکم بنایا اس کی زبان سے حکمت ادا ہوگی، اور جس نے خواہش نفس کو اپنا حاکم بنایا وہ بدعت کی باتیں کرے گا^(۲)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَإِنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَنَرَنَّكُمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُحِبُّ اللَّهُ وَالرَّسُولَ وَالْأَزْوَاجَ الْمُؤْمِنِينَ“^(۳) (اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ سے جا لگو گے)۔

و۔ گمراہ کن فکری رجحانات کا رد کرنا جو لوگوں میں دین کی بابت شکوک پیدا کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کو بغیر دلیل کے تاویل کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ“^(۴) (اے ایمان والو اگر تم ان لوگوں میں سے کسی گروہ کا کہنا مان لو گے جنہیں کتاب دی جا چکی ہے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے پیچھے تمہیں کافر بنا چھوڑیں گے)۔

اہل بدعت کے تین مسلمانوں کی ذمہ داری:

۳۵- حکام اور دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اہل بدعت کو معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں، سنت کی اتباع اور بدعات سے گریز اور ان سے دور رہنے پر انہیں آمادہ کریں کہ فرمان الہی ہے: ”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

(۱) رسالہ قشیریہ ۸۳/۱۔

(۲) حوالہ سابق ۱۱/۱۔

(۳) سورہ نور ۵۳۔

(۴) سورہ آل عمران ۱۰۰۔

(۱) سورہ آل عمران ۱۰۳۔

(۲) سورہ توبہ ۱۷۔

(۳) سورہ نحل ۱۲۵۔

ہے، لیکن یہ کام صرف امام یا اس کی اجازت سے ہی کیا جاسکتا ہے^(۱) تاکہ اس کے نتیجے میں اس سے بڑا ضرر نہ پیدا ہو جائے۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھی جائے اصطلاح ”امر بالمعروف ونہی عن المنکر“۔

والی ہوتی ہیں^(۱)۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ”لا تجالسوا اهل القدر ولا تناکحوہم“ (اہل قدر کی ہم نشینی مت اختیار کرو اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرو)۔

حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ ”اصحاب ہوی کے ساتھ میل جول نہ رکھو، مجھے اس بات سے اطمینان نہیں کہ وہ تمہیں اپنی گمراہیوں میں ڈال دیں یا تم پر تمہاری بعض پچانی چیزوں کو بھی گڈمڈ کر دیں^(۲)، امام احمد نے ان لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی جو خلق قرآن کے قائل تھے^(۳)۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اہل خیر و دین کو چاہئے کہ وہ مبتدع سے کنارہ کش رہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، اگر اس سے مجرموں کے لئے روک ہو تو اس کے جنازہ میں بھی شریک نہ ہوں^(۴)۔

مبتدع کی اہانت:

۳۸- علماء نے صراحت کی ہے کہ مبتدع کی اہانت جائز ہے، اس طرح کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اس کی جنازہ نہ پڑھی جائے، اسی طرح وہ بیمار ہو تو عیادت نہ کی جائے، اس میں اختلاف بھی ہے۔

مبتدع کے ساتھ معاملہ اور میل جول:

۳۷- اگر مبتدع اپنی بدعت کا علی الاعلان اظہار نہ کرتا ہو تو اسے نصیحت کی جائے گی، اس سے گریز نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کی تشہیر کی جائے گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”من ستر مسلما سترہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ“^(۲) (جو شخص کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا)۔

اگر اعتقادی، یا قولی یا عملی بدعات میں سے کسی ممنوعہ شے کا وہ اظہار کرتا ہو اور اس بات کو وہ جانتا بھی ہو تو ایسے شخص سے کنارہ کشی مسنون ہے، علماء کے نزدیک یہ مشہور ہے، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا تجالسوا اهل القدر، ولا تناکحوہم“^(۳) (اہل قدر کی ہم نشینی مت اختیار کرو اور نہ ان کے ساتھ گفتگو کا آغاز کرو)، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہو کہ اپنے دین کا اکرام کرے اسے چاہئے کہ شیطان سے میل جول اور اصحاب ہوی کی ہم نشینی سے اجتناب کرے، ان کی مجالس جنگ سے زیادہ چپک جانے

(۱) احیاء علوم الدین ۳/۳۰۶، ۳۱۵، فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۸/۲۱۹، مہیاسۃ الشریعہ ص ۱۰۲۔

(۲) حدیث: ”من ستر مسلما.....“ کی روایت مسلم (۱۹۹۶/۳ طبع النعلی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”لا تجالسوا اهل القدر.....“ کی روایت ابوداؤد (۸۳/۵ طبع عزت عبید دھاس) نے کی ہے اس کی سند میں جہالت ہے (عون المعبود ۳/۶۵، ۳۶۵، ۳۶۶)۔

(۱) الاعتصام مللہا طبعی ۱/۲۷۸ طبع المعرف۔

(۲) الاعتقاد علی مذاہب اسلام ص ۱۱۸۔

(۳) الآداب الشریعہ ۱/۲۵۸، ۲۶۱، الاعتقاد علی مذاہب اسلام ص ۱۱۷۔

(۴) فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۸/۱۸، ۱۷۔

بدل

دیکھئے: ”وبدال“۔

بدنتہ

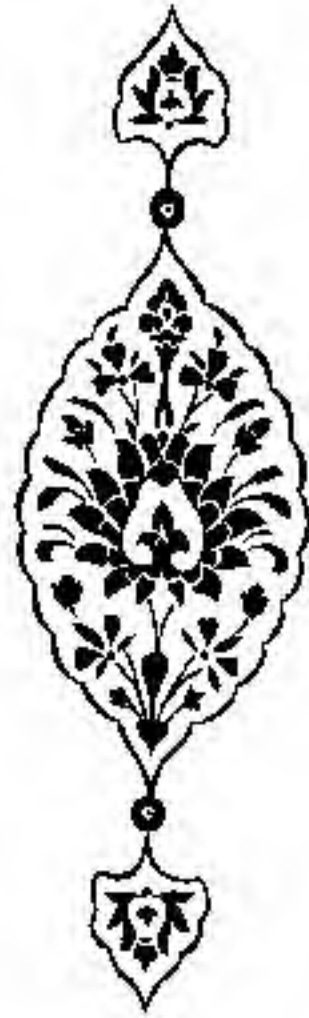
تعریف:

۱- ”بدنتہ“ لغت میں خاص اونٹ میں سے ہوتا ہے، اس لفظ کا اطلاق نر اور مادہ دونوں کے لئے ہوتا ہے، اس کی جمع ”بدنتن“ ہے، اس کو بدنہ اس کی ضخامت (بدن والے) کی وجہ سے کہا گیا۔
المصباح الممیر میں ہے: اہل لغت کہتے ہیں: بدنہ اونٹنی یا گائے کو کہتے ہیں، ازہری نے اضافہ کیا: یا نر اونٹ کو کہتے ہیں، انہوں نے کہا: بدنہ کا اطلاق بکری پر نہیں ہوتا ہے۔

اصطلاح میں بدنہ اونٹ کے ساتھ مخصوص ہے، اہل لغت گائے چونکہ شریعت میں بدنہ کے حکم میں ہے، اس لئے وہ اس کے قائم مقام ہوگئی، اس کی دلیل حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے: ”نحونا مع رسول اللہ ﷺ عام الحديبية البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة“^(۱) (ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال سات نراؤ کی جانب سے بدنہ کی قربانی کی، اور سات نراؤ کی جانب سے گائے کی قربانی کی) پس گائے بدنہ کے حکم میں ہوئی، باوجودیکہ ان میں مغایرت ہے، اس لئے کہ بقرہ کا عطف بدنہ پر کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں مغایرت ہے^(۲)۔

(۱) حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ: ”نحونا مع رسول اللہ ﷺ.....“ کی روایت مسلم (۳/۵۵۵ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۲) المفروق فی اللغة ص ۳۰۰ طبع بیروت، المصباح الممیر، المغرب: مادہ ”بدن“۔



افٹوں میں رہیں اور ان کے پیشاب اور رودھ پئیں، اور نجس کا پینا مباح نہیں ہے، اور اس لئے کہ نبی کریم ﷺ بکریوں کے رہنے کی جگہوں میں نماز پڑھتے تھے اور وہاں نماز کا حکم دیا (۱)۔

ب۔ وضو ٹوٹنا:

۳۔ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الوضوء مما خرج لا مما دخل“ (۲) (وضو ان چیزوں سے لازم آتا ہے جو باہر نکلیں نہ کہ ان سے جو اندر داخل ہوں)، اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دو میں سے آخری طریقہ یہ تھا کہ آگ سے کچی چیزوں (کی وجہ) سے وضو نہیں فرماتے تھے (۳)، اور اس لئے بھی کہ وہ کھائی جانے والی چیز ہے جو دیگر ماکولات کے مشابہ ہے۔

یہی قول حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو طلحہ، حضرت ابو الدرداء، حضرت ابن عباس، حضرت عامر بن ربیعہ اور حضرت ابوامامہ سے مروی ہے، جمہور تابعین بھی اسی کے قائل ہیں، اور یہی

(۱) ابن ماجہ ۲۱۳/۱، جامعہ الدسوقی ۵۱/۱، معنی المحتاج ۱/۱۷۷، کشاف

الفتح ۱/۱۵۳۔ حدیث: ”أن النبي ﷺ كان يصلي في مواضع الغنم.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۱/۱ طبع استغیہ) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”الوضوء مما خرج لا مما دخل...“ کی روایت دارقطنی

(۱/۱۵۱ طبع شرکت المطابع الفیہ) نے کی ہے ابن حجر نے فرمایا: اس کی سند میں فضل بن یحزق بہت ضعیف ہیں، ابن عدی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اصل یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

(۳) حدیث: ”كان آخر الامورين ترك الوضوء مما مسّت

الدار.....“ کی روایت ابوداؤد (۱/۱۳۳ طبع عزت عبید دعاس) نے کی ہے،

ابن خزم نے اس کو صحیح بتایا ہے (۲۸/۱ طبع مکتب الاسلامی)۔

اس کے باوجود بعض فقہاء نے ”بدنہ“ کا اطلاق اونٹ اور بقرہ دونوں پر کیا ہے (۱)۔

اجمالی حکم:

”بدنہ“ سے مخصوص احکام متعلق ہیں، جو درج ذیل ہیں:

الف۔ ”بدنہ“ کا پیشاب اور گوہر:

۲۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک جانور کے گوہر اور پیشاب نجس ہیں خواہ وہ جانور حلال ہوں یا حرام، اور ”بدنہ“ بھی جانور ہیں، ویل بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس جب دو پتھر اور ایک گوہر امتحان کی غرض سے لائے گئے تو آپ ﷺ نے دونوں پتھر لے لئے، اور گوہر واپس کر دیا، اور فرمایا: ”هذا ركس“ (۲) (یہ نجس ہے)، ”رکس“ نجس کو کہتے ہیں۔

جہاں تک پیشاب کی نجاست کا تعلق ہے تو اس کی ویل رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا عموم ہے کہ: ”تنزهوا من البول فإن عامة عذاب القبر منه“ (۳) (پیشاب سے بچو، بے شک عذاب قبر عام طور پر اسی سے ہوتا ہے)، اس میں تمام انواع کے پیشاب داخل ہیں۔ مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ حلال جانوروں کے پیشاب اور

گوہر پاک ہیں، اس لئے کہ حدیث ہے: ”أن النبي ﷺ أمر العربيين أن يلحقوا بابل الصدقة فيشربوا من أبوالها وألبانها“ (۴) (نبی ﷺ نے اہل عربیہ کو حکم دیا کہ وہ صدقہ کے

(۱) ابن ماجہ ۲۰۰/۵۔

(۲) حدیث: ”هنا ركس“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۵۶/۱ طبع استغیہ) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”تنزهوا من البول.....“ کی روایت دارقطنی (۱/۲۷ طبع شرکت

المطابع الفیہ) نے دو طرق سے کی ہے اور فرمایا: اس حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) حدیث: ”أن النبي ﷺ أمر العربيين أن يلحقوا بابل الصدقة فيشربوا من أبوالها وألبانها“ کی روایت بخاری (الفتح

۲۳۵/۱ طبع استغیہ) اور مسلم (۱۲۹۶/۳ طبع مکتب الاسلامی) نے کی ہے۔

رہا اونٹ کا دودھ تو اس کے پینے سے وضو ٹوٹنے کی بابت حنا بلہ کی دوروائتیں ہیں:

ایک روایت ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا، اس کی دلیل حضرت اسید بن حنظلہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”توضؤوا من لحوم الإبل و البانہا“^(۱) (اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کھانے پینے کی وجہ سے وضو کرو)۔

دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں وضو نہیں ہے، اس لئے کہ صحیح حدیث صرف گوشت کے سلسلہ میں وارد ہے، صاحب کشف القناع نے اس قول کو رائج قرار دیا ہے^(۲)۔

ج- بدنہ کا جوٹھا:

۴- تمام فقہاء کے یہاں اونٹ، گائے اور بکری سب کا جوٹھا پاک ہے، اور ان کے جوٹھے میں کسی طرح کی کراہیت نہیں ہے، سوائے یہ کہ وہ گندگی خور ہوں۔

ابن المنذر فرماتے ہیں: اہل علم کا اجماع ہے کہ حلال جانور کا جوٹھا پینا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے^(۳)۔

و- اونٹ اور بکریوں کے باندھنے کی جگہ میں نماز:

۵- جمہور علماء کی رائے ہے کہ اونٹ کے باڑھ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(۱) حدیث: ”توضؤوا من لحوم الإبل و البانہا“ کی روایت احمد (۳/۳۵۲ طبع لمبیدیہ) اور ابن ماجہ (۱۶۶/۱ طبع المجلد) نے کی ہے بھیری نے کہا حجاج بن ارطاة کے ضعف اور بدلیس کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔

(۲) خطاوی علی مرآۃ الفلاح ص ۷۷-۷۸، حاشیہ الدبوتی ۱/۲۳۳، شرح الروض ۱/۵۵۵، المجموع ۲/۵۷ اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی ۱/۱۸۷، ۱۹۰، اکشاف القناع ۱/۱۳۰۔

(۳) المغنی ۱/۵۰، حاشیہ الخطاوی علی مرآۃ الفلاح ص ۷۷۔

حنظلہ اور مالکیہ کا مسلک اور شافعیہ کا صحیح مذہب ہے۔

حنا بلہ کا مذہب نیز امام شافعی کا قدیم مسلک یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت کچا یا پکا ہوا، جان بوجھ کر یا بغیر جانے ہر حال میں کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، اس رائے کے قائل اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن یحییٰ ہیں، ماوردی نے صحابہ کی ایک جماعت سے یہی رائے نقل کی ہے جن میں زید بن ثابت، ابن عمر، ابو موسیٰ اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ شافعیہ میں سے ابو بکر بن خزیمہ اور ابن المنذر نے اسی کو اختیار کیا ہے، بیہقی نے اسی رائے کی ترجیح اور اختیار کی جانب اشارہ کیا ہے، اور نووی نے ”المجموع“ میں اس رائے کو قوی قرار دیا ہے۔

ان حضرات نے حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کے گوشت کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”توضؤوا منها، (اس کو کھانے سے وضو کرو)، اور بکری کے گوشت کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا يتوضأ منها“^(۱) (اس (کے کھانے) سے وضو نہیں کیا جائے گا)، ان کا استدلال اس ارشاد نبوی سے بھی ہے: ”توضؤوا من لحوم الإبل، ولا تتوضؤوا من لحوم الغنم“^(۲) (اونٹ کے گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کرو، بکری کے گوشت کھانے کی وجہ سے وضو نہ کرو)۔

(۱) حدیث: ”مثل عن لحوم الإبل ولحوم الغنم.....“ کی روایت ابو داؤد (۲۸/۱ طبع عزت عید دہاس) اور ابن خزیمہ (۲۲/۱ طبع المکتب الاسلامی) نے کی ہے اور ابن خزیمہ نے کہا: علماء محدثین کے درمیان اس بابت اختلاف کا ہمیں علم نہیں کہ یہ حدیث اپنے رواۃ کی عدالت کی وجہ سے از روئے نقل صحیح ہے۔

(۲) حدیث: ”توضؤوا من لحوم الإبل.....“ کی روایت ابن ماجہ (۱۶۶/۱ طبع تہذیب محمد فواد عبدالمہدی) نے کی ہے اس کی سند میں بقرہ بن ولید مدلس ہیں انہوں نے حضرت سے روایت کیا ہے اس کے رجال ثقات ہیں، خالد بن عمر مجہول الحال ہیں۔

صرف نذر کی صورت میں واجب ہے، یہ اونٹ، گائے اور بکری سے ہوتا ہے، اونٹ میں ضروری ہے کہ وہ پانچ سال پورے کر کے چھٹے سال میں داخل ہو گیا ہو۔

صحیحین میں ہے: ”انہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْمَى فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ مَانَةٌ بِمَذْنَةٍ“^(۱) (نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں ایک سواونٹ ہدی میں بھیجا)، اور مستحب ہے کہ ہدی کا جانور فرہ اور اچھا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ“^(۲) (اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے)، حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر فرہ اور اچھا ہونے سے کی ہے۔

ہدی میں بدنہ کے گلے میں قلاوہ ڈالنا مستحب ہے^(۳)، اس سلسلہ میں کچھ تفصیلات بھی ہیں جنہیں ”حج“، ”ہدی“، ”احرام“، ”قرآن“ اور ”تمتع“ کی اصطلاحات میں دیکھا جائے۔

ز- بدنہ کا ذبح:

۸- اونٹ اور جس میں بدنہ بھی شامل ہے، کے ذبح کے لئے ”نحر“ کا طریقہ مخصوص ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک اونٹ کا نحر کرنا مسنون ہے، اور مالکیہ کے نزدیک اس کا نحر واجب ہے، اور اسی حکم میں انہوں نے زرافہ کو بھی شامل کیا ہے۔

(۱) حدیث: ”انہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْمَى.....“ کی روایت بخاری (فتح ۵۵۷۳ طبع الشیخ) نے کی ہے۔

(۲) سورہ حج ۳۲۔

(۳) ابن ماجہ ۲۴۹۲، الدسوقی ۸۲/۲ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح الروض ۵۳۲ اور اس کے بعد کے صفحات، کشاف القناع ۵۲۹/۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔ تھلید بدنہ یہ ہے کہ اس کی گردن میں نشان لگا دیا جائے جس سے معلوم ہو کہ وہ ہدی ہے۔

حنفیہ نے اونٹ کے ساتھ گائے کو بھی کراہت کے حکم میں شامل کیا ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ بکری کی طرح گائے کے باڑھ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اونٹ کے باڑھ میں نماز درست نہیں ہے، یعنی جہاں اونٹ ٹھہرتے اور پناہ لیتے ہیں، لہذا اونٹ اپنے سفر میں جہاں ٹھہرتے ہیں وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے^(۱)۔

ھ- (حج میں) واجب ہونے والے دم:

۶- (حج) قرآن اور تمتع میں قربانی میں، اور حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں کسی واجب کے ترک یا کسی ممنوع کے ارتکاب میں سات فرس او کی طرف سے ایک بدنہ کافی ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر حائضہ یا نفاس والی عورت طواف کر لے تو مکمل بدنہ واجب ہوگا۔

جیسا کہ اگر محرم کسی بڑے شکار جیسے زراف یا شتر مرغ کو قتل کر دے تو اس اختیار کے مطابق جس کی تفصیل اپنے مقام پر کی گئی ہے، مکمل بدنہ واجب ہوگا۔

اسی طرح اس شخص پر (مکمل بدنہ) واجب ہوگا جو حج اور عمرہ کے احرام کی حالت میں تحلل اصغر سے پہلے جماع کر لے، اس مسئلہ میں اختلاف اور تفصیل بھی ہے جس کے لئے ”احرام“، ”حج“، ”ہدی“ اور ”صيد“ کی اصطلاحات کی جانب رجوع کیا جائے۔

و- ہدی:

۷- فقہاء کا اتفاق ہے کہ ہدی (حج میں قربانی کا جانور) سنت ہے،

(۱) ابن ماجہ ۲۵۵۳-۲۵۵۵، حاشیہ الدسوقی ۱۸۸-۱۸۹، معنی الحجاج ۲۹۳/۱، کشاف القناع ۲۹۳/۱۔

نح - ویت، جان کا بدلہ ویت:

۹ - اونٹ، سونا اور چاندی کی شکل میں ویت کی ادائیگی کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے، گھوڑا، گائے اور بکری میں اختلاف ہے، اس کی تفصیل کے لئے ”ویت“ کی اصطلاح دیکھی جائے۔



اونٹ کے ذبح کو شافعیہ اور حنابلہ نے جائز قرار دیا ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کو ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے، جیسا کہ ابن عابدین نے ابو السعد کے واسطے سے دیری سے نقل کیا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ: اونٹ میں ذبح اور دوسرے جانوروں میں نحر اختیار کرنا ضرورۃً جائز ہے۔

پھر نحر جیسا کہ ابن عابدین نے لکھا ہے سینہ کے پاس گردن کے نچلے حصہ میں رکوں کے کاٹنے کا نام ہے، اور ذبح دونوں دائروں کے نیچے گردن کے اوپری حصہ میں رکوں کا کاٹنا ہے۔

اور جانور کو کھڑا کر کے اس کے بائیں پاؤں کو باندھ کر نحر کرنا مسنون ہے، کیونکہ حضرت عبدالرحمن بن سابط سے مروی ہے: ”ان النبی ﷺ وأصحابہ كانوا یسحرون البلیذۃ معقولۃ الیسری، قائمۃ علی ما بقی من قوائمہا“^(۱) (نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحاب بدنہ کو بایاں پاؤں باندھ کر، بقیہ پیروں پر کھڑا کر کے نحر کرتے تھے)، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُہَا“^(۲) (پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں) جو اس بات کی دلیل ہے کہ جانور کو کھڑا کر کے نحر کیا جائے۔

نحر کا طریقہ یہ ہے کہ نیزہ سے اس وہدہ (گڈھا) میں مارا جائے جو سینہ اور گردن کی جڑ میں ہے^(۳)۔

(۱) حدیث عبدالرحمن بن سابط: ”ان النبی ﷺ وأصحابہ.....“ کی روایت ابو داؤد (۳۷۱/۲) طبع عزت عبید دھاس نے حضرت عبدالرحمن بن سابط سے مرسل اور حضرت جابر بن عبد اللہ کی متصل حدیث سے ملا کر کی ہے اس کی اصل صحیح بخاری (فتح ۵۵۳/۳ طبع الشقیہ) اور مسلم (۵۵۸/۲ طبع المجلد) میں ہے۔

(۲) سورہ حج/۳۶۔

(۳) ابن عابدین ۵/۱۹۲، الدسوقی ۲/۱۰۰، مغنی المحتاج ۳/۲۷۱، کشاف القناع ۳/۷، المواقیہ پیش الخطاب ۳/۲۲۰۔

کی وجہ سے بعض احکام میں فرق ہوتا ہے، ایسے اہم احکام آگے بیان ہوں گے۔

الف-بادیہ میں اذان:

۳- دیہاتی کے لئے اپنے دیہات میں ہر نماز کے وقت اذان کہنا مسنون ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسعیدؓ سے فرمایا: ”إنک رجل تحب الغنم والبادیة، فإذا دخل وقت الصلاة فأذن، وارفع صوتک بالنداء، فإنه لا یسمع مدی صوت المؤذن جن ولا إنس ولا شیء إلا شہد له یوم القيامة“^(۱) (تم بکری اور دیہات کو پسند کرنے والے شخص ہو تو جب نماز کا وقت آئے تو اذان دو، اور بلند آواز سے دو، اس لئے کہ مؤذن کی آواز جہاں تک بھی جس کسی جن یا انسان یا کسی شیئی تک پہنچتی ہے وہ قیامت کے دن اس کے لئے کوئی دے گی)، دیکھئے: ”اذان“۔

ب- جمعہ اور عیدین کا سقوط:

۴- دیہاتیوں پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے، اگر وہ اپنے بادیہ میں نماز جمعہ قائم کریں تو عدم استیطان (وہ نہ بنانے) کی وجہ سے جمعہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ مدینہ کے گرد و پیش رہنے والے بدو اور بادیہ کے اسلام قبول کرنے والے قبائل کو جمعہ کا حکم نہیں دیا گیا تھا، اور نہ ہی انہوں نے جمعہ قائم کیا، اگر انہوں نے نماز جمعہ قائم کی ہوتی تو اسے ضرور نقل کیا جاتا، بدو کی جمعہ کی نماز ظہر کی طرف سے کافی نہیں ہوگی،

(۱) التحریل علی شرح المنہاج، ۲/۵۸، الإصناف، ۱/۱۸۱، المغنی، ۲/۳۲۷، ۳/۳۳۱، ابن ماجہ، ۱/۲۶۱، المجموع، ۳/۳۵۵، کسی المطالب، ۲/۷۹، حدیث: ”إنک رجل تحب الغنم والبادیة.....“ کی روایت بخاری (۲/۸۷)، طبع المستطیع (کے کی ہے۔

بدو

تعریف:

۱- بادیہ (گاؤں) حاضرہ (شہر) کا برعکس ہے، لیٹ فرماتے ہیں: بادیہ اس زمین کا نام ہے جس میں حضر (شہریت) نہ ہو، اور بادی وہ شخص ہے جو بادیہ میں رہتا ہو اور اس کی رہائش خیموں اور جھونپڑیوں میں ہو اور کسی متعین مقام پر مستقل نہ رہتا ہو، بدو بادیہ کے رہنے والوں کو کہا جاتا ہے خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب، بادیہ میں رہنے والے عربوں کو اعراب کہا جاتا ہے، حدیث میں ہے: ”من بددا جفا“^(۱) یعنی جو بادیہ میں رہتا ہے اس میں اعراب کی ترشی و خنقی آجاتی ہے^(۲)۔

فقہاء اس لفظ کو ان ہی معانی میں استعمال کرتے ہیں۔

بدو سے متعلق احکام:

۲- شریعت میں اصل یہ ہے کہ احکام کا تعلق مکلف سے ہوتا ہے خواہ اس کا مقام رہائش کہیں ہو، اس وجہ سے شہریوں اور دیہاتیوں کے احکام برابر ہیں، البتہ شہریوں اور دیہاتیوں کے طبعی فرق کی بنا پر مذکورہ اصول سے بطور استثناء کچھ احکام دیئے گئے ہیں، پس اس فرق

(۱) حدیث: ”من بددا جفا“ کی روایت ابوداؤد (۳/۲۷۸، طبع عزت حیدرہاس) اور ترمذی (۵۲۳/۳، طبع المصنف) نے کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔
(۲) لسان العرب، النہایۃ فی غریب الحدیث، مفردات الراغب الاصبہانی، الاختیار، ۵/۸۵، قلیوبی و عمیرہ، ۱۲/۵۳، المغنی، ۷/۵۲۔

لیکن اگر وہ ایسی جگہ مقیم ہوں جہاں شہر کی اذان وہ سنتے ہوں تو ان پر نماز جمعہ واجب ہوگی (۱)۔

ج قربانی کا وقت:

۵- جمہور کے نزدیک قربانی کا وقت دیہاتیوں کے لئے وہی ہے جو شہریوں کے لئے ہے، حنفی نے اس سے اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں: چونکہ دیہات والوں پر نماز عید واجب نہیں، اس لئے جائز ہے کہ عید کے دن طلوع صبح صادق کے بعد ہی وہ اپنی قربانی کر لیں، لیکن شہر والے نماز عید کے بعد ہی قربانی کا جانور ذبح کر سکتے ہیں، اس لئے کہ عید کی نماز ان پر واجب ہے (۲)۔

۶- وظیفہ کا عدم استحقاق:

۶- وظیفہ شہر کے رہنے والوں کے ساتھ مخصوص ہے، دیہات والوں کے لئے بیت المال سے کوئی وظیفہ جاری نہیں ہوگا، نہ ہی فوجی وظیفہ اور نہ بچوں کے اخراجات، حتیٰ کہ ابو عبید نے فرمایا: ہم کو نہ رسول اللہ ﷺ اور نہ آپ کے بعد امر میں سے کسی کے متعلق یہ معلوم ہے کہ انہوں نے ایسا کیا ہو یعنی دیہات والوں کو فوجی عطیہ یا بچوں کے وظائف دئے ہوں، سوائے ان شہر والوں کے جو اسلام کی طرف سے دفاع کے اہل ہیں، اس کی دلیل حضرت بریدہ کی مرفوعہ حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی فوج یا کٹری پر کوئی سپہ سالار مقرر فرماتے تو اسے اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور

مسلمانوں کے حق میں خیر کی وصیت فرماتے، پھر فرماتے: اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر جنگ کرو، ان سے قتال کرو، جنہوں نے اللہ کا انکار کیا، جنگ کرو، زیادتی نہ کرو، دھوکہ نہ دو، مثلہ نہ کرو، کسی بچہ کو قتل مت کرو، جب مشرکین میں سے اپنے دشمن کا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی طرف بلاؤ، ان میں سے جو بھی وہ قبول کر لیں تو اسے تم مان لو اور ان سے گریز کر لو، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر قبول کر لیں تو مان لو اور ان سے جنگ کرنے سے رک جاؤ، پھر انہیں اپنے ملک سے منتقل ہو کر مہاجرین کے ملک آنے کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں وہ حقوق ملیں گے جو مہاجرین کے ہیں، اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں، اگر وہاں سے منتقل ہونے سے انکار کریں تو انہیں بتاؤ کہ وہ اعراب مسلمانوں کی طرح ہوں گے، ان پر اللہ کے وہ احکام جاری ہوں گے جو مومنین پر جاری ہوتے ہیں اور انہیں غنیمت اور فی میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا، لایہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں، اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر مان لیں تو قبول کر لو اور درگزر کرو، اگر انکار کریں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے قتال کرو، اور جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے مطالبہ کریں کہ تم ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دو تو تم انہیں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ مت دو، ہاں تم اپنا اور اپنے اصحاب کا ذمہ دو، اس لئے کہ اگر تم اپنے اور اپنے اصحاب کے ذمہ کی خلاف ورزی کر بیٹھو تو یہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ کی خلاف ورزی کرنے سے آسان ہے، اور جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو اور وہ مطالبہ کریں کہ تم انہیں اللہ کے فیصلہ پر اترنے دو تو تم انہیں اللہ کے فیصلہ پر مت اتارو بلکہ اپنے فیصلہ پر انہیں اترنے دو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تم ان کے حق میں اللہ کے فیصلہ کو

(۱) ابن ماجہ ۱/ ۵۳۶، ۵۳۷، جوہر الاکلیل ۱/ ۹۲، روضۃ المصابین ۲/ ۳۸، المغنی ۲/ ۳۲۔

(۲) فتح القدیر ۸/ ۷۲ طبع بلاق، حلیۃ العلماء للتحفہ ۳۲۰ طبع اول ۱۳۰۰ھ، الانصاف ۱/ ۲۰۲ طبع مطبعۃ المکملیہ، ۴۲ محمد بن حسن ۵/ ۱۳، ۴۲ رابو یوسف ۶/ ۶۳۔

پالو گے یا نہیں“ (۱)۔

لیکن امام اور عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اگر دیہات والوں پر زیادتی کی جائے تو جان و مال سے ان کی مدد کریں اور ان کا دفاع کریں، اور اگر کوئی مصیبت یا قحط نازل ہو تو اخراجات اور غنمخواری سے مدد کریں (۲)۔

دیہات منتقل نہیں کر سکتا، کیونکہ (دیہات میں) دین، علم اور ہنر سے محرومی کا ضرر اسے پہنچے گا، اگر اسے دیہات میں پائے تو شہر منتقل کر سکتا ہے، کیونکہ یہ منتقلی اس کے مفاد میں ہے، اور اسے دیہات میں رکھ سکتا ہے، جیسا کہ شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے، تفصیلات اصطلاح ”القیط“ میں دیکھی جائے (۱)۔

ھ- دیہات والے شہر والوں کے عاقلہ میں داخل نہیں اور اسی طرح برعکس:

۷- دیہاتی شہری قافل کے عاقلہ میں داخل نہیں، اور نہ شہری دیہاتی قافل کے عاقلہ میں داخل ہے، اس لئے کہ دونوں میں باہمی نصرت نہیں ہوتی جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں (۳)، تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”عاقلہ“۔

ح- شہری کے خلاف دیہاتی کی شہادت:

۱۰- شہری کے خلاف دیہاتی کی شہادت کے مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور نے اس کو درست قرار دیا ہے، اور مالکیہ نے منع کیا ہے (۲)، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: ”لا تجوز شهادة بدوي على صاحب قرية“ (۳) (بدوی کی شہادت صاحب قریہ کے خلاف درست نہیں ہے)، اور اس لئے بھی کہ وہ عموماً شہادت کو صحیح طریقہ پر ضبط نہیں کر پاتے۔

و- دیہاتی کی امامت:

۸- نماز میں اعرابی کی امامت مکروہ ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، اس لئے کہ عموماً ان میں احکام سے جہالت ہوتی ہے (۴)۔

فقہاء نے کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجماعة میں اس کا ذکر فرمایا ہے، (دیکھئے: ”امۃ الصلاۃ“ اور ”صلاۃ الجماعة“)

ط- حلال کھانے کی تعیین میں دیہات والوں کی عادات فیصل نہیں:

۱۱- جن کھانوں کے احکام شریعت میں منصوص نہیں ان کی بابت خبیث اور طیب کی پہچان میں کن لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے گا؟ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس سلسلہ میں صرف شہر کے عربوں پر اکتفا کیا جائے گا، امام نووی فرماتے ہیں: اس سلسلہ میں زمین،

ز- لا وارث بچہ کو دیہات منتقل کرنا اور اس کا حکم:

۹- اگر کوئی شہری یا دیہاتی شہر میں لا وارث کوئی بچہ پائے تو اسے

(۱) حاشیہ قلیوبی ۱۲۵/۵، اسنی الطالب ۲/۴۷۷۔

(۲) المغنی ۹/۱۶۷۔

(۳) حدیث: ”لا تجوز شهادة بدوي...“ کی روایت ابو داؤد (۲۶/۳) طبع عزت عید دھاس (اور حاکم (۹۹/۳) طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے ابن دقیق العید نے کہا: اس کے رجال انتہائی صحیح کے رجال ہیں (الامام ص ۵۲۰ طبع دارالافتاء الاسلامیہ الریاض)۔

(۱) حدیث بریدہ ”إذا لقيت عدوك...“ کی روایت مسلم (۳/۵۷۳) طبع مجلس نے کی ہے۔

(۲) الاسوال لابن عید ص ۲۲۷ اور اس کے بعد کے صفحات، طبع مصطفیٰ محمد۔

(۳) الشرح المفیر ۳/۲۰۲ طبع دارالمعارف۔

(۴) الاختیار ۵/۵۸ طبع دارالمعرفۃ بیروت۔

جائداد والے مال دار و خوشحال عربوں کی جانب رجوع کیا جائے گا نہ کہ دیہات کے رہنے والے گنوار فقراء اور محتاجوں کی طرف، ابن قدامہ فرماتے ہیں: اس لئے کہ یہ لوگ ضرورت اور بھکمری کی وجہ سے جو پاتے ہیں کھا لیتے ہیں^(۱)۔

بذر

تعریف:

۱- بذر لغت میں بھتی کے لئے زمین میں دانہ ڈالنے کا نام ہے، یہی مصدر ہے، اور کبھی اس کا اطلاق بیج پر بھی ہوتا ہے، تو اس صورت میں مصدر کا اطلاق اسم مفعول پر ہوتا ہے۔
فقہی استعمال اس مفہوم سے الگ نہیں ہے^(۱)۔

اجمالی حکم:

۲- کاشت کے لئے زمین میں بیج ڈالنے کی بابت اصل یہ ہے کہ یہ مباح ہے اگر اس کی کاشت مباح ہو، دلیل آیت قرآنی ہے: ”أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ“^(۲)
(اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جو کچھ تم بوتاے ہو اسے تم اگاتے ہو یا (اس کے) اگانے والے ہم ہیں)۔

یہ آیت احسان و امتنان کی جہت سے کاشت کی اباحت پر دلالت کر رہی ہے، بھیتی کبھی صدقہ کی نیت کی وجہ سے مندوب ہوتی ہے، اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”ما من مسلم يغرس غرساً، أو يزرع زرعاً، فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة

ی- دیہات والوں میں سے عدت والی عورت کے کوچ کرنے کا حکم:

۱۲- اہل دیہات کی زندگی میں اصل یہی ہے کہ شاداب علاقوں کی تلاش میں ایک دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں، اس لئے دیہاتی عدت والی عورت کے اہل خانہ اگر منتقل ہوں تو وہ بھی ان کے ساتھ منتقل ہوگی اور گنہ گار نہیں ہوگی، کیونکہ اہل خانہ کو چھوڑ کر تنہا اس کا قیام باعث حرج ہے، اور اس لئے بھی کہ سفر ان کی زندگی کا لازمہ ہے، کتب فقہ میں کتاب العدة کے تحت فقہاء نے اس پر گفتگو فرمائی ہے^(۲)۔

ک- دیہاتی کا شہری ہو جانا:

۱۳- اگر دیہاتی شہر میں آکر آباد ہو جائے تو شہر والوں میں شمار ہوگا اور شہر کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

(۱) لسان العرب، الکلیات: مادہ ”بذر“، طبعة المطبعة ۲۰، فتاویٰ برازیل

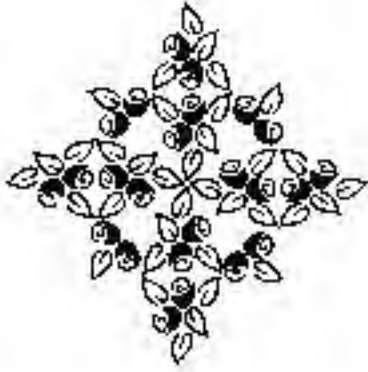
بر حاشیہ الفتاویٰ الہندیہ ۶/۸۸۔

(۲) سورۃ البقرہ ۶۳، ۵۳۔

(۱) المجموعہ ۲۵/۸، طبع المیزان، المغنی ۵۸۵/۸، طبع المیزان۔

(۲) المغنی ۵۲۷/۷، طبع سوم۔

میں، اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے ”زکاۃ الزروع“ کی اصطلاح دیکھی جائے^(۱)، اور ایسے دانہ پر فی الجملہ زکوٰۃ واجب ہے جو وقف کر دیا گیا ہو کہ ہر سال کسی مملوک یا کرایہ کی زمین میں اسے بویا جائے، بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائے، برخلاف اس دانہ کے جسے قرض دینے کے لئے وقف کیا گیا ہو، اس میں ان حضرات کے نزدیک زکاۃ نہیں ہے جو فقراء وغیرہ کی ضرورت کے لئے کاشت کی غرض سے دانہ کے وقف کے جواز کے قائل ہیں^(۲)، اور غصب کے باب میں مقام بحث ہے غصب کی ہوئی یا زیادتی سے حاصل شدہ زمین میں بیج ڈالنا، اور بیج ڈالنے کے بعد مالک زمین کا اپنی زمین لوٹالیا، کیا غصب کرنے والے کو بیج کا عوض دلایا جائے گا یا نہیں، اس کی تفصیل کا مقام اصطلاح ”غصب“ ہے^(۳)۔



إلا كان له به صدقة“^(۱) (اگر کوئی مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کاشت کرتا ہے، پھر اس میں سے پرندہ یا انسان یا جانور کھاتے ہیں تو اس کے لئے یہ صدقہ ہوتا ہے)، اور کبھی یہ واجب ہوتی ہے جب کہ لوگ اس کے محتاج ہوں، اور کبھی بعض اقسام کے بیج ڈالنا حرام ہوتا ہے مثلاً کوئی ایسا دانہ کاشت کے لئے بویا جو لوگوں کے لئے ضرر رساں ہو جیسے حشیش اور افیون کی کاشت، کیونکہ یہ اور اس جیسی اشیاء ضرر اور فعل حرام کا ذریعہ بنتی ہیں، اور جوشی کسی حرام کا ذریعہ ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے^(۲)۔

بحث کے مقامات:

۳- فقہاء نے مزارعت، زکاۃ اور غصب کے ابواب میں مخصوص مقامات پر ”بذر“ سے متعلق گفتگو فرمائی ہے:

چنانچہ مزارعت (کے باب میں گفتگو کا مقام یہ ہے کہ) عقد مزارعت میں اس کی صحت یا فساد کے تعلق سے بیج کس کے ذمہ ہوگی، (یہ بحث) ان فقہاء کے نزدیک ہے جو مزارعت کا اعتبار کرتے ہیں جیسے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ^(۳)، اور زمین میں بیج ڈالنے سے عقد مزارعت کے لزوم کی بحث میں، اس بابت تفصیل بھی ہے جس کے لئے ”مزارعت“ کی اصطلاح دیکھی جائے^(۴)۔

زکاۃ کے باب میں کاشت کی پیداوار اور اس کے شروط کے مسئلہ

(۱) حدیث: ”مما من مسلم.....“ کی روایت بخاری (التح ۳/۵ طبع المنقہ) نے کی ہے۔

(۲) ابن عابدین ۲/۲۲۳، ۳/۱۶۵، ۱۶۶۔

(۳) ابن عابدین ۵/۱۶۶، الہدایہ ۳/۳، جوہر لا کلیل ۲/۲۳، ۲۵، ۳۶، قلیوبی وغیرہ ۳/۶۱، المغنی ۵/۳۳۸ طبع سعودیہ۔

(۴) ابن عابدین ۵/۷۷، جوہر لا کلیل ۲/۲۳، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/۳۶۱، المغنی ۲/۳۳۳۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/۵۵، الاقناع ۱/۲۵۸، ۲۵۷۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۱/۳۸۵۔

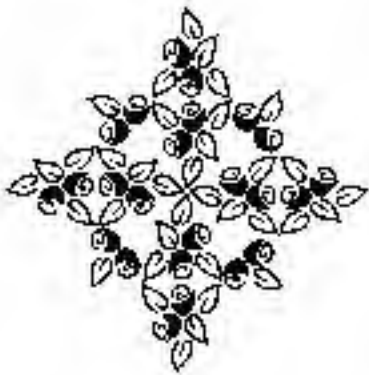
(۳) جوہر لا کلیل ۲/۵۳، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۶۱، المغنی ۲/۳۳۳۔

بذرقہ ۱-۲

دوسری رائے یہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا، حنفیہ کے نزدیک یہی زیادہ صحیح اور مفتی بہ رائے ہے، اور یہی رائے مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کی ہے۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ حارس (محافظ) اجیر خاص ہے یا اجیر عام، جن فقہاء نے اسے اجیر خاص مانا اسے ضامن نہیں قرار دیا^(۱)، اور جنہوں نے اسے اجیر عام مانا جیسے ابو یوسف اور محمد، انہوں نے اسے ضامن قرار دیا۔

ان مقامات کی تفصیل کے لئے دیکھی جائیں اصطلاحات: ”اجارہ“، ”ضمان“، ”خفارہ“، ”خفارہ“^(۲)۔



بذرقہ

تعریف:

۱- بذرقہ کا لفظ، ابن خالو یہ کہتے ہیں کہ فارسی ہے جسے عربی کا جامہ پہنا دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ غیر خالص عربی لفظ ہے، اس کا معنی: خفارہ (محافظین) ہے، ایسی جماعت جو قافلہ کے آگے آگے حفاظت کے لئے چلتی ہے۔

اس لفظ کا تلفظ بعض حضرات ”ذل“ سے کرتے ہیں، اور بعض حضرات ”ول“ سے، اور کچھ لوگ دونوں حروف سے تلفظ کرتے ہیں۔ یہ لفظ اصطلاحاً بھی اسی معنی میں مستعمل ہے، البتہ اس سے سفر وغیرہ میں نگرانی و حفاظت مراد لی جاتی ہے^(۱)۔

اجمالی حکم:

۲- علماء نے بالاتفاق بذرقہ ”خفارہ“ (نگرانی) یا حرمتہ ”(حفاظت) کو درست قرار دیا ہے، اور اس پر اجماع لیا جائے گا قرار دیا ہے۔

انہیں ضامن قرار دینے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں، اس اختلاف کی بنیاد بذرقہ کی تصویر کشی پر ہے کہ آیا یہ اجارہ عامہ ہے یا اجارہ خاصہ۔ پہلی رائے یہ ہے کہ وہ اس چیز کی قیمت کا ضامن ہوگا جو اس سے کھوجائے، یہ رائے حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور محمد کی ہے۔

(۱) لسان العرب، المصباح الممیر: مادہ ”بذرق“، ابن حابدین ۵/۲۳ طبع بولاق، تہذیب الاحکام بہامش فتح اعلیٰ الممالک ۲/۲۸ طبع التجاریہ الکریم، قلیوبی و عمیرہ ۸۱ طبع المکمل، کشاف القناع ۳/۳۲۔

(۱) الہدایہ ۳/۴۳۶، البدائع ۳/۲۱۱، المہذب ۱/۴۰۸، نہایۃ المحتاج ۵/۳۰۸،

کشاف القناع ۳/۴۵۵، المغنی ۶/۱۰۸، لشرح المصنف ۳/۳۲۳، ۳۱۔

(۲) البدائع ۳/۲۱۱-۲۱۲، الہدایہ ۳/۴۳۳، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۵۰۰، حاشیہ

ابن حابدین ۳/۴۰، حاشیہ الدرر ۳/۲۸، المہذب ۱/۴۱۵، حاشیہ قلیوبی

۸۱۔

(۳) کمیٹی کی رائے ہے کہ اگر خفارہ کسی متعین قافلہ کا ہو تو اس پر اجیر خاص کے

احکام جاری ہونے چاہئیں، اور اگر خفارہ قافلہ کا ہو تو اس پر اس راستہ سے

گذرنے والے تمام قافلوں کے لئے مشترک اجیر کا حکم جاری ہونا چاہئے۔

فارغ ہوا اور بری ہوا۔

اصطلاح میں ابراء کسی شخص کا دوسرے کے ذمہ یا اس کے تئیں اپنا حق ساقط کر دینے کو کہتے ہیں، معاملات اور دیون میں اس کی تعریف آبی مالکی نے یوں کی ہے: اپنے دیون کے ذمہ سے دین کو ساقط کر دینا اور دین سے ذمہ کو فارغ کر دینا۔

پس اگر قرض خواہ (دائن) نے بری کر دیا یا اس طور کہ اپنے دیون کے ذمہ سے دین کو ساقط اور ذمہ کو فارغ کر دیا تو براءت حاصل ہوگئی۔ اس طرح بری کر دینا براءت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، براءت کبھی بری کر دینے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی دوسرے سبب سے، جیسے کہ قرض خواہ دیون سے اپنا حق وصول کر لے، یا ضمان کا سبب دائن کے فعل کے علاوہ کسی دوسرے عامل کی وجہ سے زائل ہو جائے۔ اور کبھی ان دونوں ("ابراء" اور "براءت") میں سے ایک لفظ دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا ہے، اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان اثر اور موثر کا تعلق ہے^(۱)، (دیکھئے: ابراء)۔

ب- مباراة:

۳- مباراة لغت کی رو سے براءۃ سے مغاللت کا صیغہ ہے، یہ دو جانب سے براءت میں اشتراک کو کہتے ہیں^(۲)، اور یہ الفاظ خلع میں شمار ہوتا ہے، اگر زمین کے درمیان مبارات واقع ہو تو نکاح سے تعلق رکھنے والے ہر ایک کے دوسرے کے تئیں حقوق کو ساقط کر دیتی ہے، اس میں تفصیل بھی ہے، اس لفظ کا اکثر استعمال بیوی کا شوہر پر لازم اپنے حقوق کو طلاق کے عوض ساقط کر دینے کے لئے ہوتا

براءة

تعریف:

۱- براءۃ لغت میں کسی شئی سے نکل جانے اور اس سے جدا ہو جانے کو کہتے ہیں، اس کی اصل "البراء" ہے جو "القطع" کے معنی میں ہے، پس براءت کے معنی تعلق قطع کرنے کے ہوئے، کہا جاتا ہے: "برئت من الشيء، و أبرأ براءۃ" جب کسی شئی کو اپنی ذات سے دور کر دے اور اس کے اسباب کاٹ دے، اور "برئت من المدين" دین مجھ سے منقطع ہو گیا اور ہمارے درمیان تعلق نہیں رہا^(۱)۔

براءۃ کا اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی سے الگ نہیں ہے، چنانچہ فقہاء الفاظ طلاق میں "براءۃ" سے جدائی مراد لیتے ہیں، دیون، معاملات اور جنایات کے ابواب میں چھٹکارا اور بے قصور ہونے کا معنی مراد لیتے ہیں، اور فقہاء کے یہاں بکثرت یہ جملہ ملتا ہے، "الأصل براءۃ الذمۃ" یعنی اصل ذمہ کا فارغ ہونا اور دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہونا ہے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- ابراء:

۲- ابراء لغت میں "بری" سے افعال کا صیغہ ہے، جس کا معنی ہے

(۱) لسان العرب: مادہ "براء"، فتح القدیر ۱/ ۳۱۰، المعجم فی القواعد للبرکشی

۸۱/ ۱، جوہر لا طیل ۱۲/ ۲، المغنی ۵/ ۶۵۹۔

(۲) لسان العرب، المصباح مادہ "برئ"۔

(۱) لسان العرب، المصباح مادہ "براء"، الکلیات (ابی البقاء) ۱/ ۳۲، لفروق فی

المعجم ۱۳۱، تفسیر قرطبی ۸/ ۶۳، تفسیر خازن الرازی ۱/ ۲۱۷۔

(۲) درر الحکام شرح مجلہ الاحکام ۲۲/ ۳، الاختیار ۳/ ۳۲، قلیوبی ۳/ ۲۹۳۔

طرح اگر غصب کر دیا تلف کردہ شی کی مقدار کے بارے میں فریقین میں اختلاف ہو تو مقرض کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ اصل زائد مقدار سے بری ہوتا ہے^(۱)۔

براءت کے لفظ سے ذمہ کا وصف بیان کیا جاتا ہے، اسی لئے فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ اعیان کا وصف براءت کے لفظ سے بیان نہیں ہوتا، بلکہ براءت سے مراد ذمہ داری یا دعویٰ سے بری ہونا ہو^(۲)۔

اس کے علاوہ معاملات و جنایات میں اس قاعدہ کی مختلف فروعات ہیں، ان کی تفصیل ”دعویٰ“ اور ”بیانات“ کے مباحث میں دیکھی جائے۔

۶- پھر براءت ذمہ کے لئے اصل کی طرح دلیل کی ضرورت نہیں ہے، اگر کسی عمل کے ارتکاب یا کسی معاملہ کی انجام دہی کی وجہ سے ذمہ مشغول ہو جائے تو اس کی مشغولیت اور ضمان کے فرق کے لحاظ سے مختلف اسباب سے اس کی براءت حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ حقوق اللہ کے اندر ذمہ اگر اپنے اوپر لازم اموال جیسے زکاۃ اور صدقات واجبہ کے ساتھ مشغول ہو تو ان کی ادائیگی سے ہی براءت حاصل ہوگی جب تک کہ وہ میسر ہوں، اگر ذمہ بدنی عبادات جیسے نماز اور روزہ کے ساتھ مشغول ہو تو ان کی ادائیگی سے اس کی براءت ہوگی، اور اگر وقت نکل جائے تو قضا سے ہوگی بشرطیکہ وہ اتنی قلیل ہوں کہ ان کی قضا ممکن ہو، ورنہ توبہ اور استغفار سے براءت ہوگی اور اس کا معاملہ اللہ کے ذمہ ہوگا۔

حقوق العباد میں اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا مال غصب

ہے^(۱)، جیسا کہ طلاق اور خلع کے مباحث میں اس کی وضاحت ہے: پس مہارات، براءت کے مقابلہ زیادہ خاص ہے۔

ج- استبراء:

۴- استبراء کا لغوی معنی براءت طلب کرنا ہے، شرعاً اس کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے:

اول: طہارت میں گندگی سے دونوں مخرجوں (نجاست نکلنے کی جگہ) کی نظافت کے معنی میں۔

دوم: نسب میں، عورت کا حمل اور دوسرے کے مادہ منویہ سے طلب براءت کے معنی میں، جیسا کہ فقہاء اس معنی کے لئے استبراء رحم کا لفظ استعمال کرتے ہیں^(۲)۔

اجمالی حکم:

۵- براءت آدمی کی اصل حالت ہے، ہر شخص اس حال میں پیدا ہوتا ہے کہ اس کا ذمہ بری ہوتا ہے، اور بعد میں انجام دئے گئے معاملات اور ائمال سے ذمہ مشغول ہوتا ہے تو اس اصل کے خلاف جو شخص دعویٰ کرے گا اس سے اس دعویٰ پر دلیل طلب کی جائے گی، لہذا اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر کسی حق کا دعویٰ کرے تو مدعا علیہ کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ اس کا قول اصل کے موافق ہے، اور مدعی سے پتہ طلب کیا جائے گا، کیونکہ وہ اصل کے خلاف دعویٰ کر رہا ہے، اگر وہ بینہ کے ذریعہ اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے تو فقہی قاعدہ: ”اصل ذمہ کی براءت ہے“ کا اعتبار کرتے ہوئے مدعا علیہ کے بری ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا، اسی

(۱) ابن ماجہ ۲/۵۶۰، الاختیار ۳/۶۰، قلیوبی ۳/۳۱۰، المغنی ۷/۵۸، بدایۃ المجتہد ۲/۶۶۔

(۲) لسان العرب ۷/۵۸، ابن ماجہ ۱/۲۳۰، ۵/۲۳۹، جوہر ۱/۱۱۱، حاشیہ قلیوبی ۳/۵۸، المغنی ۱/۱۶۱، ۷/۵۱۲۔

(۱) الاشیاء النظار لابن نجیم ۵/۵۹، للسیوطی ۵/۵۳، التوہمات ۳/۳۰۳۔

(۲) ابن ماجہ ۳/۳۴۷، الدسوقی ۳/۱۱۱، حاشیہ قلیوبی ۳/۱۳، شرح منتہی الارادات ۲/۵۲۱۔

بری ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی دوسری وجہ سے سبب ضمان زائل ہو جائے، مثلاً کوئی شخص بیع کے ثمن (سامان کی قیمت) کا کفیل ہو اور بیع ہی فسخ ہو جائے (تو کفیل بری ہو جائے گا)، اس لئے کہ اصل شخص کی براءت کفیل کی براءت کا موجب ہوتی ہے^(۱)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”کفالت“ میں دیکھی جائے۔

لفظ براءت کا ایک اور استعمال بمعنی باطل عقائد و مذاہب سے دوری و لاتعلقی کے لئے ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص اپنے اسلام کا اعلان کرے تو اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ دین اسلام کے مخالف ہر مذہب اور عقیدہ سے بری ہونے کا اقرار کرے^(۲)، اس کی تفصیل اصطلاح ”اسلام“ میں دیکھی جائے۔

بحث کے مقامات:

۹- فقہاء نے براءت پر بحث دعویٰ اور بیعت کے ابواب میں کی ہے، کفالت کی بحث میں کفیل کے ذمہ کی براءت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، حوالہ میں بیان ہوتا ہے کہ حوالہ مقروض کے ذمہ کی براءت کا موجب ہوتا ہے، بیوع میں فقہاء فرماتے ہیں: بائع کی طرف سے عیوب سے بیع کے بری ہونے کی شرط خیار کے سقوط اور عقد کے لزوم کا سبب ہے، جیسا کہ اس کا تذکرہ اہل اہل اور اس کے آثار یعنی براءت استیفاء اور براءت استقاط کے باب میں فقہاء کرتے ہیں۔

کر لے یا اسے ضائع کر دے تو براءت کا حصول ضمان سے ہوگا، ضمان یہ ہے کہ اگر عین شی موجود ہو تو اسے واپس کیا جائے، یا اگر مثلی ہو تو اس کا مثل، اور ذات التیم ہو تو اس کی قیمت دی جائے^(۱)، ان مسائل کی تفصیل کے لئے اتمام، غصب اور ضمان کی اصطلاحات دیکھی جائیں۔

اسی طرح براءت یوں بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ صاحب حق حق کی ادائیگی یا وصولیابی کے بغیر اس کو بری کر دے، اس کی تعبیر فقہاء کرام براءت استقاط یا ابراء استقاط سے کرتے ہیں^(۲)، اس کی تفصیل اصطلاح ”ابراء“ میں دیکھی جائے۔

۷- اس کے علاوہ براءت کا حصول ہسا اوقات ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف ضمان کے منتقل ہو جانے سے ہوتا ہے جیسا کہ حوالہ میں ہے کہ اگر مقروض نے قرض خواہ کا حق کسی تیسرے شخص (محال علیہ) کی طرف محول کر دیا، اور عقد مکمل ہو گیا تو محیل (مقروض) کا ذمہ دین سے بری ہو جائے گا، اور اگر اس کا کوئی کفیل ہو تو کفیل کا ذمہ بھی بری ہو جائے گا، اس لئے کہ دین محال علیہ (جس کی طرف منتقل کیا گیا ہے) کے ذمہ کی طرف منتقل ہو گیا، اب اگر محال علیہ سے وصولی دشوار ہو جائے^(۳) تو دین پھر محیل کے ذمہ کی طرف لوٹ آئے گا، اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے (دیکھئے: اصطلاح حوالہ)۔

۸- اور کبھی براءت ضمان حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ کفالت میں ہے، اس طرح کہ اگر مقروض کی براءت ادائیگی قرض کی وجہ سے یا قرض خواہ کے بری کر دینے کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہے تو کفیل کا ذمہ بھی

(۱) مجلۃ الاحکام العدلیۃ مادہ ۱۵، البدائع ۷/۹۶، الفواکر الدوائی ۱/۸۸، ۸۹، اروضہ ۲/۲۳۵، المغنی ۹/۲۰۱۔

(۲) فتح القدیر ۶/۳۱۰، مجلۃ العدلیۃ مادہ ۱۵۶۲، الدسوقی ۳/۳۱۱۔

(۳) ابن حابدین ۳/۹۱، مجلۃ الاحکام العدلیۃ مادہ ۶۹۰، جوہر الاکلیل ۲/۱۰۸، حاشیہ قلیوبی ۲/۳۲۱، المغنی ۳/۵۲۵۔

(۱) ابن حابدین ۳/۲۷۳، مجلۃ الاحکام العدلیۃ مادہ ۶۶۲، ۶۶۹، حاشیہ قلیوبی

۲/۳۳۱، المغنی ۲/۵۳۸۔

(۲) ابن حابدین ۳/۲۸۷، المغنی ۲/۱۲۱۔

براجم ۱-۲

فقہاء کرام براجم وغیرہ خصال فطرت پر گفتگو وضو، غسل اور خصال
فطرت کے تحت کرتے ہیں^(۱)۔

براجم

تعریف:

۱- براجم لغت میں برجمتہ کی جمع ہے، یہ انگلیوں کی پشت پر جوڑوں اور
گتھوں کو کہتے ہیں، جن میں میل کچیل جمع ہو جاتی ہے۔
اس لفظ کا اصطلاحی معنی لغوی معنی سے علاحدہ نہیں ہے^(۱)۔

اجمالی حکم:

۲- طہارت یعنی وضو اور غسل وغیرہ میں براجم کا دھونا مندوب
ہے^(۲)، رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ”عشر من الفطرة...
وعند منها: غسل البراجم“^(۳) (دس امور فطرت میں سے
ہیں... اور آپ نے ان میں غسل براجم کو بھی شامل فرمایا)۔
براجم کے حکم میں وہ تمام مقامات آتے ہیں جن میں عادتاً میل
کچیل جمع ہو جاتی ہے، جیسے کان، ناک، ماخن اور بدن کے ایسے دیگر
مقامات۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب میل پانی کو کھال تک پہنچنے سے
مانع نہ بنے، اگر کھال تک پانی کے پہنچنے میں وہ رکاوٹ بنے تو فی الجملہ
اس کا ازالہ واجب ہے تاکہ طہارت میں عضو تک پانی پہنچ سکے۔

(۱) الصحاح، لسان العرب، مادة ”برجم“۔

(۲) شرح مسلم للنووی ۳/ ۱۵۰ طبع الازہر، عون المعبود ۱/ ۸۰ طبع المستقیم۔

(۳) حدیث: ”عشر من الفطرة...“ کی روایت مسلم (۱/ ۲۳۳ طبع مجلس)
نے کی ہے۔

(۱) جامعہ الطحاوی علی مرآۃ الفلاح ص ۳۰، المغنی ۱/ ۱۰۸ طبع سعودیہ جامعہ
الدینی ۱/ ۸۹ طبع دار الفکر، شرح مسلم للنووی ۱/ ۸۹ طبع الازہر، عون
المعبود ۱/ ۸۰ طبع المستقیم۔

کے لئے کرتے تھے، پھر دونوں میں قربت کی وجہ سے انسان سے خارج ہونے والی نجاست کو غائط کہا جانے لگا^(۱)۔
یہ لفظ اس معنی میں براز (باء کے زبر کے ساتھ) سے کنایہٴ دلالت میں مشتق ہو جاتا ہے، اس طور پر کہ ہر دو الفاظ سے غذا کے خارج ہونے والے فضلات مراد ہوتے ہیں۔

براز

تعریف:

۱- براز (زبر کے ساتھ) لغت کی رو سے وسیع فضا کا نام ہے، اور کنایہٴ اسے قضاء حاجت کے معنی میں بولتے ہیں، جیسا کہ اس سے خلاء (بیت الخلاء) بھی مراد لیتے ہیں، اس لئے کہ لوگ قضاء حاجت کے لئے لوگوں سے خالی مقامات میں نکل جاتے تھے، کہا جاتا ہے: ”ہرز“ جب براز یعنی پاخانہ کے لئے نکلے، اور ”تہرز الرجل“ جب حاجت کے لئے براز کی طرف نکلے۔

یہ لفظ حرف باء کے زیر کے ساتھ ”جنگ میں مبارزت“ کا مصدر ہے، اور اس سے بھی پاخانہ کے لئے کنایہ کیا جاتا ہے^(۱)۔

اصطلاحی معنی میں یہ لفظ کنائی معنی سے خارج نہیں ہے، کیونکہ یہ غذائی فضلات یعنی حسب عادت خارج ہونے والی نجاست (پاخانہ) کو کہتے ہیں۔

متعلقہ الفاظ:

الف- غائط:

۲- غائط اصل میں زمین کے نشیبی حصہ کو کہتے ہیں، اس کی جمع غیطان اور غواط ہے، اسی مفہوم میں ”غوطۃ و شق“ کہا جاتا ہے، عرب اس قسم کے مقامات کا قصد لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر قضاء حاجت

(۱) لسان العرب: مادہ ”ہرز“۔

ب- بول:

۳- بول: ”ابوال“ کا واحد ہے، کہا جاتا ہے: ”بال الإنسان والدابة، یبول بولاً و مبالاً“ جب انسان یا جانور پیشاب کرے، ایسا کرنے والا ”بال“ کہا جاتا ہے، پھر بول کا استعمال عین کے لئے یعنی اگلی شرم گاہ سے نکلنے والے پانی کے لئے ہونے لگا، اس کی جمع ”ابوال“ ہے^(۲)۔

اس معنی میں یہ لفظ بھی ”براز“ (زبر کے ساتھ) کے حکم میں ہے، اس طور پر کہ دونوں نجاست ہیں اگرچہ دونوں کے خارج (نکلنے کی راہ) جدا ہیں۔

ج- نجاست:

۴- نجاست لغت میں ہر گندگی کو کہا جاتا ہے^(۳)، اصطلاح میں یہ ایسا حکمی وصف ہے جو نجاست والے شخص کی نماز وغیرہ کے جواز سے رکاوٹ بنتا ہے^(۴)۔

اس معنی میں یہ لفظ براز (زبر کے ساتھ) کے کنائی معنی سے زیادہ عام ہے کہ یہ براز اور دوسری نجاستوں جیسے خون، پیشاب،

(۱) الجامع لأحكام القرآن للقرطبی ۵/۲۲۰ طبع دار الکتب ۱۹۳۷ء۔

(۲) لسان العرب، الصحاح، المصباح للمیر: مادہ ”بول“۔

(۳) لسان العرب، المصباح للمیر: مادہ ”نجس“۔

(۴) المشرح للمبیر للذہبی ۱/۳۲۲۔

مذی، ودی، شراب اور دیگر نجاستوں کو بھی شامل ہے۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

۵- فقہاء کا اجماع ہے کہ براز نجاست ہے اور یہ کہ اس سے چند احکام متعلق ہیں، جیسے براز بدن، کپڑا اور جگہ کو ناپاک کر دیتا ہے، اور اس کو پاک کرنا واجب ہے خواہ امتحان کے ذریعہ ہو یا دھو کر ہو، جس کی تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے۔

براز کی قائل معاف مقدار اور اس کی بیج کے جواز میں اختلاف ہے (۱)۔

اس کی تفصیل طہارات کے ابواب اور اصطلاح ”قضاء حاجت“ میں دیکھی جائے۔

بُرد

تعریف:

۱- ”برد“ لغت میں ”حر“ (گرمی) کی ضد ہے، اور بردوت حرارت کا عکس ہے (۱)۔

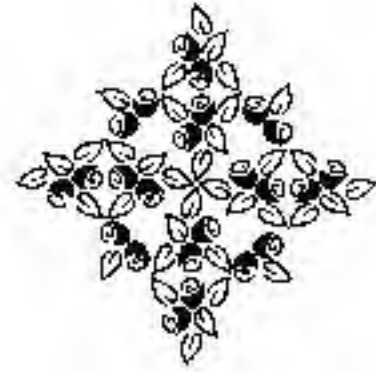
فقہاء بھی اس لفظ کا استعمال فی الجملہ لغوی معنی میں ہی کرتے ہیں۔

متعلقہ الفاظ:

براد:

۲- لغت میں براد کا ایک معنی برد میں داخل ہونا اور دن کے آخری حصہ میں داخل ہونا ہے (۲)۔

فقہاء کے نزدیک اس کا معنی: ظہر کو برد کے وقت تک مؤخر کرنا ہے (۳)۔



اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

۳- فقہاء نے برد پر گفتگو تیمم، جمعہ، جماعت، نمازوں کا جمع کرنا، حدود، تعزیر اور نماز کے تحت فرمائی ہے۔

الف۔ تیمم کے سلسلہ میں: سخت ٹھنڈک میں پانی موجود ہونے

(۱) الاختیار شرح المختار ۱/ ۶۱، ۱۲، ۱۸، ۳۰، ۳۶، ۳۳، فتح القدیر ۱/ ۶۸، رد المحتار ۵/ ۶۸، المہرب فی فقہ الشافعی ۱/ ۱۰، ۳۳، ۳۵، ۵۵، ۵۷، ۶۷، ۶۸، ۲۶۸، الشرح المکبیر للرد ۱/ ۳۰، ۳۳، ۶۵، ۶۸، ۸۰، ۱۰۳، المغنی ۱/ ۶۱، ۱۰، ۳۰، ۵۶، ۲۳۳، ۲۴۳، ۶۳، ۸۳، ۸۴، طبع الریاض۔

(۱) لسان العرب، المصباح للمبیر، الصحاح فی المادہ۔
(۲) المصباح للمبیر، تاج العروس: مادہ ”برد“۔
(۳) جامعہ الخطاوی علی سرائی الفلاح ۲/ ۹۸، التحریر علی المسیح ۱/ ۲۷۷۔

حنفیہ نے سردی میں نمازوں میں جمع کرنے کو خواہ جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر منع کیا ہے، ان کے نزدیک صرف دو مقامات مزدلفہ اور عرفہ میں جمع بین الصلاہین کی اجازت منحصر ہے^(۱)۔

د۔ حدود اور تعزیرات کے سلسلہ میں: حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ نے فی الجملہ سخت سردی میں قتل کے علاوہ دوسرے حدود اور تعزیرات کو مانڈ کرنے سے روکا ہے، اس لئے کہ یہ باعث عبرت نہیں، بلکہ باعث بلاکت ہے^(۲)۔

ھ۔ نماز کے سلسلہ میں: حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے کھلی ہوئی ٹھنڈی زمین پر نماز پڑھتے ہوئے ٹمامہ کے پیچ پر سجدہ کو ضرورتاً جائز قرار دیا ہے^(۳)۔

کے باوجود اگر اسے گرم کرنے کا سامان نہ ہو اور ضرر کا اندیشہ ہو تو حدث اصغر اور حدث اکبر سے تیمم کو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے جائز قرار دیا ہے اور یہی حنفیہ کی بھی ایک رائے ہے، اور حنفیہ نے اپنے مشہور قول میں حدث اکبر سے تیمم کو جائز قرار دیا ہے نہ کہ حدث اصغر سے، کیونکہ حدث اصغر میں عموماً ضرر کا تحقق نہیں ہوتا، لیکن اگر ضرر کا تحقق ہو جائے تو اس میں بھی بالاتفاق تیمم جائز ہے، جیسا کہ ابن عابدین نے تحقیق کی ہے، و فرماتے ہیں: اس لئے کہ نص میں حرج کے دور کرنے کی ہدایت ہے، اور یہی متون کا ظاہر اطلاق بھی ہے۔

مالکیہ نے سخت سردی کی وجہ سے جو پانی کو ٹھنڈا کر دے، اگر صحت مند مقیم یا مسافر کو پانی کی تلاش اور اس کے گرم کرنے میں نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کو درست قرار دیا ہے^(۱)۔

ب۔ جمعہ اور جماعت کی نماز کے سلسلہ میں: فقہاء نے سخت سردی میں جمعہ کی نماز سے اور دن یا رات میں نماز جماعت سے پیچھے رہ جانے کو درست قرار دیا ہے^(۲)۔

ج۔ نمازوں کو جمع کرنے کے سلسلہ میں: مالکیہ نے اجازت دی ہے، اور یہی حنابلہ کی ایک رائے ہے کہ سخت سردی میں خواہ سردی پڑی ہو یا پڑنے کا اندیشہ ہو صرف مغرب و عشاء کی نمازوں میں جمع تقدیم کی جاسکتی ہے۔

شافعیہ نے ظہر و عصر میں اور مغرب و عشاء میں چند شرائط کے ساتھ جو اپنے مقام پر بیان ہوئی ہیں، نماز جمع کرنے کی اجازت دی ہے۔

بَرْد

دیکھئے: ”میاہ“۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۵۶۲، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۳۷۰ طبع مجلسی، قلیوبی و عمیرہ ۱/۳۶۷، المغنی ۲/۲۶۱ طبع الریاض۔

(۲) حاشیہ الخطاوی علی الدر المنثور ۲/۳۸۸، الفواکر الدوائی علی رسالۃ فقیر وانی ۲/۱۹۱ طبع بیروت، بذایۃ المجتہد لابن رشد ۲/۳۳۵ طبع مہرب، المہذب ۲/۲۷۱ طبع بیروت، قلیوبی و عمیرہ ۳/۱۸۳ طبع مجلسی۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۱/۵۳۶، طبع بیروت، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۵۳۳ طبع مجلسی، المغنی ۱/۵۱۷، ۵۱۸ طبع الریاض۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۱۵۶ طبع بیروت، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۵۰۱، بذایۃ المجتہد لابن رشد ۱/۶۷ طبع مجلسی، المہذب ۱/۳۵۵ طبع مجلسی، المغنی ۱/۲۶۱۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۱/۵۳۸ طبع بیروت، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۳۹۰ طبع مجلسی، قلیوبی و عمیرہ ۱/۳۶۸، ۳۶۹ طبع مجلسی، المغنی لابن قدامہ ۲/۲۶۱ طبع الریاض۔

مقدار ایک صاع ہے، اور خفیہ کے نزدیک نصف صاع ہے^(۱)، اس کی تفصیل صدقۃ الفطر کی اصطلاح میں دیکھی جائے۔
اگر گیسوں میں تجارت کی نیت کی گئی ہو تو عروض (تجارت کے سامان) کی طرح اس کی قیمت لگائی جائے گی، اور عروض کی مانند ہی اس کی زکاۃ بھی نکالی جائے گی، اس کی تفصیل زکاۃ کی اصطلاح میں ہے۔

گیسوں کا شمار قیمت رکھنے والے ان اموال میں ہوتا ہے جن میں بیع، ہبہ اور سلم درست ہے، اگر اسے گیسوں کے ہی عوض فروخت کیا جائے تو اس میں ربا کا حکم جاری ہوگا، لہذا اس میں برابری، نقد اور فوری قبضہ کی شرط ہوگی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”المنہب بالمنہب، والمنہب بالفضۃ، والبر بالبر...“^(۲) (سونا سونا کے عوض، چاندی چاندی کے عوض اور گیسوں گیسوں کے عوض...)۔

گیسوں کی ”بیع محالہ“ فی الجملہ درست نہیں، محالہ یہ ہے کہ بالی میں رہتے ہوئے گیسوں کو اسی جیسے گیسوں سے بیچا جائے، خواہ اندازہ سے ہو، اور نہ ”بیع مخاضرہ“ جائز ہے، یعنی بدو صلاح سے پہلے جب کہ کھیتی ہری ہدف فروخت کیا جائے، اس میں بعض خفیہ کا اختلاف ہے^(۳)۔ اس کی تفصیل بیع، ربا اور ممنوع بیع کی اصطلاحات میں دیکھی جائے۔

(۱) جامعہ الطحاوی علی مراتب الفلاح، ص ۳۹۵، ابن ماجہ، ۶/۲، بدایۃ المجتہد ۱/۲۸۶، المغنی ۳/۵۷ طبع الریاض۔

(۲) حدیث: ”المنہب بالمنہب...“ کی روایت مسلم (۳/۱۳۱۱ طبع المجلعی) نے کی ہے۔

(۳) الاختیار ۲/۲۳، ۳۰، ۱۲۳، بدائع الصنائع ۷/۸۱، شرح الصغیر ۳/۳۳، ۷، الدرر السنی ۳/۷، تالیو بی ۲/۲۳، المغنی ۴/۱۹، ۲۰۔

بُر

تعریف:

۱- بُر (پیش کے ساتھ) لغت میں گیسوں کو کہا جاتا ہے، اس کا واحد ”برۃ“ ہے^(۱) اصطلاح میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔

اجمالی حکم:

۲- گیسوں اس لحاظ سے کہ زمین سے نکلنے والا ایک نلہ ہے، جمہور کے نزدیک اور ان میں امام ابو یوسف و محمد بھی ہیں، اگر پانچ وسق کی مقدار کو بیچ جائے تو اس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، امام ابو حنیفہ نے مطلقاً پیداوار پر خواہ اس کی مقدار پانچ وسق کو نہ پہنچے، زکاۃ واجب فرمائی ہے۔

زکاۃ کی واجب مقدار، اگر زمین سیلاب یا آسمان کے پانی سے سیراب کی گئی ہو تو (عشر) دسواں حصہ ہے، اور اگر کسی آگ (سینچائی) سے سیراب کی گئی ہو تو بیسواں حصہ ہے، اس حکم پر فقہاء کا اتفاق ہے۔
اگر زمین خراجی ہو تو خفیہ کے نزدیک اس میں عشر کے بجائے خراج واجب ہے^(۲)۔

گیسوں ان اجناس میں سے ہے جن سے واجب صدقہ فطر کی ادائیگی ہو جاتی ہے، جمہور کے نزدیک اس کی کفایت کرنے والی

(۱) لسان العرب، الصحاح، المعصباح، مادہ ”برز“۔

(۲) الاختیار ۱/۱۱۳، ۲۳، ۱۲۳ طبع المعرف، تالیو بی ۱۸/۲ طبع عیسیٰ المجلعی، جوہر لا کلیل ۱/۲۳، المغنی ۶/۲۔

خروج، فساد کی طرف میلان اور معاصی میں ملوث ہونے کو کہتے ہیں،
یہ شرور و بُرائی کے لئے جامع لفظ ہے^(۱)۔

اجمالی حکم:

۲- کثرت سے نصوص شریعت میں نیکی کا حکم اور اس کی ترغیب دی گئی
ہے ”بر“ ایسی خصلت ہے جو خیر کا جامع اور اطاعت گزاری اور
معصیت سے دوری پر آمادہ کرنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ، وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ
ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ
وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ
وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ
وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ، أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُونَ“^(۲) (طاعت یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب
کی طرف پھیر لیا کرو، بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت
کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اس کی
محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور
راہ گروں اور سائلوں پر اور گردنوں کے آڑ اور کردینے میں، اور نماز کی
پابندی کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے
جب کہ وعدہ کر چکے ہوں اور نیکی میں اور بیماری میں، اور لڑائی کے
وقت صبر کرنے والے یہی لوگ ہیں، جو سچے اترے اور یہی لوگ تو
متقی ہیں)۔

(۱) فتح الباری ۱۰/۵۰۸، الفتح الربانی ۱/۳۵۳۔

(۲) سورہ بقرہ ۱۷۷۔

بر

تعریف:

۱- لغت میں لفظ ”بر“ سچائی، اطاعت، صلہ رحمی، اصلاح، اور لوگوں
کے ساتھ احسان میں توسع کے معانی میں آتا ہے، کہا جاتا ہے: ”بر“
یہ ”جب صالح ہو جائے، اور ”بر“ فی یمینہ“ جب وہ قسم پر قائم
رہے حانث نہ ہو، ”بر“ صادق شخص کو کہتے ہیں، ”وَأَبْرَ اللَّهُ الْحَبِجَ
وَبَرَّه“ اللہ نے حج قبول کر لیا، ”بر“ مائرمائی کی ضد ہے، ”مبرہ“ بھی
اسی معنی میں ہے، ”وبردت والدي“ میں نے والدین کے ساتھ صلہ
رحمی کی۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک نام ”البر“ ہے، یعنی وہ اپنے
اولیاء کے ساتھ وعدہ میں صادق ہے^(۱)۔

فقہاء کے نزدیک اس لفظ کا استعمال اس کے لغوی معنی سے خارج
نہیں ہے، فقہاء کے نزدیک یہ ایسا جامع لفظ ہے، جس کا اطلاق ہر خیر
کے کام پر ہوتا ہے، اس سے مراد لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی
اور صداقت، اور خالق کے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے
اجتناب کے ذریعہ اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا ہے۔

اسی طرح مطلقاً اس لفظ کو بول کر گناہوں سے پاک دائمی عمل مراد
لیا جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل فجور اور گناہ ہے، اس لئے کہ فجور دین سے

(۱) لسان العرب: مادہ ”بر“، تہذیب لاسماء ۳/۲۳۔

حضرت نو اس بن سمان کی حدیث ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”البر حسن الخلق، والإثم ما حاك في نفسك، وكرهت أن يطلع عليه الناس“^(۱) (بر (نیکی) حسن اخلاق کا نام ہے اور اثم (گناہ) وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تم کو پسند نہ ہو)۔

امام نووی اپنی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: علماء فرماتے ہیں: بر صلہ رحمی کے معنی میں ہوتا ہے، اور لطف و نیکی و حسن صحبت و رہن سہن کے معنی میں ہوتا ہے، اور اطاعت کے معنی میں ہوتا ہے، یہی امور حسن اخلاق کا مجموعہ ہیں، اور ”تمہارے دل میں کھٹکے“ کا مطلب ہے کہ تحریک و تردد ہو، انشراح نہ ہو، اس سے دل میں شک اور اس کے گناہ ہونے کا خوف ہو^(۲)۔

بر کے ساتھ بہت سارے احکام متعلق ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

والدین کے ساتھ حسن سلوک:

۳۳- بر الوالدین کا معنی والدین کی اطاعت، ان کے ساتھ صلہ رحمی، ان کی عدم مافرمائی، ان کے ساتھ احسان اور ساتھ ہی ان کی خواہش کی تکمیل کر کے انہیں خوش کرنا ہے بشرطیکہ گناہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا“^(۳) (اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رب) کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا)۔

تفسیر قرطبی میں ہے^(۱) کہ ”بر“ خیر کا جامع نام ہے، و فرماتے ہیں: تقدیر کلام یوں ہے: ”وَلَكِنَّ الْبِرَّ مِنْ آمَنَ“ (لیکن نیکی اس شخص کی نیکی ہے جو ایمان لائے)، یا تقدیر یوں ہے: ”وَلَكِنْ ذَا الْبِرِّ مِنْ آمَنَ“ (لیکن نیکی والا وہ ہے جو ایمان لائے)، وہ اس لئے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی، فرائض کا حکم ہوا، قبلہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا، حدود متعین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ نیکی صرف نماز میں ہی نہیں ہے، بلکہ اللہ پر ایمان لانے اور آخر آیت تک بیان ہونے والی خیر کی جامع صفات میں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“^(۲) (ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو، اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

ماوردی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نیکی میں تعاون کی دعوت دی ہے، اور اسے تقویٰ کے ساتھ جوڑ دیا، اس لئے کہ تقویٰ میں اللہ کی رضا ہے، اور نیکی میں لوگوں کی رضا ہے، اور جس نے اللہ کی رضا اور لوگوں کی رضا کو اکٹھا کر لیا اس کی سعادت مکمل ہوگئی اور نعمت عام ہوگئی۔

ابن خویزہ مند او کہتے ہیں: نیکی اور تقویٰ پر تعاون مختلف شکلوں سے ہوتا ہے، پس عالم کی فہم داری ہے کہ اپنے علم سے لوگوں کا تعاون کرے اور انہیں تعلیم دے، مالدار اپنی دولت سے ان کا تعاون کرے، شجاعت مند اپنی شجاعت سے اللہ کی راہ میں تعاون کرے، اور مسلمان ایک ہاتھ کی مانند ایک دوسرے کا تعاون کرنے والے ہوں^(۳)۔

(۱) حدیث نو اس بن سمان: ”قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ.....“ کی روایت مسلم (۳۸۰/۱۹۸۰ طبع المکتب) نے کی ہے۔

(۲) النووی علی مسلم ۱۱۱/۱۶۔

(۳) سورہ اسراء ۲۳۔

(۱) تفسیر القرطبی ۲/۲۳۸۔

(۲) سورہ مائدہ ۲۸۔

(۳) تفسیر القرطبی ۶/۳۶۶۔

اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الْخَلْقَ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ، قَامَتِ الرَّحْمُ فَقَالَتْ: هَذَا مَقَامُ الْعَانِدِ بَكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ، قَالَ: نَعَمْ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مِنْ وَصْلِكَ، وَأَقْطَعَ مِنْ قِطْعِكَ؟“ قالت: بلى، قَالَ: فَبَذَلْكَ لَكَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اقْرَأْ وَانْشَيْتُمْ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِلُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقْطَعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾“ (۱) (اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، جب اس سے فارغ ہو گیا تو رحم کھڑا ہوا اور عرض کیا: یہ قطع رحمی سے آپ کی پناہ طلب کرنے والے کا مقام ہے، اللہ نے فرمایا: ہاں، کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں اس کو جوڑوں جو تم کو جوڑے، اور اس کو قطع کروں جو تم کو قطع کرے، اس نے کہا: ہاں کیوں نہیں، اللہ نے فرمایا: تو تمہارے لئے یہی فیصلہ ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو پڑھو: ”فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِلُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقْطَعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ“ (اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچا دو گے، اور آپس میں قطع قرابت کر لو گے، یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا))۔

یہ نصوص دلالت کرتی ہیں کہ صلہ رحمی اور حسن سلوک واجب ہیں، اور قطع رحمی فی الجملہ حرام ہے، لیکن اس کے مختلف درجات ہیں جن میں بعض درجات بعض سے بلند ہیں، سب سے اونچی درجہ قطع تعلق کو چھوڑنا ہے، اور سلام و کلام کے ذریعہ صلہ رحمی ہے۔

(۱) ۵۷/۸ طبع السنۃ (۱) اور مسلم (۳/۱۸۸ طبع الحلی) نے کی ہے۔

(۱) سورۃ محمد ۲۲، ۲۳۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: ”الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا، قُلْتُ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: بِرَ الْوَالِدَيْنِ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ (۱) (وقت پر نماز، میں نے پوچھا: پھر کون سا عمل؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک، میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد)۔

یہ نصوص بتاتی ہیں کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی تعظیم واجب ہے، والدین کے حقوق اور ان کی فرمانبرداری سے متعلق تفصیل کے لئے اصطلاح ”بر الوالدین“ دیکھی جائے۔

بر الأرحام (صلہ رحمی):

۴- بر الأرحام کا معنی ان کے ساتھ صلہ رحمی، حسن سلوک، احوال کی تحقیق، ضروریات کی تکمیل اور غمخواری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ“ (۲) (اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور حسن سلوک رکھو والدین کے ساتھ اور قرابتداروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہاری ملک میں ہے ان کے ساتھ)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں (۳): رسول

(۱) حدیث عبداللہ بن مسعود: ”سألت رسول الله ﷺ.....“ کی روایت بخاری (فتح ۲/۹ طبع السنۃ) اور مسلم (۱/۹۰ طبع الحلی) نے کی ہے۔

(۲) سورۃ نساء ۳۶۔

(۳) حدیث: ”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الْخَلْقَ.....“ کی روایت بخاری (فتح

اس طرح ہوں گے، آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان کشادگی فرمائی۔
حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله، وأحسبه قال: وكالقائم الذي لا يفتر، وكالصائم الذي لا يفطر“^(۱) (بیواؤں اور مسکین کے لئے کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، (راوی کہتے ہیں) میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اور اس نمازی کی طرح ہے جو (نماز سے) تھکتا نہیں، اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو (روزہ سے) افطار نہیں کرتا)۔

حج مبرور:

۶- حج مبرور وہ حج مقبول ہے جس میں نہ کوئی گناہ ہو نہ ریا (۲)۔
حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة“^(۳) (ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان کے لئے کفارہ ہے، اور حج مبرور کی جزا تو صرف جنت ہے)۔
تفصیل کے لئے اصطلاح ”حج“ دیکھی جائے۔

فتح مبرور:

۷- فتح مبرور وہ ثرید فرخت ہے جس میں نہ دھوک ہو اور نہ خیانت۔

(۱) حدیث: ”الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله، وأحسبه قال: وكالقائم الذي لا يفتر، وكالصائم الذي لا يفطر“ کی روایت بخاری (فتح ۱۰/۲۳۷ طبع المستقیم) اور مسلم (۲۸/۲۸۶ طبع المجلد) نے کی ہے۔
(۲) فتح الباری ۱/۷۸۔
(۳) حدیث: ”العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة“ کی روایت بخاری (فتح ۳/۵۵ طبع المستقیم) اور مسلم (۲۸/۲۸۶ طبع المجلد) نے کی ہے۔

ضرورت اور استطاعت کے فرق سے یہ درجات بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں، بعض درجات واجب ہوتے ہیں اور بعض مستحب، لیکن اگر کسی نے کچھ صلہ رحمی کی، پوری صلہ رحمی نہیں کی تو اسے قاطع رحم نہیں کہا جائے گا، اور اگر اس حد میں کوتاہی کی جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے، اور جو اسے کرنا چاہئے تو اسے صلہ رحمی کرنے والا نہیں کہا جائے گا^(۱)۔

وہ لوگ جن سے صلہ رحمی واجب اور قطع رحمی حرام ہے، وہ رشتے ہیں جو انسان کے اصول کی جانب سے ہوں جیسے والد، دادا اور ان سے اوپر، اور اس کے فروغ کی جہت سے ہوں جیسے بیٹے، بیٹیاں اور ان سے نیچے، اور ان دونوں جہتوں سے متصل رشتے جیسے بھائی، بہنیں، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد میں سے گہرا رشتہ رکھنے والے لوگ^(۲)۔

تفصیل کے لئے اصطلاح ”أرحام“ دیکھی جائے۔

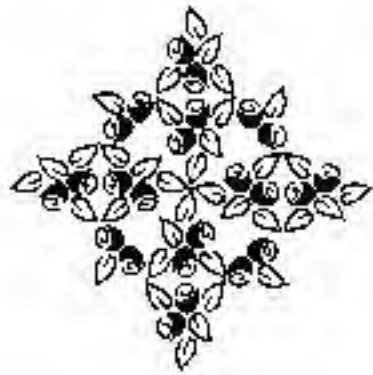
قیموں، ضعیفوں اور غریبوں کے ساتھ بر:

۵- قیموں، ضعیفوں اور غریبوں کے ساتھ بر یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، ان کے مفادات اور ان کے حقوق پورے کئے جائیں، ضائع نہ کئے جائیں، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا، وأشار بالسبابة والوسطى وفرج بينهما“^(۳) (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں

(۱) دلیل القائلین ۲/۱۳۶۔
(۲) النووی علی مسلم ۱۶/۱۱۲۔
(۳) حدیث سہل بن سعد: ”أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا، وأشار بالسبابة والوسطى وفرج بينهما“ کی روایت بخاری (فتح ۱۰/۲۳۷ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

اور اگر کسی نفل کے ترک کی قسم کھائی تو ایسی یمنین مکروہ ہے، اس کو پورا کرنا بھی مکروہ ہے، مسنون ہے کہ اسے توڑ دے۔
اور اگر کسی مباح فعل پر قسم کھائی تو ایسی قسم کا توڑنا بھی مباح ہے^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأَتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَكُفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ“^(۲) (اگر تم نے کسی قسم پر حلف لیا پھر اس کے برعکس کو اس سے بہتر سمجھا تو جو بہتر ہے وہ کرو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دو)۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”ایمان“۔



حضرت ابو بردہ بن نيار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ، وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ“^(۱) (آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”بیع“۔

برایمین (قسم پوری کرنا):

۸۔ ”برایمین“ کا معنی ہے کہ اپنی قسم میں سچا ہو، پس جس چیز پر قسم کھائے اس کو پورا کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ“^(۲) (اور قسموں کو بعد ان کے استحکام کے مت توڑ دو ورنہ ان کا لیکہ تم اللہ کو کواہ بنا چکے ہو بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو)۔

واجب عمل کے کرنے یا حرام کے ترک پر کھائی گئی قسم کو پورا کرنا واجب ہے، ایسی صورت میں یمنین طاعت ہوگی جس کو اس طرح پورا کرنا ضروری ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی ہے اس کی پابندی کرے، اور اس قسم کو توڑنا حرام ہے۔

اگر کسی واجب کے ترک یا کسی حرام کام کے کرنے کی قسم کھائی تو یہ یمنین معصیت ہے، اور اس کا توڑنا واجب ہے۔
اگر کسی نفل کام مثلاً نفل نماز یا نفل صدقہ کی قسم کھائی تو قسم کی پابندی مستحب ہے، اور اس کی مخالفت مکروہ ہے۔

(۱) روح المعانی ۲۰/۲، المغنی ۹/۳۹۳۔

(۲) حدیث: ”إِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۱۱/۶۰۸ طبع استغیہ) اور مسلم (۳/۱۲۷ طبع المکمل) نے کی ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۱) حدیث ابی بردہ بن نيار ”مسئل رسول اللہ ﷺ: أَمَّا الْكَسْبُ الْفَضْلُ.....“ کی روایت طبرانی نے الاوسط اور الکبیر میں کی ہے اس کے رجال ثقہ ہیں (مجمع الرواۃ للہیثمی ۳/۶۱ طبع القدسی)۔

(۲) سورہ نحل ۹۱۔

بر الوالدین ۱-۲

کسی رشتہ دار کو یہ حق حاصل ہوتا ہو^(۱)۔

شرعی حکم:

۲- اسلام نے والدین کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، ان کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو افضل نیکیوں میں شمار کیا ہے، ان کی نافرمانی سے روکا ہے اور اس کی سخت ترین ہدایت دی ہے، جیسا کہ درج ذیل حکم قرآنی میں وارد ہوا ہے: ”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا، إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَفْ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَأَخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلْمِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا“^(۲) (اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رب) کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا، اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو تو ان سے ہوں بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا اور ان کے سامنے محبت سے انکسار کے ساتھ بھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا، پرورش کی،) اس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی عبادت اور توحید کا حکم دیا، اور اس کے ساتھ والدین کی فرمانبرداری کا ذکر فرمایا، آیت میں لفظ ”قضى“ کا معنی یہاں پر حکم دینا، ضروری قرار دینا اور واجب کرنا ہے۔

اسی طرح والدین کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ جوڑتے ہوئے فرمایا: ”أَنْ أَشْكُرَ لِي وَلَوْ أَلَدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ“^(۳) (کہ تو

(۱) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۱۰/۲۳۱۔

(۲) سورہ اسراء ۲۳، ۲۴۔

(۳) سورہ لقمان ۱۳۔

بر الوالدین

تعریف:

۱- لغت میں بر کے معانی خیر، فضل، صداقت، طاعت اور صلاح وغیرہ ہیں^(۱)۔

اصطلاح میں اس کا غالب استعمال نرمی و محبت آمیز لطیف و نرم گفتگو کے ذریعہ حسن سلوک، نفرت پیدا کرنے والی ترش کلامی سے گریز اور ساتھ ساتھ شفقت و عنایت، محبت، مال کے ذریعہ حسن سلوک اور دیگر نیک اعمال کے لئے ہوتا ہے^(۲)۔
”ابوین“ دراصل باپ اور ماں ہیں^(۳)۔

لیکن یہ لفظ (ابوین) دادا اور دادیوں کو بھی شامل ہے^(۴)، ابن المذہب فرماتے ہیں: اجداد آباء ہیں اور جدات مائیں ہیں، تو انسان ان کی اجازت سے غی غزوہ کرے گا، اور مجھے اس لفظ کا کوئی ایسا مفہوم معلوم نہیں ہے جس سے ان کے علاوہ بھائیوں یا دوسرے

(۱) لسان العرب، المصباح للمیر، الصحاح مادہ ”برر“، الکلیات لأبی البقاء ۳۹۸/۳ طبع وزارة الثقافة دمشق ۱۹۷۳ء۔

(۲) الفواکد الدوائی علی رسالۃ المیر والی ۲/۳۸۲-۳۸۳، الزواجر عن اقتراف الکبائر للہیثمی ۶۶/۲ طبع دار المعرفۃ بیروت۔

(۳) لسان العرب، الصحاح ۱/۵۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۲۰ (تعلیق علی قول الشارح لہ ابوان)، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۳/۲۲۲، المہذب فی فقہ الامام الشافعی ۲/۲۳۰، تحت المحتاج بشرح الصحاح ۲/۲۳۲-۲۳۳، مطالب اولی النبی ۲/۵۱۳۔

بزرگ والدین ۲

اور اللہ کی راہ میں جہاد فرض کفایہ ہے، کچھ لوگ انجام دے لیں تو بقیہ لوگوں سے فریضہ ساکت ہو جائے گا، لیکن والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض عین ہے، اور فرض عین فرض کفایہ سے زیادہ قوی ہے۔

اس مفہوم میں بہت ساری احادیث مروی ہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور غزوہ میں شرکت کے لئے اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”أحيي والداك؟“ (کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟) اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ففيهما فجاهدا“^(۱) (تو ان ہی کی خدمت میں جہاد کرو)۔

سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: میں آیا ہوں کہ آپ سے ہجرت پر بیعت کروں، اور میں اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ارجع إليهما فاضحكهما كما أبكيتهما“^(۲) (ان کے پاس جا اور انہیں ہنسا جس طرح ان کو رلایا ہے)۔

ابوداؤد میں ہی حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے پوچھا: ”هل لك أحد باليمن؟“ (کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟) اس نے کہا: والدین ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: ”أذن لك؟“ (کیا انہوں نے تمہیں اجازت دی؟) کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”فارجع فاستأذنهما فإن أذنَا“

(۱) حدیث: ”ففيهما فجاهدا.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۳۰۳/ طبع الشفاء) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”ارجع إليهما فاضحكهما.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۸/ طبع عزت عید دھاس) اور حاکم (۱۵۲/ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے وہی نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس سے اتفاق کیا ہے۔

میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر، میری ہی طرف واپسی ہے)، ایمان کی نعمت پر اللہ کا اور تربیت کی نعمت پر والدین کا شکر ادا کیا جائے گا، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: ”جس نے پانچ قوتوں کی نماز پر بھی اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور جس نے نمازوں کے بعد اپنے والدین کے لئے دعا کی اس نے والدین کا شکر ادا کیا“۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: ”الصلاة على وقتها“ (وقت پر نماز)، راوی نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بر الوالدین“ (والدین کے ساتھ حسن سلوک)، راوی نے دریافت کیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”الجهاد في سبيل الله“^(۱) (اللہ کی راہ میں جہاد)، نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک نماز کے بعد جو اسلام کا سب سے اہم ستون ہے سب سے افضل عمل ہے^(۲)۔

حدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد پر مقدم رکھا گیا، اس لئے کہ وہ فرض عین ہے جس کی انجام دہی اسی پر متعین ہے، کوئی دوسرا اس میں اس کی نیابت نہیں کر سکتا، چنانچہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں نے نذرمانی ہے کہ غزوہ روم میں شرکت کروں اور میرے والدین مجھے منع کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے والدین کی بات مانو، روم کے غزوہ میں تمہارے علاوہ دوسرے بھی شریک ہو سکتے ہیں^(۳)۔

(۱) حدیث ابن مسعود: ”أحب الأعمال أحب إلى الله.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۳۰۰/ طبع الشفاء) اور مسلم (۹۰/ طبع مجلس) نے کی ہے۔

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۱۰/ ۲۳۸۔

(۳) المہرب فی فقہ الامام الشافعی ۲/ ۲۳۰۔

بر الوالدین ۳

ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کا ہر تار کرنے والوں ہی کو دوست رکھتا ہے۔

پس ضروری ہے کہ والدین کے ساتھ محبت آمیز نرم و لطیف انداز میں گفتگو کرے، نفرت پیدا کرنے والی ترش کلامی سے گریز کرے، ایسے الفاظ سے انہیں پکارے جو ان کو پسند ہوں، انہیں ایسی بات کہے جو دین و دنیا میں انہیں نفع پہنچائے، تنگ دلی، اکتاہٹ یا اف اف کا اظہار نہ کرے، نہ انہیں جھڑکے، بلکہ ان کے ساتھ میٹھے بول بولے۔

صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں: میری والدہ آئیں، وہ مشرک تھیں قریش کے عہد اور ان کی مدت میں جب کہ انہوں نے حضرت ابو بکر کے ساتھ حضور ﷺ سے معاہدہ کیا تھا، میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میری والدہ آئی ہیں اور وہ اسلام سے بیزار تھیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نعم، صلی امک“^(۱) (ہاں، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)۔

ان ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد میں میری ماں راغب ہو کر میرے پاس آئیں میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ“^(۲) (اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی اور

لک فجاہد و إلا فبرہما“^(۱) (تو جاکو ان دونوں سے اجازت مانگو، اگر وہ اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو)۔

لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب نفیر عام (عام منادی) نہ ہو، ورنہ اس صورت میں گھر سے نکلتا فرض عین ہوگا، کیونکہ اس وقت تمام لوگوں پر دفاع اور دشمن کا مقابلہ ضروری ہوتا ہے^(۲)۔

اور جب والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض عین ہے تو اس کے برعکس (یعنی مانرمانی) حرام ہوگا بشرطیکہ کسی شرک یا معصیت کے کرنے کا حکم نہ ہو، کیونکہ خالق کی مانرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی^(۳)۔

غیر مذہب والے والدین کی فرمانبرداری:

۳- والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض عین ہے جیسا کہ گذرا، یہ حکم والدین کے مسلمان ہونے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اگر وہ کافر ہوں تو بھی ان کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنے بیٹے کو شرک یا معصیت کے ارتکاب کا حکم نہ دیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ“^(۴) (اللہ تمہیں ان لوگوں کے

(۱) حدیث: ”ہل لک أحد باليمن.....“ کی روایت ابو داؤد (۳۹/۳) طبع عزت عبید دھاس (اور حاکم (۲/۱۰۳-۱۰۴) طبع دائرة المعارف الشیعی) نے کی ہے وہی نے کہہ اور دراج کزور ہے، یعنی اس حدیث کا راوی، اس حدیث کا ثابہ گذر چکا ہے۔

(۲) فتح القدیر ۵/۹۳، الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۲۲۰۔

(۳) ابن ماجہ ۳/۲۰، شرح المنیر ۳/۳۹۳، ۴۱، الفروق للقرانی ۱۳۵/۱۔

(۴) سورہ محمد ۸/۔

(۱) حدیث اسماءؓ قدمت امی وہی مشرکة.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۱۰/۱۳۳) طبع للقرطبی نے کی ہے۔

(۲) سورہ محمد ۸/، دیکھئے الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۲۳۹، ۱۳/۶۳، فتح الباری شرح صحیح البخاری ۳۰/۳۰، الفروق ۱۳۵/۱، الفواکیر الدوائی

انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اور اسی بابت اللہ کا حکم ہے: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ“ (۱) (اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کا لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک بنا جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو تو ان کا کہا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے میں تمہیں بتلا دوں گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہتے تھے)۔ کہا گیا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں اپنی والدہ کافر مانبردار تھا، میں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے کہا: تم یا تو اس دین کو چھوڑ دو ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں، تو مجھے غار دلایا جائے اور کہا جائے: اے اپنی ماں کے قاتل... میری ماں ایک دن اور پھر دوسرا دن اسی حال میں رہی تو میں نے کہا: اے ماں! اگر آپ کی سوجائیں ہوں اور ایک ایک کر کے ساری جائیں نکل جائیں تو بھی میں اپنے اس دین کو نہیں چھوڑوں گا، آپ چاہیں کھالیں یا نہ کھائیں، جب انہوں نے ایسا (میرا مزہ) دیکھا تو کھالیا“ (۲)۔

غیر مسلم والدین کے لئے ان کی زندگی میں دنیاوی رحمت کے لئے دعا کرنے کے مسئلہ میں اختلاف ہے جس کا قرطبی نے ذکر کیا ہے۔ لیکن ان کے لئے استغفار ممنوع ہے، دلیل یہ قرآنی آیت ہے:

= ۳۸۲/۲، الشرح الصغير ۳۰/۷، الروا ج عن ائمة اربعہ فی ۵۵/۲ طبع دار المعرفۃ

(۱) سورہ نعلوت ۸

(۲) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۳۲۸/۱۳، اور حدیث: ”تکنت باراً بامی

فاسلمت.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۸۷ طبع المجلد) نے کی ہے۔

”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ“ (۱) (نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ (مشرکین) رشتہ داری ہو) یہ آیت نبی ﷺ کے اپنے چچا حضرت ابوطالب کے لئے استغفار کرنے اور بعض صحابہ کے اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی، ان کی وفات کے بعد ان کے لئے استغفار کی ممانعت اور اس کی حرمت اور ان کی روح پر صدقہ نہ کرنے پر اجماع منعقد ہو چکا (۲)۔

کافر والدین کے لئے ان کی زندگی میں استغفار کے مسئلہ میں اختلاف ہے، کیونکہ وہ اسلام لا سکتے ہیں۔

اگر کافر والدین فرض کفایہ جہاد میں نکلنے سے اس کو اس لئے روکیں کہ اس پر اندیشہ ہو اور ان کو چھوڑ کر اس کے جانے سے اپنے لئے مشقت محسوس کرتے ہوں تو حنفیہ کے نزدیک ان کو اس کا حق ہے، والدین کی اطاعت فرمانبرداری کرتے ہوئے ان کی اجازت سے ہی وہ نکلے گا، لیکن اگر وہ اسے جہاد سے اس لئے روک رہے ہوں کہ اپنے ہم مذہب لوگوں کے ساتھ قتال کو وہ ناپسند کر رہے ہوں تو پھر وہ ان کی اطاعت نہیں کرے گا بلکہ جہاد میں نکل جائے گا (۳)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے نکلنا جائز ہے، کیونکہ وہ دونوں دین میں متم ہیں، البتہ مالکیہ کے نزدیک اگر کسی قرینہ سے شفقت وغیرہ کا پتہ چل رہا ہو (تو ان کی اجازت لی جائے گی)، ثوری فرماتے ہیں اگر جہاد فرض کفایہ ہو تو والدین کی اجازت سے ہی غزوہ میں شریک ہوگا۔

(۱) سورہ توبہ ۱۱۳۔

(۲) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۲۳۵/۱۰، الفواکد الدوائی ۳۸۳/۲، الشرح

الصغير مع حاشیہ الصاوی ۳۱/۷، شرح احیاء علوم الدین ۱۶/۱۶۔

(۳) ابن ماجہ ۲۲۰/۳۔

بر الوالدین ۴

لیکن اگر جہاد متعین ہو جائے میدان جنگ میں صف بندی یا دشمن کے محاصرہ یا امام المسلمین کی جانب سے اعلان عام کی وجہ سے، تو اس وقت والدین کی اجازت ساقط ہو جائے گی، اور ان کی اجازت کے بغیر اس پر جہاد واجب ہوگا، کیونکہ اب تمام لوگوں پر جہاد کے فرض عین ہونے کی وجہ سے اس پر بھی نکلنا واجب ہوگا^(۱)۔

ماں کی اطاعت اور باپ کی اطاعت کے درمیان تعارض:
۴- اولاد پر والدین کا عظیم حق ہے، اسی لئے متعدد مقامات پر قرآن کریم میں اس کا حکم مازل ہوا، اور احادیث مطہرہ میں بھی اس کی ہدایت دی گئی، اس کا تقاضا ہے کہ ان کی فرمانبرداری، اطاعت، ان کی دیکھ رکھ اور ان کے حکم کی تعمیل غیر معصیت کے کاموں میں کی جائے جیسا کہ گذرا۔

بچہ کی تربیت میں ماں کے بڑے رول کے پیش نظر شریعت نے والدین کی فرمانبرداری کے حکم کے بعد والدہ کے لئے خصوصی طور پر مزید فرمانبرداری کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَمَامِينَ"^(۲) (اور ہم نے انسان کو تاکید کی اس کے ماں باپ سے متعلق، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹا ہے)۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! من أحق

بحسن صحابتي؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "أبوک"^(۱) (اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا باپ)۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "إن الله يوصيكم بأمهاتكم، ثم يوصيكم بآبائكم، ثم يوصيكم بالأقرب فالأقرب"^(۲) (اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے حق میں وصیت کرتا ہے، پھر وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے سلسلہ میں وصیت کرتا ہے، پھر وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے بارے میں وصیت کرتا ہے، پھر وہ تمہیں تمہاری آباء (والد) کے بارے میں وصیت کرتا ہے، پھر وہ تمہیں بالترتیب اقرباء کے بارے میں وصیت کرتا ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: "أي الناس أعظم حقا على المرأة؟ قال: زوجها، قلت: فعلى الرجل؟ قال أمه"^(۳) (عورت پر سب

(۱) حدیث: "من أحق بحسن صحابتي؟" کی روایت بخاری (الفتح ۴۰۱/۱۰ طبع المنقہ) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "إن الله يوصيكم بأمهاتكم.....؟" کی روایت بخاری نے (آداب المفرد (ص ۲۶ طبع المنقہ) میں اور حاکم (۳/۵۱ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

(۳) حدیث: "أي الناس أعظم حقا على المرأة.....؟" کی روایت حاکم (۳/۵۰ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے اس کی سند میں جہالت ہے میزان الاعتدال للذہبی ۵۳۹/۳ طبع المجلد۔

(۱) المہرب ۲/۲۳۰، تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج ۲/۲۳۲، مطالب اولیٰ الیٰس ۲/۵۱۳، المغنی ۸/۳۵۹ طبع ریاض الحدیث، الشرح المکبیر مع حاشیۃ الدبوتی ۲/۵۵۲، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۲۲۰۔

(۲) سورہ لقمان ۱۳۔

بر الوالدین ۵

سے زیادہ کس شخص کا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے شوہر کا، میں نے پوچھا اور مرد پر؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی ماں کا۔
مذکورہ آیات و احادیث اور ان کے علاوہ دیگر بے شمار ہدایت والدین کے مقام و مرتبہ پر دلالت کرتی ہیں، اور فرمانبرداری کے استحقاق میں باپ پر ماں کی فوقیت ثابت کرتی ہیں کیونکہ حمل کی صعوبت، پھر وضع حمل اور اس کی تکالیف پھر رضاعت اور اس کی مشکلات، یہ وہ امور ہیں جن سے صرف ماں کو گذرنا اور انہیں برداشت کرنا پڑتا ہے، اس کے بعد تربیت میں باپ کی شرکت ہوتی ہے، اس لئے باپ کے مقابلہ میں ماں رعایت کی زیادہ مستحق ہے خصوصاً بڑھاپے میں^(۱)۔

اس حق کی فوقیت کا مظہر یہ بھی ہے کہ اگر لڑکے پر اس کے والدین کا نفقہ واجب ہو، اور وہ صرف کسی ایک کا نفقہ دینے کی استطاعت رکھتا ہو تو حنفی، مالکیہ اور شافعیہ کی اصح روایات کے مطابق باپ پر ماں کو فوقیت حاصل ہوگی، یہی ایک رائے حنابلہ کی بھی ہے^(۲)، یہ اس لئے کہ حمل، رضاعت اور تربیت کی مشقت وہ برداشت کرتی ہے، اس میں شفقت بھی زیادہ ہوتی ہے نیز وہ زیادہ کمزور و بے بس ہوتی ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب ان دونوں کی فرمانبرداری میں باہم تعارض نہ ہو۔

۵- اگر اس میں تعارض ہو، اس طور پر کہ ایک کی اطاعت سے دوسرے کی مافرمائی لازم آتی ہو تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا، اگر ایک کسی طاعت کا حکم دے رہا ہو اور دوسرا معصیت کا حکم دے رہا ہو تو

وہ طاعت کا حکم دینے والے کی فرمانبرداری کرے گا معصیت کا حکم دینے والے کی اطاعت میں معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: "لا طاعة لمخلوق في معصية المخلوق"^(۱) (خالق کی معصیت کر کے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی)، البتہ اس پر ضروری ہے کہ حکم قرآنی "وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا"^(۲) (اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کئے جانے) کے مطابق ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، کیونکہ یہ آیت اگرچہ کافر والدین کے سلسلہ میں مازل ہوئی ہے، لیکن خصوص سبب نزول کے بجائے لفظ قرآنی کے عموم کا اعتبار کیا جائے گا۔

لیکن اگر والدین کی فرمانبرداری میں تعارض کسی غیر معصیت میں ہو، اس طور پر کہ ایک ساتھ دونوں کی فرمانبرداری ممکن نہ ہو تو جمہور فرماتے ہیں کہ ماں کی اطاعت مقدم ہوگی، اس لئے کہ فرمانبرداری میں ماں کو باپ پر فوقیت حاصل ہے^(۳)، اور کہا گیا ہے کہ فرمانبرداری میں دونوں برابر ہیں، چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص نے امام مالک سے عرض کیا کہ میرے والد سوڈان میں ہیں، انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ میں ان کے پاس آ جاؤں، میری ماں مجھے جانے سے روکتی ہیں، امام مالک نے اس سے فرمایا: اپنے باپ کی بات مانو اور ماں کی مافرمائی نہ کرو، یعنی اپنے والد کے لئے سفر کر کے اپنی ماں کی خوشی میں اضافہ کرے چاہے ماں کو اپنے ساتھ لے جا کر ہوتا کہ اپنے والد کی اطاعت کر سکے اور ماں کی مافرمائی بھی نہ ہو۔

اور مروی ہے کہ حضرت لیث سے ٹھیک یہی مسئلہ دریافت کیا گیا تو

(۱) حدیث: "لا طاعة لمخلوق في معصية المخلوق..." کی روایت ان الفاظ میں ثعلبی نے مجمع میں کیا ہے اور ملائکہ احمد اور طبرانی نے اس کو روایت کیا ہے احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں (مجمع الرواۃ ۵/۲۲۶ طبع القدسی)۔

(۲) سورہ لقمان ۱۵۔

(۳) الفواکیر الدوانی ۲/۳۸۳۔

(۱) فتح الباری ۱۰/۳۰۱-۳۰۲، شرح إحياء علوم الدین ۶/۳۱۵، الرواۃ عن إمام الکبائر ۲/۷۱ طبع دار المعرف، الجامع لأحكام القرآن للقرطبی ۱۳/۶۳، ۶۵۔

(۲) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۶۷۳، الفواکیر الدوانی ۲/۳۸۳، روح الطائین ۹/۵۵ طبع المکتب الاسلامی، المغنی ۷/۵۹۳ طبع الریاض الحدیث۔

بڑا والدین ۶-۷

ساتھ صلہ رحمی و حسن سلوک اور مشرک اقرار کے ساتھ صلہ رحمی کا ذکر ہے (۱)۔

کافر والدین کے ساتھ حسن سلوک میں ان کے لئے وصیت بھی داخل ہے، اس لئے کہ وہ اپنے مسلم لڑکے کے وارث نہیں ہوں گے۔
تفصیل کے لئے اصطلاح ”وصیت“ دیکھی جائے۔

حسن سلوک کس طرح کیا جائے؟

۷- والدین کے ساتھ حسن سلوک کے لئے ان کے ساتھ رفیق و محبت آمیز نرم گفتگو کرے نفرت پیدا کرنے والی ترش کلامی نہ کرے، انہیں ایسے الفاظ سے پکارے جو انہیں پسند ہوں جیسے اے امی جان، اے ابو جان، انہیں ایسی بات کہے جو دین و دنیا میں ان کے لئے نافع ہو، دین کے جن امور کے وہ محتاج ہوں ان کے بارے میں ان کو بتائے، ان کے ساتھ معروف کے مطابق زندگی گزارے یعنی جن امور کا جواز شریعت میں معروف ہے، چنانچہ واجب یا مندوب پر عمل کرنے میں اور جس چیز کے چھوڑنے میں اس کو ضرر نہ ہو اس کے چھوڑنے میں ان کے حکم کی اطاعت کرے، ان کے برادر نہ چلے، ان سے آگے بڑھ کر چلنا تو کجا، البتہ اگر ضرورت ہو مثلاً اندھیرا ہو تو (روشنی کے لئے) آگے چل سکتا ہے، ان کے پاس جائے تو ان کی اجازت سے بیٹھے، اٹھے تو ان کی اجازت لے کر اٹھے، بڑھاپے یا مرض میں ان کے پیٹاب وغیرہ کر دینے کو برا نہ سمجھے کہ اس سے ان کو فوہیت ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا“ (۲) (اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور حسن سلوک رکھو والدین کے ساتھ)۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ملاطفت اور نرم روی کے ساتھ

انہوں نے فرمایا: اپنی ماں کی اطاعت کرو، کیونکہ انہیں فرمانبرداری کا دو تہائی حق حاصل ہے، اسی طرح باجی نے نقل کیا ہے کہ ایک خاتون کا حق اس کے شوہر پر تھا، تو بعض فقہاء نے اس کے لڑکے کو فتویٰ دیا کہ اپنے والد کے خلاف ماں کی طرف سے وکالت کرے، تو وہ مقدمہ کی مجالس میں ماں کے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے باپ سے محاکمہ اور بحث کرتا تھا، بعض فقہاء نے اسے اس سے منع کیا اور کہا کہ یہ باپ کی ممانعت ہے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث صرف یہ بتاتی ہے کہ باپ کا حق ماں سے کم ہے، نہ یہ کہ باپ کی ممانعت کی جائے، محاسبی نے اجماع نقل کیا ہے کہ فرمانبرداری میں باپ پر ماں مقدم ہے (۱)۔

دار الحرب میں مقیم والدین و اقارب کے ساتھ حسن سلوک:

۶- ابن جریر کہتے ہیں: اہل حرب میں سے امان یافتہ شخص کے ساتھ حسن سلوک خواہ اس سے نسبی قرابت ہو یا نہ ہو، نہ حرام ہے اور نہ ممنوع، بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کے خلاف کفار کی تقویت یا اہل اسلام کے پوشیدہ امور سے آگاہی، سامان جنگ و اسلحوں سے ان کی تقویت نہ ہوتی ہو (۲)۔

یہی رائے ”الآداب الشریعہ“ میں ابن الجوزی حنبلی سے منقول رائے کے موافق ہے، اور جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے اس سے مختلف نہیں ہے، اور اس پر استدلال اس واقعہ سے کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو ریشمی جوڑا ہدیہ کیا تھا، اور حضرت اسماءؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے (۳)، ان دونوں میں اہل حرب کے

(۱) الفروق ۱/ ۱۳۳، تہذیب الفروق مع حاشیہ ۱/ ۱۶۱، فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۰/ ۳۰۲، ۳۰۳۔

(۲) جامع البیان للطبری ۶۶/ ۲۸، طبع مصطفیٰ لکھنؤ۔

(۳) حدیث اسماءؓ کی تاریخ فقہ نمبر ۳ میں گذر چکی ہے۔

(۱) الآداب الشریعہ ۱/ ۹۲، ۹۳۔

(۲) سورۃ نساء ۳۶۔

بر الوالدین ۸

ان سے حسن سلوک کرے، انہیں سخت جواب نہ دے، نہ انہیں گھور کر دیکھے، اور نہ ان پر اپنی آواز اونچی کرے^(۱)۔

ان کے ساتھ حسن سلوک اور بر یہ بھی ہے کہ گالی گلوں یا کسی بھی قسم کی ایذا رسانی کے ذریعہ ان سے بدسلوکی نہ کرے کہ یہ بلا اختلاف گناہ کبیرہ ہے، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنْ مِنْ الْكَبَائِرِ شَتَمَ الرَّجُلَ وَالِدِيهِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَهَلْ يَشْتَمُ الرَّجُلَ وَالِدِيهِ؟ قَالَ: نَعَمْ يَسِبُ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسِبُ أَبَاهُ، وَيَسِبُ أُمَّهُ فَيَسِبُ أُمَّهُ“ (کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا انسان اپنے والدین کو گالی بھی دے سکتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ایک انسان دوسرے انسان کے والد کو گالی دیتا ہے تو دوسرا اس کے والد کو گالی دیتا ہے، اور وہ دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے تو دوسرا اس کی ماں کو گالی دیتا ہے)، ایک دوسری روایت میں ہے: ”إِنْ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلَ وَالِدِيهِ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدِيهِ؟ قَالَ: يَسِبُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسِبُ الرَّجُلَ أَبَاهُ“^(۲) (بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے والدین پر لعنت بھیجے، کہا گیا: یا رسول اللہ! انسان اپنے والدین پر کس طرح لعنت بھیجے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کے والد کو بُرا بھلا کہے گا تو دوسرا اس کے والد کو بُرا بھلا کہے گا)۔

۸ - والدین کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے

دوستوں کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”إِنْ مِنْ أَوْبَرِ الْبِرِّ صَلَوةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وَدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُولِيَ“^(۱) (بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے والد کے جانے کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ صلہ رحمی کرے)، اگر والد غائب ہو یا فوت ہو جائے تو ان کے دوستوں کو یاد رکھے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے کہ یہ بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ایک حصہ ہے۔

حضرت ابو اسید جو بدری صحابی ہیں روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھا تھا، آپ ﷺ کے پاس ایک انصاری آئے اور دریافت کیا: یا رسول اللہ! کیا والدین کی وفات کے بعد ان کے لئے کچھ ”بر“ باقی ہے کہ میں اسے انجام دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نعم، الصلاة عليهما، والاستغفار لهما، وإنفاذ عهدهما من بعدهما، وإكرام صديقهما، وصلوة الرحم التي لا رحم لك إلا من قبلهما، فهذا الذي بقي عليكم“^(۲) (ہاں، ان کے لئے دعا اور استغفار، ان کے بعد ان کے وعدوں کی تکمیل، ان کے دوستوں کا اکرام اور ان کے واسطے سے رشتہ میں آنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی، یتیم پر اب باقی ہے)۔

خود رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفا اور حسن سلوک کے لئے ان کی سہیلیوں کو ہدایا بھیجتے تھے جو آپ کی زوجہ تھیں،

(۱) حدیث: ”إِنْ مِنْ أَوْبَرِ الْبِرِّ.....“ کی روایت مسلم (۳۹۷/۵ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”هَلْ بَقِيَ مِنْ بَرِّ وَالِدِي.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۵۲/۵ طبع عزت حیدر دہاس) اور حاکم (۱۵۵/۵ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے اور ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس کی موافقت کی ہے۔

(۱) المفواکر الدوائی ۳/۳۸۲-۳۸۳، الروا جرم عن اقتراف الکبائر ۲/۶۶۲۔

(۲) الروا جرم عن اقتراف الکبائر ۲/۶۶۲، المفواکر الدوائی ۳/۳۸۳، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۲۳۸۔ حدیث: ”إِنْ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ.....“ کی روایت بخاری (فتح ۱۰/۲۰۳ طبع المستوفیہ) اور مسلم (۹۲/۱ طبع المجلد) نے کی ہے۔

تو پھر والدین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے^(۱)۔

تجارت یا طلب علم کے لئے سفر کی خاطر والدین کی اجازت:

۹- فقہاء حنفیہ نے اس کے لئے ایک قاعدہ مقرر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ سفر جس میں بلاکت سے اطمینان نہ ہو اور خطرہ شدید ہو، لڑکے کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر اس میں نکلتا درست نہیں ہے، اس لئے کہ والدین کو اپنی اولاد پر شفقت ہوتی ہے تو انہیں اس صورت میں ضرر پہنچے گا، اور جس سفر میں خطرہ شدید نہ ہو والدین کی اجازت کے بغیر اس میں نکلتا، بشرطیکہ والدین کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے، جائز ہے کہ اس میں ضرر نہیں رہا۔

پس تعلیم کے سفر کے لئے والدین کی اجازت لازم نہیں ہوگی اگر اپنے شہر میں تعلیم مہیا نہ ہو، راستہ پر امن ہو اور والدین کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو، اس لئے کہ اس سفر سے انہیں ضرر نہیں بلکہ نفع ہوگا، اور اسے مافرمائی کا عار لاحق نہیں ہوگا، لیکن اگر تجارت کا سفر ہو اور والدین اپنے بیٹے کی خدمت سے مستغنی ہوں اور ان کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو تو بغیر اجازت اس سفر پر نکل سکتا ہے، لیکن اگر والدین اس کے اور اس کی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کرے گا^(۲)۔

مالکیہ نے طلب علم کے سفر میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اس مرتبہ کے علم کے حصول کے لئے سفر ہو جو اس کے شہر میں فراہم نہیں جیسے

(۱) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۲۳۱ (دواں مسئلہ)، احیاء علوم الدین ۱۶/۳، الفواکیر الدوائی ۲/۳۸۳، حدیث: ”کان یبہدی....“ کی روایت بخاری (الفتح ۱۳۳/۹ طبع المستفید) نے کی ہے۔
(۲) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۵۸، تمییز الحقائق شرح کنز الدقائق ۲۲۲/۳، ابن حابدین ۲۲۰/۳۔

کتاب اللہ اور سنت رسول میں تفقہ، اجماع اور مواقع اختلاف اور مراتب قیاس کی معرفت، تو والدین کی اجازت کے بغیر وہ سفر کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کے اندر غور و تحقیق کی صلاحیت ہو، اور سفر سے ممانعت میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ مجتہدین کے مقام کا حصول فرض کفایہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“^(۱) (اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے)، لیکن اگر تھلیدی طریقہ پر تفقہ کے لئے سفر ہو اور اس کے شہر میں اس کا انتظام ہو تو ان کی اجازت کے بغیر سفر جائز نہیں ہوگا۔

اور اگر تجارت کے لئے سفر کا ارادہ ہو جس میں اس کو اسی قدر حاصل ہونے کی امید ہو جتنی وہ اپنے وطن میں حاصل کرتا ہے تو ان کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا^(۲)۔

نوافل کے ترک یا ان کو توڑنے میں والدین کی اطاعت کا حکم:

۱۰- شیخ ابو بکر طروش کی کتاب ”بر الوالدین“ میں فرماتے ہیں: کسی سنت مؤکدہ جیسے جماعت کی نماز میں حاضری، فجر کی دو رکعات اور وتر وغیرہ کے ترک میں والدین کی اطاعت نہیں ہوگی اگر وہ ہمیشہ انہیں ترک کرنے کا مطالبہ کرتے ہوں، اس کے برخلاف اگر وہ نماز کے اول وقت میں بلائیں تو ان کی اطاعت کی جائے گی چاہے اول وقت کی فضیلت سے محرومی ہو جائے^(۳)۔

(۱) سورۃ آل عمران ۱۰۴۔
(۲) المفروق للقرانی ۱/۱۳۵-۱۳۶، الدسوقی ۲/۱۷۶، ۱۷۷، جوہر والکلیل ۲۵۲/۱۔
(۳) مطالب اولیٰ انبی ۲/۵۱۳، المغنی لابن قدامہ ۵/۸، ۵۹، کشاف القناع عن

حکم سے اسے طلاق مت دو یہاں تک کہ وہ بھی حق وعدل تک رسائی اور اس جیسے معاملہ میں خواہش نفس کی عدم اتباع میں حضرت عمرؓ کی مانند ہو جائیں۔

حنابلہ میں سے ابو بکر نے یہ اختیار کیا ہے کہ (باپ کے کہنے پر بیٹے کا اپنی بیوی کو طلاق دینا) واجب ہے، اس لئے کہ (جب حضرت ابن عمر نے اپنی بیوی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تو) نبی کریم ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ اور شیخ تقی الدین ابن تیمیہ ایسے شخص کے بارے میں جس کی ماں اسے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے، فرماتے ہیں: اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے، بلکہ اس پر ماں کے ساتھ حسن سلوک واجب ہے، اور اپنی بیوی کو طلاق دینا ماں کے ساتھ حسن سلوک میں داخل نہیں (۱)۔

ارتکاب معصیت یا ترک واجب کے امر میں ان کی اطاعت کا حکم:

۱۳- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا، وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا“ (۲) (اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ سلوک نیک کا لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک بنا جسکی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو تو ان کا کہنا نہ ماننا)، اور ارشاد ہے: ”وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا“ (۳) (اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک

فرض کفایہ کے ترک میں ان کی اطاعت کا حکم:

۱۱- صحیح مسلم کی حدیث کہ ایک شخص نے بیعت کرنی چاہی اور اس کے والدین میں سے ایک باحیات تھے، گزر چکی ہے، اس سے واضح ہے کہ ان کی صحبت نبی کریم ﷺ کی صحبت پر اور ان کی خدمت جو واجب عین ہے فرض کفایہ پر مقدم ہے، اس لئے کہ ان کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک فرض عین ہے، اور جہاں فرض کفایہ ہے، اور فرض عین قوی ہوتا ہے (۱)۔

بیوی کو طلاق دینے کے مطالبہ میں ان کی اطاعت کا حکم:

۱۲- ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: میری ایک بیوی تھی جس سے میں محبت کرتا تھا، میرے والد اس کو پسند نہیں کرتے تھے، انہوں نے مجھے اس کو طلاق دینے کا حکم دیا، میں نے انکار کر دیا، پھر میں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یا عبد اللہ بن عمر طلق امراتک“ (۲) (اے عبد اللہ بن عمر اپنی بیوی کو طلاق دے دو)۔

ایک شخص نے امام احمد سے پوچھا کہ میرے والد مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیتے ہیں، انہوں نے فرمایا: اسے مت طلاق دو، اس نے کہا کہ کیا حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم نہیں دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں جب تمہارے باپ بھی حضرت عمرؓ کی مانند ہو جائیں، یعنی اپنے باپ کے

= متن الاتباع ۵/۳۵، الفروق للقرانی ۱/۱۳۳-۱۳۲، الشرح المختصر ۴/۴۹۸، الفواکد الدوائی ۲/۳۸۳، الرواجز ۲/۶۷، ۷۳۔

(۱) الفروق ۱/۱۳۳، ۱۳۵، ۱۵۰، الرواجز ۲/۶۷، ۷۳۔

(۲) حدیث حضرت ابن عمرؓ: ”کان لحنی امرأة.....“ کی روایت ترمذی (۳)۔

۳۸۶ طبع اکلسی نے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے دیکھئے الجامع

لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۲۳۹، الرواجز ۲/۷۵۔

(۱) الآداب الشرعية وادب المرء لاہن مفلح المتقن المسلسلی ۱/۵۰۳، الرواجز

۲/۷۲۔

(۲) سورہ نعلوت ۸۔

(۳) سورہ لقمان ۱۵۔

بزرگوالدین ۱۴

تھہرائے جسکی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کئے جانا، ان دونوں آیات میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا وجوب اور ان کی نافرمانی اور مخالفت کی حرمت موجود ہے، والا یہ کہ وہ کسی شرک یا ارتکاب معصیت کا حکم دیں تو اس وقت ان کی اطاعت اور ان کے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا کہ اس میں ان کی اطاعت حرام اور مخالفت واجب ہے، جس کی تاکید رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ ”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق“ (۱) (خالق کی معصیت کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی)، اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی سابق میں گزری اس حدیث سے (۲) بھی ہوتی ہے کہ ان کی والدہ نے ان سے دین کو ترک کرنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے والدہ کی بات نہیں مانی، لیکن ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے اور خوبی سے بسر کرتے رہے، ایسے امور میں والدہ کی نافرمانی واجب ہے، لہذا واجبات کو ترک کر کے والدہ کی اطاعت نہیں کی جائے گی (۳)۔

والدین کی نافرمانی اور دنیا و آخرت میں اس کی سزا:

۱۴ - ان کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنے کی وجہ سے جو نافرمانی ہوتی ہے، اس کے علاوہ نافرمانی کی اور بھی صورتیں ہیں، جن میں سے بعض کا تعلق قول سے ہے، اور بعض کا عمل سے۔

نافرمانی میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا اپنے والدین کے سامنے اکتاہٹ، تنگ دلی، غصہ کا اظہار کرے، اس کی رگیں پھول جائیں،

(۱) حدیث: ”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق“ کی تخریج فقرہ نمبر ۵ میں گذر چکی ہے۔

(۲) دیکھئے فقرہ نمبر ۳۔

(۳) اشرح الصغیر ۳۹/۷، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۲۳۸ (چوتھا مسئلہ)

نور ۱۳/۸ سورہ عنکبوت سے، اور ۱۳/۶۳، ۶۵، لقروق للقرطبی ۱/۱۳۵۔

فرزند کی کے ماز و نحرے اور دیانت داری کی کمی کی وجہ سے ان پر زبان درازی کرے، خصوصاً ان کے بڑھاپے میں، حالانکہ اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک نرمی اور محبت کا برتاؤ کریں، اچھی اور پاکیزہ باتیں کہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إِنَّمَا يَلْعَنُ عِنْدَكَ الْكَبِيرُ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ“ (۱) (اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو تو ان سے ہوں بھی نہ کہنا)، ان کو ادنیٰ تکلیف کی بات کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے، ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کا ضابطہ یہ ہے کہ اولاد انہیں ایسی ایذا پہنچائے کہ اگر وہ کام کسی دوسرے کے ساتھ وہ کرتا تو حرام اور گناہ صغیرہ ہوتا، لیکن والدین کی وجہ سے اب وہ کبیرہ ہو گیا ہے (۲)۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ”یروح ريح الجنة من مسيرة خمس مائة عام، ولا يجرد ريحها منان بعمله، ولا عاق، ولا مدمن خمر“ (۳) (جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس ہوگی، لیکن احسان جتانے والا، والدین کا نافرمان، اور شرابی اس خوشبو کو نہیں پائے گا)، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ألا أنبئكم باكبر الكبائر؟ قلنا: بلى يا رسول الله! قال: ثلاثاً، الإشراف بالله، وعقوق الوالدين، وكان متكئاً فجلس، فقال: ألا وقول الزور وشهادة الزور، ألا وقول الزور وشهادة الزور، فما زال يكررها حتى قلت: لا“

(۱) سورہ اسراء ۲۳۔

(۲) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۲۳۸، ۲۳۱، ۲۳۵۔

(۳) حدیث: ”یروح ريح الجنة من مسيرة خمس مائة عام...“ کو طبرانی نے

الصغیر میں روایت کیا ہے، ثانی فرماتے ہیں: اس میں ربیع بن بدراوی متروک

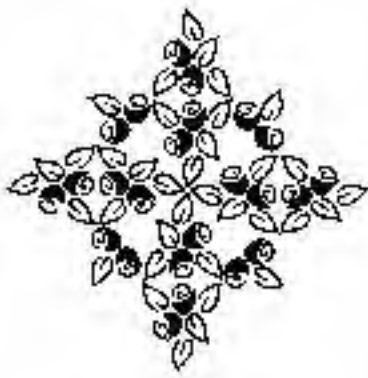
ہے (مجمع الزوائد ۸/۱۳۸ طبع القدسی)۔

بڑا والدین ۱۵

تک اس کی دنیاوی سزا کا تعلق ہے تو وہ تعزیر کے باب سے ہے، اس کی مقدار نافرمانی اور نافرمانی کرنے والے کی حالت کے فرق سے مختلف ہوتی ہے۔

چنانچہ اگر والدین یا کسی ایک پر زیادتی گالی یا مار پیٹ کے ذریعہ کی تو والدین اس کی تعزیر کریں گے یا امام اس کی تعزیر کرے گا، ان دونوں کے مطالبہ پر (اگر دونوں کو گالی اور مار پیٹ ایک ساتھ کی گئی ہو) یا ان میں سے جس پر زیادتی کی گئی ہے اس کے مطالبہ پر، اگر گالی یا مار کھانے والے نے معاف کر دیا تو اس کی معافی کے بعد بھی ولی الامر کو اختیار ہوگا کہ مناسب تعزیر کرے یا معاف کر دے، اور اگر امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے والدین گالی اور مار پیٹ کو معاف کر دیں تو تعزیر ساقط ہو جائے گی۔

اس کی تعزیر گناہ اور بدکلامی کے اعتبار سے گرفتاری، یا ضرب (مار) یا سخت باتوں سے تنبیہ یا ان کے علاوہ ایسے امور سے ہوگی جن سے سرزنش و تنبیہ ہوتی ہو^(۱)۔



یسکت“^(۱) (کیا میں تمہیں بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا: ضرور اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ہیں، اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی، آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: سن لو، جھوٹی بات اور جھوٹی کواعی، سن لو جھوٹی بات اور جھوٹی کواعی، آپ ﷺ یہ جملہ برہمہ کہتے رہے یہاں تک کہ میں نے سوچا: آپ ﷺ خاموش نہیں ہوں گے)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رضی اللہ فی رضی الوالدین، وسخط اللہ فی سخط الوالدین“^(۲) (اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے، اور اللہ کی ناراضی والدین کی ناراضی میں ہے)۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”کل المذنب یؤخر اللہ منہا ماشاء الی یوم القیامۃ الا عقوق الوالدین، فان اللہ یعجلہ لصاحبہ فی الحیاء قبل الممات“^(۳) (تمام گناہوں میں سے جسے اللہ چاہتا ہے قیامت تک کے لئے مؤخر کر دیتا ہے، سوائے والدین کی نافرمانی کے، اللہ تعالیٰ (اس کی سزا) گناہ گار کو جلدی کر کے اس کے مرنے سے پہلے دنیا ہی میں دے دیتا ہے)۔

نافرمانی کی سزا:

۱۵ - والدین کی نافرمانی کی اثر وی سزا پر گفتگو گذر چکی ہے، جہاں

(۱) حدیث: ”الا ینکم باکبر الکبائر.....“ کی روایت بخاری (فتح ۴۰۵/۱۰ طبع استغنیہ) اور مسلم (۱/۱۱۱ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”رضی اللہ فی رضی الوالدین.....“ کی روایت ترمذی (۳۱۱/۳ طبع المجلد) نے کی ہے اس کی سند میں جہالت ہے میزان الاعتدال (۷۸/۳ طبع المجلد)۔

(۳) حدیث: ”کل المذنب یؤخر اللہ.....“ کی روایت حاکم (۱۵۶/۳ طبع دائرة المعارف عثمانیہ) نے کی ہے وہی نے کہا ہے بکاروی ضعیف ہے۔

(۱) ابن ماجہ ۱۷۷۳-۱۷۷۴، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۶، ۱۸۹، کشاف القناع

۱۸۱/۶، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴

کے لئے باہر نکلے (۱)۔

اس مفہوم کی رو سے مخدرۃ (پردہ نشین) برزہ (بے پردہ) کی ضد ہے۔

اجمالی حکم:

۳- حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ کوئی دینے کے لئے بے پردہ خاتون کی حاضری ضروری ہے، بشرطیکہ ایسی شہادت اس نے حاصل کی ہو جس کی شہادت دینا اس کے لئے جائز ہے، اور اس کی حاضری پر دعویٰ موقوف ہو، اور ایسی حالت میں اس کی شہادت پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی، والا یہ کہ اس کی حاضری سے کوئی رکاوٹ جیسے مرض اور سفر پایا جائے، تو اس صورت میں قاضی اس کے پاس کسی کو بھیجے گا جو اس کی شہادت سنے گا، اس کی تفصیل شہادت کی بحث میں ہے، لیکن مخدرۃ (پردہ نشین) خاتون کو مجلس قضا میں حاضر کرنا ضروری نہیں ہے۔

مالکیہ عورت کی شہادت کی ادائیگی میں بے پردہ اور پردہ نشین میں فرق نہیں کرتے، ان کے نزدیک حکم ہے کہ عورت کی شہادت نقل کی جائے گی، کیونکہ اس کے لئے مشقت اور بے پردگی ہے (۲)۔

یہ تفصیل شہادت سے متعلق ہے، اگر اس پر مقدمہ ہو تو حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اگر بے پردہ عورت کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیا ہے

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۷، طبع بیروت، کشاف القناع عن متن الإقناع ۶/۳۳۹، طبع الریاض، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۲۲۹، طبع الحلبي۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۷، طبع الحلبي، کشاف القناع عن متن الإقناع ۶/۳۳۹، طبع الریاض، حاشیہ المشروانی ۱۰/۲۷۲، نہایۃ المحتاج (۱) شرح المصباح ۸/۳۰۶، قلیوبی و عمیرہ ۳/۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، طبع الحلبي، تہذیبۃ الامام ۱/۳۵۲، طبع الحلبي۔

برزۃ

تعریف:

۱- برزہ وہ خاتون جس کے محاسن نمایاں ہو، یا جو ادھیڑ عمر، باوقار اور بے پردہ ہو، لوگوں کے سامنے آتی ہو، لوگ اس کے پاس بیٹھتے اور اس سے گفتگو کرتے ہوں، لیکن وہ عقیقہ ہو۔

کہا جاتا ہے: ”امراۃ برزۃ“ جب عورت ادھیڑ عمر کی ہو جائے، نوجوان خواتین کی طرح پردہ نہ کرے، اسکے ساتھ وہ عقیقہ اور زیرک ہو، لوگوں کے ساتھ بیٹھتی اور ان سے گفتگو کرتی ہو، یہ لفظ بروز اور خروج سے ہے (۱)۔

فقہاء کے نزدیک یہ لفظ اسی لغوی معنی میں مستعمل ہے۔

متعلقہ الفاظ:

مخدرۃ (پردہ نشین):

۲- لغت میں مخدرۃ وہ عورت ہے جو خدر (پردہ) کو لازم پکڑے (۲)، خدر بمعنی ستر (پردہ) ہے۔

اصطلاح میں یہ پردہ کی پابند خاتون ہے، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ (کنواری یا شوہر دیدہ) جسے غیر حرم مرد نہ دیکھ سکیں چاہے وہ ضرورت

(۱) المصباح المیز، القاموس المحیط، لسان العرب، ترتیب القاموس المحیط: مادہ ”برز“، کشاف القناع عن متن الإقناع ۶/۳۳۹، طبع الریاض، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۷، طبع بیروت۔

(۲) لسان العرب: مادہ ”خدر“۔

تو تاضی اس کو طلب کرے گا کہ اس میں عذر نہیں ہے، اس کی طلبی کے لئے اس سفر میں حرم کا اعتبار بھی نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس پر سفر ضروری ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ انسان کا حق ہے جو محل و تنگی پر مبنی ہے، لیکن اگر مدعا علیہ مخدّرہ (پردہ نشین) ہو تو اسے اپنا وکیل بنانے کا حکم دیا جائے گا، اس کی حاضری ضروری نہیں ہوگی، اس میں اس کے لئے ضرر اور مشقت ہے، اگر اس سے قسم لی جانی ہو تو تاضی ایک امین کو جس کے ساتھ دو گواہ ہوں گے بھیجے گا جو دونوں کو انہوں کی موجودگی میں اس سے حلف لے گا^(۱)۔

برسام

تعریف:

۱- برسام لغت و اصطلاح میں ایسی عقلی بیماری ہے جس سے ہذیانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، یہ جنون کے مشابہ ہوتی ہے^(۱)۔

بحث کے مقامات:

۴- فقہاء نے بے پردہ خاتون کی ادائیگی شہادت، جن امور میں اس کے لئے شہادت دینا جائز ہے، پر گفتگو فرمائی ہے، جس کا طریقہ اپنے مقام پر مفصل بیان ہوا ہے۔

متعلقہ الفاظ:

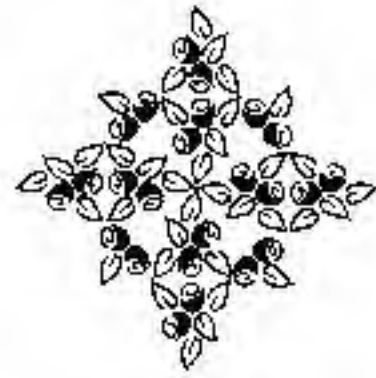
الف- عتہ:

۲- عتہ لغت میں ایسا عقلی نقص ہے جس میں جنون یا کمزوری نہ ہو۔ اصطلاح میں یہ ایسی بیماری ہے جو عقل میں خلل پیدا کرتی ہے، اور وہ شخص اختلاط عقل کا شکار ہو جاتا ہے، اس کی کچھ باتیں تو اصحاب عقل کی طرح ہوتی ہیں، اور کچھ باتیں پاگلوں کی مانند، معتوہ شخص پر با شعور بچہ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

مبرسم (ہذیانی شخص) پر اس کی ہذیانی حالت کے دوران جنون کے احکام جاری ہوتے ہیں^(۲)۔

ب- جنون:

۳- جنون، جیسا کہ شریعہ نے تعریف کی ہے: ایسا مرض ہے جو عقل کو زائل کر دیتا ہے، اور قوت میں اضافہ کرتا ہے^(۳)۔



(۱) تاج العروس، المصباح الممیر فی المادہ، حاشیہ ابن عابدین ۳۶۲/۲۔

(۲) فتح القدیر ۳/۳۳۳، ابن عابدین ۳۶۲/۲-۳۶۲/۲، تعریفات البحر جانی۔

(۳) مرآۃ الفلاح ص ۵۰، دیکھئے: الصحاح، لسان العرب: مادہ 'جنن'۔

(۱) کشاف القناع ۶/۳۲۹ طبع عالم الکتب۔

یہ فی الجملہ ان امور میں سے ہے جن سے تکلیف (شرعی ذمہ داری) ساتھ ہو جاتی ہے، اور اہلیت او باطل ہو جاتی ہے۔

برص

تعریف:

۱- برص لغت میں ایک معروف مرض کا نام ہے، وہ ایسی سفیدی ہے جو جلد کے اوپر ظاہر ہوتی ہے، جلد کا رنگ بدل جاتا ہے اور اس کی دھویت (خونی رنگت) زائل ہو جاتی ہے، کہا جاتا ہے: برص برصا فہو ابرص، مؤنث کے لئے برصاء لفظ ہے^(۱)۔
فقیہی استعمال بھی اسی معنی میں ہے۔

متعلقہ الفاظ:

الف- جذام:

۲- یہ لفظ جذم سے ماخوذ ہے جس کا معنی قطع (کاٹنا) ہے، اس مرض کا یہ نام اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے اعضاء کٹنے لگتے ہیں۔
جذام ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے عضو سرخ ہو جاتا ہے، پھر سیاہ ہو جاتا ہے، پھر بدبودار ہو جاتا ہے اور کٹنے اور گرنے لگتا ہے، یہ بیماری ہر عضو میں ہو سکتی ہے، لیکن چہرہ میں عموماً ہوتی ہے^(۲)۔

ب- بہق:

بہق لغت میں برص سے کم درجہ کی سفیدی ہے جو جسم میں اس

(۱) لسان العرب، المغرب للطبریزی: مادة "برص"، حاشیہ ابن حابدین ۲/ ۵۹۷ طبع المجلس، نہایت المحتاج ۱/ ۳۰۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، قلیوبی و عمیرہ ۳/ ۲۶۱ طبع المجلس۔

(۲) لسان العرب: مادة "جذم"، نہایت المحتاج ۱/ ۳۰۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

۴- مبرسم کے مخصوص احکام ہیں، برسام کے شکار ہونے کی حالت میں اس کے عقود غیر معتبر ہوں گے، اس کا اثر درست نہیں ہوگا، اس کے قولی تصرفات شرعاً غیر معتبر ہوں گے، ان امور میں وہ مجنون کی طرح ہوگا۔

اس حالت میں اس کے فعلی تصرفات کے سلسلہ میں اس پر گناہ نہیں ہوگا، اگر اس کے فعل کے نتیجے میں کسی کا مال یا جان ضائع ہو جائے تو اس کے مال میں ضمان اور اس پر دیت یا اس کے مال سے عوض کی قیمت واجب ہوگی۔

فقہاء نے اجماع و غیرہ پر بحث کرتے ہوئے اور اصولیین نے اہلیت اور اس کے عوارض کے ذیل میں اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے^(۱)۔

(۱) ابن حابدین ۲/ ۲۶۱-۲۶۷، فتح القدیر ۳/ ۳۲۳، ۷/ ۳۰۱، الفتاویٰ الہندیہ ۳/ ۷۰، الفتاویٰ الہمزازیہ سابق صفحہ کے حاشیہ پر، جوہر ولائیل ۲/ ۱۳۲-۱۳۵، المشرح الکبیر للذریع حاشیہ الدسوقی ۳/ ۳۰۳، الخرشعی علی مختصر سیدی غلیل ۳/ ۳۳، التاج ولائیل للمواق ۳/ ۲۳ طبع الجراح، قلیوبی و عمیرہ ۳/ ۳۳۱، شرح روض الطالب من اسنی الطالب ۲/ ۲۹۹، ۳/ ۲۸۰، المقتض ۳/ ۷۲۲، المغنی لابن قدامہ ۵/ ۱۳۹، ۵/ ۱۵۰، ۷/ ۱۱۳، ۱۱۳ طبع المریض الحدیث۔

کے رنگ کے خلاف ہوتی ہے، یہ برص نہیں ہے^(۱)۔

اصطلاح کے اعتبار سے جلد کے رنگ میں تبدیلی ہوتی ہے، اور اس پر نکلنے والا بال سیاہ ہو جاتا ہے، جب کہ برص پر نکلنے والا بال سفید ہوتا ہے^(۲)۔

ابرص کے مخصوص احکام

برص کی وجہ سے فسخ نکاح میں خیار کا ثبوت:

۳- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے مستحکم برص (جو پکڑے ہوئے برص) کی وجہ سے فی الجملہ فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق دیا ہے:

مالکیہ نے صرف بیوی کو عقد نکاح کے بعد ہونے والے ضرر رساں برص کی وجہ سے فسخ نکاح کے مطالبہ کی اجازت دی ہے، خواہ مرض دخول سے پہلے ہوا ہو یا اس کے بعد، اور اگر شفا کی امید ہو تو ایک سال کی تاخیر کے بعد یہ حق ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ نے بیوی اور شوہر دونوں کو دخول سے پہلے یا بعد برص کی وجہ سے فسخ کے مطالبہ کی اجازت دی ہے، اور ان تمام امور میں اسی طرح خیار کی شرائط کی رعایت کی جائے گی جس طرح نکاح میں بیان ہوا ہے^(۳)۔

حنفی نے سوائے امام محمد کے، زوجین میں سے کسی ایک کو دوسرے کے عیب کی وجہ سے خواہ بہت بڑا ہو جیسے برص، اختیار نہیں دیا ہے،

امام محمد فرماتے ہیں: برص کی وجہ سے صرف بیوی کو اختیار حاصل ہوگا شوہر کو نہیں، اس لئے کہ وہ طلاق کے ذریعہ اسے دور کر سکتا ہے^(۱)، اس کی تفصیل اس کے مقام پر دیکھی جائے۔

برص کی وجہ سے خیار کے ثبوت پر استدلال حضرت سعید بن المسیب سے مروی اس روایت سے کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: اگر کسی شخص نے کسی خاتون سے نکاح کیا اور اس سے دخول کیا تو اس میں برص یا اسے مجنونہ یا جذامی پایا تو دخول کی وجہ سے عورت کو مہر ملے گا، اور شوہر مہر اس شخص سے وصول کرے گا جس نے اسے عورت کے تئیں دھوکہ دیا^(۲)۔

اور حضرت زید بن کعب بن عجرہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو غفار کی ایک خاتون سے نکاح فرمایا تو اس کے پہلو میں سفیدی دیکھی، تو ان سے فرمایا: ”خذی علیک ثیابک“ (طلاق سے کنایہ ہے) اور جو انہیں دیا تھا ان میں سے کچھ نہیں لیا^(۳)۔

مسجد میں ابرص کے آنے کا حکم:

۴- مالکیہ کی رائے ہے کہ ابرص کے لئے جمعہ اور جماعت کا ترک مباح ہے جب کہ اس کا برص شدید ہو، اور برص والوں کے لئے

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ص ۲/۵۹۷ طبع بیروت، الاختیار ۳/۵۱۱، شرح فتح القدیر ۳/۱۳۲ طبع بیروت۔

(۲) حدیث: ”أیما رجل تزوج امرأة فدخل بها فوجدها...“ کی روایت سعید بن منصور (۱/۲۰۳ طبع طلیس پریس ہندوستان) نے کی ہے اس کی سند میں سعید بن المسیب اور عمر بن خطاب کے درمیان انقطاع ہے (جامع التوفیق ص ۲۲۲، طبع وزارة الاوقاف عراق)۔

(۳) حدیث زید بن کعب بن عجرہ کی روایت احمد (۳/۲۹۳ طبع المبرور) نے کی ہے بخاری نے مجموع (۳/۳۰۰ طبع القدسی) میں اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے اسے امام احمد نے روایت کیا ہے، اور حلیل ضعیف ہے۔

(۱) لسان العرب: مادة ”یہی“۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی الشرح المکبیر ۲/۲۷۷ طبع الجلی۔

(۳) الشرح المکبیر ۲/۳۶۷-۳۶۸، جوہر الاکلیل ۱/۲۹۹ طبع بیروت، اسهل المداہک ۲/۹۳-۹۵ طبع الجلی، حاشیہ الدسوقی علی الشرح المکبیر ۲/۲۷۷-۲۷۸ طبع الجلی، نہایت المحتاج ۱/۳۰۳-۳۰۶ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، المہذب ۲/۲۹۹ طبع بیروت، تلبیو بی و میرہ ۳/۲۶۱ طبع الجلی، المغنی ۱/۶۵۱-۶۵۳ طبع الریاض، کشاف القناع ۵/۱۰۹-۱۱۲ طبع الریاض۔

برص ۵-۶، برکتہ، برکتہ

علاحدہ کوئی جگہ مخصوص نہ کر دی گئی ہو کہ دوسروں کو ان سے ضرر نہ پہنچے، اس کی تفصیل بھی اپنے مقام پر ہوگی^(۱)۔

حنابلہ کے نزدیک جمعہ اور جماعت کے لئے مسجد میں آنا ایسے شخص کے لئے مکروہ ہے جس کا برص تکلیف دہ ہو۔

اور شافعیہ نے مشقت کی وجہ سے برص کے لئے ترک جماعت کی رخصت دی ہے^(۲)۔

برکتہ

دیکھئے: ”تشہد“ اور ”تحیۃ“۔

برص سے مصافحہ اور معافقہ:

۵- شافعیہ کے نزدیک برص جیسے مرض والے سے مصافحہ اور معافقہ مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں ایذا رسانی ہے، اور اندیشہ ہے کہ دوسرے اچھے شخص کو یہ منتقل ہو جائے^(۳)۔

برکتہ

برص کی امامت کا حکم:

۶- مالکیہ نے ایسے امام کی اقتداء جائز بتائی ہے جس کو برص ہو، والا یہ کہ وہ شدید ہو، تو اس وقت اسے لوگوں سے بالکلیہ دور رہنے کا وجوہا حکم دیا جائے گا، اگر نہ مانے تو اس پر اس کو مجبور کیا جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک ایسے برص کی امامت مکروہ ہے جس کا برص پھیل گیا ہو، یہی حکم اس کے پیچھے نماز کا ہے نفرت کی وجہ سے، اور اس کے علاوہ کی اقتداء اولیٰ ہے^(۴)۔

دیکھئے: ”میاہ“۔



(۱) حاشیۃ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳۸۹/۱ طبع المجلدی، مع الجلیل علی مختصر فلیل ۲۷۲/۱ طبع مکتبۃ انوار لبیا۔

(۲) نہایت المحتاج ۱۵۵/۲ طبع المکتبۃ الاسلامیہ بیروت، الجمل علی شرح المنہج ۵۱۹/۱ طبع دار احیاء التراث الاسلامیہ بیروت، کشاف القناع ۳۹۸/۱ طبع مکتبۃ انصر الحدیث۔

(۳) قلیوبی و میرہ ۲۱۳، فتح الباری ۱۰/۱۳۰، ۱۳۱۔

(۴) حاشیہ ابن ماجہ ۳۷۸/۱ طبع بیروت، جوہر لا کلیل ۸۰/۱ طبع بیروت۔

اصطلاح میں رقم ایسی علامت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ ہونے والی بیع کی مقدار جانی جاتی ہے جیسا کہ حنفیہ نے اس کی تعریف کی ہے (۱)۔
متبادل تعریف کی ہے کہ کپڑے پر لکھی ہوئی قیمت کو کہتے ہیں (۲)۔

ب- انموذج:

۳- اس کو انموذج بھی کہا جاتا ہے، یہ معرب ہے، صنعانی فرماتے ہیں: انموذج شئی کی مثال جس پر عمل کیا جائے (۳)۔

لغت میں اس کے معانی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شئی کی صفت پر دلالت کرے، مثلاً گیہوں کے ڈھیر سے ایک صاع دکھائے، اور اس سے پورا ڈھیر فروخت کر دے کہ یہ ڈھیر اس صاع میں موجود گیہوں کے جنس سے ہے۔

اس کے احکام کی تفصیل اصطلاح ”انموذج“ میں دیکھی جائے۔

اجمالی حکم:

۴- مالکیہ نے برنامج (بلئی) دیکھ کر بیع کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ کسی گٹھر میں بندھے کپڑوں کی خریداری کاغذ میں لکھے ہوئے اس کے اوصاف پر اعتماد کرتے ہوئے جائز ہے، اگر کپڑا ان اوصاف کے مطابق نکلا تو بیع لازم ہوگی، ورنہ اگر اس کے اوصاف گٹھیا ہوں تو مشتری کو اختیار ہوگا، اور اگر تعداد کم نکلے تو اسی کے مطابق قیمت میں سے وضع کر لیا جائے گا، اگر کپڑے نصف سے بھی کم نکلے تو بیع لازم نہیں ہوگی اور اسے حق ہوگا کہ بیع رد کر دے، اور اگر کپڑے کی تعداد زائد ہو تو زائد مقدار کی حد تک بائع اس کے ساتھ شریک تصور کیا

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳۹۴۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۳۷۷ طبع ریاض المحض، مطالب اولی الثمن ۳۰/۳۔

(۳) المصباح الممیر ۲/۴۷۷، حاشیہ ابن عابدین ۶۶۳، قلیوبی و عمیرہ ۶۵/۲، کشاف القناع عن متن الاقناع ۳۳/۱۶۳۔

برنامج

تعریف:

۱- برنامج: حساب کا جامع ورق ہے، یہ لفظ ”برنامہ“ کا معرب ہے، المغرب میں ہے: پرچہ (پرزہ) جس میں ایک شخص سے دوسرے شخص کے پاس بھیجے گئے کپڑوں اور سامانوں کی اقسام، اوزان اور ان کی تعداد لکھی ہو، ایسا کاغذ برنامج ہے جس میں بھیجے گئے سامان کی مقدار ہوتی ہے، اسی مفہوم میں دلال کا یہ جملہ ہوتا ہے: ”برنامج میں سامان کا وزن اتنا ہے“ (۱)۔

فقہاء مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ برنامج وہ رجسٹر ہے جس میں پیکٹ میں رکھے فروخت شدہ کپڑوں کے اوصاف درج ہوتے ہیں (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- رقم:

۲- رقم لغت میں ”رقمت الشئی“ سے ہے، یعنی شئی میں ایسی علامت سے نشان دینا جو اسے دوسرے سے ممتاز کر دے، جیسے تحریر وغیرہ (۳)۔

(۱) تاج العروس ۳۲۴، اس میں لکھا ہے کہ باء اور میم پر زیر ہے اور کہا گیا ہے کہ میم پر زیر ہے اور کہا گیا ہے کہ دونوں پر زیر ہے المغرب: مادہ ”برنامج“، ابن عابدین ۳۲/۳۔

(۲) شرح المغیر ۳۱/۳۔

(۳) المصباح الممیر: مادہ ”رقم“۔

جائے گا، اور کہا گیا ہے کہ زائد کو لوٹا دے گا، ابن القاسم فرماتے ہیں:
پہلی رائے مجھے زیادہ پسند ہے۔

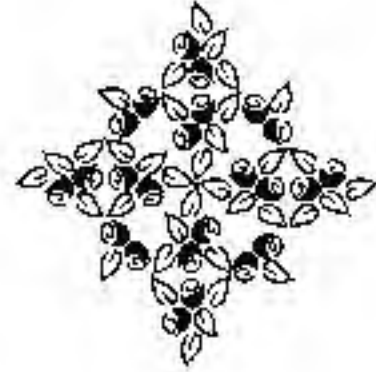
اگر خریدار نے اس پر قبضہ کر لیا اور لے کر چلا گیا اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ برمانج میں تحریر سے یہ کم یا ناقص ہے تو بائع کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ گٹھر میں جو کچھ ہے وہ تحریر کے مطابق ہے، کیونکہ وہ مشتری کے دعویٰ کا انکار کر رہا ہے، اگر وہ قسم سے انکار کر دے اور حلف نہ اٹھائے تو مشتری حلف لے گا اور سامان واپس کر دے گا، مشتری حلف یہ لے گا کہ اس نے سامان میں تبدیلی نہیں کی ہے، اور یہ کہ یہی بعینہ خرید ہوا سامان ہے، اگر وہ بھی بائع کی طرح قسم سے انکار کر دے تو اس پر بیع لازم ہوگی^(۱)۔

برید

تعریف:

۱- لغت کی رو سے برید کا ایک معنی ”رسول“ (قاصد) ہے، اسی معنی میں عرب کہتے ہیں: ”الحمی برید الموت“ (بخار موت کا قاصد ہے) ”ابرود بریداً“ یعنی اس نے قاصد بھیجا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”إذا أبردتكم إليّ بریداً فاجعلوه حسن الوجه، حسن الاسم“^(۱) (جب تم میرے پاس کوئی قاصد بھیجو تو خوب رو اور اچھے نام والے کو منتخب کرو)۔ ابراہیم بمعنی ارسال ہے۔

زمخشری فرماتے ہیں: ”برید“ فارسی لفظ اور معرب ہے، برید (ڈاک) کے خچروں کے لئے بولتے تھے، پھر اس قاصد کو برید کہا گیا جو خچر پر سوار ہوتا ہے، اور سکنین (دومزل) کے درمیان کی مسافت کو برید کہا گیا، اور سکہ (منزل) وہ مقام، گھریا قبہ یا سرائے ہے جہاں اس کام کے لئے مقرر شدہ فرارہتے ہیں، ہر منزل میں خچر تیار رہتے تھے، دو منزل کے درمیان کی مسافت دو یا چار فرسخ ہوتی ہے، ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، اور ایک میل چار ہزار ذراع کا، کتب فقہ



(۱) حدیث ۳۱۲۰، إذا أبردتکم..... کی روایت بزار نے الزوائد (۲/۳۱۲) طبع مؤسسۃ الرسالہ میں حضرت بریدؓ سے کی ہے بغوی نے شرح السنہ (۱۳/۳۲۷) طبع دارالکتب الاسلامیہ میں من سے اور ابویہؓ سے روایت کیا ہے بخاری نے المتقاصد لرحمہ (ص ۸۲) طبع دارالکتب العلمیہ میں کہا ہے ایک سے دوسرے کی تقویت ہو جاتی ہے یعنی حضرت بریدہ کی روایت اور حضرت ابویہؓ کی روایت۔

(۱) الشرح المصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۳/۳۱۲، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدبونی ۳/۲۲۳-۲۵۵، جوہر لا کلیل ۲/۹۷۔

برید ۲، بریۃ، بزاق، بساط الیمین ۱-۲

میں ہے کہ جس سفر میں قصر جائز ہوتا ہے وہ چار بڑوکا ہوتا ہے جو ۳۸ ہاشمی میل کی مسافت کے برابر ہے (۱)۔

بحث کے مقامات:

۲- برید اصطلاح ہے جس کا فقہاء مسافت قصر کی مقدار کے سلسلہ میں ذکر کرتے ہیں جس میں قصر اور رمضان میں افطار کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ سفر کے دوسرے احکام ذکر کرتے ہیں (دیکھئے: قصر بظرف، صلاة المسافر) اور دیکھئے: ”مقادیر“۔

بساط الیمین

تعریف:

۱- یہ اصطلاح دو لفظوں سے مرکب ہے، پہلا لفظ ”بساط“ ہے اور دوسرا لفظ ”الیمین“ ہے، پہلا لفظ دوسرے لفظ کی طرف مضاف ہے، یہ دونوں الفاظ حلف میں استعمال ہوتے ہیں، اس صورت میں ان دونوں کا استعمال صرف فقہاء مالکیہ نے کیا ہے، ان دونوں الفاظ کی تعریف ضروری ہے تاکہ مرکب اضافی کی تعریف معلوم ہو سکے۔

لغت میں یمین کے معانی میں قسم اور حلف بھی ہے، یہی یہاں مراد ہے (۱)۔

فقہاء مالکیہ کی اصطلاح میں: اللہ کا نام یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کا ذکر کر کے جو واجب نہیں ہے اسے ثابت کرنا ہے (۲)۔ یہ انتہائی دقیق اور مختصر ترین تعریف ہے، یمین کی دیگر تعریفات بھی ہیں جو اس معنی سے علاحدہ نہیں ہیں۔

۲- لفظ ”بساط“ یمین پر آمادہ کرنے والا سبب ہے، کیونکہ جہاں سبب ہوگا وہیں یمین ہوگی، تو اس میں نیت معدوم نہیں ہے بلکہ یہ نیت کو بھی متضمن ہے۔

اس کا ضابطہ یہ ہے کہ یمین کو اس لفظ کو بول کر مقید کرنا درست ہے کہ جب تک یمین پر آمادہ کرنے والا سبب موجود ہو (۳)۔

بریۃ

دیکھئے: ”طلاق“۔

بزاق

دیکھئے: ”بصاق“۔

(۱) الصحاح لسان العرب۔

(۲) جوہر الکلیل ۱/۲۲۳۔

(۳) المشرح الکبیر ۲/۱۳۹، ۱۴۰۔

(۱) تاج العروس، لسان العرب، المصباح المہیر: مادہ ”برڈ“۔ میل لمبائی کا پیمانہ ہے جسے قدیم زمانہ میں چار ہزار ذراع بتایا گیا ہے اور اس کی تحدید ۶۰ میٹر یا ۶۰۰ فٹ سے کی گئی ہے (المعجم الوسیط ۲/۹۰۱)۔

بساط الیمین ۳

اجمالی حکم:

۳- ”بساط الیمین“ مالکیہ کے نزدیک جو اس تعبیر میں منفرد ہیں: قسم کا باعث اور اس پر آمادہ کرنے والا امر ہے۔

یہ مطلق یمین کے لئے مقید یا اس کے عموم کے لئے تخصیص بن سکتا ہے، مثلاً بازار میں کوئی ظالم بھی ہو تو یوں کہے: خدا کی قسم میں اس بازار سے گوشت نہیں خریدوں گا، تو وہ اپنی یمین میں ”اس ظالم کے وجود“ کی قید لگا سکتا ہے، اور جب یہ ظالم نہ رہے تو اس بازار سے اس کے لئے گوشت خریدنا جائز ہوگا، اور وہ قسم میں حائث نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر مسجد کا خادم بد اخلاق ہو اور کوئی یوں قسم کھائے بخدا میں اس مسجد میں داخل نہیں ہوں گا، پھر وہ خادم نہ رہے تو اگر وہ مسجد میں داخل ہوگا تو حائث نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ یمین کو یہ کہہ کر مقید کر سکتا ہے کہ: ”جب تک یہ خادم موجود ہے۔“

اس ”بساط“ میں شرط ہے کہ قسم کھانے والے کی کوئی نیت نہ ہو اور اس سبب میں اس کا کوئی دخل نہ ہو، قسم کی تہیید یا تخصیص اس سبب کے زوال کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ”بساط الیمین“ کے بالمقابل ”یمین عذر“ ہے، مثلاً کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو باہر نکلنے کے لئے تیار ہے، کہتا ہے: ”خدا کی قسم تم نہیں نکلو“ اب اگر وہ کچھ دیر بیٹھ جاتی ہے پھر نکلتی ہے تو امر حنفیہ کے نزدیک استحساناً وہ حائث نہیں ہوگا، امام زفر کا اس سے اختلاف ہے، وہ قیاس کے مطابق اس کو حائث قرار دیتے ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک یمین کے سبب کا کوئی دخل نہیں ہے، والا یہ کہ اس کی نیت ہو، ان کے نزدیک ظاہر لفظ کا اعتبار ہے، اگر عام ہے تو عام ہوگا، مطلق ہے تو مطلق اور خاص ہے تو خاص۔

حنابلہ نے ”بساط الیمین“ کو ”سبب الیمین“ اور وہ امور جو یمین پر ابھاریں، کا نام دیا ہے، اور انہوں نے اسے مطلق یمین مانا ہے اگر

قسم کھانے والے نے کسی چیز کی نیت نہ کی ہو^(۱)۔

اس کی تفصیل کے طالب کو اصطلاح ”ایمان“ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔



(۱) فتح القدیر ۳/۳۹۲، بدائع الصنائع ۳/۱۳، الشرح الکبیر للرد ۲/۱۲۶-۱۲۷، الشرح المختصر ۳/۱۸۹، ۲۲۸، اسنی المطالب ۳/۲۵۰، ۲۵۲، مطالب اولیٰ ۱/۳۸۱، ۳۹۰۔

الرحمن الرحيم“ (۱) (وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور وہ یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم) کا جزء ہے۔

اس کے سورہ فاتحہ اور ہر سورت کی ایک آیت ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک مشہور، حنابلہ کے نزدیک اصح، اور اکثر فقہاء کا قول یہ ہے کہ بسملة سورہ فاتحہ اور ہر سورت کی آیت نہیں ہے، بلکہ وہ پورے قرآن کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے نازل ہوئی ہے، اور سورہ فاتحہ کی ابتدا میں ذکر کی گئی ہے۔

ان حضرات کی ایک دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”يقول الله تعالى: قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين، فإذا قال العبد: الحمد لله رب العالمين، قال الله تعالى: حمدني عبدي، فإذا قال: الرحمن الرحيم، قال الله تعالى: مجدني عبدي، وإذا قال: مالک يوم الدين، قال الله تعالى: أثني علي عبدي، وإذا قال: إياک نعبد وإياک نستعين، قال الله تعالى: هذا بيني وبين عبدي نصفين، ولعبدی ما سأل“ (۲) (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے: ”الحمد لله رب العالمين“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری حمد بیان کی، پھر جب کہتا ہے: ”الرحمن الرحيم“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری بزرگی بیان کی، اور جب کہتا ہے: ”مالک يوم الدين“ تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میرے بندہ نے میری شاک کی، اور جب کہتا ہے: ”إياک نعبد وإياک نستعين“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان نصف نصف

(۱) سورہ نحل ۱۰۳

(۲) حدیث: ”يقول الله تعالى قسمت الصلاة بيني وبين عبدي...“ کی روایت مسلم (۲۹۶/۱ طبع عیسیٰ البابی الحلی) نے کی ہے۔

بسملة

تعریف:

۱- بسملة لغت اور اصطلاح میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کہنا ہے۔

کہا جاتا ہے: ”بسم بسملة“ جب ”بسم اللہ“ بولے یا لکھے، اور کہا جاتا ہے: ”اکثر من البسملة“ جب کثرت سے ”بسم اللہ“ کہے (۱)۔

طبری فرماتے ہیں: بیشک اللہ تعالیٰ نے جس کا ذکر بلند اور جس کے اسماء پاکیزہ ہیں۔ اپنے نبی محمد ﷺ کو ہر کام سے پہلے اپنے اچھے ناموں کو لینے کی تعلیم دے کر اچھا ادب سکھایا اور تمام مخلوق کے لئے اسے ایسی سنت بنا دی جس کی وہ اتباع کرے اور ایسا راستہ بنادیا جس پر وہ چلے، چنانچہ کسی سورت کی تلاوت کا آغاز کرتے ہوئے کسی شخص کا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کہنا اس کی اس مراد کی غمازی کرتا ہے کہ میں اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں، یہی بات تمام افعال میں ہے (۲)۔

بسملة قرآن کریم کا جز ہے:

۲- فقہاء کا اتفاق ہے کہ بسملة (بسم اللہ الرحمن الرحیم) قرآن کریم کی اس آیت: ”إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ“

(۱) لسان العرب، المصباح الممیر: مادة ”بسم“، تفسیر القرطبی ۱/۹۷۔

(۲) القرطبی ۱/۹۱، ۹۷۔

بسمہ ۲

ہے، اور میرے بندہ کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا۔

پس اس میں ”الحمد لله رب العالمین“ سے آغاز کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیت نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ سورہ فاتحہ کی آیت ہوتی تو اسی سے آغاز ہوتا، اور اس لئے بھی کہ بسمہ اگر آیت ہوتی تو نصف نصف (کی تقسیم) نہیں ہوتی، نصف اول میں ساڑھے تین آیات ہوتیں، حالانکہ (مناصفہ) نصف نصف کی صراحت ہے، اور اس لئے بھی کہ سلف کا اتفاق ہے کہ سورہ کوثر میں تین آیات ہیں، اور یہ تین آیات بغیر بسمہ ہوتی ہیں اور مذاہب ثلاثہ (حنفی، مالکی، حنبلی) میں سے ہر مذہب میں اس کے برعکس بھی وارد ہوا ہے۔

چنانچہ مذہب حنفی میں ہے کہ معطلی فرماتے ہیں: میں نے امام محمد سے عرض کیا، تسمیہ قرآن کی آیت ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا: دونوں دفتیوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب قرآن ہے، پس یہ امام محمد کی جانب سے بیان ہے کہ یہ سورتوں کے درمیان فصل کے لئے آیت ہے، اسی لئے علاحدہ رسم الخط میں اسے لکھا گیا، امام محمد فرماتے ہیں: حائضہ اور جنبی کے لئے قراءت قرآن کے بطور تسمیہ پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ قرآن ہونے کا لازمی تقاضا حائضہ اور جنبی پر اس کی قراءت کی حرمت ہے، لیکن قرآن ہونے کا لازمی تقاضا یہ نہیں کہ سورہ فاتحہ کی طرح اسے جبراً پڑھا جائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا کہ: سورہ توبہ اور سورہ انفال کے درمیان تسمیہ کیوں نہیں لکھا گیا؟ انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ سورہ توبہ سب سے آخر میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ وفات پائے اور اس کے بارے میں ہمیں وضاحت نہیں فرمائی، تو میں نے محسوس کیا کہ اس سورت کا ابتدائی حصہ سورہ انفال کے اواخر کے مشابہ ہے، لہذا میں نے اس کو اس سے ملا دیا، پس ان دونوں صحابیوں

کی جانب سے یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ تسمیہ سورتوں کے درمیان فصل کے لئے لکھا گیا ہے۔ (۱)

مالکیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ بسمہ صرف سورہ نمل کی ایک قرآنی آیت ہے جو ایک آیت کا جزء ہے اور فرض نماز میں امام اور غیر امام کے لئے سورہ فاتحہ یا اس کے بعد کی سورت سے قبل پڑھنا مکروہ ہے، اور مالکیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ میں اس کی اباحت، احتیاب اور وجوب کا قول بھی ہے (۲)۔

امام احمد سے مروی ہے کہ بسمہ سورہ فاتحہ میں سے ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم سورہ فاتحہ پڑھو تو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ بھی پڑھو، کیونکہ یہ ”ام القرآن“ اور ”السمع المثانی“ ہے، اور ”بسم الرحمن الرحیم“ اس کی ایک آیت ہے (۳)، اور اس لئے کہ صحابہ کرام نے مصاحف میں اسے اسی رسم الخط میں درج کیا ہے، حالانکہ انہوں نے دو جلدوں کے درمیان سوائے قرآن کے دوسری چیز درج نہیں کی، اور نعیم الجمر سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھا پھر ”ام القرآن“ پڑھا، اور ابن المنذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں ”بسم

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳۲۹/۱-۳۳۰ طبع بیروت، بدائع الصنائع ۲۰۳/۱ طبع شرکت المطبوعات العلمیہ، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲۵۲/۱ طبع دار الفکر، شرح الترمذی ۲۱۶/۱-۲۱۷ طبع دار الفکر بیروت، کشاف القناع ۳۳۵/۱-۳۳۶ مکتبۃ انصر الحدیث الریاض، المغنی ۷۶/۱، تفسیر بھاس ۸/۱ طبع المکتبۃ البیہ مصر، تفسیر ابن کثیر ۳۰/۱ طبع اندلس، الموطأ للسرحدی ۱۶/۱ طبع دار المعرفہ بیروت۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲۵۱/۱، شرح الترمذی ۲۱۶/۱-۲۱۷۔

(۳) حدیث: ”اذا قرأتم.....“ کو دارقطنی (۳۱۲/۱ طبع عبد اللہ ہاشم یربانی) نے روایت کیا ہے، ابن حجر نے تلخیص الجہیر (۲۳۲/۱ طبع شرکت المطبوعات العلمیہ) میں اس کی تصحیح کی ہے۔

کرتے تو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھتے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”إذا قرأتم: الحمد لله رب العالمین، فافروا: بسم الله الرحمن الرحیم، إنها أم القرآن والسبع المثاني، وبسم الله الرحمن الرحیم إحدى آياتها“^(۱) (جب تم سورۃ فاتحہ پڑھو تو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھو، یہ ”ام القرآن“ اور ”السبع المثانی“ ہے، اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ اس کی ایک آیت ہے)، اور اس لئے کہ صحابہ کرام نے اپنے جمع کردہ قرآن میں سورتوں کے اوائل میں اسے لکھا ہے اور وہ قرآن کے رسم الخط میں مکتوب ہے، اور جو کچھ بھی غیر قرآن تھا اسے قرآن کے رسم الخط میں نہیں لکھا گیا، اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ دو وقتوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ کلام الہی ہے، اور بسملہ ان دونوں وقتوں کے درمیان موجود ہے تو ضروری ہوا کہ اسے بھی قرآن میں سمجھا جائے^(۲)۔ اور چاروں فقہی مسالک کے ائمہ کا اتفاق ہے کہ جو شخص اس بات کا انکار کر دے کہ بسملہ سورتوں کے اوائل میں ایک آیت ہے اسے کافر نہیں سمجھا جائے گا^(۳)، اس لئے کہ فقہی مسالک میں اس بابت اختلاف ہے جو مذکور ہوا۔

بغیر پاکی کے بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

۴- علماء کے مابین اختلاف نہیں ہے کہ بسملہ قرآن میں سے ہے، جمہور کی رائے ہے کہ جنبی اور حیض و نفاس والی عورت کے لئے ”بسم اللہ“ بغرض تلاوت پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ ترمذی شریف وغیرہ کی حدیث ہے: ”لا یقرأ الجنب ولا الحائض شیئاً من

الله الرحمن الرحیم“ پڑھا، پھر ”ام القرآن“ پڑھا، اور اسے (بسم اللہ الخ) کو ایک آیت شمار کیا اور ”الحمد لله رب العالمین“ کو دو آیت^(۱)، ابن المبارک فرماتے ہیں: جس نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ چھوڑ دیا اس نے ایک سوتیرہ آیتیں چھوڑ دیں۔

امام احمد سے مروی ہے کہ بسملہ ایک مستقل آیت ہے جو ہر دو سورتوں کے درمیان مازل ہوتی تھی سورتوں میں فصل کے لئے، اور ان ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ سورہ نمل کی ایک آیت کا حصہ ہے اور صرف اسی سورت میں وہ مازل ہوا ہے^(۲)، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ بسملہ صرف سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

۳- شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ بسملہ سورۃ فاتحہ اور ہر سورت کی ایک مکمل آیت ہے، اس لئے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھا تو اسے ایک آیت شمار فرمایا^(۳)، اور اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الحمد لله سبع آیات، إحداهن بسم الله الرحمن الرحیم“^(۴) (الحمد للہ سات آیات ہیں، ان میں سے ایک ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ ہے)، حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب وہ نماز میں کسی سورت کا آغاز

(۱) حدیث: ”ان رسول الله ﷺ.....“ کو حاکم (۲۳۲/۱) شائع کردہ دارالکتب العربی نے روایت کیا ہے اس کی سند میں عمر بن ہارون ہیں، حاکم نے کہا ہے ملت کے اراکین میں سے ہیں، ذہبی نے کہا اس کے ضعف پر علماء کا اجماع ہے نہائی نے کہا متروک ہے نہایتی نے نصب الراية (۱/۵۰) شائع کردہ المکتب الاسلامی نے اسے ضعیف بتایا ہے۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۳/۶۱ طبع مکتبہ قلمیہ۔

(۳) حدیث کی تخریج فقرہ نمبر ۲ میں گذر چکی۔

(۴) حدیث: ”سبع آیات.....“ کو بیہقی نے السنن الکبریٰ (۲/۵۲) طبع دارالمعرفہ میں روایت کیا ہے بیہقی نے مجمع الرواiek (۳/۱۰۹) شائع کردہ مکتبۃ القدسی میں کہا اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اس کے رجال ثقات ہیں۔

(۱) حدیث: ”إذا قرأتم.....“ کی تخریج فقرہ نمبر ۲ میں گذر چکی۔

(۲) المہذب ۱/۷۹ طبع دارالمعرفہ، نہایتی المحتاج ۱/۵۷، ۳/۶۰ طبع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض، تفسیر القرطبی ۱/۹۳ طبع المکتبۃ بیہقیہ المصریہ۔

(۳) ساہتہ مراجع۔

بسم ۵

کرے تو اس کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے جس طرح جنبی کے لئے جائز نہیں ہے۔

حرم کے حکم سے تسمیہ کو مستثنیٰ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ذکر اللہ کر سکتے ہیں، اور غسل کرتے وقت تسمیہ پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے لئے اس سے پرہیز ممکن نہیں ہے، اور اس لئے کہ مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کرتے تھے^(۱)۔

اگر اس سے قراءت مقصود ہو تو اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ان سے جنبی کے قرآن پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: نہیں، ایک حرف بھی نہیں، اس لئے کہ حدیث میں ممانعت کا حکم عام ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ ممنوع نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے اعجاز حاصل نہیں ہوتا، اور جائز ہے جب کہ اس سے قرآن مقصود نہ ہو^(۲)۔

دیکھئے: ”جنابت“، ”حیض“، ”غسل“ اور ”نفاس“ کی اصطلاحات۔

نماز میں ”بسم اللہ“ پڑھنا:

۵- امام، مقتدی اور مفرد کے لئے نماز کی رکعات میں ”بسم اللہ“ پڑھنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ سورہ فاتحہ اور ہر سورہ کی آیت ہے؟

(۱) حدیث: ”کان النبی ﷺ یذکر اللہ....“ کی روایت مسلم (۲۸۲/۱) طبع عیسیٰ البابی الحلبي نے کی ہے۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۱/۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱۔

القرآن“^(۱) (جنبی اور حائضہ دونوں قرآن کا کوئی حصہ نہیں پڑھیں گی)، اس کی کراہت حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے، احمد، ابو داؤد اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن سلمہ کے واسطے سے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے، و فرماتے ہیں: ”نبی کریم ﷺ کو قرآن سے کوئی چیز نہیں روکتی تھی سوائے جنابت کے“^(۲)۔

اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا تقروا الحائض ولا جنب شیئا من القرآن“، البتہ اگر تلاوت مقصود نہ ہو بلکہ دعایا ثنا و تعریف کے طور پر یا تمہر کا کسی کام کے شروع کرتے وقت پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں، مالک کا ایک قول یہ ہے کہ تعویذ یا جھاڑ پھونک کے لئے ایک آیت خواہ آیت الکرسی ہو، پڑھنا حرام نہیں ہے۔

اسی طرح مالکیہ کی رائے ہے کہ حیض اور نفاس والی عورت کے لئے دور ان حیض و نفاس تعلیم و تعلم کی غرض سے قرآن پڑھنا ممنوع نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اس رکاوٹ (حیض و نفاس) کو دور کرنے پر قادر نہیں ہے، لیکن جب خون بند ہو جائے اور عورت پاکی حاصل نہ

(۱) حدیث: ”لا تقروا الحائض....“ کو امام ترمذی (۲۳۶/۱) طبع مصنفی (البابی الحلبي) نے روایت کیا ہے، شرح المنہ للبخاری (۲۳۶/۲) طبع المکتب الاسلامی) پر اپنی تعلیق میں شعیب أرنؤوط کہتے ہیں: اس کو امام ترمذی اور ابن ماجہ (۲۵۵/۲) نے روایت کیا ہے، اس میں اسماعیل بن عیاش ہیں جن کی روایت مجاز یوں سے ضعیف ہے اور یہ روایت بھی ان ہی سے ہے۔ دارقطنی (ص ۲۳) میں اس کے دوسرے دو طرق ہیں، ایک مغیرہ بن عبد الرحمن عن موسیٰ بن حنبلہ عن مافع عن ابن عمر ہے اور دوسرا عن محمد بن اسماعیل الطائی عن رجل عن ابی مضر عن موسیٰ بن حنبلہ ہے حافظ زبلی کہتے ہیں: یہ روایت باوجودیکہ اس میں ایک مجہول روی ہے، پھر ابو مضر کی بھی تصحیف کی گئی ہے لیکن اس کی متابعت ہے احمد ثاکر نے ترمذی پر اپنی تعلیق میں اس کی تصحیح کی ہے وہاں دیکھا جائے۔

(۲) حدیث: ”کان لا یحبہ....“ کی روایت احمد (۸۲/۱) طبع المکتب الاسلامی) اور ابو داؤد (۱۵۵/۱) طبع عزت عید دھاس) نے کی ہے، زبلی نے اس کی تصحیف کی ہے دیکھئے نصب الراية ۱/۱۹۶۔

بسم ۵

اللہ رب العالمین“ سے کرتے تھے، اول قرأت یا آخر قرأت میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نہیں پڑھتے تھے^(۱)۔
فرض نماز میں سورۃ فاتحہ یا اس کے بعد کی سورت سے قبل اس کا پڑھنا مکروہ ہے، مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ (اس کا پڑھنا) واجب ہے، اور ایک قول جواز کا ہے۔

امام مالک کے مسلک میں ایک روایت کی رو سے نفل نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورہ سے پہلے سرایا جہراً بسملہ پڑھنا جائز ہے۔

نماز میں بسملہ پڑھنے کے حکم میں اختلاف سے نکلنے ہوئے امام قرانی نے فرمایا: احتیاط یہ ہے کہ اول فاتحہ میں بسملہ پڑھا جائے، مزید فرمایا: بسملہ پڑھنے میں کراہت کا محل وہ ہے جب کہ مسلک میں وارد اختلاف سے نکلتا مقصود نہ ہو، اگر یہ مقصود ہو تو کراہت نہیں ہے^(۲)۔

شافعیہ کے نزدیک ظہر یہ ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے قبل بسملہ پڑھنا امام، مقتدی اور منفرد پر واجب ہے، خواہ نماز فرض ہو یا نفل، سری ہو یا جہری، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فاتحة الكتاب سبع آيات، إحداهن بسم الله الرحمن الرحيم“ (سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں، ایک آیت ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ ہے)^(۳)، اور اس روایت کی وجہ سے کہ ”لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة“

اس سلسلہ میں حنفیہ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے آغاز میں امام و منفرد دونوں کے لئے سرّاً ”بسم اللہ“ پڑھنا مستنون ہے، اور سورۃ فاتحہ اور سورہ کے درمیان اس کا پڑھنا امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک مطلقاً مستنون نہیں ہے، اس لئے کہ بسملہ سورۃ فاتحہ میں سے نہیں ہے، تمہر کا اس کے آغاز میں ذکر کیا گیا ہے، معلیٰ فرماتے ہیں: یہ رائے احتیاط سے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ اس کے سورۃ فاتحہ کی آیت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور آثار بھی مختلف ہیں، ابن ابی رجا امام محمد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: غیر جہری نماز میں فاتحہ اور سورہ کے درمیان سرّاً بسملہ پڑھنا مستنون ہے، اس لئے کہ یہ مصحف کی اتباع سے زیادہ قریب ہے، اور اگر قراءت جہری ہو تو فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسملہ نہیں پڑھا جائے گا، اس لئے کہ اگر اسے پڑھے گا تو آہستہ پڑھے گا جس سے قراءت کے درمیان سکتہ (خموٹی) لازم آئے گا جو منقول نہیں ہے۔

مسلک حنفی کا دوسرا قول ہے کہ نماز میں بسملہ سے قرأت کا آغاز واجب ہے، اس لئے کہ وہ سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے، حنفیہ کے نزدیک مقتدی کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ نہیں پڑھے گا، اس لئے کہ اس کا امام اس کی جانب سے ذمہ دار ہوتا ہے، سرایا جہراً سورۃ فاتحہ اور سورہ کی قرأت کے درمیان بالاتفاق بسملہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے^(۱)۔
مالکیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ بسملہ سورۃ فاتحہ میں سے نہیں ہے، لہذا امام یا مقتدی یا منفرد فرض نماز میں سرایا جہراً بسملہ نہیں پڑھے گا، اس لئے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی، وہ قرأت کا آغاز الحمد

(۱) حدیث: ”صلبت خلف رسول الله ﷺ.....“ کی روایت بخاری (۲۲۶/۲-۲۲۷) طبع استیعاب اور مسلم (۲۹۹/۱) طبع التحلی نے کی ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی لشرح الکبیر ۲۵۱/۱، شرح الرزقانی علی مختصر فلیل ۲۱۶/۱، ۲۱۷ طبع دار الفکر، جوہر لا کلیل ۵۳/۱ طبع دار المعرفہ۔

(۳) حدیث: ”الحمد لله....“ کی تخریج نقرہ نمبر ۳ میں گذر چکی ہے۔

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ۳۲۰، ۳۲۹، ۳۳۰، حاشیہ الطحاوی علی معانی الفلاح ۱۳۲-۱۳۵ المکتبۃ العثمانیہ۔

بسملہ ۵

نے نماز کو اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے... اور اس لئے کہ صحابہ کرام نے اپنی تحریر سے اسے مصاحف میں درج فرمایا ہے، حالانکہ انہوں نے دو جلدوں کے درمیان صرف قرآن کو درج فرمایا ہے۔

اور اصح قول کے مطابق ہر نماز کی پہلی دو رکعات میں سورہ فاتحہ کے ساتھ بسملہ پڑھنا مستنون ہے، اور سورہ فاتحہ کے بعد کی سورت کا آغاز اسی سے کیا جائے گا، اور اسے سر پر پڑھا جائے گا، اس لئے کہ حدیث ہے: ”کان یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلاۃ“ (۱) آپ ﷺ نماز میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ آہستہ پڑھتے تھے۔

بسملہ کے قرآن ہونے کی بابت حضرت امام احمد کی دوسری روایت کے مطابق امام، منفرد اور مقتدی پر نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ بسملہ پڑھنا واجب ہے (۲)۔

نیز پہلی رکعت میں تکبیر، ثنا اور تعوذ کے بعد بسملہ پڑھا جائے گا، بعد کی رکعات میں اس رکعت کی تکبیر قیام کے بعد اسے پڑھا جائے گا، اور بسملہ حالت قیام میں پڑھا جائے گا، والا یہ کہ کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو بسملہ بھی بیٹھ کر پڑھا جائے گا (۳)، تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”صلاۃ“۔

الکتاب“ (۱) اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، اس حکم کے عموم میں مقتدیوں کے داخل ہونے کی دلیل حضرت عبادہ کی صحیح روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: ہم فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ پر قراءت بارہوی تو نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا: ”لعلکم تقرءون خلف إمامکم، قلنا: نعم، قال: لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب، فإنه لا صلاة لمن لم یقرأ بها“ (۲) (شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو، ہم نے عرض کیا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا مت پڑھو سوائے سورہ فاتحہ کے، کہ جو شخص اسے نہیں پڑھے اس کی نماز نہیں)، نماز کی رکعات میں ہر سورت کی ابتداء کے وقت بسملہ پڑھا جائے گا، جہر کی حالت میں سورہ فاتحہ اور سورت کے ساتھ اسے بھی جہراً پڑھا جائے گا، اور اسی طرح ان دونوں کے ساتھ اسے سرّاً پڑھا جائے گا، اس قول کے مطابق کہ بسملہ تمام سورتوں کی ایک آیت ہے (۳)۔

حنابلہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ نماز کی رکعات میں سورہ فاتحہ اور ہر سورت کے ساتھ بسملہ پڑھنا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وہ فاتحہ اور ہر سورت کی آیت نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ”قسمت الصلاۃ بینی وبين عبدی نصفین...“ (۴) (میں

(۱) حدیث: ”لا صلاۃ...“ کی روایت بخاری (۲۳۶/۲-۲۳۷ طبع استقیر) اور مسلم (۲۹۵/۱ طبع عیسیٰ البابی الحنفی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”لعلکم تقرءون...“ کی روایت ابوداؤد (۵۱۵/۱ طبع عزت عبید دھاس) اور ترمذی (۲۷/۲ طبع مصطفیٰ البابی) نے کی ہے ترمذی نے کہا: حسن صحیح ہے۔

(۳) المہذب ۱/ ۷۹، نہایت المحتاج ۱/ ۵۷، تفسیر البصائر ۱/ ۱۳ طبع المکتبۃ البیہ۔

(۴) نیل المارب شرح دلیل الطالب ۱/ ۱۳۱ طبع الفلاح کوہت، شرح نثی لارادات ۱/ ۲۸۰ طبع عالم الکتب، اور حدیث: ”قسمت الصلاۃ...“ کی تخریج فقہ نمبر ۲ میں گذر چکی ہے۔

(۱) حدیث: ”کان یسر بسم اللہ...“ ڈبھی نے مجمع الزوائد (۲/ ۱۰۸) میں جمع کر دہ مکتبہ القدسی) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں روایت کیا ہے اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) المغنی ۱/ ۷۷، ۸۰، ۸۱، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵،

بسم اللہ پڑھنے کے دوسرے مواقع:

الف- بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت تسمیہ:

۶- بیت الخلاء میں قضاء حاجت کے لئے داخل ہوتے وقت بطور

انتخاب تسمیہ کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ

سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو

پڑھتے: ”بسم اللہ، اللہم اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبْثِ

وَالْخَبَائِثِ“ (۱)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”قضاء الحاجۃ“۔

ب- وضو کے وقت تسمیہ:

۷- حنفیہ، مالکیہ اپنے مشہور قول میں، اور شافعیہ کا مسلک ہے کہ وضو

شروع کرتے وقت تسمیہ سنت ہے، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ

آیت وضو تسمیہ کی شرط کے بغیر مطلق ہے، اور وضو کرنے والے سے

مطلوب طہارت ہے، اور ترک تسمیہ طہارت میں قاذح نہیں ہے، اس

لئے کہ پانی کو اصل کے اعتبار سے پاک کرنے والا بنایا گیا ہے، لہذا

اس کی طہوریت (پاک کرنے کی صلاحیت) بندہ کے عمل پر موقوف

نہیں ہوگی، اور حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت سے بھی استدلال

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ

عَلَيْهِ كَانَ طَهُورًا لِّجَمِيعِ بَدَنِهِ، وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرْ اسْمَ

اللّٰهِ كَانَ طَهُورًا لِّمَا أَصَابَ مِنْ بَدَنِهِ“ (۲) (جس نے وضو کیا

(۱) حدیث: ”كَانَ إِذَا دَخَلَ الْخِلَاءَ.....“ کی روایت بخاری (۲۳۲/ طبع

الترغیب) اور مسلم (۲۸۳/ طبع عیسیٰ الخلیلی) نے کی ہے الفاظ بخاری کے

ہیں، دیکھئے: حاشیہ ابن ماجہ (۷۳/ ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳

بسم ۸

اگر وضو کرنے والے کو درمیان وضو تسمیہ یاد آجائے تو بسم اللہ پڑھ کر وہ وضو کرے گا، اور اگر عمداً چھوڑ دے تو طہارت درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس نے اپنی طہارت پر اللہ کا نام نہیں لیا ہے، کوٹکا اور لکنت والا اشارہ سے پڑھے گا^(۱)۔

ج- ذبح کے وقت تسمیہ:

۸- حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ اپنے مشہور قول میں اس طرف گئے ہیں کہ ذبح کے وقت تسمیہ واجب ہے^(۲)، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ“^(۳) (اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو)، بھول جانے والے، کوٹکے اور مجبور کر دئے گئے شخص پر تسمیہ واجب نہیں ہے، کوٹکا کے لئے کافی ہے کہ آسمان کی طرف اشارہ کر دے، اس لئے کہ اس کا اشارہ دلو لئے والے کے بول کے قائم مقام ہے۔

شافعیہ اس طرف گئے ہیں اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے کہ ذبح کے وقت تسمیہ مسنون ہے، تسمیہ کا طریقہ یہ ہے کہ فعل (ذبح) کے وقت ”باسم اللہ“ کہے، اس لئے کہ بیہقی نے نبی کریم ﷺ کے قربانی کا جانور ذبح کرنے کا وصف یوں بیان کیا ہے کہ: ”ضحی النبی ﷺ اتی بکبشین أملحین أقرنین عظیمین موجوین، فأضجع أحدهما فقال: بسم الله والله أكبر، اللهم هذا عن محمد، ثم أضجع الآخر فقال: بسم الله والله أكبر، اللهم هذا عن محمد وأمته ممن شهد لك

بالتوحيد، وشهد لي بالبلاغ“^(۱) (نبی کریم ﷺ نے قربانی فرمائی، آپ ﷺ کے پاس دو چتکبرے، سینک والے، فربہ خصی کردہ مینڈھے لائے گئے، آپ ﷺ نے ایک کو لٹایا اور پڑھا: ”بسم الله والله أكبر، اللهم هذا عن محمد“ (بسم اللہ، اللہ اکبر، اے اللہ یہ محمد کی طرف سے ہے)، پھر دوسرے کو لٹایا اور فرمایا: ”بسم الله والله أكبر، اللهم هذا عن محمد وأمته ممن شهد لك بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ“ (بسم اللہ، اللہ اکبر، اے اللہ یہ محمد اور اس کی امت کی طرف سے ہے جنہوں نے آپ کی وحدانیت اور میری رسالت رسائی کی کو اسی دی)۔

شافعیہ کے نزدیک عمداً ترک تسمیہ مکروہ ہے، لیکن اگر عمداً اسے ترک کر دیا تو اس کا مذبح حلال ہے اور اسے کھایا جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ذبح کو مباح قرار دیا ہے، ارشاد ہے: ”وَوَطَعُوا أَلْيَيْنَ أَوْتَوْا الْكِتَابَ حَلَّ لَكُمْ“^(۲) (اور جو لوگ اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمہارے لئے جائز ہے) حالانکہ وہ تسمیہ نہیں پڑھتے، اور اللہ تعالیٰ کے اس قول: ”وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ“^(۳) (اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بے شک یہ بے حکمی ہے) سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، یعنی بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اس لئے کہ قرآن میں ہے: ”وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ“^(۴) اور آیت کا سیاق بھی اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ کہا گیا:

(۱) حدیث: ”أَتَى بَكْبَشِينَ أَمْلَحِينَ...“ کی روایت بیہقی (۹/۲۶۸) میں ہے۔ دارالمعرفہ (۳/۳۲۷) اور ابوبیہقی (۳/۳۲۷) طبع دارالماسون للتراث نے کی ہے، بیہقی نے مجمع الروايات (۳/۳۲۷) میں کہا ہے: ابوبیہقی نے اس کو روایت کیا ہے اس کی سند حسن ہے۔

(۲) سورہ مائدہ/۵۔

(۳) سورہ النعام/۱۲۱۔

(۴) سورہ مائدہ/۳۔

(۱) کشاف القناع/۹۱۔

(۲) حاشیہ ابن ماجہ ۱۹۰/۵، ۱۹۲، جوہر لا طیل ۲/۱۲۲، شرح الترمذی ۲/۳۲۷، المعجم ۳/۵۳۰، المغنی ۸/۵۶۵، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳۔

(۳) سورہ النعام/۱۲۱۔

”وَإِنَّهُ لَفُسَّقٌ“^(۱) اور وہ حالت جس میں فسق ہوگا یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو^(۲)۔

۱۔ شکار پر تسمیہ:

۹۔ خفیہ اور مالکیہ کی رائے میں ماکول اللحم جانور کے شکار کے وقت تسمیہ پڑھنا واجب ہے، اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے نہ کہ مخصوص ”باسم اللہ“ کہنا، اور ”بسم اللہ واللہ اکبر“ کہنا افضل ہے، بسم پڑھنے میں ”الرحمن الرحیم“ اور درود شریف کا اضافہ نہیں کرے گا، تیر پھینکتے وقت اور تربیت یافتہ (جانور، یا پرندہ) چھوڑتے وقت اگر یاد ہو اور قدرت ہو تو تسمیہ شرط ہے، اس لئے کہ تیر پھینکنے والے اور جانور چھوڑنے والے کے فعل کا وہی وقت ہے، لہذا اسی وقت کا اعتبار ہوگا، لیکن اگر بھولے سے یا عدم قدرت کی وجہ سے ترک کر دے تو (شکار) حلال ہوگا اور کھایا جائے گا، اور اگر اس پر قدرت کے باوجود عمداً تسمیہ ترک کر دے تو نہیں کھایا جائے گا، اس لئے کہ حکم الہی ہے: ”وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ“^(۳) (اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بے شک یہ بے حکمی ہے) یعنی ان میں سے نہ کھاؤ جن پر عمداً قدرت کے باوجود تسمیہ ترک کر دیا گیا، اور مالکیہ میں سے ابن رشد نے اس سے اختلاف کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ: ذبح کی صحت کے لئے تسمیہ شرط نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول: ”وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ“ کا مطلب ہے اس مردار کو نہ کھاؤ جس کے ذبح کا قصد نہیں کیا گیا ہو،

اس لئے کہ وہ فسق ہے^(۱)۔

شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ شکار کے وقت تسمیہ مسنون ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ فعل کے وقت ”باسم اللہ“ کہے، اور زیادہ مکمل ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ ہے، بخاری و مسلم نے قربانی کے ذبح میں اسی کو روایت کیا ہے، اور اسی پر دوسرے کو بھی قیاس کیا گیا ہے، جان بوجھ کر تسمیہ چھوڑنا مکروہ ہے، اور اگر تسمیہ ترک کر دیا۔ خواہ عمداً ہو۔ تو ذبیحہ حلال ہوگا اور کھایا جائے گا، اس کی دلیل بوقت ذبح تسمیہ کے ذیل میں گزر چکی ہے^(۲)۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ”ذباح“ کی اصطلاح۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ تربیت یافتہ جانور چھوڑتے وقت تسمیہ پڑھنا شکار کی حلت کے لئے شرط ہے، تسمیہ ”باسم اللہ“ ہے، اس لئے کہ تسمیہ مطلق بولنا اسی معنی کے لئے ہوتا ہے، اور اگر ”بسم اللہ واللہ اکبر“ کہا تو کوئی حرج نہیں کہ یوں بھی وارد ہے، اور اگر عمداً یا سہواً تسمیہ چھوڑ دے تو تحقیقی قول کے مطابق شکار مباح نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ“، اور نبی کریم ﷺ کا فرمان حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں ہے کہ: ”إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكُ وَسَمِيتَ فَكُلْ، قُلْتُ: فَإِنْ أَخَذَ مَعَهُ آخَرَ؟ قَالَ: لَا تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ سَمِيتَ عَلَى كَلْبِكَ، وَلَمْ تَسْمِ عَلَى الْآخَرِ“^(۳) (اگر تم نے اپنا کتا چھوڑا اور تسمیہ پڑھا تو (شکار کو) کھاؤ، میں نے پوچھا: اگر اس کے

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ص ۳۰۰، ۳۰۱، جامعہ الدبوتی علی الشرح الکبیر ص ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۰۷، جوہر الاکلیل ص ۲۱۲۔

(۲) نہایۃ المحتاج ص ۱۱۲، ۱۱۳، البجیری علی شرح الاقناع ص ۲۵۱۔

(۳) حدیث: ”إِذَا أُرْسِلَتْ...“ کی روایت بخاری (الفتح ۶۰۹/۹ طبع الشیخ) وور مسلم (۱۵۲۹/۳ طبع عیسیٰ البابی الحلبي) نے کی ہے الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۱) سورۃ النعام ص ۱۲۱۔

(۲) نہایۃ المحتاج مع الشرح ص ۱۱۲۔

(۳) سورۃ النعام ص ۱۲۱۔

و۔ تیمم کے وقت تسمیہ:

۱۱۔ تیمم کے وقت تسمیہ شروع ہے، حنفیہ کے نزدیک مسنون ہے، مالکیہ کے نزدیک مندوب ہے، شافعیہ کے نزدیک مستحب ہے، اس کے الفاظ ”بسم اللہ“ اور شافعیہ کے نزدیک زیادہ مکمل: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ ہیں، اگر تیمم کے آغاز میں تسمیہ بھول جائے اور درمیان میں یاد آئے تو پڑھ لے، اگر جان بوجھ کر چھوڑ دے تو تیمم باطل نہیں ہوگا، اور اگر پڑھے گا تو ثواب پائے گا^(۱)۔

حنابلہ کے نزدیک تیمم کے وقت تسمیہ واجب ہے، اور وہ ”باسم اللہ“ ہے، دوسرے الفاظ اس کے قائم مقام نہیں ہوں گے، اس کا وقت ابتدائے تیمم ہے، بھول جانے سے ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے کہ حدیث ہے: ”تجاوز الله عن امتي الخطأ والنسيان.....“^(۲) (اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی اور بھول چوک کو معاف کر دیا ہے.....)، اور اگر درمیان میں یاد آ جائے تو تسمیہ کہے گا اور تیمم پورا کرے گا، اور اگر عمدہ چھوڑ دے یہاں تک کہ بعض اعضاء کا مسح کر لے اور کئے ہوئے فعل کو نہ دہرائے تو اس کی طہارت درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس نے اپنی طہارت پر اللہ کا نام نہیں لیا ہے^(۳)۔

ز۔ ہر اہم کام کے وقت تسمیہ:

۱۲۔ اکثر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ہر اہم کام عبادت وغیرہ کے وقت تسمیہ شروع ہے، پس قرآن کریم کی تلاوت اور اذکار کے وقت، کشتی اور جانور پر سواری کے وقت، گھر اور مسجد میں داخل ہونے یا نکلنے کے وقت، چراغ روشن کرنے یا اس کے بجھانے کے وقت، مباح جنسی

ساتھ دوسرا (شکاری جانور) بھی شامل ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مت کھاؤ، اس لئے کہ تم نے اپنے کتے پر تسمیہ پڑھا ہے اور دوسرے پر تسمیہ نہیں پڑھا ہے، حنابلہ کے نزدیک تسمیہ کے سلسلہ میں ذبح اور شکار کے درمیان فرق یہ ہے کہ ذبح اپنے محل میں واقع ہوتا ہے تو تسمیہ بھولنے کی صورت میں اس میں تو تسامح ہو سکتا ہے لیکن شکار میں تسمیہ بھولنے میں تسامح نہیں ہوگا، اور امام احمد سے منقول ہے کہ اگر شکار کے وقت تسمیہ بھول جائے تو شکار مباح ہوگا اور کھایا جائے گا، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر تیر پر تسمیہ بھول جائے تو مباح ہوگا، اور شکاری جانور پر بھول جائے تو مباح نہیں ہوگا^(۱)، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ”صيد“ کی اصطلاح۔

ح۔ کھاتے وقت ”بسم اللہ“ پڑھنا:

۱۰۔ فقہاء کی رائے ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت تسمیہ کہنا سنت ہے، اور اس کے الفاظ ”بسم اللہ“ اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ ہیں، اگر شروع میں تسمیہ بھول جائے تو باقی میں پڑھ لے، اور یوں کہے: ”باسم اللہ اولہ و آخرہ“ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”إذا أكل أحدكم فليذكر اسم الله تعالى، فإن نسي أن يذكر اسم الله في أوله فليقل: باسم الله أوله و آخره“^(۲) (جب تم میں سے کوئی کھائے تو اللہ تعالیٰ کا نام لے، اگر شروع میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو کہے: باسم اللہ اولہ و آخرہ)۔

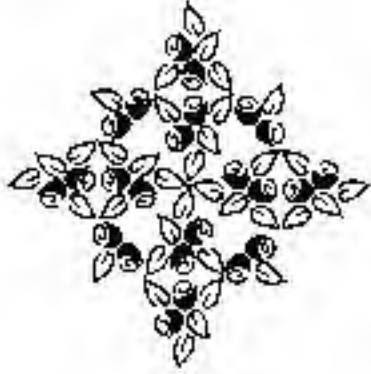
(۱) المغنی ۸/۵۳۹، ۵۳۰، ۵۳۱، المقنع ۳/۵۳۲، ۵۳۶، ۵۵۷۔

(۲) حدیث: ”إذا أكل أحدكم.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۱۱۰ طبع عزت عبید دھاس) اور ترمذی (۳/۲۸۸ طبع مصطفیٰ البابی) نے کی ہے، اور کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۱/۷۲، شرح الترمذی ۱/۷۲، نہایت المحتاج ۱/۶۸، المغنی ۸/۶۱۳۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۷۲، ۷۱، ۷۳، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۱۰۰، ۱۰۳، شرح الترمذی ۱/۷۲، شرح المحتاج مع حاشیہ قلیوبی ۱/۹۱۔
(۲) حدیث: ”تجاوز الله.....“ کی تخریج فقرہ نمبر ۶ میں گذر چکی ہے۔
(۳) کشاف القناع ۱/۹۱، ۷۸۔

تعلق سے قبل، منبر پر خطیب کے چڑھتے وقت، سونے اور نفل نماز کے آغاز سے قبل، برتن کو ڈھانپتے وقت، کتابوں کے آغاز میں، میت کی آنکھ بند کرنے اور اس کو قبر میں اتارنے کے وقت، جسم میں تکلیف کے مقام پر ہاتھ رکھتے وقت تسمیہ کہا جائے گا، اس کے الفاظ ”باسم اللہ“ ہیں، اور مکمل ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ ہے، اگر تسمیہ بھول جائے یا عمدًا چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں البتہ کہنے پر ثواب ہوگا۔

اس سلسلہ کی احادیث میں سے یہ حدیث ہے: ”کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ باسم اللہ فہو ابتر“ (ہر اہم کام جس کے آغاز میں باسم اللہ نہ کہا جائے وہ ابتر (دم کٹا) ہے)، ایک روایت میں ہے: ”فہو اقطع“ (تو وہ کٹا ہوا ہے)، اور ایک دوسری روایت میں ”فہو اجذم“^(۱) (وہ اجڑم (کٹا ہوا ہے)) کے الفاظ ہیں، اور رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ: ”ضع یدک علی الذی تالم من جسدک، وقل: باسم اللہ ثلاثاً...“^(۲) (اپنے جسم کے جس مقام پر تکلیف محسوس کرو وہاں ہاتھ رکھو اور تین بار ”باسم اللہ“ کہو...)۔ اور ایک حدیث ہے: ”اغلق بابک واذکر اسم اللہ، فإن الشیطان لا یفتح باباً مغلقاً، وأطفئ مصباحک واذکر اسم اللہ، وخمر إناءک...“^(۳) (اپنا دروازہ بند کرو اور اللہ کا نام لو، اس لئے کہ شیطان ایسے بند دروازہ کو نہیں کھولتا، اور اپنا چراغ



(۱) حدیث: ”کل امر ذی بال“ کوئی نے طبقات اثناعشر (۶/۱) طبع دار المعرفہ) میں روایت کیا ہے سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کو عبد القادر بدوی کی طرف الاربعین میں منسوب کیا ہے اور اسے ضعیف بتایا ہے (فیض القدیر ۵/۱۳ طبع المکتبۃ البجاریہ)۔

(۲) حدیث: ”ضع یدک...“ کی روایت مسلم (۳/۱۷۲۸ طبع عینی المہابی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”اغلق بابک واذکر اسم اللہ...“ کی روایت بخاری (فتح ۸۸/۱۰ طبع المستفید)، مسلم (۳/۱۵۹۳ طبع عینی المہابی) اور احمد (۳/۳۱۹ طبع المکتب الاسلامی) نے کی ہے اور سیاق ان ہی کا ہے۔

بجھاؤ اور بسم اللہ کہو، اور اپنا برتن ڈھانپو...)

اور ایک حدیث ہے کہ: ”إذا عثرت بک الدابة فلا تقل: تعس الشیطان، فإنه یتعاضم، حتی یصیر مثل البیت، ویقول: بقوتی صرعتہ، ولكن قل: بسم اللہ الرحمن الرحیم، فإنه یتصاغر، حتی یصیر مثل الذباب“^(۱) (اگر جانور تمہیں گرا دے تو مت کہو: شیطان ہلاک ہو، کہ وہ پھول کر گھر کی مانند ہو جاتا ہے، اور کہتا ہے: میں نے اپنی قوت سے اسے پچھاڑ دیا، بلکہ کہو: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“، تو وہ چھوٹا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ مکھی کی مانند ہو جاتا ہے)۔

(۱) تفسیر القرطبی ۱/۹۲، ۷۷-۹۸، حاشیہ ابن ماجہ ۱/۸۶، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۱/۱۰۳، شرح الرزقانی ۱/۳۷، نہایۃ المحتاج ۱/۱۶۸، المہذب ۱/۳۸ حدیث: ”لا تقل تعس الشیطان...“ کی روایت ابو داؤد (۲۶۰/۵ طبع عزت عبیدہ ماس)، احمد (۵/۵۹ طبع المکتب الاسلامی) اور حاکم (۳/۲۹۲ طبع دار الکتاب العربی) نے کی ہے حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

بشارت ۱-۴

متعلقہ الفاظ:

الف-خبر:

۲- خبر مخر اول اور اس کے بعد والے کی طرف سے ہوتی ہے، بشارت صرف مخر اول کی طرف سے ہوتی ہے^(۱)، خبر سچی اور جھوٹی ہوتی ہے، خوش کن ہو یا ناخوش کن، جب کہ بشارت عموماً سچی خوش کن خبر کے ساتھ خاص ہوتی ہے^(۲)۔

ب- جعل (معاوضہ):

۳- جعل لغت میں اس چیز کا نام ہے جو انسان کسی دوسرے کے لئے اس کے کسی عمل پر متعین کرتا ہے۔ جعل اصطلاح میں کسی متعین و معلوم مشقت آمیز عمل پر طے شدہ متعین عوض کا نام ہے^(۳)۔

بشارت (ب کے پیش کے ساتھ) کسی امر کی بشارت دینے والے کو جو کچھ دیا جائے، اس معنی میں یہ لفظ ”جعل“ کے مشابہ ہوا، نہایت احتجاج میں ہے: جس عمل پر بے محالہ دیا جائے ضروری ہے کہ اس میں مشقت اور خرچ ہو، جیسے بھاگے ہوئے غلام کی واپسی، یا ایسی خبر دینا جس میں غرض ہو اور خبر دینے والا سچا ہو^(۴)۔

اجمالی حکم:

۴- لوگوں کو ایسی بات کی خبر دینا جو انہیں خوش کرے امر مستحب ہے، اس لئے کہ اس بابت قرآن کریم کی آیات وارد ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّ لَهُمْ

بشارت

تعریف:

۱- بشارۃ (ب کے زیر کے ساتھ) انسان دوسرے کو جس چیز کے ذریعہ بشارت دے، اور (ب کے پیش کے ساتھ) کسی امر کی بشارت دینے والے شخص کو جو چیز دی جائے، جیسے کام کرنے والے کی اجرت کو مالہ کہتے ہیں، ابن الاثر فرماتے ہیں: بشارۃ (پیش کے ساتھ) جو بشر (بشارت دینے والے) کو دیا جائے، اور ب کے کسرہ کے ساتھ ام ہے، بشر یعنی سرور سے یہ لفظ اس لئے بنایا گیا ہے کہ یہ انسان کی خندہ پیشانی کو نمایاں کرتا ہے، اور لوگ اس کے ذریعہ باہم خوشخبری حاصل کرتے ہیں، یعنی بعض بعض کو بشارت دیتے ہیں بشارت جب مطلق بولا جائے تو اس سے خیر کی بشارت مراد ہوتی ہے، قید لگا کر شر کی بشارت کے لئے بھی اس کا استعمال درست ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ“^(۱) (بس آپ انہیں عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجئے)۔

فقہاء کی اصطلاح میں اس لفظ کا استعمال اس معنی سے الگ نہیں ہے^(۲)۔

(۱) سورۃ آل عمران ۲۱۔

(۲) لسان العرب، ۵ ج العروس، المصباح للمیر: مادہ ”بشر“، البدائع ۳/ ۵۳ طبع اول ۱۳۲۷ھ، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۱۱۲ طبع بیروت، کشاف القناع ۵/ ۳۱۳، مکتبۃ النصر الحدیث الریاض، المہذب ۲/ ۸۸ طبع دار المعرفۃ بیروت، تفسیر القرطبی ۸/ ۲۳۸ طبع دار الکتب المصریہ ۵۳/ ۱۳۵ھ، ۱۹۳۵ء، طلبہ الطلبہ ۵۹۔

(۱) تفسیر فخر الرازی ۲/ ۱۳۶ طبع المکتبۃ المہدیہ المصریہ
(۲) المہذب ۲/ ۸۸ طبع دار المعرفۃ بیروت، المصباح للمیر فی المادہ۔
(۳) شرح المصباح ۵/ ۶۲ طبع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض۔
(۴) نہایۃ المحتاج ۵/ ۶۹ طبع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض۔

بشارت ۴

قبول کرو۔

حضرت کعب کے قصہ میں ہے کہ جب قبولیت توبہ کی خوش خبری دینے والا آیا تو آپ نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر بشارت دینے والے کو اس کی بشارت کے بدلہ میں پہنا دیا، آپ نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا اور آخرت کے کسی خوش کن امر کی بشارت و مبارک بادی دینا، اور بشارت دینے والے کو جعل (انعام) دینا جائز ہے^(۱)۔

حضرت کعب کی حدیث میں خیر کی بشارت دینے میں سبقت کرنے کے جواز کا بیان ہے^(۲)۔

جس شخص کو کسی خوش کن امر کی بشارت دی جائے، اس کے لئے مستحب ہے کہ اللہ کی حمد و ثنایاں کرے، اس لئے کہ حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے جو حضرت عمر بن خطاب کے قتل کے واقعہ کے ذکر میں مقام ذن کے بارے میں مشورہ سے متعلق طویل حدیث میں امام بخاری نے روایت کی ہے، کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحب زادہ عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا کہ انہیں بھی ان کے دونوں رفقاء (حضور انور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ ذن ہونے کی اجازت دے دیں، جب حضرت عبداللہ آئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا جواب لائے؟ عرض کیا جو آپ پسند کر رہے تھے اے امیر المؤمنین، انہوں نے اجازت مرحمت فرمادی ہے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: الحمد للہ میرے لئے کوئی چیز اس سے زیادہ اہم نہ تھی^(۳)۔

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رَزَقُوا قَالُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَنُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ“^(۱) (اور ان لوگوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے لئے (بہشت کے) باغ ہیں کہ ان کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے انہیں جب کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ بول انھیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں (اس سے) قبل مل چکا ہے اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہو اور ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ کے لئے ہوں گے)۔ اور اسی طرح احادیث بھی وارد ہیں، مثلاً بخاری و مسلم میں مروی حضرت کعب بن مالک کی توبہ کے قصہ والی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: ”میں نے پکارنے والے کو سنا جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک خوشخبری لو، پھر لوگ ہمیں خوشخبری دینے آئے لگے، میں رسول اللہ ﷺ کا قصد کر کے نکلا، لوگ مجھ سے جوق در جوق ملتے اور توبہ پر مبارک باد پیش کرتے اور کہتے: مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی ہے، یہاں تک کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا، دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، ارد گرد صحابہ کرام ہیں، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اٹھ کر دوڑتے ہوئے آئے، مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، حضرت کعبؓ حضرت طلحہؓ کی اس گرم جوشی کو نہیں بھولتے تھے، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں: پھر جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ علیہ السلام کا روئے نور خوشی سے منور ہو رہا تھا فرمایا: ”أبشّر بخير يوم مرّ عليك منذ ولدتك أمك“^(۲) (تم اپنی زندگی کے سب سے بہتر دن کی خوش خبری

(۱) صحیح مسلم مع شرح لا بی ۷/ ۱۷۳ طبع مطبعة السعادة مصر۔

(۲) فتح الباری ۸/ ۱۳۳ طبع استغیہ۔

(۳) الفتوحات الربانیہ ۶/ ۱۶۶ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، عمر بن خطاب کے شغل کے قصہ میں حضرت عمرو بن میمون کی حدیث کی روایت بخاری (فتح ۷/ ۶۱ طبع استغیہ) نے کی ہے۔

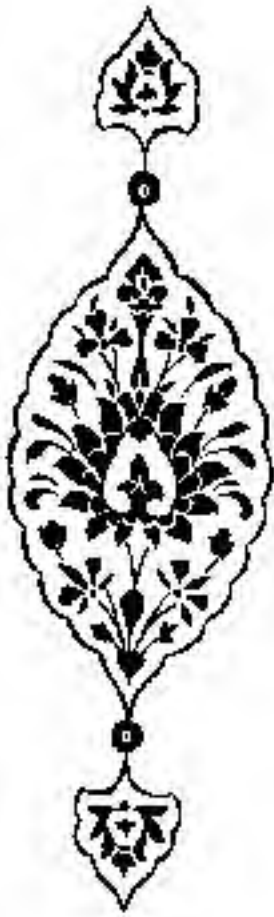
(۱) سورہ بقرہ ۲۵۔

(۲) الفتوحات الربانیہ ۶/ ۳۱۶-۳۱۷ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، حدیث حضرت کعب بن مالک کی روایت بخاری (فتح ۸/ ۱۱۳، ۱۱۶ طبع استغیہ) اور مسلم (۴/ ۲۱۲، ۲۱۳ طبع المجلد) نے کی ہے۔

بشارت ۵

بحث کے مقامات:

۵۔ قرآن کریم میں بشارت کا ذکر آیا ہے، حدیث نبوی میں بھی بشارت کے کچھ احکام اور بشارت دینے والے کے ساتھ مستحب عمل کا بیان آیا ہے، فقہاء نے ایمان کے باب میں اس کا ذکر کیا ہے۔
کتب آداب شرعیہ میں بھی بشارت کا حکم اور کسی امر کی بشارت دینے والے کے ساتھ مستحب عمل بیان ہوا ہے۔



علماء کا اجماع ہے کہ بشارت منجر اول سے ہوتی ہے خواہ وہ تنہا ہو یا دوسرے کے ساتھ، پس اگر کسی شخص نے کہا: میرے غلاموں میں سے جو مجھے ایسی خوش خبری دے گا وہ آزاد ہے، پھر اس کے غلاموں میں سے ایک یا چند نے اسے خوش خبری دی تو سب سے پہلے (خوش خبری دینے والا آزاد ہوگا) (۱)، فقہاء نے متعدد مقامات پر دیگر مثالیں ذکر فرمائی ہیں (۲)۔

اس کی دلیل وہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس سے گذرے، وہ قرآن پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”من أحب أن يقرأ القرآن غضا طربا كما نزل فليقرأ بقراءة ابن أم عبد، فابتدر إليه أبو بكر وعمر رضي الله عنهما بالبشارة، فسبق أبو بكر عمر، فكان ابن مسعود يقول: بشرني أبو بكر، وأخبرني عمر“ (۳) (جو چاہے کہ قرآن اس طرح تر و تازہ پڑھے جس طرح مازل ہوا ہے تو ابن ام عبد کی طرح پڑھے، تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما انہیں بشارت دینے دوڑے، حضرت ابو بکر حضرت عمر سے پہلے پہنچ گئے، تو حضرت ابن مسعود فرماتے تھے، ابو بکر نے مجھے بشارت دی اور عمر نے مجھے خبر دی)۔

بشارت ہد یہ کی طرح مستحب ہے اگر اس سے اللہ کی رضا مقصود ہو (۴)۔

(۱) تفسیر القرطبی: آیت ”وَبَشِّرِ الْمُبْتَلِينَ“ کے تحت ۱/۲۳۸ طبع

دارالکتب المصریہ ۱۳۵۳ھ، تفسیر فخر رازی ۱۲/۶۱۲، المکتبۃ البیہ المصریہ

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۱۳-۱۱۳ طبع بیروت، المہذب ۲/۸۸ طبع دارالمعرفہ

بیروت، کشاف القناع ۳/۳۱۳ طبع مکتبۃ انصر اللہ فیہ الریاض۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۱۳ طبع بیروت۔ حدیث: ”من أحب أن...“

کی روایت احمد (۱/۷ طبع المیمنیہ) اور حاکم (۳/۱۸ طبع دار

المعارف البعثانیہ) نے کی ہے ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس سے

اتفاق کیا ہے۔

(۴) کشاف القناع ۳/۸۸-۸۹ مکتبۃ انصر اللہ فیہ الریاض۔

اجمالی حکم:

۴- انسان کے منہ کے پانی کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ پاک ہے جب تک کہ کوئی نجاست اسے ناپاک نہ کر دے (۱)۔

بصاق (تھوک) کے بعض مخصوص احکام ہیں، تھوک پھینکنا مسجد میں حرام ہے، اور اس کی دیواروں پر مکروہ ہے (۲)۔

پس اگر نمازی مسجد میں تھوک دے تو ضروری ہے کہ وہ اسے دفن کر دے، اس لئے کہ مسجد میں تھوکنا غلطی ہے، جس کا کفارہ اس کو دفن کر دینا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: ”البصاق فی المسجد خطیئة، و کفارتها دفنها“ (۳) (مسجد میں تھوکنا خطا ہے اور اس کا کفارہ اس کا دفن ہے)۔

اس سلسلہ میں مشہور یہ ہے کہ تھوک کو مسجد کی مٹی اور ریت میں دفن کر دے اگر مسجد میں مٹی یا ریت وغیرہ ہو، اگر نہ ہو تو لکڑی یا کپڑے کے ٹکڑے وغیرہ سے یا ہاتھ سے اٹھا کر اس کو باہر نکال دے (۴)۔

اسی طرح مسجد کی دیواروں پر، اپنے سامنے کنکریوں پر، چٹائیوں کے اوپر یا ان کے نیچے نہ تھو کے، بلکہ اپنے کپڑے کے ایک کنارہ میں تھوک کر کپڑے کو مل لے، اس سے نماز نہیں ٹوٹتی ہے۔ بلا یہ کہ بار بار اور کثرت سے ایسا کرے، اور اگر مسجد کی مٹی میں تھوکا ہو تو ضروری ہے کہ اسے دفن کر دے اور اگر مجبوری کی حالت میں ہو تو چٹائی کے اوپر تھوکنا اس کے نیچے تھوکنے کی بہ نسبت ہلکا ہے، اس لئے کہ چٹائی تو مسجد نہیں ہے لیکن چٹائی کے نیچے کا حصہ مسجد ہے، اور اگر مسجد میں چٹائیاں نہ ہوں تو اسے مٹی میں دفن کر دے، زمین کے اوپر نہ

بصاق

تعریف:

۱- بصاق: منہ کا پانی جب باہر نکل آئے (تھوک)، کہا جاتا ہے: ”بصق یبصق بصاقاً“، ”بصاق“ کو ”بزاق“ اور ”بساق“ بھی کہتے ہیں جو ابدال کی قبیل سے ہے (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- تفل:

۲- تفل لغت میں بصق (تھوکنے) کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ”تفل یتفل و یتفل تفلًا“، جب تھوک دے۔

تفل بالفم کا مطلب اس طرح پھونکنا کہ کچھ تھوک بھی نکل آئے، اگر صرف پھونک ہو تو تھوک نہ ہو تو اسے ”نفث“ کہیں گے، تفل بھی بزاق (تھوک) کے مشابہ ہے، لیکن اس سے کم ہوتا ہے، سب سے پہلے بزاق ہوتا ہے، پھر تفل پھر نفث (پھونک) (۲)۔

ب- لعاب:

۳- وہ تھوک جو منہ سے بہہ جائے (۳)۔

(۱) لسان العرب، ترتیب القاموس المحیط، المصباح الممیر، مختار الصحاح، مادہ ”بصق“ و ”بزاق“۔

(۲) لسان العرب، مادہ ”تفل“، صحیح مسلم ۳/۴۳۳، المجموع شرح المہذب ۲۰، ۲۹، ۴۰۔

(۳) الصحاح، مختار الصحاح، ترتیب القاموس المحیط، المصباح الممیر، لسان العرب، مادہ ”لعاب“۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۹۳۔

(۲) الاشیاء والنظار لابن کثیر ۷/۳۰۷، اعلام المساجد بحکام المساجد ۸/۳۰۸۔

(۳) حدیث: ”البصاق فی المسجد...“ کی روایت بخاری (الفتح ۵۱۱/۱ طبع استغیہ) اور مسلم (۱/۳۹۰ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۴) المجموع شرح المہذب ۱۰۱، اعلام المساجد بحکام المساجد ۸/۳۰۸، ۳۰۹۔

بصاق ۴

چھوڑ دے^(۱)۔

اگر مسجد کے علاوہ مقام پر ہو تو اپنے سامنے یا دائیں جانب نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں پاؤں کے نیچے یا بائیں جانب تھوکے^(۲)۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو مسجد کے اندر تھوکتا دیکھے تو اس پر ضروری ہے کہ نکیر کرے اور اگر قدرت ہو تو روک دے، اور اگر کوئی شخص مسجد میں تھوک وغیرہ دیکھے تو مسنون ہے کہ اس کو دفن کر دے یا باہر پھینک دے، اور مستحب ہے کہ اس کی جگہ خوشبو لگا دے۔

اور یہ جو بہت سارے لوگ کرتے ہیں کہ اگر تھوک دیا یا تھوک دیکھا تو اس کو اس جوتے کے نچلے حصہ سے رگڑ دیتے ہیں جس سے گندگیوں اور نجاستوں کو روند اہو، یہ حرام ہے، اس لئے کہ اس صورت میں مسجد کی مزید ناپاکی و گندگی لازم آتی ہے۔

ایسا کام کسی کو کرتے ہوئے دیکھنے والے شخص پر اس کی نکیر اپنی شرط کے ساتھ ضروری ہے^(۳)۔

قرآن شریف یا اس کے کسی حصہ کو تھوک سے چھونا جائز نہیں ہے، اور بچوں کے معلم کی ذمہ داری ہے کہ ان کو ایسا کرنے سے منع کرے^(۴)۔

روزہ دار کے حق میں اس کے احکام میں سے یہ ہے کہ اگر کوئی خود اپنا تھوک جو منہ کے اندر ہی ہو، باہر نکلنے سے پہلے نکل جائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا حتیٰ کہ اگر وہ منہ میں جمع بھی کر لے اور نکل جائے^(۵)۔ اور اگر تھوک منہ سے باہر نکل جائے اور منہ سے جدا

ہو جائے، پھر اس کو منہ میں واپس لا کر نکل جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ

جائے گا، جیسا کہ اگر کوئی کسی دوسرے کا تھوک نکل جائے^(۱)۔

اگر گفتگو کرنے یا پڑھنے وغیرہ کے وقت اپنے لعاب سے دونوں

ہونٹ تر ہو جائیں اور اسے نکل جائے تو ضرورت کی وجہ سے اس کا

روزہ فاسد نہیں ہوگا^(۲)، اور اگر کلی کرنے کے بعد منہ میں تری باقی

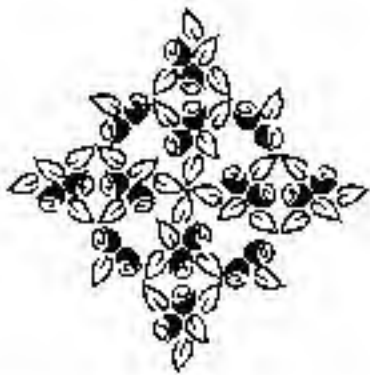
رہے اور اس کو تھوک کے ساتھ نکل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا^(۳)۔

اگر درزی نے اپنے تھوک سے دھاگہ کو تر کیا پھر اسے حسب

عادت سلامتی کے دوران منہ میں دوبارہ ڈالا تو اگر دھاگہ پر ایسی تری

جو علاحدہ ہو جائے نہ ہو تو اپنے تھوک کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا،

برخلاف اس کے کہ تری جدا ہو جانے والی ہو^(۴)۔



(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۱۱، بدائع الصنائع ۱/ ۲۱۶۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۲/ ۲۱۳ طبع ریاض الحدیث، قلیوبی و عمیرہ ۱/ ۹۳، المجموع شرح المہذب ۳۸۰۔

(۳) المجموع شرح المہذب ۳۸۰، اعلام المساجد بحکام المساجد ص ۳۰۸۔

(۴) حاشیہ البزقانی علی شرح الترغاتی علی مختصر فہرست ۱/ ۳۳۔

(۵) شرح الترغاتی علی مختصر فہرست ۲/ ۲۰۵، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر

۱/ ۵۲۵، الفواکیر الدواری ۱/ ۳۵۹، الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۰۳۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۰۳۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۰۳، رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۱۰۱ طبع دار احیاء التراث العربی۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۰۳، رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۹۸ طبع دار احیاء التراث العربی۔

(۴) الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۰۳، رد المحتار علی الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۹۸، ۱۰۱ طبع

دار احیاء التراث العربی، المجموع شرح المہذب ۱/ ۳۱۸، قلیوبی و عمیرہ ۲/ ۵۷۔

ہوگی۔

اسی طرح خطاً آنکھ ضائع کرنے پر بھی دیت واجب ہوتی ہے،
اور عاقلہ پر وجوب ہوتا ہے۔
اس کی تفصیل جنایات میں دیکھی جائے^(۱)۔

بصر

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا:

۳- علماء کا اجماع ہے کہ خشوع و خضوع اختیار کرنا اور غافل کرنے
والی چیز سے نگاہ نیچی رکھنا مستحب ہے، ادھر ادھر دیکھنا اور آسمان کی
طرف نگاہ اٹھانا مکروہ ہے، نمازی کے لئے مستحب ہے کہ کھڑا ہو تو
سجدہ کے مقام پر نظر رکھے، رکوع میں دونوں قدموں پر نگاہ رکھنا، سجدہ
میں اپنی ناک کی بانس پر نظر رکھنا اور تشهد کی حالت میں اپنی گود میں
دیکھنا مستحب ہے۔

لیکن صلاة الخوف (خوف کی نماز) میں اگر دشمن سامنے ہو تو دشمن
کی جانب نظر رکھی جائے گی، اسی کے قائل حنفیہ ہیں، یہی حنابلہ کی
ایک روایت ہے، اور شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ مسنون ہے۔

ان کے دوسرے قول کے مطابق اور حنابلہ کے نزدیک پوری نماز
میں اپنے سجدہ کے مقام پر نظر رکھی جائے گی^(۲)، اس لئے کہ بخاری
نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
”ما بال أقوام يرفعون أبصارهم إلى السماء في صلاتهم،
فاشتد قوله في ذلك حتى قال: لينتهن عن ذلك، أو

تعریف:

۱- بصر وہ قوت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آنکھ میں ودیعت فرمایا ہے،
جس کی وجہ سے روشنی، رنگ اور شکلوں کا ادراک ہوتا ہے، کہا جاتا
ہے: ”أبصرته برؤية العين إحصاراً“ میں نے اپنی آنکھ سے اسے
دیکھا، اور ”بصرت بالشيء“ اس کے پیش کے ساتھ (ایک لغت
میں ص پر زیر ہے) بصراً (ابتدائی دونوں حروف پر زیر کے ساتھ)
میں نے اسے دیکھا^(۱)۔

مجازاً اس کا اطلاق معنویات کے ادراک پر ہوتا ہے، جیسا کہ خود
آنکھ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے کہ وہی نظر کا محل ہے۔
بصر کی ضد عمى (اندھاپن) ہے^(۲)۔

اجماعی حکم:

آنکھ پر جنایت:

۲- فقہاء کا اتفاق ہے کہ آنکھ پر قصد جنایت کرنے والے پر، اگر اس
کی جنایت کے نتیجے میں آنکھ جاتی رہے، قصاص واجب ہے، اور وہ
اس طرح کہ اہل تجربہ کے مشورہ سے کسی وسیلہ کے ذریعہ اگر ممکن ہو تو
جنایت کرنے والے کی آنکھ ختم کر دی جائے، اور اگر قصاص ممکن نہ ہو
تو جانی (جنایت کرنے والے) کے مال میں بالاتفاق دیت واجب

(۱) لسان العرب، المصباح للمیر: مادہ ”بصر“۔

(۲) تعریفات للبحر جانی تھوڑے تصرف کے ساتھ۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۵۳، ۶۹، ۷۱، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۷۹، ۸۱، ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۸۹، ۹۱، ۹۳، ۹۵، ۹۷، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۳، ۳۶۵، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۱، ۳۹۳، ۳۹۵، ۳۹۷، ۳۹۹، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۱، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۷، ۴۳۹، ۴۴۱، ۴۴۳، ۴۴۵، ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۳، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۵۹، ۴۶۱، ۴۶۳، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۱، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۷، ۴۷۹، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۹۱، ۴۹۳، ۴۹۵، ۴۹۷، ۴۹۹، ۵۰۱، ۵۰۳، ۵۰۵، ۵۰۷، ۵۰۹، ۵۱۱، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۱، ۵۲۳، ۵۲۵، ۵۲۷، ۵۲۹، ۵۳۱، ۵۳۳، ۵۳۵، ۵۳۷، ۵۳۹، ۵۴۱، ۵۴۳، ۵۴۵، ۵۴۷، ۵۴۹، ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۵، ۵۵۷، ۵۵۹، ۵۶۱، ۵۶۳، ۵۶۵، ۵۶۷، ۵۶۹، ۵۷۱، ۵۷۳، ۵۷۵، ۵۷۷، ۵۷۹، ۵۸۱، ۵۸۳، ۵۸۵، ۵۸۷، ۵۸۹، ۵۹۱، ۵۹۳، ۵۹۵، ۵۹۷، ۵۹۹، ۶۰۱، ۶۰۳، ۶۰۵، ۶۰۷، ۶۰۹، ۶۱۱، ۶۱۳، ۶۱۵، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۱، ۶۲۳، ۶۲۵، ۶۲۷، ۶۲۹، ۶۳۱، ۶۳۳، ۶۳۵، ۶۳۷، ۶۳۹، ۶۴۱، ۶۴۳، ۶۴۵، ۶۴۷، ۶۴۹، ۶۵۱، ۶۵۳، ۶۵۵، ۶۵۷، ۶۵۹، ۶۶۱، ۶۶۳، ۶۶۵، ۶۶۷، ۶۶۹، ۶۷۱، ۶۷۳، ۶۷۵، ۶۷۷، ۶۷۹، ۶۸۱، ۶۸۳، ۶۸۵، ۶۸۷، ۶۸۹، ۶۹۱، ۶۹۳، ۶۹۵، ۶۹۷، ۶۹۹، ۷۰۱، ۷۰۳، ۷۰۵، ۷۰۷، ۷۰۹، ۷۱۱، ۷۱۳، ۷۱۵، ۷۱۷، ۷۱۹، ۷۲۱، ۷۲۳، ۷۲۵، ۷۲۷، ۷۲۹، ۷۳۱، ۷۳۳، ۷۳۵، ۷۳۷، ۷۳۹، ۷۴۱، ۷۴۳، ۷۴۵، ۷۴۷، ۷۴۹، ۷۵۱، ۷۵۳، ۷۵۵، ۷۵۷، ۷۵۹، ۷۶۱، ۷۶۳، ۷۶۵، ۷۶۷، ۷۶۹، ۷۷۱، ۷۷۳، ۷۷۵، ۷۷۷، ۷۷۹، ۷۸۱، ۷۸۳، ۷۸۵، ۷۸۷، ۷۸۹، ۷۹۱، ۷۹۳، ۷۹۵، ۷۹۷، ۷۹۹، ۸۰۱، ۸۰۳، ۸۰۵، ۸۰۷، ۸۰۹، ۸۱۱، ۸۱۳، ۸۱۵، ۸۱۷، ۸۱۹، ۸۲۱، ۸۲۳، ۸۲۵، ۸۲۷، ۸۲۹، ۸۳۱، ۸۳۳، ۸۳۵، ۸۳۷، ۸۳۹، ۸۴۱، ۸۴۳، ۸۴۵، ۸۴۷، ۸۴۹، ۸۵۱، ۸۵۳، ۸۵۵، ۸۵۷، ۸۵۹، ۸۶۱، ۸۶۳، ۸۶۵، ۸۶۷، ۸۶۹، ۸۷۱، ۸۷۳، ۸۷۵، ۸۷۷، ۸۷۹، ۸۸۱، ۸۸۳، ۸۸۵، ۸۸۷، ۸۸۹، ۸۹۱، ۸۹۳، ۸۹۵، ۸۹۷، ۸۹۹، ۹۰۱، ۹۰۳، ۹۰۵، ۹۰۷، ۹۰۹، ۹۱۱، ۹۱۳، ۹۱۵، ۹۱۷، ۹۱۹، ۹۲۱، ۹۲۳، ۹۲۵، ۹۲۷، ۹۲۹، ۹۳۱، ۹۳۳، ۹۳۵، ۹۳۷، ۹۳۹، ۹۴۱، ۹۴۳، ۹۴۵، ۹۴۷، ۹۴۹، ۹۵۱، ۹۵۳، ۹۵۵، ۹۵۷، ۹۵۹، ۹۶۱، ۹۶۳، ۹۶۵، ۹۶۷، ۹۶۹، ۹۷۱، ۹۷۳، ۹۷۵، ۹۷۷، ۹۷۹، ۹۸۱، ۹۸۳، ۹۸۵، ۹۸۷، ۹۸۹، ۹۹۱، ۹۹۳، ۹۹۵، ۹۹۷، ۹۹۹، ۱۰۰۱، ۱۰۰۳، ۱۰۰۵، ۱۰۰۷، ۱۰۰۹، ۱۰۱۱، ۱۰۱۳، ۱۰۱۵، ۱۰۱۷، ۱۰۱۹، ۱۰۲۱، ۱۰۲۳، ۱۰۲۵، ۱۰۲۷، ۱۰۲۹، ۱۰۳۱، ۱۰۳۳، ۱۰۳۵، ۱۰۳۷، ۱۰۳۹، ۱۰۴۱، ۱۰۴۳، ۱۰۴۵، ۱۰۴۷، ۱۰۴۹، ۱۰۵۱، ۱۰۵۳، ۱۰۵۵، ۱۰۵۷، ۱۰۵۹، ۱۰۶۱، ۱۰۶۳، ۱۰۶۵، ۱۰۶۷، ۱۰۶۹، ۱۰۷۱، ۱۰۷۳، ۱۰۷۵، ۱۰۷۷، ۱۰۷۹، ۱۰۸۱، ۱۰۸۳، ۱۰۸۵، ۱۰۸۷، ۱۰۸۹، ۱۰۹۱، ۱۰۹۳، ۱۰۹۵، ۱۰۹۷، ۱۰۹۹، ۱۱۰۱، ۱۱۰۳، ۱۱۰۵، ۱۱۰۷، ۱۱۰۹، ۱۱۱۱، ۱۱۱۳، ۱۱۱۵، ۱۱۱۷، ۱۱۱۹، ۱۱۲۱، ۱۱۲۳، ۱۱۲۵، ۱۱۲۷، ۱۱۲۹، ۱۱۳۱، ۱۱۳۳، ۱۱۳۵، ۱۱۳۷، ۱۱۳۹، ۱۱۴۱، ۱۱۴۳، ۱۱۴۵، ۱۱۴۷، ۱۱۴۹، ۱۱۵۱، ۱۱۵۳، ۱۱۵۵، ۱۱۵۷، ۱۱۵۹، ۱۱۶۱، ۱۱۶۳، ۱۱۶۵، ۱۱۶۷، ۱۱۶۹، ۱۱۷۱، ۱۱۷۳، ۱۱۷۵، ۱۱۷۷، ۱۱۷۹، ۱۱۸۱، ۱۱۸۳، ۱۱۸۵، ۱۱۸۷، ۱۱۸۹، ۱۱۹۱، ۱۱۹۳، ۱۱۹۵، ۱۱۹۷، ۱۱۹۹، ۱۲۰۱، ۱۲۰۳، ۱۲۰۵، ۱۲۰۷، ۱۲۰۹، ۱۲۱۱، ۱۲۱۳، ۱۲۱۵، ۱۲۱۷، ۱۲۱۹، ۱۲۲۱، ۱۲۲۳، ۱۲۲۵، ۱۲۲۷، ۱۲۲۹، ۱۲۳۱، ۱۲۳۳، ۱۲۳۵، ۱۲۳۷، ۱۲۳۹، ۱۲۴۱، ۱۲۴۳، ۱۲۴۵، ۱۲۴۷، ۱۲۴۹، ۱۲۵۱، ۱۲۵۳، ۱۲۵۵، ۱۲۵۷، ۱۲۵۹، ۱۲۶۱، ۱۲۶۳، ۱۲۶۵، ۱۲۶۷، ۱۲۶۹، ۱۲۷۱، ۱۲۷۳، ۱۲۷۵، ۱۲۷۷، ۱۲۷۹، ۱۲۸۱، ۱۲۸۳، ۱۲۸۵، ۱۲۸۷، ۱۲۸۹، ۱۲۹۱، ۱۲۹۳، ۱۲۹۵، ۱۲۹۷، ۱۲۹۹، ۱۳۰۱، ۱۳۰۳، ۱۳۰۵، ۱۳۰۷، ۱۳۰۹، ۱۳۱۱، ۱۳۱۳، ۱۳۱۵، ۱۳۱۷، ۱۳۱۹، ۱۳۲۱، ۱۳۲۳، ۱۳۲۵، ۱۳۲۷، ۱۳۲۹، ۱۳۳۱، ۱۳۳۳، ۱۳۳۵، ۱۳۳۷، ۱۳۳۹، ۱۳۴۱، ۱۳۴۳، ۱۳۴۵، ۱۳۴۷، ۱۳۴۹، ۱۳۵۱، ۱۳۵۳، ۱۳۵۵، ۱۳۵۷، ۱۳۵۹، ۱۳۶۱، ۱۳۶۳، ۱۳۶۵، ۱۳۶۷، ۱۳۶۹، ۱۳۷۱، ۱۳۷۳، ۱۳۷۵، ۱۳۷۷، ۱۳۷۹، ۱۳۸۱، ۱۳۸۳، ۱۳۸۵، ۱۳۸۷، ۱۳۸۹، ۱۳۹۱، ۱۳۹۳، ۱۳۹۵، ۱۳۹۷، ۱۳۹۹، ۱۴۰۱، ۱۴۰۳، ۱۴۰۵، ۱۴۰۷، ۱۴۰۹، ۱۴۱۱، ۱۴۱۳، ۱۴۱۵، ۱۴۱۷، ۱۴۱۹، ۱۴۲۱، ۱۴۲۳، ۱۴۲۵، ۱۴۲۷، ۱۴۲۹، ۱۴۳۱، ۱۴۳۳، ۱۴۳۵، ۱۴۳۷، ۱۴۳۹، ۱۴۴۱، ۱۴۴۳، ۱۴۴۵، ۱۴۴۷، ۱۴۴۹، ۱۴۵۱، ۱۴۵۳، ۱۴۵۵، ۱۴۵۷، ۱۴۵۹، ۱۴۶۱، ۱۴۶۳، ۱۴۶۵، ۱۴۶۷، ۱۴۶۹، ۱۴۷۱، ۱۴۷۳، ۱۴۷۵، ۱۴۷۷، ۱۴۷۹، ۱۴۸۱، ۱۴۸۳، ۱۴۸۵، ۱۴۸۷، ۱۴۸۹، ۱۴۹۱، ۱۴۹۳، ۱۴۹۵، ۱۴۹۷، ۱۴۹۹، ۱۵۰۱، ۱۵۰۳، ۱۵۰۵، ۱۵۰۷، ۱۵۰۹، ۱۵۱۱، ۱۵۱۳، ۱۵۱۵، ۱۵۱۷، ۱۵۱۹، ۱۵۲۱، ۱۵۲۳، ۱۵۲۵، ۱۵۲۷، ۱۵۲۹، ۱۵۳۱، ۱۵۳۳، ۱۵۳۵، ۱۵۳۷، ۱۵۳۹، ۱۵۴۱، ۱۵۴۳، ۱۵۴۵، ۱۵۴۷، ۱۵۴۹، ۱۵۵۱، ۱۵۵۳، ۱۵۵۵، ۱۵۵۷، ۱۵۵۹، ۱۵۶۱، ۱۵۶۳، ۱۵۶۵، ۱۵۶۷، ۱۵۶۹، ۱۵۷۱، ۱۵۷۳، ۱۵۷۵، ۱۵۷۷، ۱۵۷۹، ۱۵۸۱، ۱۵۸۳، ۱۵۸۵، ۱۵۸۷، ۱۵۸۹، ۱۵۹۱، ۱۵۹۳، ۱۵۹۵، ۱۵۹۷، ۱۵۹۹، ۱۶۰۱، ۱۶۰۳، ۱۶۰۵، ۱۶۰۷، ۱۶۰۹، ۱۶۱۱، ۱۶۱۳، ۱۶۱۵، ۱۶۱۷، ۱۶۱۹، ۱۶۲۱، ۱۶۲۳، ۱۶۲۵، ۱۶۲۷، ۱۶۲۹، ۱۶۳۱، ۱۶۳۳، ۱۶۳۵، ۱۶۳۷، ۱۶۳۹، ۱۶۴۱، ۱۶۴۳، ۱۶۴۵، ۱۶۴۷، ۱۶۴۹، ۱۶۵۱، ۱۶۵۳، ۱۶۵۵، ۱۶۵۷، ۱۶۵۹، ۱۶۶۱، ۱۶۶۳، ۱۶۶۵، ۱۶۶۷، ۱۶۶۹، ۱۶۷۱، ۱۶۷۳، ۱۶۷۵، ۱۶۷۷، ۱۶۷۹، ۱۶۸۱، ۱۶۸۳، ۱۶۸۵، ۱۶۸۷، ۱۶۸۹، ۱۶۹۱، ۱۶۹۳، ۱۶۹۵، ۱۶۹۷، ۱۶۹۹، ۱۷۰۱، ۱۷۰۳، ۱۷۰۵، ۱۷۰۷، ۱۷۰۹، ۱۷۱۱، ۱۷۱۳، ۱۷۱۵، ۱۷۱۷، ۱۷۱۹، ۱۷۲۱، ۱۷۲۳، ۱۷۲۵، ۱۷۲۷، ۱۷۲۹، ۱۷۳۱، ۱۷۳۳، ۱۷۳۵، ۱۷۳۷، ۱۷۳۹، ۱۷۴۱، ۱۷۴۳، ۱۷۴۵، ۱۷۴۷، ۱۷۴۹، ۱۷۵۱، ۱۷۵۳، ۱۷۵۵، ۱۷۵۷، ۱۷۵۹، ۱۷۶۱، ۱۷۶۳، ۱۷۶۵، ۱۷۶۷، ۱۷۶۹، ۱۷۷۱، ۱۷۷۳، ۱۷۷۵، ۱۷۷۷، ۱۷۷۹، ۱۷۸۱، ۱۷۸۳، ۱۷۸۵، ۱۷۸۷، ۱۷۸۹، ۱۷۹۱، ۱۷۹۳، ۱۷۹۵، ۱۷۹۷، ۱۷۹۹، ۱۸۰۱، ۱۸۰۳، ۱۸۰۵، ۱۸۰۷، ۱۸۰۹، ۱۸۱۱، ۱۸۱۳، ۱۸۱۵، ۱۸۱۷، ۱۸۱۹، ۱۸۲۱، ۱۸۲۳، ۱۸۲۵، ۱۸۲۷، ۱۸۲۹، ۱۸۳۱، ۱۸۳۳، ۱۸۳۵، ۱۸۳۷، ۱۸۳۹، ۱۸۴۱، ۱۸۴۳، ۱۸۴۵، ۱۸۴۷، ۱۸۴۹، ۱۸۵۱، ۱۸۵۳، ۱۸۵۵، ۱۸۵۷، ۱۸۵۹، ۱۸۶۱، ۱۸۶۳، ۱۸۶۵، ۱۸۶۷، ۱۸۶۹، ۱۸۷۱، ۱۸۷۳، ۱۸۷۵، ۱۸۷۷، ۱۸۷۹، ۱۸۸۱، ۱۸۸۳، ۱۸۸۵، ۱۸۸۷، ۱۸۸۹، ۱۸۹۱، ۱۸۹۳، ۱۸۹۵، ۱۸۹۷، ۱۸۹۹، ۱۹۰۱، ۱۹۰۳، ۱۹۰۵، ۱۹۰۷، ۱۹۰۹، ۱۹۱۱، ۱۹۱۳، ۱۹۱۵، ۱۹۱۷، ۱۹۱۹، ۱۹۲۱، ۱۹۲۳، ۱۹۲۵، ۱۹۲۷، ۱۹۲۹، ۱۹۳۱، ۱۹۳۳، ۱۹۳۵، ۱۹۳۷، ۱۹۳۹، ۱۹۴۱، ۱۹۴۳، ۱۹۴۵، ۱۹۴۷، ۱۹۴۹، ۱۹۵۱، ۱۹۵۳، ۱۹۵۵، ۱۹۵۷، ۱۹۵۹، ۱۹۶۱، ۱۹۶۳، ۱۹۶۵، ۱۹۶۷، ۱۹۶۹، ۱۹۷۱، ۱۹۷۳، ۱۹۷۵، ۱۹۷۷، ۱۹۷۹، ۱۹۸۱، ۱۹۸۳، ۱۹۸۵، ۱۹۸۷، ۱۹۸۹، ۱۹۹۱، ۱۹۹۳، ۱۹۹۵، ۱۹۹۷، ۱۹۹۹، ۲۰۰۱، ۲۰۰۳، ۲۰۰۵، ۲۰۰۷، ۲۰۰۹، ۲۰۱۱، ۲۰۱۳، ۲۰۱۵، ۲۰۱۷، ۲۰۱۹، ۲۰۲۱، ۲۰۲۳، ۲۰۲۵، ۲۰۲۷، ۲۰۲۹، ۲۰۳۱، ۲۰۳۳، ۲۰۳۵، ۲۰۳۷، ۲۰۳۹، ۲۰۴۱، ۲۰۴۳، ۲۰۴۵، ۲۰۴۷، ۲۰۴۹، ۲۰۵۱، ۲۰۵۳، ۲۰۵۵، ۲۰۵۷، ۲۰۵۹، ۲۰۶۱، ۲۰۶۳، ۲۰۶۵، ۲۰۶۷، ۲۰۶۹، ۲۰۷۱، ۲۰۷۳، ۲۰۷۵، ۲۰۷۷، ۲۰۷۹، ۲۰۸۱، ۲۰۸۳، ۲۰۸۵، ۲۰۸۷، ۲۰۸۹، ۲۰۹۱، ۲۰۹۳، ۲۰۹۵، ۲۰۹۷، ۲۰۹۹، ۲۱۰۱، ۲۱۰۳، ۲۱۰۵، ۲۱۰۷، ۲۱۰۹، ۲۱۱۱، ۲۱۱۳، ۲۱۱۵، ۲۱۱۷، ۲۱۱۹، ۲۱۲۱، ۲۱۲۳، ۲۱۲۵، ۲۱۲۷، ۲۱۲۹، ۲۱۳۱، ۲۱۳۳، ۲۱۳۵، ۲۱۳۷، ۲۱۳۹، ۲۱۴۱، ۲۱۴۳، ۲۱۴۵، ۲۱۴۷، ۲۱۴۹، ۲۱۵۱، ۲۱۵۳، ۲۱۵۵، ۲۱۵۷، ۲۱۵۹، ۲۱۶۱، ۲۱۶۳، ۲۱۶۵، ۲۱۶۷، ۲۱۶۹، ۲۱۷۱، ۲۱۷۳، ۲۱۷۵، ۲۱۷۷، ۲۱۷۹، ۲۱۸۱، ۲۱۸۳، ۲۱۸۵، ۲۱۸۷، ۲۱۸۹، ۲۱۹۱، ۲۱۹۳، ۲۱۹۵، ۲۱۹۷، ۲۱۹۹، ۲۲۰۱، ۲۲۰۳، ۲۲۰۵، ۲۲۰۷، ۲۲۰۹، ۲۲۱۱، ۲۲۱۳، ۲۲۱۵، ۲۲۱۷، ۲۲۱۹، ۲۲۲۱، ۲۲۲۳، ۲۲۲۵، ۲۲۲۷، ۲۲۲۹، ۲۲۳۱، ۲۲۳۳، ۲۲۳۵، ۲۲۳۷، ۲۲۳۹، ۲۲۴۱، ۲۲۴۳، ۲۲۴۵، ۲۲۴۷، ۲۲۴۹، ۲۲۵۱، ۲۲۵۳، ۲۲۵۵، ۲۲۵۷، ۲۲۵۹، ۲۲۶۱، ۲۲۶۳، ۲۲۶۵، ۲۲۶۷، ۲۲۶۹، ۲۲۷۱، ۲۲۷۳، ۲۲۷۵، ۲۲۷۷، ۲۲۷۹، ۲۲۸۱، ۲۲۸۳، ۲۲۸۵، ۲۲۸۷، ۲۲۸۹، ۲۲۹۱، ۲۲۹۳، ۲۲۹۵، ۲۲۹۷، ۲۲۹۹، ۲۳۰۱، ۲۳۰۳، ۲۳۰۵، ۲۳۰۷، ۲۳۰۹، ۲۳۱۱، ۲۳۱۳، ۲۳۱۵، ۲۳۱۷، ۲۳۱۹، ۲۳۲۱، ۲۳۲۳، ۲۳۲۵، ۲۳۲۷، ۲۳۲۹، ۲۳۳۱، ۲۳۳۳، ۲۳۳۵، ۲۳۳۷، ۲۳۳۹، ۲۳۴۱، ۲۳۴۳، ۲۳۴۵، ۲۳۴۷، ۲۳۴۹، ۲۳۵۱، ۲۳۵۳، ۲۳۵۵، ۲۳۵۷، ۲۳۵۹، ۲۳۶۱، ۲۳۶۳، ۲۳۶۵، ۲۳۶۷، ۲۳۶۹، ۲۳۷۱، ۲۳۷۳، ۲۳۷۵، ۲۳۷۷، ۲۳۷۹، ۲۳۸۱، ۲۳۸۳، ۲۳۸۵، ۲۳۸۷، ۲۳۸۹، ۲۳۹۱، ۲۳۹۳، ۲۳۹۵، ۲۳۹۷، ۲۳۹۹، ۲۴۰۱، ۲۴۰۳، ۲۴۰۵، ۲۴۰۷، ۲۴۰۹، ۲۴۱۱، ۲۴۱۳، ۲۴۱۵، ۲۴۱۷، ۲۴۱۹، ۲۴۲۱، ۲۴۲۳، ۲۴۲۵، ۲۴۲۷، ۲۴۲۹، ۲۴۳۱، ۲۴۳۳، ۲۴۳۵، ۲۴۳۷، ۲۴۳۹، ۲۴۴۱، ۲۴

چیزوں سے نگاہ نیچی رکھنا واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ”قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ، وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ“^(۱) (آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں، اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”نظر“ اور ”عورة“۔

بحث کے مقامات:

۶- نگاہ کے احکام متعدد مقامات پر ہیں، چند یہ ہیں: نگاہ پر جنائیت، اس سلسلہ میں ویت، گواہ کے بیٹا ہونے کی شرط، نابینا کی شہادت، اس کا تخم اور ادائیگی، منصب قضا پر فائز ہونے والے کے لئے بیٹا ہونا اور ہمیشہ بیٹا رہنا، جو قاضی نابینا ہو جائے اس کے حکم کا نفاذ، نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونا، نماز کے باہر دعائیں آسمان کی طرف دیکھنا، پیغام نکاح جسے دینے کا ارادہ ہوا سے دیکھنے کا جواز اور حرام چیزوں سے نگاہ نیچی رکھنا۔

فقہاء نگاہ کے احکام کی تفصیل ”جنایات، دیات، شہادت، قضا، نماز اور نکاح“ کے مباحث میں اس طرز پر کرتے ہیں جو اجمالی حکم اور اس کے مقامات میں مذکور ہوا۔

لتحفظن أبصارهم“^(۱) (ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو اپنی نمازوں میں آسمان کی جانب اپنی نگاہیں اٹھاتے ہیں، پھر آپ ﷺ کا یہ جملہ اس قدر سخت ہو گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یا تو وہ اس سے بالکل باز آجائیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی)۔

مالکیہ فرماتے ہیں: آسمان کی جانب نگاہ اٹھانا اگر آسمان کی نشانیوں سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو تو مکروہ نہیں ہے^(۲)۔

نماز میں بلا ضرورت آنکھیں موندنا بھی مکروہ ہے، اس بابت کسی اختلاف کا علم نہیں ہے۔

نماز کے باہر دعائیں آسمان کی جانب نگاہ اٹھانے کا حکم: ۴- شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ نماز کے باہر دعائیں آسمان کی جانب نگاہ اٹھانا اولیٰ ہے، شافعیہ میں سے امام غزالی فرماتے ہیں: دعا کرنے والا اپنی نگاہ آسمان کی طرف نہیں اٹھائے گا^(۳)۔

ایسی چیز سے نگاہ نیچی کرنا جو حرام ہے:

۵- اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں ان سے نیچی رکھیں جو ان پر حرام ہیں، سوائے ان حصوں کے جن کا دیکھنا ان کے لئے مباح ہے، پس اگر اتفاقی طور پر بغیر ارادے کے کسی ایسی چیز پر نگاہ پڑ جائے جس کا دیکھنا حرام ہے تو اس سے تیزی کے ساتھ اپنی نظر پھیر لینی چاہئے، اس لئے کہ نگاہ ہی دل کا پہلا دروازہ اور رہنما ہے، تمام محرمات اور فتنہ کا اندیشہ رکھنے والی

(۱) حدیث: ”مما بال ألوام.....“ کی روایت بخاری (التح ۲۳۳/۲ طبع

استقبر) نے کی ہے۔

(۲) الدسوقی ۱/۲۵۴۔

(۳) نہایہ الحجاج ۱/۸۰، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱

بضاعت

دیکھئے: ”ابضاع“۔

بُضْع

دیکھئے: ”فرج“۔

بطالة

تعریف:

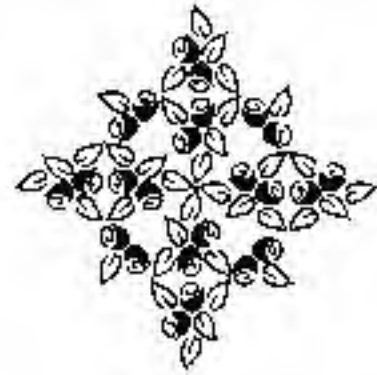
۱- بطالة لغت میں بے روزگاری کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ”بطل العامل، أو الأجير عن العمل“ یعنی کارکن یا مزدور بے روزگار ہو گیا، ایسے شخص کو ”بطل“ یعنی بے روزگار کہا جاتا ہے جس کی ”بطالة“ بے روزگاری (باء پر زید کے ساتھ) واضح ہو، اور تعلقات کے بعض شارحین نے (باء پر زیر بھی) نقل کیا ہے اور اسے ہی زیادہ فصیح بتایا ہے، اور کہا جاتا ہے: ”بطل الأجير عن العمل، يبطل بطالة و بطالة“ یعنی مزدور بے روزگار رہا، اور ایسا شخص ”بطل“ کہا جاتا ہے^(۱)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

اس کا شرعی حکم:

۲- بے روزگاری کا حکم مختلف احوال کے مطابق علاحدہ علاحدہ ہے، مثلاً:

کام کی قدرت نیز اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کی غذا کے لئے آمدنی کی ضرورت کے باوجود بے روزگاری، خواہ یہ عبادت کے لئے فراغت کی خاطر ہو، حرام ہوگی، حدیث میں ہے: ”إن الله يكره



(۱) المعجم الباسم، لسان العرب، مفردات الراغب الاصفهانی، مادة ”بطل“۔

الرجل البطل“^(۱) (بے شک اللہ بے روزگار آدمی کو ناپسند کرتا ہے)، اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ: ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ“^(۲) (بے شک اللہ پیشہ ور مومن بندہ کو محبوب رکھتا ہے)، اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ”إِنِّي لَأُمَقِّتُ الرَّجُلَ فَارِغًا لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنْ عَمَلٍ دُنْيَا وَلَا آخِرَةٍ“^(۳) (میں ایسے بے کار شخص سے نفرت کرتا ہوں جو دنیا یا آخرت کے کسی کام میں نہ ہو)، شعب بن یثربیؓ میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ سے پوچھا گیا: دنیا میں سب سے بری چیز کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: البطالة (بے روزگاری)۔

آمدنی کی عدم ضرورت کے باوجود سستی ولا پر وائی کی وجہ سے بے روزگاری اختیار کرنا بھی مکروہ ہے، اور بے روزگار کے لئے باعث عیب ہے، کسی عذر مثلاً پیرانہ سالی اور کسی آفت کے سبب عدم استطاعت کی وجہ سے اگر بے روزگاری ہو تو اس میں نہ گناہ ہے اور نہ کراہت، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“^(۴) (اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کی بساط کے مطابق)۔

(۱) حدیث: ”إِنَّ اللَّهَ يَكْرَهُ الرَّجُلَ الْبَطَالَ“ کے بارے میں زرکشی نے کہا: مجھے نہیں ملی، اسی کے مثل لڑائی میں ہے (كشف الغم للعلانی ۱/ ۲۹۱ طبع مؤسسۃ الرمالہ)۔

(۲) حدیث: ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ“ کوئی ٹہمی نے الجمع میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں اس کو روایت کیا ہے اس میں حاتم بن عبد اللہ راوی ضعیف ہے (مجمع الرواۃ ۳/ ۶۲ طبع القدسی)۔

(۳) حضرت ابن مسعودؓ کے اثر ”إِنِّي لَأُمَقِّتُ الرَّجُلَ فَارِغًا...“ کو ٹہمی نے الجمع میں درج کیا ہے اور کہا کہ طبرانی نے الکبیر میں اس کو روایت کیا ہے اس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا ہے بقید راوی ثقہ ہیں“ (مجمع الرواۃ ۳/ ۶۳ طبع القدسی)۔

(۴) سورہ بقرہ ۲۸۶۔

توکل بے روزگاری کا داعی نہیں:

۳- توکل بے روزگاری کی دعوت نہیں دیتا، توکل تو ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ اسباب اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

مروی ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول: کیا میں اپنی اونٹنی چھوڑ دوں اور توکل کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اعقلها وتوکل“^(۱) (اس کو باندھ لو اور توکل کرو)، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ“^(۲) (بے شک اللہ روزگار کرنے والے مومن سے محبت کرتا ہے)۔

حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو پوچھا: تم لوگ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم لوگ توکل کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: نہیں بلکہ تم لوگ توکل سے عاری ہو، توکل کرنے والا تو وہ ہے جو زمین میں اپنا دانہ ڈال دے پھر اپنے رب پر بھروسہ کرے، لہذا طلب معاش اور تدبیر الہی کے مطابق اسباب اختیار کرنا ترک توکل نہیں ہے، توکل تو دل سے ہوتا ہے، اور ترک توکل یہ ہے کہ انسان اللہ سے غافل ہو کر اسباب ہی پر پورا تکیہ کر لے اور مسبب الاسباب کو بھول بیٹھے، حضرت عمرؓ جب کسی خاص علامت والے شخص کو دیکھتے تو پوچھتے: کیا اس کا کوئی پیشہ ہے؟ اگر کہا جاتا: نہیں، تو وہ ان کی نگاہ سے گر جاتا^(۳)۔

(۱) حدیث: ”اعقلها وتوکل“ کی روایت ترمذی (۶۶۸/۳ طبع الحلبي) نے حضرت انسؓ سے کی ہے اور ابن حبان (سوارد الاطمان ۱/ ۶۳۳ طبع الشافعی) نے حضرت عمرو بن امیہ سے کی ہے عراقی نے کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے (فیض القدیر ۲/ ۸۷ طبع المکتبۃ التجاریہ)۔

(۲) اس حدیث کی تخریج کذا رکلی ہے (دیکھئے فقرہ نمبر ۲)۔

(۳) فیض القدیر ۲/ ۲۹۰-۲۹۱، رقم: ۱۸۷۳، محترف وہ شخص ہے جو صنعت، تجارت اور زراعت وغیرہ کے ذریعہ طلب معاش کے لئے کوشش کرے یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

عبادت بے روزگاری کے لئے وجہ جواز نہیں:

۴- فقہاء کی رائے ہے کہ عبادت بے روزگاری کے لئے وجہ جواز نہیں، اور اسلام عبادت کے لئے فراغت کے مقصد سے بے روزگاری کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ اس میں دنیا کو بے کار چھوڑنا ہے، حالانکہ اس میں سعی و جہد کا اللہ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ“ (۱) (سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ (پو))، اور ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ“ (اے ایمان والو جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف، اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو)، اور اس کے بعد فرمایا: ”فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ“ (۲) (پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو)۔

اور مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گذر ایک شخص کے پاس سے ہوا، صحابہ کرام نے اس کے متعلق آپ ﷺ سے ذکر کیا کہ وہ راتوں کو نماز پڑھتا ہے، اور دن میں روزے رکھتا ہے، اور پوری طرح عبادت کے لئے یکسو ہے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ کون اس کی کفالت کرتا ہے؟ صحابہ نے کہا کہ ہم سب، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کلکم أفضل منه“ (۳) (تم میں سے ہر ایک اس سے بہتر ہے)۔

(۱) سورہ لک ۱۵۱۔

(۲) سورہ جمعہ ۱۰۹۔

(۳) حدیث: ”کلکم أفضل منه.....“ کی روایت ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۲۶/۱) طبع مطبعہ دارالکتب المصریہ میں حضرت مسلم بن یسار سے کی ہے اور ان کے ارسال کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔

بے روزگار کے نفقہ کے مطالبہ پر بے روزگاری کا اثر:

۵- فقہاء کا اتفاق ہے کہ کمانے کی صلاحیت کے باوجود بے روزگار رہنے والے بیٹے کا نفقہ اس کے باپ پر واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وجوب نفقہ کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ کمانے سے عاجز ہو، اور کمانے سے عاجز وہ شخص کہلائے گا جس کے لئے جائز مروجہ وسائل کے ذریعہ اپنی معیشت کا حصول ناممکن ہو، اور قدرت رکھنے والا شخص اپنی قدرت کی وجہ سے بے نیاز ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ کمانے اور اپنی ذات پر خرچ کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اور ایسی مجبوری کی حالت میں نہیں ہوتا جس میں بلاکت و ریش ہو (۱)۔

زکاۃ کا مستحق ہونے میں بے روزگاری کا اثر:

۶- کمانے کی قدرت رکھنے والا شخص کام کا مکلف ہوتا ہے تاکہ اپنی ضروریات خود پوری کر سکے اگر کوئی شخص اپنی ذاتی کمزوری کی وجہ سے کمانے سے عاجز ہو مثلاً بچہ ہو، عورت یا کم عقل یا بوڑھا یا مریض ہو، اور اس کے پاس موروٹی مال بھی نہ ہو جس سے اس کی ضرورت پوری ہو سکے تو ایسا شخص اپنے خوش حال اقارب کے زیر کفالت رہے گا، اور اگر اس کی ضرورت کے بقدر کفالت کرنے والا کوئی شخص نہ ہو تو اس کے لئے زکاۃ لیما جائز ہوگا، اللہ کے دین میں اس کے لئے کوئی تنگی نہیں ہے (۲)۔

اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”زکاۃ“۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۶/۲۰۷ اور اس کے بعد کے صفحات، طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/۵۱۸، ۵۲۳ طبع عیسیٰ الخلیص مصر، نہایت المحتاج ۷/۲۰۹، ۲۰۱ طبع مکتبہ الاسلامیہ، کشاف القناع ۵/۳۸۱، ۳۷۶ طبع مکتبہ انصر الحدیث۔

(۲) البدائع ۲/۳۸، الخرش ۲/۲۱۵، المجموع ۶/۱۹۲، المغنی ۲/۵۲۵، و سوال الابی ہبیدر ص ۵۵۶۔

روزگار نہ ہونے کی وجہ سے حکومت اور معاشرہ کی جانب سے بے روزگاروں کی کنالت:

۷۔ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ان غریب مسلمانوں کی کنالت حکومت کی ذمہ داری ہے جو بے کس، لاوارث، یا قیدی ہوں، اور نہ تو ان کے پاس اپنے اوپر خرچ کرنے کے لئے کچھ ہے، اور نہ اقارب ہیں جن پر ان کے نفقہ کا بار آسکے تو ان کے خرچ، کپڑے، دو اعلیٰ کی فیس اور میت کی تجہیز و تکفین وغیرہ کی فراہمی بیت المال سے کی جائے گی^(۱)، تفصیل کے لئے دیکھئے: ”بیت المال“ کی اصطلاح۔

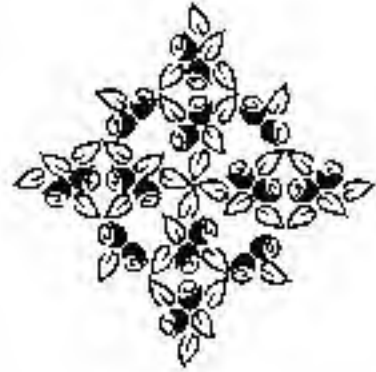
بطانۃ

تعریف:

۱۔ بطانۃ: ”بطانۃ الثوب“، وہ کپڑا جسے اندر سے حفاظت کے لئے لگایا جائے (ستر)، یہ لفظ ”ظہارۃ“ (دوہہ کپڑے کے اوپر کا حصہ) کے برعکس ہے۔ ”بطانۃ الرجل“: کسی شخص کے حاشیہ نشیں یا قریبی لوگ، ”أبطن الرجل“ کا مطلب ہے تم نے اسے اپنے خواص میں بنالیا، حدیث شریف میں ہے: ”ما بعث اللہ من نبی ولا استخلف من خلیفۃ إلا كانت له بطانتان: بطانۃ تأمرہ بالمعروف وتحضہ علیہ، وبطانۃ تأمرہ بالشر وتحضہ علیہ، فالمعصوم من عصمہ اللہ تعالیٰ“^(۱) (اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا اور جس کو خلیفہ بنایا اس کے دو ”بطانۃ“ (رازدار) رہے ہیں، ایک اسے معروف کا حکم دیتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے، اور دوسرا اسے برائی کا حکم دیتا اور اس کی ترغیب دیتا ہے تو جس کو اللہ تعالیٰ بچائے وہی محفوظ رہ سکتا ہے)۔

یہ مصدر ہے جو واحد اور جمع دونوں میں مستعمل ہے۔

بطانۃ اصطلاح میں انسان کے ان خواص مقررین کو کہا جاتا ہے جنہیں وہ اپنا راز دار بناتا ہے^(۲)۔



(۱) حدیث: ”ما بعث اللہ من نبی.....“ کی روایت بخاری (فتح ۱۸۹/۱۳)

طبع المستفید نے کی ہے۔

(۲) ترتیب القاسوس: مادہ ”بطن“۔

(۱) قلیوبی ۲/۲۹۲، ۲۵۳، ۲۱۱، ۲۱۲، المقنع ۲/۳۰۳، کشاف القناع

متعلقہ الفاظ:

الف- حاشیہ:

۲- حاشیہ: یہ لفظ ”حاشی اشوب“ (کپڑے کے کنارے) کا واحد ہے، چھوٹے اونٹ کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے، نیز کتاب کے صفحات کے کنارے لکھی جانے والی تحریر کو بھی حاشیہ کہا جاتا ہے۔
اصطلاح میں حاشیہ انسان کے وہ افراد خانہ کہلاتے ہیں جو اس کے اصول اور فروع کے علاوہ ہوں جیسے بھائی اور چچا^(۱)۔

ب- اہل شوریٰ:

۳- شوریٰ: ”تشاور“ کا اسم مصدر ہے، اور ”اہل شوریٰ“ وہ اہل الرائے ہیں جو مشورہ طلبی پر مشورہ دیتے ہیں، یہ کبھی خواص میں سے ہوتے ہیں یا ان کے علاوہ اہل الرائے میں سے بھی ہوتے ہیں^(۲)۔

بطانہ سے متعلق احکام:

اول: بطانہ بمعنی انسان کے خواص:

صالح خواص کا انتخاب:

۴- شوریٰ چونکہ شریعت کے اصولوں اور اسلامی حکومت کے لوازم میں سے ہے اور عام رواج یہی ہے کہ انسان اپنے خواص پر بھروسہ کرتا ہے، اس لئے مسلم سربراہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے صالح خواص کا انتخاب کریں جو اصحاب امانت تقویٰ اور اللہ کی خشیت رکھنے والے ہوں۔

ابن خویزمند فرماتے ہیں: سربراہوں پر ضروری ہے کہ وہ علماء سے ان دینی امور میں مشورہ کریں جن سے وہ ناواقف ہوں اور جن میں انہیں مشکلات پیش آئیں، جنگی امور میں سربراہان فوج سے

(۱) اصطلاح۔

(۲) المقرطی ۳/۲۲۹۔

مشورہ کریں، مفاد عامہ سے متعلق امور میں معززین عوام سے مشورہ کریں، اور ملکی مصالح و باز آباد کاری سے متعلق امور میں وزراء و عمال اور منتظمین سے مشورہ کریں^(۱)۔

ماوردی کی ”الاحکام السلطانیہ“ میں فرانس امام کے تذکرہ کے ضمن میں آیا ہے کہ لائق امانت داروں کا انتخاب کیا جائے، اور جو کام ان کے سپرد کئے جائیں اور جو اموال ان کے حوالہ کئے جائیں ان میں خیر خواہوں کو ذمہ دار بنایا جائے، تاکہ لیاقت کی وجہ سے کام عمدہ ہو اور اصحاب امانت کے پاس اموال محفوظ ہوں^(۲)۔

صحیح حدیث میں ہے: ”إذا أراد الله بالأمر خيراً جعل له وزيراً صديقاً، إن نسي ذكره، وإن ذكر أعانه، وإن أراد غير ذلك جعل له وزيراً سوءاً: إن نسي لم يذكره، وإن ذكر لم يعنه“^(۳) (اللہ تعالیٰ جب کسی سربراہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے مخلص وزیر مہیا فرما دیتا ہے کہ اگر وہ بھول جائے تو اسے یاد دلاتا ہے، اور اگر اسے یاد ہو تو اس کی معاونت کرتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے بدکردار وزیر مہیا فرما دیتا ہے، جو اسے بھولنے پر یاد نہیں دلاتا ہے، اور اگر یاد رہے تو معاونت نہیں کرتا ہے)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ما بعث الله من نبي ولا استخلف من خليفة إلا كانت له بطانتان: بطانة تأمره بالخير وتحضه عليه، وبطانة تأمره بالشر وتحضه عليه، فالمعصوم من عصمه“

(۱) تفسیر المقرطی ۳/۲۵۰، ۲۵۱۔

(۲) الاحکام السلطانیہ لماوردی ص ۱۲، ۱۳۔

(۳) حدیث: ”إذا أراد الله بالأمر خيراً.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۳۲۵) میں

طبع عزت ہمدان (۱) نے کی ہے اور نووی نے ریاض الصالحین میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے (ص ۳۱۷ طبع الرسالہ)۔

اللہ تعالیٰ“ (۱) (اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے یا کسی کو خلیفہ بناتا ہے تو اس کے دو خواص ہوتے ہیں، ایک اسے خیر کا حکم دیتا اور اس پر ابھارتا ہے، اور دوسرا اسے شر کا حکم دیتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے، محفوظ وہ ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہے)۔

غیر مومنین میں سے خواص کا انتخاب:

۵- علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے سربراہوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کفار و منافقین کو خواص بنائیں جنہیں وہ اپنے راز اور اپنے دشمنوں سے متعلق مخفی امور سے آگاہ کریں، اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں، کیونکہ اس سے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور ان کے امن و امان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے قرآن کریم نے مومنوں کو منع کیا ہے کہ وہ غیروں کو جو دین و عقیدہ میں ان کے مخالف ہیں، اپنا دوست بنائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُؤًا مَا عَنْتُمْ قَدْ بَدَلَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَقْوَاهُمْ وَمَا تُخْفِي صُلُوبُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ“ (۲)

(اے ایمان والو! اپنے سوا (کسی کو) گہرا دوست نہ بناؤ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی بات اٹھائیں رکھتے، اور تمہارے دکھ پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں، بغض تو ان کے منہ سے ظاہر ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے دل چھپائے ہوئے ہیں وہ اور بھی بڑھ کر ہے، ہم تو تمہارے لئے نشانیاں کھول کر ظاہر کر چکے ہیں، اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو)۔

اور ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا

عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ“ (۱) (اے ایمان والو! تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بنالیا کہ ان سے محبت کا اظہار کرنے لگو در آنحالیکہ تمہارے پاس جو (دین) حق آپکا ہے اس کے وہ منکر ہیں، رسول کو اور خود تم کو اس بنا پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے ہو، اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور میری رضا کی تلاش میں نکلے ہو تم ان سے چپکے چپکے محبت کرتے ہو، اور مجھے خوب علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کر کے کرتے ہو، اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹک گیا)۔

اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ مومنین کے علاوہ دوسروں کو خواص بنائیں جنہیں اپنے رازوں سے واقف کریں، اور مسلمانوں کے مخفی امور ان پر آشکارا کریں، ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ“ (۲)

(اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ)، اس معنی میں بہت ساری آیات ہیں، اور برے خواص کے سلسلہ میں حدیث پیچھے گذر چکی۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں: حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا گیا کہ اہل حیرہ سے تعلق رکھنے والا ایک لڑکا حافظ اور کاتب یہاں ہے،

(۱) سورہ ممتحنہ ۱۰۱۔

(۲) سورہ نساء ۱۳۳۔

(۱) حدیث کی تخریج (فقہ ہنسرا) میں گذر چکی ہے۔

(۲) سورہ آل عمران ۱۱۸۔

میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے، مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ تم سے جنگ نہیں کرتے لیکن مکر فریب میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں^(۱)۔
مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک ذمی کو کاتب بنایا تو حضرت عمرؓ نے انہیں تنبیہ کی اور یہی آیت پر بھی، حضرت عمرؓ سے یہ بھی قول مروی ہے کہ اہل کتاب کو عامل (کورز) نہ بناؤ، وہ رشورت کو حلال رکھتے ہیں، اپنے معاملات اور اپنی رعایا پر ایسے لوگوں کو مقرر کرو جو اللہ سے ڈرتے ہوں۔

دوم: کپڑے کا اندرونی حصہ:

ایسے کپڑے پر نماز جس کا اندرونی حصہ ناپاک ہو:

۶- مالکیہ، شافعیہ، ابو حنیفہ، حنابلہ اور محمد بن حسن کی رائے یہ ہے کہ ایسے کپڑے پر نماز درست ہے جس کا اوپری حصہ پاک اور اندرونی ناپاک ہو، کیونکہ ایسی صورت میں نمازی نہ تو ناپاک کپڑے کو اٹھائے ہوا ہے، نہ اسے پہنے ہوا ہے اور نہ نجاست اس کو لگی ہے، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایسے فرش پر نماز پڑھے جس کا ایک کنارہ ناپاک ہو یا وہ کپڑا کسی ناپاک کی پر بچھا ہوا ہو۔

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ایسے کپڑے پر نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ جگہ ایک ہے، اس لئے اس کے اندرونی اور ظاہری حصے کا حکم ایک ہوگا^(۲)۔

مرد کے لئے ایسے کپڑے پہننے کا حکم جن کا اندرونی حصہ ریتھی ہو:

۷- فقہاء کی رائے ہے کہ مرد پر ایسا کپڑا پہننا حرام ہے جس کا

اچھا ہونا کہ آپ اسے کاتب بنا لیتے؟ آپ نے فرمایا: تب تو میں مومنین کے علاوہ کورازدواں بنانے والا ہو جاؤں گا^(۱)، ابن کثیر کہتے ہیں: اس آیت کے ساتھ روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ذمہ سے کتابت (تحریر لکھنے) کا کام لیا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے مسلمانوں پر غلبہ پانے اور ان کے اہم رازوں سے باخبر ہو جانے کی راہ کھلتی ہے، جس سے اندیشہ ہے کہ وہ ان امور کا جنگی دشمنوں میں افشا کرویں^(۲)، سیوطی نے کیا ہر اسی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: آیت کریمہ ”لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ“ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ میں اہل ذمہ سے تعاون لیا جائز نہیں ہے^(۳)۔

اس آیت کی تفسیر میں قرطبی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ کفار کی جانب میلان سے منع فرمایا، اور اس سے متصلاً پہلے فرمایا گیا: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ“^(۴) (اے ایمان والو اگر تم ان لوگوں میں سے کسی گروہ کا کہا مان لو گے جنہیں کتاب دی جا چکی ہے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے پیچھے تمہیں کافر بنا چھوڑیں گے)، اس آیت میں مومنین کو منع کیا گیا کہ وہ کافروں اور خواہش پرستوں کو غل انداز اور مقرب بنائیں، ان سے رائے مشورہ کریں اور کام ان کے سپرد کریں، پھر اللہ نے وجہ بتائی جس کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا، فرمایا: ”لَا يَأْتِيَنَّكُمْ خَبَالٌ“ (وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھتے) یعنی وہ تمہیں بگاڑنے

(۱) حضرت عمر بن خطاب کے لڑکی روایت ابن ابی حاتم نے کی ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے (۱۰۱/۲-۱۰۲ طبع دارالاندلس)۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ۱/۳۱۳۔

(۳) لا طیل للسیوطی ص ۵۶۔

(۴) سورۃ آل عمران ۱۰۰۔

(۱) تفسیر القرطبی ۸/۷۸، ۷۹، ۸۰۔

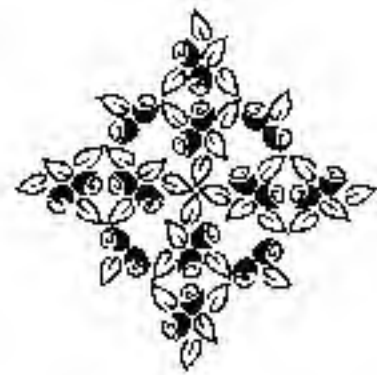
(۲) حاشیہ ابن عابدین ۱/۲۲۰-۲۲۱، مراۃ الفلاح بحاشیہ الطحاوی ۱/۱۲۹، مفتی المحتاج ۱/۱۹۰، المفتی لابن قدامہ ۲/۵۷، شرح المرکاتی ۱/۹۰۔

بطلان

اندرونی حصہ ریشم کا ہو، کیونکہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا تلبسوا الحریر، فإنه من لبسه فی الدنیا لم یلبسه فی الآخرة“^(۱) (ریشم مت پہنو، جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اسے نہیں پہنے گا)۔

کشاف القناع میں مردوں پر ریشم کی حرمت اور حدیث بالا سے استدلال کے بعد تحریر ہے کہ خواہ ریشم اندرونی حصہ میں ہو، اس لئے کہ حدیث میں ممانعت عام ہے، لیکن مالکیہ نے اندرونی حصہ کے ریشم کو اس وقت حرام قرار دیا ہے جب وہ زیادہ ہو جیسا کہ قاضی ابوالولید کی رائے ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے جیسا کہ حاشیہ ابن عابدین میں الفتاویٰ اہندیہ کے حوالہ سے منقول ہے، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اندرونی حصہ مقصود ہوتا ہے^(۲)۔ اور حنفیہ کے نزدیک جب لفظ کراہت مطلقاً بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل اصطلاح ”حریر“ میں دیکھی جائے۔



بطلان

تعریف:

۱۔ لغت میں بطلان کا معنی: ضیاع و نقصان یا حکم کا سقوط ہے، کہا جاتا ہے: ”بطل الشيء یبطل بطلا وبطلا“، یعنی ضائع و نقصان ہونا یا حکم کا ساقط ہونا، بطلان کا ایک معنی برباد ہونا بھی ہے^(۱)۔

اس کا اصطلاحی معنی عبادات اور معاملات میں علاحدہ علاحدہ ہے۔ عبادات کے باب میں بطلان کا معنی ہے کہ عبادت کا اعتبار نہ ہو، گویا اس کا وجود ہی نہ ہو جیسے کوئی شخص بغیر وضو نماز پڑھے^(۲)۔

معاملات کے باب میں بطلان کا مفہوم حنفیہ کے نزدیک دوسروں سے مختلف ہے، حنفیہ کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ معاملات اصل اور وصف دونوں اعتبار سے غیر مشروع طریقہ پر انجام پائیں، بطلان کے نتیجے میں تصرفات پر احکام مرتب نہیں ہوتے ہیں، اور وہ تصرفات ایسے اسباب نہیں بن پاتے جو ان پر مرتب ہونے والے احکام کے لئے مفید ہوں، چنانچہ معاملہ کے بطلان سے دنیاوی مقصود صریحاً حاصل نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ معاملہ کے نتائج اس پر مرتب نہیں ہوتے^(۳)۔

(۱) لسان العرب، المصباح المہیر: مادہ ”بطل“، الخلو ج علی الخوضج ۱/ ۲۱۵۔

(۲) جمع الجوامع ۱/ ۱۰۵، دستور العلماء ۱/ ۲۵۱، کشف و اسرار ۱/ ۲۵۸۔

(۳) کشف و اسرار ۱/ ۲۵۸-۲۵۹، المستمسک للفرغانی ۲/ ۲۵۲، آسنوی علی المہیساوی ۱/ ۵۸، البدعشی ۱/ ۵۷، الخلو ج علی الخوضج ۲/ ۱۲۳، کشاف اصطلاحات الفنون ۱/ ۱۳۸، درر الحکام ۲/ کتاب اول ص ۳۳ مادہ ۱۱۰، حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۹۷، منہج الجلیل ۲/ ۵۵۰، جمع الجوامع ۱/ ۱۰۵۔

(۱) حدیث: ”لا تلبسوا الحریر.....“ کی روایت بخاری (فتح ۱۰/ ۲۸۳ طبع استنباطی) اور مسلم (۳/ ۱۶۲ طبع الحنفی) نے کی ہے۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۲۲۲، الخطاب ۱/ ۵۰۵، المجموع ۳/ ۳۸، کشاف القناع ۱/ ۲۸۱۔

بطان ۲-۵

ب- صحت:

۳- صحت لغت میں سامتی کو کہتے ہیں، صحیح مریض کی ضد ہے۔
اصطلاح میں صحت کا مفہوم یہ ہے کہ فعل شریعت کے موافق واقع ہو، اس طور پر کہ تمام ارکان و شرائط پائی جائیں۔

معاملات میں اس کا اثر یہ ہے کہ تصرف پر اس کا مطلوبہ نتیجہ مرتب ہو، جیسے خرید و فروخت میں سامان سے استفادہ حلال ہو جائے اور نکاح میں لطف اندوزی درست ہو جائے۔
عبادات میں اس کا اثر یہ ہے کہ عبادت کے عمل سے قضا ساقط ہو جائے^(۱)۔

ج- انعقاد:

۴- انعقاد حنفیہ کے نزدیک صحت اور فساد دونوں کو شامل ہوتا ہے، یہ تصرف کے اجزاء کا شرعاً باہم مربوط ہونا ہے، یا یہ ایجاب اور قبول میں سے ہر ایک کا دوسرے سے شرعی طریقہ پر متعلق ہونے کا نام ہے کہ جس کا اثر ان دونوں کے تعلقات میں ظاہر ہو۔
پس عقد فاسد اپنی اصل سے منعقد اور اپنے وصف سے فاسد ہوتا ہے، یہ مفہوم حنفیہ کے نزدیک ہے، اور اس طرح انعقاد بطان کی ضد ہے^(۲)۔

دنیا میں تصرف کے بطان اور آخرت میں اس کے اثر کے بطان کے درمیان تلازم کا نہ ہونا:

۵- احکام دنیا میں کسی تصرف کی صحت یا بطان اور آخرت میں اس

(۱) الخلو ج علی التوضیح ۱/ ۳۱۹، ۳۲۳، کشف الاسترار ۱/ ۲۵۹، ۲۷۰،
۲۷۱، ابن عابدین ۲/ ۹۷، ۲۷۳، شرح الجملہ لآلہ ناسی رص ۷۳،
الذخیرہ رص ۶۲، اعلام المؤمنین ۳/ ۱۱۰، ۱۱۱۔
(۲) الخلو ج علی التوضیح ۲/ ۱۲۳، درر الحکام ۱/ ۹۲، مادہ ۱۰۳، فتح القدیر ۵/

غیر حنفیہ کے نزدیک بطان کی تعریف وہی ہے جو فساد کی ہے،
یعنی معاملہ اس طور پر انجام پائے کہ وہ اصل یا وصف یا دونوں اعتبار
سے غیر مشروع ہو۔

متعلقہ الفاظ:

الف- فساد:

۲- جمہور (یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک فساد بطان
کے مرادف ہے، لہذا فاسد اور باطل ہر دو کا اطلاق ایسے فعل پر ہوگا
جس کا قیوع شریعت کے مخالف ہو، ایسے فعل پر اثرات مرتب نہیں
ہوتے اور عبادات میں قضا ساقط نہیں ہوتی۔

یہ حکم مجموعی طور پر ہے ورنہ بعض ابواب فقہ جیسے حج، عاریت،
کتابت اور خلع^(۱) میں بطان و فساد کے درمیان فرق بھی پایا جاتا
ہے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

حنفیہ کے نزدیک معاملات کے باب میں فساد اور بطان کے
مفہوم میں باہم فرق ہے، چنانچہ بطان کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی فعل
اپنے ارکان میں سے کسی رکن یا شرائط انعقاد میں سے کسی شرط میں
خلل کی وجہ سے شریعت کے مخالف ہو۔

اور فساد کا مفہوم یہ ہے کہ فعل اپنی صحت کی شرائط میں سے کسی شرط
میں شریعت کے مخالف ہو خواہ وہ اپنے ارکان اور شرائط انعقاد میں
شرع کے موافق ہو^(۲)۔

(۱) جمع الجوامع ۱/ ۱۰۵، البحر فی القواعد للدرکشی ۳/ ۷، الاشباہ والنسیب علی رص
۳۱۲، القواعد والفوائد الاصولیہ رص ۱۱۰۔

(۲) الخلو ج علی التوضیح ۲/ ۱۳۲، درر الحکام ۱/ ۹۳، مادہ ۱۰۸، الاحکام لکامدی
۱/ ۶۷-۶۸، کشف الاسترار ۱/ ۲۵۸، البدیشی ۱/ ۵۷-۵۸، جمع الجوامع
۱/ ۱۰۱، ۱۰۰۔

بطان ۶

کے اثر کے بطان کے درمیان لازم نہیں ہے، کوئی معاملہ اپنے شرعاً مطلوبہ ارکان و شرائط کے پوری طرح پائے جانے کی وجہ سے دنیا میں صحیح قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ غلط مقاصد اور نیت کی وابستگی آخرت میں اس کے ثمرات کو باطل بنا سکتی ہے، اور اس پر ثواب ملنے کے بجائے گناہ لازم آئے گا، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مبارک ہے: ”إنما الأعمال بالنیات وإنما لكل امرئ ما نوى فمن كانت هجرته إلى دنیا یصیبها أو إلى امرأۃ ینکحها فہجرته إلى ما ہاجر الیہ“ (۱) (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا، پس جس شخص نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے)، اور کبھی عمل درست ہوتا ہے اور عمل کرنے والا ثواب کا مستحق بھی، لیکن اس کے ساتھ کوئی ایسا فعل بھی وہ کر بیٹھتا ہے جو اس ثواب کو باطل کر دیتا ہے، چنانچہ احسان جتنا اور ایذا رسانی صدقہ کے اجر کو باطل کر دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى“ (۲) (اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کر دو)، اور ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ“ (۳) (اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو

رسول کی اور اپنے اعمال کو رائیگاں مت کرو)۔

۶ - علامہ شاطہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں (۱):
بطان سے دو مفہوم مراد لئے جاتے ہیں:

اول: دنیا میں عمل کے آثار و نتائج اس پر مرتب نہ ہوں، جیسا کہ ہم عبادات کے باب میں کہتے ہیں: یہ (عبادت) کافی نہیں ہے، نہ ذمہ کو بری کرنے والی ہے، اور نہ قضا سا قضا کرنے والی ہے، چنانچہ یہ باطل اس معنی میں ہے کہ یہ عبادت شریعت کے مقصود کے مخالف ہے، کبھی عبادت اس وجہ سے باطل ہوتی ہے کہ اس کے ارکان اور شرائط میں سے کسی میں کوئی خلل واقع ہوا ہو جیسے ایک رکعت یا ایک سجدہ کم ہو گیا ہو۔

عادات کے باب میں بھی ہم کہتے ہیں: یہ باطل ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے فوائد کا حصول شرعاً نہیں ہوتا، جیسے ملکیت کا حصول، شرمگاہ کی اباحت (نکاح میں ازدواجی تعلق کا جواز) اور مطلوب (سامان) سے انتفاع۔

دوم: بطان سے یہ مراد کہ آخرت میں عمل کے آثار اس پر مرتب نہ ہوں، یعنی ثواب (نہ ملے) پس عبادت کبھی پہلے مفہوم کے مطابق باطل ہوتی ہے تو اس پر جزا مرتب نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ اپنے مقتضائے امر کے مطابق نہیں ہے، جیسے لوگوں کے دکھاوے کے لئے عبادت کرنے والا، ایسی عبادت کافی نہیں ہوتی (۲)، اور اس پر ثواب نہیں ملے گا، اور کبھی عبادت پہلے مفہوم کی رو سے درست ہوتی ہے

= ۲۵۶ طبع دار الحیاء التراث، حاشیہ ابن ماجہ بن ۳۷، مشکوٰۃ فی القواعد ۳۰۳/۲

(۱) حدیث: ”إنما الأعمال بالنیات.....“ کی روایت بخاری (فتح ۹/۱ طبع الشریعہ) اور مسلم (۳/۱۵۱ طبع المجلد) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۶۳۔

(۳) سورہ محمد ۳۳۔

(۱) الموافقات للشاطہی ۲/۹۲، الفتح ۹/۱۔

(۲) دکھاوے والی عبادت کافی نہ ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے ابن ماجہ بن ۵/۲۷۳ میں ہے کہ جس نے دکھاوے اور شہرت کے لئے نماز پڑھی اس کی نماز شرائط و ارکان پائے جانے کی وجہ سے دنیاوی حکم میں درست ہوگی، لیکن وہ ثواب کا مستحق نہیں ہوگا، فقیر ابوالیث نے نوازل میں کہہ ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یا فرافض میں سے کسی شی میں داخل نہیں ہوتی، اور یہی صحیح مسلک ہے۔

بطان ۷-۸

لیکن اس پر بھی ثواب نہیں ہوتا جیسے صدقہ کرنے والا ایسا شخص جو صدقہ کے بعد احسان بھی بتائے اور ایذا پہنچائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ" (۱) (اے ایمان والو! اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو)۔

جان بوجھ کر یا لاعلمی میں باطل تصرف پر اقدام کا حکم:

۷۔ کسی باطل عمل کا اقدام اس کے بطان کا علم ہوتے ہوئے حرام ہے، اور ایسا کرنے والا گنہگار ہے کہ مشروع کی مخالفت کے ذریعہ وہ معصیت کا ارتکاب کرتا ہے، اس لئے کہ بطان ایسے فعل کا وصف ہے جو شریعت کے مخالف واقع ہو، خواہ ایسا عمل عبادات کے باب میں پیش آئے جیسے بغیر طہارت کے نماز، ماہ رمضان میں دن کے وقت کھانا، یا معاملات کے اندر یہ صورت واقع ہو جیسے مردار، خون، جنین اور جانور کے جنین کی خرید و فروخت، اور جیسے نوحہ خوانی کے لئے کرایہ کا معاملہ، اور جیسے مسلمان کے پاس شراب، رہن رکھنا خواہ وہ کسی ذمی کی ہو، اور اس جیسے معاملات، یا نکاح کے باب میں ایسا کیا جائے جیسے ماں اور بیٹی سے نکاح۔

یہ حکم حنفیہ کے نزدیک فاسد کو بھی شامل ہے، کیونکہ فاسد معاملہ اگرچہ بعض احکام کے لئے مفید بنتا ہے جیسے مثلاً بیع فاسد کے اندر قبضہ سے ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، لیکن ایسے عمل کا اقدام حرام ہے، اور حق اللہ کی رعایت اور فساد کے ازالہ کے لئے اس معاملہ کو فسخ کرنا واجب ہے، اس لئے کہ ایسا فعل معصیت ہے، پس ایسے عقد کرنے والے شخص پر ضروری ہے کہ اس کو فسخ کر کے اس عمل سے

توبہ کرے۔

تصرف باطل پر اقدام کے اس حکم سے ضرورت کے حالات مستثنیٰ ہیں، جیسے مضطر (بالکل مجبور شخص) کے لئے مردار کی خریداری (۱)۔ یہ احکام اس صورت میں ہیں جب باطل تصرف کا اقدام اس کے بطان کو جانتے ہوئے کیا جائے۔

۸۔ نہ جانتے ہوئے باطل تصرف کے اقدام میں ناواقفیت اور بھول کر اقدام دونوں شامل ہیں۔

ناواقف کے تعلق سے اصل حکم یہ ہے (۲) کہ کسی عمل کا اقدام اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس عمل کی بابت حکم الہی کا علم نہ ہو، پس بیع کرنے والے پر واجب ہے کہ بیع سے متعلق شریعت کے احکام کا علم حاصل کرے، اگر کوئی اجرت کا معاملہ کرتا ہے تو اس پر ضروری ہے کہ کرایہ داری سے متعلق احکام شریعت کو جانے، نماز پڑھنے کے لئے نماز کے احکام کا جاننا واجب ہے، یہی حکم ہر عمل میں اس کے انجام دینے والے کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَقِفْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" (۳) (اور اس چیز کے پیچھے مت ہولیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو)، لہذا کسی عمل کا آغاز جب تک کہ اس کا حکم نہ معلوم کر لیا جائے جائز نہ ہوگا، اس طرح ہر مسئلہ میں طلب علم واجب قرار پاتا ہے، اور سیکھنے سے گریز قائل گرفت

(۱) جمع الجوامع ۱/ ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، الخلو ج ۱ ص ۲۱۶، ۲۲۱، الموافقات ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴، ابن حابدین ۵/ ۵۹، بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۶، المستمسک للقوالی ۲/ ۲۵۵، ۲۵۶، کشف الاسترار ۱/ ۲۵۵، ۲۶۱، روح المعانی ۱۳/ ۱۱۳، مغنی المحتاج ۲/ ۳۰، نہایت المحتاج ۳/ ۲۹، البحر رقی القواعد للورکشی ۱/ ۵۲، ۵۳، ۵۵، الاشباہ والنسیب ۲/ ۳۱۲، المغنی ۵/ ۵۵۰، منشی الارادات ۲/ ۲۳۲، جوہر الاکلیل ۲/ ۵۸، ۵۹، الدرر السنی ۳/ ۵۲۔

(۲) الفروق للقوالی ۲/ ۲۸، ۲۹، مغنی ۳/ ۹۳، المغنی ۱/ ۱۳۳۔

(۳) سورۃ اسراء ۳۶۔

(۱) سورۃ بقرہ ۲۶۳۔

معصیت ہے۔

ماواقفیت کی صورت میں انجام پانے والے باطل تصرف پر مواخذہ کا جہاں تک تعلق ہے تو قرآنی نے الفرق میں ذکر کیا ہے کہ صاحب شریعت نے بعض ماواقفیتوں سے چشم پوشی کی ہے اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کو معاف کر دیا ہے، اور بعض دوسری ماواقفیتوں پر گرفت کی ہے اور ان کے ارتکاب کرنے والوں کو معاف نہیں کیا ہے^(۱)۔ اس کی تفصیل ”جہل“ اور ”نسیان“ کی اصطلاحات میں دیکھی جائے۔

باطل عمل کرنے والے پر نکیر کرنا:

۹- اگر کوئی عمل متفقہ طور پر باطل ہو تو ہر مسلمان پر اس کی نکیر واجب ہے، اگر اس کے بطان میں اختلاف ہو تو نکیر نہیں کی جائے گی، زرکشی فرماتے ہیں: نکیر کرنے والے کی جانب سے نکیر ان امور پر ہوگی جن پر اتفاق ہو، اگر اختلافی امور ہوں تو ان میں نکیر نہیں، اس لئے کہ ہر مجتہد صواب و صحت پر ہے، یا صحت کسی ایک جانب ہے جس کا ہمیں علم نہیں، اور سلف کے درمیان فرقی مسائل میں اختلاف ہمیشہ رہا ہے اور کسی نے بھی اجتہادی امور میں دوسرے پر نکیر نہیں کی، سلف صرف اس صورت میں نکیر فرماتے تھے جب وہ صورت کسی نص یا کسی اجماع قطعی یا کسی قیاس جلی کے مخالف ہو، اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب عمل کرنے والا اس عمل کی حرمت کا قائل نہ ہو، اگر اس کی رائے میں وہ عمل حرام ہے تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر نکیر کی جائے گی^(۲)۔

(۱) الفرق للقرآنی ۲/۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۱، المہر ۲/۱۵۲، ۱۵۳، ۲۱۸، ۳۱۵، الاشباہ لابن نجیم ص ۳۰۲، الاشباہ للسیدوطی ص ۲۰۷، ۲۲۰ طبع عینی لعلی۔
(۲) المہر فی القواعد للزرکشی ۲/۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۰، رفع الملام فی مجموع الفتاوی ۹/۲۷۸ اور اس کے بعد کے صفحات، الذخیرہ ص ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۴۱، فتح اعلی الممالک ۱/۶۰، ۶۵، التقریر والتجیر ص ۳۳۹، ارشاد المجلد ص ۲۷۱، الموافقات للہامی ۳/۱۳۳، ۱۳۰، ۱۳۷۔

ان تمام مسائل میں اختلاف و تفصیل بھی ہے جس کے لئے ”انکار“، ”امر بالمعروف“، ”اجتہاد“، ”تہلیل“، ”اختلاف“، ”افتاء“ اور ”رخصت“ کی اصطلاحات کی جانب رجوع کیا جائے۔

بطان اور فساد کے درمیان فرق میں اختلاف اور اس کا سبب:

۱۰- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ تصرفات کے اندر بطان اور فساد کے درمیان فرق نہیں ہے، خواہ یہ عمل عبادات کے باب سے ہو، جیسے نماز کے ارکان میں سے کسی رکن یا اس کی شرائط میں سے کسی شرط کا نماز میں چھوٹنا، یا نکاح سے متعلق ہو جیسے کسی محرم کے ساتھ عقد نکاح، یا اس کا تعلق معاملات سے ہو، جیسے مردار اور خون کی خرید و فروخت، شراب کے ذریعہ خریداری، اور وہ بیع جس میں سود شامل ہو، پس بطان اور فساد میں سے ہر ایک ایسے فعل کا وصف قرار پائے گا جو حکم شرع کے خلاف واقع ہو، اور اسی مخالفت شریعت کی وجہ سے شارع نے اس فعل کا نہ تو اعتبار کیا ہے اور نہ اس پر کوئی ایسا اثر مرتب کیا ہے جو فعل صحیح پر مرتب ہوتا ہے۔

پس جمہور ان دونوں الفاظ کو استعمال کرتے ہیں تو ان سے ایک ہی معنی مراد لیتے ہیں، یعنی فعل کا خلاف حکم شرع واقع ہونا، خواہ یہ مخالفت فعل کے کسی رکن کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ہو یا کسی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہو^(۱)۔

رہے حنفیہ تو وہ اپنے مشہور قول کے مطابق اور وہی قول معتمد بھی ہے، عبادات کے اندر جمہور سے اتفاق کرتے ہیں کہ فساد اور بطان مترادف ہیں، لیکن معاملات کے باب میں وہ جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، اور فساد کا معنی (۱) حافیہ الدسوقی ص ۵۳، نہایۃ المحتاج ص ۳۲۹، شرح منشی لارادات ص ۲۲/۳

بطان کے معنی سے علاحدہ بتاتے ہیں، اس فرق کی بنیاد اصل عقد اور وصف عقد کے درمیان امتیاز پر ہے۔

اصل عقد میں عقد کے ارکان اور اس کی شرائط انعقاد یعنی عقد کرنے والے کی اہلیت، سامان کی خللیت وغیرہ مثلاً ایجاب اور قبول آتے ہیں۔۔۔۔۔

لیکن وصف عقد میں صحت کی شرائط آتی ہیں، یعنی عقد کو مکمل کرنے والے عناصر، جیسے عقد کا ربا، کسی فاسد شرط اور دھوکہ و ضرر سے خالی ہونا۔

اسی بنیاد پر حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر اصل عقد میں کوئی خلل پایا جائے مثلاً اس کا کوئی رکن یا اس کے شرائط انعقاد میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو عقد باطل ہوگا، اس کا وجود ہی نہیں ہوگا اور اس پر کوئی دنیاوی اثر مرتب نہیں ہوگا، اس لئے کہ تصرف کا وجود اہلیت رکھنے والے شخص کی جانب سے اور محل کے اندر ہی ہوتا ہے، عقد محض صورتاً پائے جانے کے باوجود معتدا بالکل ہی معدوم ہوگا، یا تو اس لئے کہ محل تصرف معدوم ہے جیسے مردار اور خون کی بیج، یا اس لئے کہ تصرف کرنے والا اہل نہیں ہے جیسے پاگل یا ناشیہ بچہ کی بیج۔

اگر اصل عقد خلل سے خالی و محفوظ ہو لیکن وصف عقد میں خلل پایا جائے، بایں طور کہ عقد کے اندر کوئی فاسد شرط پائی جائے یا ربا پایا جائے تو عقد فاسد ہوگا، باطل نہیں ہوگا، اور اس پر بعض آثار مرتب ہوں گے اور بعض نہیں^(۱)۔

۱۱- جمہور اور حنفیہ کے درمیان اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اگر ممانعت کا حکم عمل کے لازمی اوصاف میں سے کسی وصف کی وجہ سے ہو جیسے ربا یا کسی فاسد شرط پر مشتمل بیج کی ممانعت، تو ایسے حکم کے اثر کی بابت فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور کہتے ہیں: ایسا حکم عقد کے وصف اور اصل ہر دو کے بطان کا متقاضی ہے، جیسے کہ فعل کی ذات اور حقیقت کی بابت ممانعت وارد ہو، یہ حضرات ایسے فعل کو جس کی ممانعت اس کے کسی لازمی وصف کی وجہ سے ہو، فاسد یا باطل کہتے ہیں، اور اس فعل کے مطلوبہ آثار میں سے کوئی اثر اس پر مرتب نہیں کرتے ہیں، اسی لئے ربا یا کسی شرط فاسد پر مشتمل جیسی بیج ان حضرات کے نزدیک باطل یا فاسد کی قبیل سے ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: ایسا حکم صرف وصف کے بطان کا متقاضی ہوتا ہے، اصل عقد اپنی مشروعیت پر باقی رہتا ہے، برخلاف اس کے کہ فعل کی ذات اور اس کی حقیقت کی بابت ممانعت کا حکم وارد ہو، ایسے فعل کو جس کی ممانعت اس کے کسی لازمی وصف کی وجہ سے ہو، یہ فقہاء فاسد کہتے ہیں، باطل نہیں، اور اس پر بعض آثار مرتب کرتے ہیں بعض نہیں، اسی لئے ربا یا فاسد شرط وغیرہ پر مشتمل بیج ان کے نزدیک فاسد کی قبیل سے ہوتی ہے، باطل سے نہیں۔

۱۲- ہر دو فریق نے اپنے اپنے مسلک پر متعدد دلائل سے استدلال کیا ہے، اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

جمہور کا استدلال نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ہے: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ فہو رد“^(۱) (جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کر دے جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ چیز رد کر دی جائے گی)، فی زمان اس بات کی دلیل ہے کہ اگر عمل شریعت کے حکم کے خلاف واقع ہو تو شریعت کی نظر میں وہ غیر معتبر ہوگا، اور اس عمل پر وہ احکام مرتب نہیں ہوں گے جو اس سے مقصود ہیں، خواہ یہ خلاف ورزی عمل کی ذات اور اس کی حقیقت سے متعلق ہو یا اس کے لازمی اوصاف میں سے کسی وصف سے متعلق ہو۔

(۱) حدیث: ”من أحدث فی أمرنا.....“ کی روایت بخاری (فتح ۳۰۱/۵) طبع المستطیع (پور مسلم ۱۳۳۳ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۱) الاشبہ لابن قیم برص ۳۳۷، ابن ماجہ بن ۹۹، بدائع الصنائع ۲۹۹/۵ اور اس کے بعد کے صفحات، التریلی ۶۳، کشف الاسترار ۲۵۹۔

جیسا کہ ان کی تصریحات سے اخذ کیا جاسکتا ہے، لہذا انہوں نے اس فرق کو عام قاعدہ سے استثناء قرار دیا ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں، یا دلیل کے مسائل میں فرق کیا گیا ہے جیسا کہ حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں، ابواب فقہ میں سے ہر باب میں اس کی تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جائے۔

تجزی بطلان:

۱۳ - تجزی بطلان سے مراد یہ ہے کہ کوئی تصرف جائز اور ناجائز دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہو، تصرف اپنے ایک شق میں درست ہو اور دوسری شق میں باطل۔

اسی نوع میں وہ صورت ہے جسے ”تفریق صفقہ“ (عقد میں تفریق کرنا) کہتے ہیں، اور وہ ایک ہی عقد میں جائز اور ناجائز دونوں کو جمع کرنا ہے۔

اس سلسلہ کی اہم صورتوں کا تعلق بیع سے ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۴ - عقد بیع اپنے ایک شق میں درست ہو اور دوسرے شق میں باطل، جیسے انگور کے رس اور شراب کی ایک ساتھ بیع، اسی طرح شرعی مذبوہ جانور اور مردار کی اکٹھی بیع، ایسی بیع مکمل باطل ہوگی، یہ مسلک حنفیہ کا ہے، اور ابن القصار کے علاوہ مالکیہ کا ہے، یہی شافعیہ کا دو میں سے ایک قول ہے (مہمات میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہی شافعیہ کا مسلک ہے)، اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے۔

یہ اس لئے کہ جب بعض حصہ میں عقد باطل ہو تو کل حصہ میں باطل ہو گیا، اس لئے کہ صفقہ میں تجزی نہیں ہوتا، یا اس لئے کہ حلال اور حرام دونوں جمع ہوں تو حرام غالب آتا ہے، یا اس لئے کہ قیمت کا علم نہیں ہے۔

حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ شارع نے عبادات اور معاملات کو ان پر مرتب ہونے والے احکام کا سبب بنایا ہے، تو اگر شارع نے کسی شے کی ممانعت اس کے لازمی اوصاف میں سے کسی وصف کی وجہ سے کی ہو تو یہ ممانعت صرف اس وصف کے بطلان کی متقاضی ہوگی، اس لئے کہ ممانعت صرف اسی کی ہے، تو ممانعت کا اثر بھی اسی تک محدود رہے گا، اور وہ وصف اگر اس تصرف کی حقیقت میں خلل نہ ڈال رہا ہو تو اس کی حقیقت برقرار رہے گی، اور اس صورت میں وصف اور حقیقت میں سے ہر ایک کا اپنا مقتضی ثابت ہوگا، پس اگر ممنوع عنہ کی بیع ہو اور اس کے رکن اور محل پائے جانے کی وجہ سے اس کی حقیقت پائی جارہی ہو تو اس بیع کی وجہ سے ملکیت ثابت ہوگی، کیونکہ اس کی حقیقت پائی جارہی ہے، لیکن اس کے ممنوع وصف کو دیکھتے ہوئے اس کو فسخ کرنا ضروری ہوگا، اس طرح دونوں پہلوؤں کی رعایت ممکن ہوگی، اور ہر پہلو کو اس کے مناسب حکم دیا جاسکے گا۔ لیکن عبادات میں چونکہ اطاعت و تعمیل حکم ہی مقصود ہے، اور یہ مقصود اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ عبادات میں کسی بھی قسم کی خلاف ورزی نہ پائی جائے، نہ اصل میں اور نہ وصف میں، اس لئے عبادات میں حکم شارع کی مخالفت فساد اور بطلان کی متقاضی ہوگی، خواہ یہ مخالفت عبادات کی ذات سے متعلق ہو یا اس کے لازمی اوصاف میں سے کسی وصف سے متعلق ہو^(۱)۔

اس تفصیل کے بعد یہ بتانا باقی رہ گیا کہ جمہور اگرچہ فاسد اور باطل میں فرق نہیں کرتے، جیسا کہ ان کے عمومی قواعد میں آیا ہے، لیکن فقہ کے بیشتر ابواب میں اختلاف فرق کی موجودگی ظاہر ہے،

(۱) جمع الجوامع ۱/ ۱۰۵، المحتصر فی الفقہ ۲/ ۲۶، ۲۷، روح الناطق ۱/ ۱۱۳، المسکور فی القواعد ۳/ ۳۱۳، کشف الاستار ۱/ ۲۵۸، ۲۵۹، الخوارزمی علی الخوارزمی ۲/ ۲۱۹ اور اس کے بعد کے صفحات، اصول المسرعی ۱/ ۸۵ اور اس کے بعد کے صفحات، مسلم الشیوخ شرح نوادر المحرمات ۱/ ۳۰۳۔

ایک حلال اور ایک غیر حلال کو جمع کر لیا جیسے مسلم خاتون اور بت پرست عورت کو، تو حلال کا نکاح بالاتفاق درست ہوگا، اور جو عورت حلال نہیں اس سے نکاح باطل ہوگا۔

لیکن اگر ایک عقد میں پانچ عورتوں سے یا دو بہنوں سے نکاح کر لیا تو سبھوں سے نکاح باطل ہوگا، اس لئے کہ ان کو جمع کرنا حرام ہے، صرف پانچ میں سے کوئی ایک یا دو بہنوں میں سے کوئی ایک حرام نہیں ہے، اگر ایک عقد میں ایک باندی اور ایک آزاد خاتون سے ایک ساتھ عقد کر لیا تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک دونوں میں عقد باطل ہوگا، مالکیہ کے نزدیک آزاد عورت کا نکاح صحیح ہوگا اور باندی کا باطل، یہ مالکیہ کا مشہور قول ہے، یہی حنابلہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت اور شافعیہ کی اظہر روایت ہے^(۱)۔

دیگر تمام معاملات کے عقود جیسے اجارہ وغیرہ میں فی الجملہ وہی حکم ہے جو بیع کا حکم ہے، فقہاء نے عقد میں تفریق صفقہ اور جو تصرفات اس کے حکم میں ہوں ان کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے، دیکھئے: ”تفریق الصفقۃ“۔

کوئی شیء باطل ہو تو جو اس کے ضمن میں ہے اور جو اس پر مبنی ہے وہ بھی باطل ہوگا:

۱۶- الاشباہ میں ابن نجیم کے ذکر کردہ فتویٰ قواعد میں سے ایک یہ ہے^(۲): ”إذا بطل الشيء بطل ما في ضمنه“ (اگر شیء باطل ہو

شافعیہ کا دوسرا قول جسے شافعیہ نے اظہر بتایا ہے، نیز امام احمد کی دوسری روایت اور مالکیہ میں سے ابن القصار کا قول یہ ہے کہ معاملہ میں تجزی (ٹکڑے کرنا) درست ہے، لہذا اجازت حصہ میں بیع درست ہوگی اور ناجائز حصہ میں باطل ہوگی۔

اس لئے کہ ایک جز کے صحیح ہونے کی وجہ سے پورے کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا، تو اسی طرح ایک جز کے باطل ہونے کی وجہ سے پورے کو باطل قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ دونوں جز اپنے اپنے حکم پر باقی رہیں گے، اور جائز حصہ میں بیع صحیح ہوگی، اور ناجائز حصہ میں باطل ہوگی۔

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور محمد فرماتے ہیں کہ اگر ابتداء ہی ہر شق کی علاحدہ قیمت متعین کر دی ہو تو ایسی صورت میں ہم اسے دو مستقل معاملہ تصور کریں گے اور دونوں میں تفریق درست ہوگی، پس ایک معاملہ درست ہوگا اور دوسرا باطل۔

اگر عقد اپنے ایک شق میں صحیح ہو اور دوسرے شق میں موقوف، مثلاً اپنی مملوکہ شیء اور دوسرے کی مملوکہ شیء کو ملا کر ایک ساتھ بیع کی گئی ہو تو بیع دونوں اشیاء میں درست ہوگی، اپنی مملوکہ شیء میں تو بیع لازم ہوگی اور دوسرے کی مملوکہ میں مالک کی اجازت پر لزوم موقوف ہوگا، یہ رائے مالکیہ کی اور امام زفر کے علاوہ حنفیہ کی ہے، یہ حنفیہ کے نزدیک اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ کبھی ایک حصہ کی بیع ابتداء تو درست نہیں ہوتی لیکن بقاء درست ہوتی ہے، امام زفر کے نزدیک مکمل بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ عقد پورے مجموعہ پر واقع ہوا ہے، اور مجموعہ میں تجزی نہیں ہوتی، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سابق اختلاف جاری ہوگا، اس لئے کہ موقوف عقد ان کے نزدیک اصح قول کی رو سے باطل ہوتا ہے۔

۱۵- اسی طرح نکاح میں تجزی جاری ہوگی، اگر کسی نے عقد نکاح میں

(۱) الاشباہ لابن نجیم ۱۱۳-۱۱۴، البدائع ۵/۵۷۵، ابن عابدین ۳/۱۰۳، الاختیار ۲/۲۳، جوہر لا کلیل ۶/۲، القوانین المفہمہ ۲/۱۷۲، الدرر السنی ۲/۲۶۶، الاشباہ للمسیوطی ۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲، المحرر فی القواعد ۱/۳۸۲، نہایہ المحتاج ۳/۶۱، روایۃ الطائفتین ۳/۱۰، المغنی ۳/۶۱، ۲/۶۱، ۵۸۳، منشی لارادات ۲/۵۳۔

(۲) الاشباہ والظہار لابن نجیم ۳/۹۱، بدائع کردہ مکتبۃ الہلال بیروت۔

تو جو اس کے ضمن میں ہے وہ بھی باطل ہوگا، پھر انہوں نے فرمایا: یہی فقہاء کے اس جملہ ”اذا بطل المتضمن بطل المتضمن“ (جب وہ شئی باطل ہو جائے جو کسی دوسری شئی کو متضمن اور اس کو شامل ہے تو وہ دوسری شئی بھی باطل ہو جائے گی) کا مطلب ہے، اس کی انہوں نے چند مثالیں ذکر کی ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

الف۔ اگر کسی نے کہا: ”میں نے اپنا خون ایک ہزار میں تم کو فروخت کر دیا“، پھر اس نے اس کو قتل کر دیا تو قصاص واجب ہوگا، اور اس کے ضمن میں اپنے قتل کی جو اجازت ہے وہ معتبر نہیں ہوگی۔

ب۔ کسی عقد کے فاسد یا باطل ہونے کی صورت میں بغیر ایجاب و قبول کے تعاظمی کے ذریعہ (دست بدست) بیع منعقد نہیں ہوگی^(۱)۔

ج۔ اگر کسی عقد فاسد کے ضمن میں کسی کو بری کر دیا یا اس کے لئے قمار کر لیا تو بری کرنا بھی فاسد ہو جائے گا۔

د۔ اگر اپنی منکوحہ بیوی سے کسی مہر پر نکاح کی تجدید کر لے تو مہر لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا تو اس کے ضمن میں مذکور مہر بھی لازم نہیں ہوگا۔

لیکن بیشتر کتب حنفیہ میں اس قاعدہ کو فساد پر جاری کیا گیا ہے بطان پر نہیں، اس لئے کہ باطل اصل اور وصف دونوں اعتبار سے شرعاً معدوم ہوتا ہے، اور معدوم کسی شئی کو متضمن نہیں ہوتا، لیکن فاسد میں صرف وصف کی کمی ہوتی ہے اصل کی نہیں، اس لئے وہ اپنی اصل کے اعتبار سے معدوم نہیں ہوتا، لہذا وہ متضمن ہو سکتا ہے، تو اگر متضمن (جو شئی دوسرے کو شامل ہے) فاسد ہو تو متضمن (وہ دوسری

(۱) تعاظمی (یعنی دین) سے یہاں مراد سامان عقد کی خواہی ہے پس اگر کوئی شخص کارگیر کے ساتھ معاملہ کرے کہ وہ اس کے لئے کوئی سامان تیار کرے گا، لیکن خواہی کا وقت طے نہیں کیا تو عقد فاسد ہوگا، اس طرح خواہی پر اس کے بعد کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، دیکھئے شرح الاشباہ والنظائر لابن قیم ص ۵۹۲۔

شئی) بھی فاسد ہوگا^(۲)۔

۱۷- اس کے علاوہ دیگر مسالک جو بطان اور فساد کے درمیان فرق نہیں کرتے، اسی بیج پر چلتے ہیں، انہوں نے اس سے چند صورتوں کا استثناء کیا ہے، چنانچہ کتب ثنائیہ میں ہے: اجازت کے بعد اجازت یافتہ شخص کی جانب سے کوئی فاسد عقد ہو تو صحیح ہے، جیسا کہ مطلق وکالت میں ہے کہ اگر ہم اسے فاسد قرار دیں تو بھی وکیل کا تصرف اجازت کی وجہ سے صحیح ہوگا، اور وکیل برائے بیج جس کے لئے فاسد عوض کی شرط ساتھ میں لگی ہو، اس میں اجازت صحیح ہوگی اور عوض فاسد ہوگا^(۳)۔

ابن رجب حنبلی کی ”التواعد“ میں ہے^(۴): جائز عقود جیسے شرکت، مضاربہ اور وکالت کا فاسد ہونا، ان میں بہ اجازت تصرف کرنے والے کے نفاذ کے لئے مانع نہیں ہوگا، پھر وہ بیع (جو عقد تملیک ہے) کی اجازت اور جائز عقود کی اجازت کے درمیان فرق کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: بیع دراصل نقل ملکیت کے لئے ہے، اجازت کے لئے نہیں، اور بیع میں تصرف کی صحت ملکیت سے مستفاد ہوتی ہے، اجازت سے نہیں، برخلاف وکالت کے کہ وہ اصلاً اجازت کے لئے ہے۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں^(۵): اگر فاسد مضاربہ میں عامل (عمل کرنے والا) تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ ہوگا، اس لئے کہ اسے تصرف کی اجازت حاصل ہے، پس اگر عقد مضاربہ باطل ہو تو بھی اجازت باقی رہے گی، اور اس کی وجہ سے وہ تصرف کا مالک ہوگا۔

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ص ۳۹۸، حاشیہ حلی علی الترمذی ص ۱۲/۳، فتح القدیر مع حواشی ص ۹۰/۵، مجمع کردہ دار احیاء التراث العربی، البحر الرائق ص ۳۲۷، الاختیار ص ۷۳/۵، البدائع ص ۱۷۳۔

(۲) المسکوک فی القواعد ص ۱۵/۳، ۱۵/۲، ۳۰/۹، نہایۃ المحتاج ص ۲۲۸، ۲۲۹، الجمل ص ۵۱۷، الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۱۱۹، طبع مصطفیٰ الحلیمی۔

(۳) القواعد لابن رجب ص ۶۳، ۶۵، ۶۶۔

(۴) المغنی ص ۵۲۔

مالکیہ کے قواعد بھی اس کے خلاف نہیں ہیں^(۱)۔

یہ ”تضمن“ کا قاعدہ ہے، لیکن اسی کے مشابہ یہاں ایک دوسرا قاعدہ بھی ہے: ”إذا سقط الأصل سقط الفرع“ (جب اصل ساتھ ہوگا تو فرع بھی ساتھ ہو جائے گی)، اسی قاعدہ میں سے ہے: ”التابع يسقط بسقوط المتبوع“ (تابع متبوع کے ساتھ ہونے کے ساتھ ساتھ ہو جاتا ہے)، فقہاء نے اس کی مثال میں فرمایا ہے کہ اگر قرض دینے والے نے مقرض کو دین سے بری کر دیا تو جس طرح مقرض اس صورت میں بری ہوگا، کفیل بھی دین سے بری ہو جائے گا، اس لئے کہ قرض میں مقرض اصل شخص ہے اور کفیل اس کی فرع ہے^(۲)۔

باطل عقد کو صحیح بنانا:

۱۸- باطل عقد کی تصحیح کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

اول: عقد کو باطل کرنے والی شئی اگر ختم ہو جائے تو کیا عقد صحیح ہو جائے گا؟

دوم: باطل عقد کے الفاظ دوسرے صحیح عقد کے معنی و مفہوم میں لے لئے جائیں۔

۱۹- پہلی صورت کی بابت حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ عقد کو باطل بنانے والی شئی اگر ختم ہو جائے تو بھی وہ صحیح نہیں ہوگا۔

پس اس مسلک کے مطابق گیسوں میں (رہتے ہوئے) آنا کو، زیتون کے پھل میں (رہتے ہوئے) زیتون کے تیل کو، تھن میں (موجود) دودھ کو، خر بوزہ میں بچ کو، کھجور میں گٹھلی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی موجودگی کا علم نہیں ہے، لہذا وہ معدوم کی

(۱) الکافی لابن عبد البر ۲/ ۷۷۔

(۲) الاشبہ لابن قیم ۱/ ۲۱، درر الحکام ۱/ ۵۸، ۵۹، الاشباہ للسبوطی ۱/ ۱۳۲ طبع عینی الجلی، الدسوقی ۳/ ۳۶، کشاف القناع ۳/ ۳۸۔

مانند ہے، پھر اگر دودھ یا آنا یا تیل سپرد کرے تو مذکورہ فروختگی درست نہیں قرار پائے گی، اس لئے کہ عقد کرتے وقت سامان عقد معدوم کی طرح تھا، اور اس سامان کے بغیر عقد کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اس لئے وہ عقد سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا تھا، لہذا اس میں صحیح ہونے کا احتمال نہیں ہے^(۱)۔

جہاں تک جمہور کا تعلق ہے (جو فی الجملہ فاسد اور باطل میں فرق نہیں کرتے ہیں) تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حکم حنفیہ ہی کی طرح ہے، یعنی فاسد کرنے والی شئی کے ختم ہو جانے سے باطل عقد صحیح نہیں ہوگا۔

چنانچہ کتب شافعیہ میں ہے: اگر عقد کے فریقین نے عقد کو فاسد بنانے والی شئی کو ختم کر دیا، خواہ یہ مجلس خیار کے اندر ہی ہو تو بھی باطل عقد صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ فاسد کا اعتبار ہی نہیں ہے^(۲)۔

مثنیٰ لارادات میں ہے: فاسد عقد بدل کر صحیح نہیں ہوگا۔

رہے مالکیہ تو وہ اس حکم میں جمہور سے اتفاق کرتے ہیں، البتہ ان کے نزدیک ایسی شرط کے ساتھ بیع میں جو صحت کی شرائط میں سے کسی شئی میں خلل نہ پیدا کرتی ہو، اگر وہ شرط ساتھ کر دی جائے تو عقد درست ہو جائے گا، جیسے ”بیع ثمنی“، یہ وہ بیع ہے جس میں سامان کی خریداری اس شرط پر ہوتی ہے کہ جب فروخت کنندہ قیمت واپس کر دے گا تو سامان اسی کا ہو جائے گا، اور جیسے قرض کی شرط کے ساتھ بیع، ایسی بیع مالکیہ کے نزدیک فاسد ہوتی ہے لیکن اگر وہ شرط ختم کر دی جائے تو بیع صحیح ہو جائے گی^(۳)۔

(۱) ابن ماجہ ۳/ ۱۰۸، ۱۱۳، الترمذی ۳/ ۷۵، فتح القدیر ۶/ ۵۲، سابع کردہ دار الحیاء التراث، البدائع ۵/ ۱۳۹۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۳/ ۳۳۳-۳۳۵، روئے الطائین ۳/ ۱۰، معنی المحتاج ۲/ ۸۵، جامعہ الجمل ۳/ ۸۵۔

(۳) المعنی ۳/ ۲۵، طبع المریض، شرح مثنیٰ لارادات ۲/ ۵۰، مع الجلیل ۲/ ۵۷، ۵۸، ۵۹، نیز دیکھئے الموافقات للعلانی ۱/ ۲۹۳-۲۹۵۔

۲۰- جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے، یعنی باطل عقد کا دوسرے صحیح عقد میں منتقل ہو جانا، تو فقہاء اس بات پر قریب قریب متفق ہیں کہ جب باطل عقد کو اسباب صحت کے پائے جانے کی وجہ سے دوسرے صحیح عقد میں بدل دینا ممکن ہو تو ایسا کرنا صحیح ہوگا، خواہ یہ صحت بعض فقہاء کے نزدیک ”عن طریق المعنی“ ہو یا بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک ”عن طریق اللفظ“ ہو، کیونکہ فقہاء کا اس قاعدہ میں اختلاف ہے کہ کیا عقود کے الفاظ کا اعتبار کیا جائے گا یا ان کے معانی کا (۱)؟

۲۱- اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

مضاربت، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنا مال دیتا ہے کہ وہ اس سے تجارت کرے، اور نفع ان دونوں کے درمیان باہم طے شدہ تناسب سے تقسیم ہو جائے گا، اس معاملہ میں تجارت کرنے والے شخص کو ”مضارب“ کہا جاتا ہے، اب اگر اس نے عقد مضاربت میں یہ شرط لگا دی کہ نفع پورا کا پورا مضارب کا ہوگا تو یہ معاملہ مضاربت باقی نہیں رہے گا، البتہ عقد کی تصحیح کے لئے اسے قرض قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ اگر اسے مضاربت مانا جائے تو عقد باطل ہو جائے گا، کیونکہ مضارب اصل مال مضاربت کا مالک تو ہے نہیں کہ پورا نفع اسے مل جائے، لہذا معنی کو دیکھتے ہوئے اسے قرض قرار دیا گیا تاکہ عقد صحیح ہو جائے۔

اسی طرح اگر پورے نفع کی شرط ”رب المال“ (مالک مال) کے لئے لگا دی تو ایسی صورت میں صحیح عقد کے لئے اس عقد کو ”إبضاع“ قرار دیا جائے گا، اور اس صورت میں مضارب کی حیثیت صاحب مال کے لئے رضا کارانہ وکیل کی ہوگی، فقہاء حنفیہ نے اس کی

صراحت کی ہے، اسی کے قائل مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ ہیں، فقہاء نے اس وکالت کو جو حوالہ کے الفاظ سے کیا جائے اور اس حوالہ کو جو وکالت کے لفظ سے کیا جائے، معنی میں دونوں کے اشتراک کی وجہ سے درست بتایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اگر کسی ایسے شخص نے جس پر دین نہیں ہے ایک آدمی کو اپنے کسی مقروض آدمی پر محمول کیا تو یہ تصرف حوالہ نہیں کہلائے گا، بلکہ وکالت ہوگی اور اس پر وکالت کے احکام جاری ہوں گے، اور اگر کسی ایسے شخص نے جس پر دین ہے، صاحب دین کو ایسے آدمی پر محمول کیا جس پر دین نہیں ہے تو یہ تصرف حوالہ نہیں بلکہ قرض لیما ہے۔

اور اگر جس کو اس نے محمول کیا اس کا دین محمول کرنے والے پر نہیں ہے تو اس کو قرض لینے میں وکالت قرار دیا جائے گا۔
فقہ شافعی میں ہے: اگر کسی شخص نے دوسرے کو کوئی چیز بدلہ کی شرط کے ساتھ بدیہ کیا تو اس قول کی رو سے اس کو بدیہ نہیں بلکہ قیمتاً قرض قرار دیا جائے گا (۱)۔

طویل مدت گزرنے یا حاکم کے فیصلہ سے باطل صحیح نہیں ہوگا:
۲۲- باطل تصرفات امتداد زمانہ کی وجہ سے صحیح نہیں ہوں گے، خواہ حاکم نے باطل تصرفات کے نفاذ کا فیصلہ کر دیا ہو، پس حق کا ثبوت اور اس کی واپسی فی ذاتہ باقی رہے گی، اور کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ باطل تصرف کے نتیجے میں دوسرے کے حق سے انتفاع کر لے جب تک کہ وہ اس کو جانتا ہو، کیونکہ حاکم کا فیصلہ نہ تو کسی حرام کو حلال کر سکتا ہے اور نہ کسی حلال کو حرام۔

(۱) درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام ۱/۱۸، مادہ (۳)، الاشباہ لابن نجیم، ص ۲۰۷، الاشباہ للسیوطی، ص ۱۸۳ اور اس کے بعد کے صفحات، طبع عیسیٰ الخلی، المکھو ر فی القواعد ۲/۳۷۱، اعلام المؤمنین ص ۹۵، مباحث کردہ دار الخلیل، القواعد لابن رجب، ص ۹، الاختیار ص ۳۹۳۔

(۱) الاختیار ص ۳۹۳، المشرع الصغير، بلعین السالک ۲/۲۳۹، طبع الخلی، المغنی ۲/۵۷، ۳/۳۵، منتہی الارادات ۲/۳۲۸، ۲۵۹، المکھو ر فی القواعد ۲/۳۷۳، الاشباہ والنظائر للسیوطی، ص ۱۸۳۔

میں مانع مدت کے گزرنے کا کوئی اثر تصرف کی صحت پر نہیں ہوگا اگر وہ باطل ہو، ابن کجیم فرماتے ہیں ^(۱) کہ امتداد زمانہ کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوتا، خواہ وہ قذف یا قصاص، یا لعان یا بندہ کا کوئی دوسرا حق ہو۔

اور فرماتے ہیں ^(۲): مجتہد فیہ مسائل میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے، چند مسائل اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے مدت گزر جانے کی وجہ سے قاضی حق کے بطلان کا فیصلہ کرے، یا نکاح متعہ کی صحت کا یا امتداد زمانہ کی وجہ سے مہر ساقط ہونے کا فیصلہ کرے (تو یہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا)۔

تکملہ ابن عابدین میں ہے: باطل فیصلوں میں سے یہ بھی ہے کہ چند سال گزرنے کی وجہ سے حق کے ساقط ہونے کا فیصلہ کیا جائے، پھر فرماتے ہیں: تصرف پر واقفیت کے باوجود تیس سال گزرنے کے بعد دعویٰ کی عدم سماعت اس مسئلہ میں حق کے بطلان پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہ محض دعویٰ کی سماعت سے قضا کو روکنا ہے، صاحب حق کا حق باقی رہے گا، یہاں تک کہ اگر فریق مقابل اس حق کا اقرار کر لے تو اس پر وہ حق لازم ہو جائے گا ^(۳)۔

منتہی الارادات میں ہے: کسی قدیم حد کی شہادت صحیح قول کے مطابق قبول کی جائے گی، اس لئے کہ وہ حق کی شہادت ہے، لہذا امتداد زمانہ کے باوجود درست ہوگی ^(۴)۔

مالکیہ اگرچہ عدم سماعت دعویٰ کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ ایک مدت تک جو غیر منقول جائیداد وغیرہ کے لحاظ سے مختلف ہوگی، قبضہ میں رہے، لیکن اس کے ساتھ یہ قید بھی

اصل تو یہی ہے، قاضی حضرات محض اپنے سامنے ظاہر ہونے والے دلائل اور ثبوتوں کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں، جو نفس الامر کے اعتبار سے کبھی غیر درست ہوتے ہیں ^(۱)۔

اسی لئے حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إلي، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فاقضي له بما أسمع، وأظنه صادقاً، فمن قضيت له بشيء من حق أخيه فلا يأخذ منه شيئاً، فإنما أقطع له قطعة من النار“ ^(۲) (میں محض ایک بشر ہوں، تم لوگ میرے پاس فیصلہ کے لئے آتے ہو، شاید تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے مقابلہ میں اپنے ثبوت میں زیادہ چرب زبان ہو اور میں اپنی سماعت کے مطابق اور اسے سچا سمجھتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، تو میں جس کے لئے بھی اس کے بھائی کے حق سے کچھ حصہ کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ لے، اس لئے کہ میں اس کو آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں)۔

۲۳۔ اگر کسی تصرف پر کچھ عرصہ گزر جائے اور اس تصرف کے بطلان کا دعویٰ کسی کی جانب سے دائر نہ ہو تو بسا اوقات اس کو اس تصرف کی صحت یا اس صورت حال پر صاحب حق کی رضامندی سمجھا جاتا ہے، یہیں سے یہ بات آئی کہ ایک مقررہ مدت گزرنے کے بعد دعویٰ کی سماعت نہ کی جائے، اس مدت کی تحدید میں حالات، وہ شی جس کا دعویٰ کیا گیا ہے، قرابت و عدم قرابت اور قبضہ کی مدت کے اعتبار سے فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن سماعت دعویٰ

(۱) البصرة بپائش فتح اعلیٰ المالك ۱/ ۵۷۱ مباحث کردہ دارالمعرف، المہذب ۳۲۳/۲، المعنی ۵۹۹۔

(۲) حدیث: ”إنكم تختصمون إلي والما أنا بشر.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۱۳/ ۱۵۷ طبع التلخیص) ورمسلم (۳/ ۱۳۳ طبع المحلی) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۱) الاشباہ لابن کجیم ص ۲۲۲۔

(۲) الاشباہ لابن کجیم ص ۲۳۲۔

(۳) تکملہ لابن عابدین ۱/ ۳۳۶، ۳۳۷۔

(۴) منتہی الارادات ۳/ ۵۳۶۔

بطان ۲۴

تک کہ اس کی قضا نہ کر لے۔

بطان کے آثار:

بطان کے آثار تصرفات کی نسبت سے مختلف ہوتے ہیں، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

اول: عبادات میں:

۲۴- عبادات کے بطان پر متعدد آثار مرتب ہوتے ہیں، جیسے:

الف۔ عبادت کے ساتھ ذمہ بردار مشغول رہے گا^(۱) یہاں تک کہ:
- اسے ادا کیا جائے اگر عبادت ایسی ہو کہ اس کا وقت متعین ہو،
جیسے زکوٰۃ، بعض فقہاء نے اس کی تعبیر اعادہ سے کی ہے^(۲)۔

- یا اس کی قضا کی جائے اگر عبادت کے وقت میں اس عبادت کے مثل کی گنجائش نہ ہو، جیسے رمضان۔

- یا اس کا اعادہ کیا جائے اگر وقت میں اس عبادت کے ساتھ اسی جیسی عبادت کی گنجائش ہو، جیسے نماز۔

اگر وقت نکل جائے تو نماز قضا ہوگی^(۳)۔

- یا اس کا بدل انجام دیا جائے جیسے ظہر کی نماز اس شخص کے لئے جس کی نماز جمعہ باطل ہوگئی ہو^(۴)۔

ب۔ بعض عبادات میں دنیاوی سزا ہوگی، جیسے رمضان میں جان

ہے کہ دوسرے کے قبضہ کی مدت کے دوران مدعی موجود رہا ہو اور اپنے سامنے انہدام و تعمیر اور تصرف ہوتے دیکھ کر بھی خاموش رہا ہو، لیکن اگر وہ اعتراض کرتا رہا ہو تو قبضہ خواہ کتنا ہی طویل ہو کچھ مفید نہیں ہوگا، فتح اعلیٰ المالک میں ہے^(۱): ایک شخص نے کسی زمین پر اس زمین والے کے مرنے کے بعد ناحق قبضہ کر لیا، حالانکہ ان کے وارثین موجود ہیں اور اس نے اس زمین پر تعمیر کی، اور وارثین نے اس پر اعتراض تو کیا لیکن اسے روک نہیں سکے، اس لئے کہ وہ شخص شہر کے رؤساء میں سے ہے، تو کیا اس کا قبضہ معتبر نہیں ہوگا خواہ اس کی مدت طویل ہو؟ جواب دیا گیا: ہاں، اس کا قبضہ معتبر نہیں ہوگا خواہ اس کی مدت طویل ہو۔۔۔ یحییٰ نے ابن القاسم سے سنا ہے کہ: جو شخص لوگوں کا مال غصب کرنے میں معروف ہو، اس کے قبضہ میں دوسرے کا مال رہنا مفید نہیں، لہذا اس کے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے وہ مال خرید لیا ہے یا اسے عطیہ میں ملا ہے، خواہ اس کے پاس وہ مال طویل عرصہ تک باقی رہے، اگر وہ مدعی کی اصل ملکیت کا اقرار کرتا ہو یا مدعی کے حق میں بینہ قائم ہو چکا ہو، ابن رشد فرماتے ہیں: یہ رائے صحیح ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ محض قبضہ موجب ملک نہیں ہوتا، قبضہ تو صرف ملکیت کی ایک علامت ہے جس کی وجہ سے اگر کوئی غیر غاصب شخص اس میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے، حالانکہ وہ حاضر ہے، نہ طلب کرتا ہے، نہ اس کا دعویٰ کرتا ہے، تو اس کے قابض کا ہو جائے گا اگر دس سال یا اس کے بقدر اس پر قابض رہے۔

عبادات کے تعلق سے یہ امر طے شدہ ہے کہ جس شخص کی عبادت باطل ہو جائے، اس کا ذمہ اس عبادت کے ساتھ مشغول رہے گا جب

(۱) فتح اعلیٰ المالک ۲/۲۳۳ طبع کردہ دارالمعرفہ۔

(۱) دستور العلماء ۱/۲۵۱، جمع الجوامع ۱/۱۰۵، کشف الاستار ۱/۲۵۸۔

(۲) زکوٰۃ میں بطان سے مقصود اس کا کافی نہ ہونا ہے جیسے کہ نیت نہ ہو جو اس میں شرط ہے فتاویٰ الرحموت ۱/۸۶، المصنوع ۱/۹۳-۹۵، بدائع الصنائع ۲/۳۰، ۳۳، الہدایہ ۱/۱۱۳۔

(۳) الخلو ج ۱/۱۶۱ اور اس کے بعد کے صفحات، جمع الجوامع ۱/۱۰۹، ۱۱۸، بدعشی ۱/۶۳۔

(۴) البدائع ۲/۹۸، ۱۰۳، الخواکر الدوانی ۱/۳۶۳، ۳۶۵، المہذب ۱/۱۹۰، منشی لارادات ۱/۳۵۱۔

بطان ۲۵

بو جھ کر روزہ توڑنے پر کفارہ (۱)۔

ج۔ نماز جب باطل ہو جائے تو اس کو جاری نہ رکھنا واجب ہے، روزہ اور حج میں ایسا نہیں ہے، رمضان میں روزہ (ٹوٹنے کے باوجود) کھانے پینے سے رکنا اور فاسد حج کو بھی جاری رکھنا ضروری ہے، جب کہ دونوں کی قضا بھی کی جائے گی (۲)۔

د۔ زکاۃ اگر غیر مستحق کو دے دی جائے تو اس کو واپس لینے کا حق ہوگا (۳)۔

ان تمام سابق امور میں تفصیل بھی ہے جو ان کے ابواب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

دوم: معاملات میں بطان کا اثر:

۲۵۔ حنفیہ کی اصطلاح میں باطل عقد سوائے ظہری صورت کے اپنا وجود نہیں رکھتا، اس کا شرعی وجود نہیں ہوتا، لہذا وہ معدوم ہوتا ہے اور معدوم کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا (۴)۔

ایسا عقد اپنی اساس ہی سے ٹوٹا ہوتا ہے، اس کو توڑنے کے لئے کسی حاکم کے فیصلہ کی ضرورت نہیں (۵)۔

اجازت بھی اس میں لاحق نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ منعقد ہی نہیں ہوتا ہے، لہذا وہ معدوم ہے، اور معدوم میں اجازت لاحق نہیں ہوتی کہ وہ نہ ہونے کی مانند ہے۔

باطل عقد کے ذریعہ شی کی ملکیت حاصل نہیں ہوتی جس طرح عقد باطل کے علاوہ سے حاصل ہوتی ہے، اگر اس عقد میں حوالگی کر دی گئی ہو تو اس کی واپسی ضروری ہوگی، تو بیع باطل میں قبضہ سے ملکیت منتقل نہیں ہوگی، اس لئے واپس کرنا واجب ہوگا۔

مالکیہ میں سے ابن رشد فرماتے ہیں: فقہاء کا اتفاق ہے کہ فاسد بیوع۔ یہ حنفیہ کے نزدیک باطل ہوتے ہیں۔ اگر واقع ہوں اور فوت نہ ہوئے ہوں تو ان کا حکم واپسی کا ہے، یعنی بائع قیمت واپس کرے گا، اور خریدار وہ سامان واپس کرے گا جس کی قیمت دی گئی ہے (۱)۔

باطل صلح میں صلح کرنے والا اس شی کا مالک نہیں ہوگا جس پر صلح کیا ہے، اور ادا کرنے والے نے جو کچھ ادا کیا ہے اسے وہ واپس لے لے گا (۲)۔

باطل بیہ میں وہ شخص جسے بیہ کیا گیا ہے بیہ کا مالک نہیں ہوگا (۳)۔
باطل رہن میں مرتہن (رہن لینے والا) مال مرہون کو روکنے کا مالک نہیں ہوگا (۴)۔

باطل معاملہ کتابت (غلام کی آزادی کا معاملہ) میں مکاتب (معاملہ کرنے والا غلام) اپنی آزادی کا مالک نہیں ہوگا (۵)۔

اجارہ باطلہ جو اجارہ کا محل نہ ہو اس میں اجرت پر ملکیت حاصل نہیں ہوگی، اس کو لوٹنا واجب ہوگا، اس لئے کہ ایسی اجرت لیما حرام ہے،

(۱) البدائع ۵/۳۵۵، الاشباہ لابن نجیم رص ۷/۳۳۳، بدایہ المجتہد ۲/۱۹۳، نہایہ المحتاج ۳/۳۶۳، شتبی لادارات ۲/۱۹۰۔

(۲) الاشباہ لابن نجیم رص ۷/۳۳۳، جوہر لاکلیل ۲/۱۰۳، المغنی ۳/۵۵۰، شتبی لادارات ۲/۲۶۲۔

(۳) الدرر السنی ۲/۹۸، ۹۹، المہذب ۱/۵۵۵، شتبی لادارات ۲/۵۱۹۔

(۴) الاشباہ لابن نجیم رص ۷/۳۳۳، جوہر لاکلیل ۲/۸۰، المغنی ۳/۳۳۰۔

(۵) الاشباہ لابن نجیم رص ۸/۳۳۸، البدائع ۲/۱۳، نہایہ المحتاج ۲/۹۶، التواعد والفوائد الاصولیہ رص ۱۱۱۔

(۱) البدائع ۲/۱۰۲، ۱۰۳، ۲۱۸، جوہر لاکلیل ۱/۱۹۲، المکھڑ ۲/۱۸، ۱۹، شتبی لادارات ۲/۳۱۔

(۲) البدائع ۲/۳۳۰، ۳۳۳، جوہر لاکلیل ۱/۱۳۰، ۱۳۱، المہذب ۱/۱۸۲، نیل المآرب ۱/۲۶۶۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۳۰۵، ابن عابدین ۵/۲۸، جامعہ الدرر السنی ۳/۵۳، شتبی لادارات ۲/۱۹۰۔

(۴) الدرر السنی ۳/۷۱، المغنی ۶/۶۶۶۔

(۵) ابن عابدین ۲/۷، البدائع ۲/۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸،

اسے باطل طریقہ سے مال کا کھانا تصور کیا جائے گا^(۱)۔

باطل نکاح میں جنسی لطف اندوزی و انتفاع کا مالک نہیں ہوگا^(۲)۔

تمام باطل عقود میں اجمالاً یہی حکم ہے، اس بابت تفصیلات اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے۔

لیکن صورتاً عقد باطل کا وجود بسا اوقات کچھ اثر مرتب کرتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ باطل عقد میں سامان کی حوالگی کر دی جائے اور سامان ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی واپسی ناممکن ہو تو کیا اس میں ضمان واجب ہوگا یا نہیں ہوگا۔

اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں:

ضمان:

۲۶- باوجودیکہ جمہور فقہاء اپنے عمومی قواعد میں باطل اور فاسد کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں، لیکن بعض احکام کی نسبت فاسد اور باطل کے درمیان فرق ہم دیکھتے ہیں۔

ضمان کا مسئلہ بھی ایسا ہے جس میں باطل اور فاسد کے درمیان فرق ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

شافعیہ اور حنابلہ کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس میں عقد کے صحیح ہونے کی صورت میں حوالگی کے بعد ضمان ہوتا ہے جیسے بیع، اس میں عقد کے فاسد ہونے کی صورت میں بھی ضمان ہوگا، اور عقد صحیح ضمان کا متقاضی نہ ہو جیسے مضاربیت، تو اس میں عقد فاسد بھی ضمان کا متقاضی نہیں ہوگا۔

لیکن ضمان کے متقاضی نہ ہونے میں یہ قید بھی ہے کہ قبضہ صحیح ہو،

(۱) الاشیاء لابن قیم ص ۳۳۷، منیٰ لارادات ۲/ ۵۹۲، مع الجلیل ۳/ ۷۸، قلیوبی ۸۶۳۔

(۲) المغنی ۵/ ۵۶۶، البدائع ۲/ ۳۳۵، مع الجلیل ۲/ ۹۰۔

بایں طور کہ اس پر قبضہ کی اجازت، اجازت کے اہل شخص نے دی ہو تو اس حالت میں اس پر قبضہ کرنا درست ہوگا، اور فساد قبضہ کے ساتھ ضمان نہیں ہوگا۔

اگر اجازت سرے سے پائی عی نہ گئی ہو یا پائی گئی ہو لیکن صحیح نہ ہو، کیونکہ وہ غیر اہل کی طرف سے ہو یا دباؤ و جبر کے ماحول میں ہو تو قبضہ باطل ہوگا، اور اس صورت میں ضمان مطلقاً واجب ہوگا، خواہ اس عقد کے صحیح ہونے میں ضمان واجب ہو یا نہ ہو۔

”نہایۃ المحتاج“ میں ہے: ہر فاسد عقد جو کسی ذی عقل کی طرف سے صادر ہوا ہو، ضمان اور عدم ضمان میں اپنے صحیح عقد کی طرح ہے، اس لئے کہ عقد اگر صحیح ہونے کی صورت میں حوالگی کے بعد ضمان کا متقاضی ہو جیسے بیع اور اعارہ (عاریت دینا)، تو وہ فاسد ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ (متقاضی ضمان) ہوگا۔

اور اگر صحیح ہونے کی صورت میں عدم ضمان کا متقاضی ہو جیسے رہن اور بغیر بدلہ کے ہبہ اور کرایہ پر لیا ہوا سامان، تو وہ فاسد ہونے کی صورت میں بھی اسی طرح ضمان کا متقاضی نہیں ہوگا^(۱)۔

اسی کے مثل حاشیۃ الجمل وغیرہ کتب شافعیہ میں ہے^(۲)۔

۲۷- تصرفات اور امانات کے عقود میں بطان کے ساتھ اہل شخص کی جانب سے اجازت ہونے کی صورت میں ضمان کے نہ ہونے کا اعتبار اور غیر اہل کی جانب سے اجازت ہونے کی صورت میں ضمان ہونے کا اعتبار کرنا، یہی فی الجملہ حنفیہ کا بھی مسلک ہے جیسا کہ ان کے قول سے مستفاد ہوتا ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کون

(۱) نہایۃ المحتاج ۵/ ۲۲۸-۲۲۹، ص ۲۷۳-۲۷۵، الجمل علی الحج ۳/ ۵۱۷، الاشیاء للسیوطی ص ۳۰۹، طبع الجملی، ابنی المطالب ۳/ ۷۹، شرح منیٰ لارادات ۲/ ۳۶۶، المغنی ۳/ ۲۵۵، ۵/ ۷۳، القواعد لابن رجبہ ص ۶۷، ۱۵۳۔

(۲) الجمل علی الحج ص ۲۹۱۔

نکاح میں بطان کا اثر:

۲۸- جمہور کے نزدیک عمومی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ باطل اور فاسد کے درمیان فرق نہیں ہے، حنفیہ بھی ان کے ساتھ نکاح کے باب میں اس میں متفق ہیں، جیسا کہ ان کے عمومی قواعد سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ فقہاء کبھی نکاح غیر صحیح کے لئے باطل کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کبھی فاسد کا لفظ، اور ان دونوں الفاظ سے مراد وہ لیتے ہیں جو صحیح کے بالمقابل ہو۔

لیکن فاسد سے ان کی مراد وہ نکاح ہے جس کے فاسد ہونے میں فقہی مسالک کے درمیان اختلاف ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح کرنا، مالکیہ گواہوں کے بغیر نکاح کو درست قرار دیتے ہیں، البتہ شرط لگاتے ہیں کہ دخول سے پہلے گواہ بنالیا جائے، ایسے نکاح کو ابو ثور اور ایک جماعت بھی درست قرار دیتی ہے، اور جیسے حج کے احرام کی حالت میں نکاح، اور بغیر ولی کے نکاح، ان دونوں نکاح کو حنفیہ درست بتاتے ہیں، اور جیسے نکاح شغار جس کو حنفیہ صحیح قرار دے کر شرط کو لغو قرار دیتے ہیں اور دونوں عورتوں کے لئے مہر مثل واجب کرتے ہیں۔

اور باطل سے فقہاء کی مراد ایسا نکاح ہے جس کا فاسد ہونا فقہی مسالک میں متفقہ ہو جیسے (چار بیوی کے ہوتے ہوئے) پانچویں سے نکاح، یا دوسرے کی منکوحہ سے نکاح، یا تین طلاق والی سے نکاح یا محرم سے نکاح^(۱)۔

باطل یا فاسد نکاح کو فسخ کرنا واجب ہے، اگر اس کا فساد ہونا متفقہ

اجازت کا اہل ہوگا اور کون نہیں، جیسے سفیہ، اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ کون سے عقود صحیح ہونے کی صورت میں قابل ضمان ہیں اور کون سے غیر قابل ضمان ہیں جیسے رہن اور عاریت^(۱)۔

امام ابو حنیفہ بیع باطل میں بیع کو اگر مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا ہو، امانت قرار دیتے ہیں، اگر بیع ہلاک ہو جائے تو خریدار پر ضمان نہیں ہوگا، اس لئے کہ عقد جب باطل ہو گیا تو مالک کی اجازت سے محض قبضہ باقی رہا، جو ضمان کو واجب نہیں کرتا ہے، لہذا یہ کہ تعدی پائی جائے، اور جو لوگ ضمان کے قائل ہیں وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قبضہ خریداری کا بھادگر کے قبضہ کرنے سے کم درجہ کا نہیں ہوگا، (اور جب اس میں ضمان ہوتا تو اس میں بھی ہوگا)^(۲)۔

مالکیہ عقد فاسد میں یہ فرق کرتے ہیں کہ جس چیز پر مالکانہ قبضہ کیا گیا ہو وہ تو قابل ضمان ہوگا، اور جس پر بطور امانت قبضہ کیا گیا ہو اس میں ضمان نہیں ہوگا۔

”الفواک الدوائی“ میں ہے: ہر فاسد بیع جس پر خریدار نے دائمی قبضہ بیع مکمل ہونے کے بعد کیا ہو تو خریدار کی طرف سے اس کا ضمان اس پر قبضہ کے دن سے ہوگا، اس لئے کہ اس نے اس پر مالکانہ قبضہ کیا ہے، امانت کے بطور نہیں^(۳)۔

اسی کے مثل شرکت میں ہے، اگر ایسے شخص نے شرکت کی جس کا اذن معتبر نہیں ہے جیسے غیر اجازت یافتہ بچہ یا سفیہ، تو اس پر ضمان نہیں ہوگا^(۴)۔

(۱) القواعد والفوائد الاصولیہ ص ۱۱۲، الہدایہ ص ۳۳۳، الاشباہ لابن نجیم ص ۳۳۷، جامع احکام الصغار ص ۱۷۲، البدائع ص ۵/۷۳، فتح القدیر والفتاویٰ والکفایہ ص ۹۰/۵، ابن ماجہ ص ۳۰۳۔

(۲) ابن ماجہ ص ۱۰۵/۳، البدائع ص ۵/۳۰۵، نیز دیکھئے جامع المصنوع ص ۸۱/۲۔

(۳) الفواک الدوائی ص ۱۲۹۔

(۴) الدرر ص ۳۳۸/۳۔

(۱) بدائع الصنائع ص ۳۳۵/۲، فتح القدیر ص ۱۳۷/۲، ابن ماجہ ص ۳۵۰/۲۔
۳۵۱، ۶۰۷-۶۰۸، حامیہ الدرر ص ۲۳۱/۲، ۲۳۸، جوہر الاکلیل ص ۲۸۵/۲، معج الجلیل ص ۳۹۲-۵۲، نہایہ المحتاج ص ۲۲۰/۶، الہدایہ ص ۶۳/۳، مفتی المحتاج ص ۱۳۷/۳، مفتی ص ۵۳/۶، مفتی ص ۵۶/۳، منتہی الارادات ص ۸۲/۳، ۸۳، ۲۱۱۔

سے پہلے تفریق ہو جائے تو حنابلہ کے نزدیک مہر کا استحقاق نہیں ہوگا^(۱)۔

اس سے بعض مسائل متشقی ہیں جن میں دخول سے پہلے نصف مہر ثابت ہوتا ہے، ان ہی مسائل میں مالکیہ کا یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر سبب فساد مہر میں خلل نہ پیدا کرتا ہو جیسے حج کا احرام باندھنے ہوئے شخص کا نکاح، تو طلاق کی صورت میں نصف مہر اور موت کی صورت میں مکمل مہر ہوگا۔

اسی طرح مالکیہ کے نزدیک وہ نکاح جو اپنے مہر کے شرعی مہر سے کم ہونے کی وجہ سے فاسد ہو اور شوہر مہر پورا کرنے پر آمادہ نہ ہو (یہ صورت ”نکاح لدہمیں“ کہلاتی ہے، اس لئے کہ دو درہم کی مقدار مہر شرعی سے کم ہے)، اس نکاح میں دخول سے پہلے فسخ کی صورت میں دو درہم کا نصف واجب ہوگا^(۲)۔

ایسا ہی مسئلہ وہ بھی ہے جب دخول سے پہلے شوہر باعث حرمت رضاعت کا دعویٰ بلا ثبوت کرے اور بیوی شوہر کی تصدیق نہ کرے تو نکاح کو فسخ کر دیا جائے گا، اور شوہر پر نصف مہر ہوگا جیسا کہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں^(۳)۔

مطلقاً نکاح فاسد میں دخول (وطی) کی وجہ سے مہر کے وجوب پر فقہاء کا اتفاق ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”ایما امرأة أنکحت نفسها بغير إذن ولیها فنکاحها باطل، فإن دخل بها فلا مهر مثلها“^(۴) (جس خاتون نے بھی اپنا نکاح

ہو تو سبھوں کے نزدیک فسخ کرنا واجب ہوگا، اور اگر اس کے فاسد ہونے میں اختلاف ہو تو جن کے نزدیک فاسد ہوگا ان کے نزدیک فسخ کرنا واجب ہوگا، البتہ اگر کوئی حاکم اس نکاح کی صحت کا فیصلہ کر دے تو اس کا فیصلہ نہیں توڑا جائے گا، اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ جس نکاح کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہے اس میں تفریق طلاق نہیں ہے، بلکہ محض فسخ یا متارک ہے، البتہ جس نکاح کے فاسد ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس میں تفریق طلاق ہوگی یا نہیں اس میں اختلاف ہے^(۱)، (دیکھئے: ”طلاق“، ”تفرقت“ اور ”فسخ“)۔

باطل یا فاسد نکاح کے لئے دخول سے پہلے فی الجملہ کوئی حکم نہیں، جیسا کہ عنقریب آئے گا، اس لئے کہ یہ درحقیقت نکاح ہی نہیں ہے، کیونکہ باطل یا فاسد عقد کی وجہ سے منافع بضع (جنسی لطف اندوزی) کی ملکیت حاصل نہیں ہے۔

لیکن اگر دخول ہو جائے تو فاسد نکاح سے بعض احکام متعلق ہوتے ہیں، اس لئے کہ حاصل شدہ منافع کے حق میں اس نکاح کو ضرورتاً منعقد مانا جاتا ہے^(۲)۔

ذیل میں اس سے تعلق رکھنے والے اہم احکام بیان کئے جا رہے ہیں:

الف- مہر:

۲۹- نکاح فاسد میں خواہ نکاح کا فاسد ہونا متفقہ ہو یا مختلف فیہ، اگر دخول سے پہلے تفریق ہوئی ہو تو فی الجملہ متفقہ طور پر مہر کا استحقاق نہیں ہوگا، اور جس نکاح کے فاسد ہونے میں اختلاف ہو اس میں خلوت

(۱) بدائع الصنائع ۲/۳۳۵، فتح القدیر ۳/۲۲۳، الفتاویٰ الالبندیہ ۱/۳۳۰، الدسوقی ۲/۲۴۰، البحر فی القواعد ۳/۹، منشیٰ لادارات ۳/۸۳، المغنی ۳/۵۵۶۔

(۲) جوہر لاکلیل ۱/۲۸۵، منج البجلیل ۲/۳۵۶۔

(۳) جوہر لاکلیل ۱/۲۸۵، المغنی ۷/۵۶۰، منشیٰ لادارات ۳/۲۲۳۔

(۴) حدیث: ”ایما امرأة.....“ کی روایت ابو داؤد (۵۶۶/۲) طبع عزت عبید دھاس، احمد (۳/۷۶) طبع المصیہ) اور ترمذی نے (۳/۲۰۸) طبع

(۱) ابن ماجہ ۲/۳۵۱، الفتاویٰ الالبندیہ ۱/۲۷۹، ۳۳۰، البدائع ۲/۲۶۳، المفواکر الدوائی ۲/۳۵۳، والقوانين الفقهیہ ۳/۱۳۰، المہذب ۲/۳۶۲، ۳/۷، روئے الطالکین ۷/۵۱، منشیٰ لادارات ۳/۸۳، المغنی ۶/۵۵۰۔

(۲) بدائع الصنائع ۲/۳۳۵۔

اور مسمی میں جو کم ہو وہ ملے گا، مالکیہ کے نزدیک مہر مسمی ملے گا، اور اگر مہر مسمی نہ ہو جیسے نکاح شغار تو مہر مثل ملے گا، شافعیہ اور حنفیہ میں سے امام زفر کے نزدیک مہر مثل ملے گا، حنابلہ کے نزدیک فاسد میں مہر مسمی اور باطل نکاح میں مہر مثل ملے گا^(۱)۔

اس موضوع میں بہت ساری تفصیلات ہیں جو ”مہر، صداق، نکاح“ کی اصطلاحات میں دیکھی جائیں۔

ب- عدت اور نسب:

۳۰- فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسے نکاح میں وطی کی وجہ سے نسب ثابت ہوگا اور عدت واجب ہوگی جس کی بابت فقہی مسالک میں اختلاف ہے، جیسے بغیر گواہوں کے نکاح، بغیر ولی کے نکاح اور جیسے حج کا احرام باندھنے والے کا نکاح اور نکاح شغار، حنابلہ اضافہ کرتے ہیں کہ خلوت سے بھی دونوں (ثبوت نسب اور وجوب عدت) ثابت ہوں گے، اس لئے کہ ایسا نکاح حاکم کے فیصلہ سے نافذ ہو جاتا ہے تو وہ صحیح کے مشابہ ہوگا۔

اسی طرح فقہاء متفق ہیں کہ جو نکاح بالاجماع فاسد ہو اس میں بھی وطی کی وجہ سے عدت واجب ہوگی، اور نسب ثابت ہوگا جیسے عدت والی عورت سے نکاح، دوسرے کی منکوحہ اور محرم سے نکاح، بشرطیکہ کوئی ایسا شبہ پایا گیا ہو جس سے حد ساقط ہوگئی ہو مثلاً وہ شخص حرمت سے واقف نہ ہو، اور اس لئے بھی کہ فقہاء کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جس میں حد ساقط ہوگئی ہو اس میں بچہ وطی کرنے والے سے جوڑا جائے گا۔

لیکن اگر حد ساقط کر دینے والا شبہ نہ ہو، بایں طور کہ وہ حرمت سے واقف ہو تو جمہور کے نزدیک بچہ کا نسب اس شخص سے نہیں جوڑا جائے گا،

(۱) ساتھ مراجع۔

اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا اس کا نکاح باطل ہے، اگر شوہر نے اس سے دخول کر لیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔ نبی کریم ﷺ نے عورت کو مہر مثل کا حق دیا جب کہ نکاح کو فاسد بتایا گیا اور مہر کو دخول سے جوڑا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ مہر کا وجوب دخول سے متعلق ہے، حنابلہ کے نزدیک مختلف فیہ نکاح میں بھی خلوت کی وجہ سے مہر واجب ہوگا، ”مثنیٰ لارادات“ میں ہے: اس نص کی وجہ سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”فلها المهر بما استحل من فرجها“^(۱) (عورت کو مہر ملے گا اس وجہ سے کہ شوہر نے اس کے شرمگاہ کو حلال کیا)۔

لیکن ابن قدامہ نے المغنی میں ذکر کیا ہے کہ نکاح فاسد میں خلوت کی وجہ سے کچھ بھی مہر واجب نہیں ہوتا، مہر کا وجوب تو صرف وطی سے ہوتا ہے، اور وہ نہیں پائی گئی، پھر فرمایا: امام احمد سے ایسا بھی مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خلوت بھی صحیح کی طرح ہے، لہذا اس نکاح میں بھی نکاح صحیح کی طرح مہر واجب ہوگا، لیکن پہلی رائے رائج ہے، مالکیہ کا کہنا ہے کہ عورت سے بغیر وطی کے لطف اندوز ہونے والا اجتہاد کی رو سے وجوباً عوض دے گا، خواہ نکاح کے فاسد ہونے میں اتفاق ہو یا اختلاف^(۲)۔

فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ مہر مسمی (مقررہ مہر) واجب ہوگا یا مہر مثل؟

حنفیہ کے نزدیک - سوائے امام زفر کے - عورت کو اس کے مہر مثل

= الخلی نے کی ہے اور اسے صحت بتایا ہے۔

(۱) حدیث: ”فلها المهر.....“ کی تخریج ابھی گذر چکی ہے۔

(۲) البدائع ۳/۳۳۵، فتح القدیر ۳/۲۳۳، ابن عابدین ۲/۵۰۳-۵۱۳، حاشیۃ الدسوقی ۲/۲۳۰-۲۳۱، ۳۱۷، جوہر لولکیل ۱/۲۸۵، منہج الجلیل ۲/۵۱۳-۵۲، المہذب ۲/۳۶۳، روضۃ الطالبین ۲/۵۱۳، نہیۃ المحتاج ۲/۲۰۰، المنہج ۲/۲۰۰، مثنیٰ لارادات ۳/۸۳، نیل المارب ۲/۲۰۰، المغنی ۲/۲۷۷۔

بطان • ۳، بعض

اس کے علاوہ فقہاء کے درمیان عدت میں اختلاف ہے کہ اس کا اعتبار تفریق کے وقت سے ہوگا یا آخری طہی سے؟
اور کیا کئی عدت کا باہم تداخل ہوگا یا تداخل نہیں ہوگا بلکہ (ہر ایک عدت) از سر نو شروع ہوگی؟
اور کیا دخول کے وقت سے نسب کا اعتبار ہوگا یا عقد کے وقت سے؟
اور کیا نکاح باطل سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں، اور کیا ایسے نکاح سے وراثت کا ثبوت ہوگا یا نہیں؟
ان تمام امور میں بہت ساری تفصیلات ہیں جو اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

بعض

دیکھئے: ”بعضیہ“۔



یہی حکم بعض مشائخ حنفیہ کے نزدیک بھی ہے، کیونکہ جب حد واجب ہوگئی تو نسب ثابت نہیں ہوگا، امام ابوحنیفہ اور بعض مشائخ حنفیہ کے نزدیک نسب ثابت ہوگا، اس لئے کہ عقد میں شبہ ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد سے مروی ہے کہ شبہ اس صورت میں ختم ہو جائے گا جب نکاح اجماعی طور پر حرام ہو، اور جس سے نکاح کیا ہے وہ دائمی حرام ہو جیسے ماں اور بہن، لہذا دائمی حرمت والی عورت سے نکاح میں صاحبین کے نزدیک نسب ثابت نہیں ہوگا، خیر ربی نے ”باب المہر“ میں ”یعنی“ اور ”مجمع الفتاویٰ“ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نسب ثابت ہوگا صاحبین کے نزدیک نہیں، مگر امام محمد سے مروی ہے کہ انہوں نے حکمی شبہ کی وجہ سے اس سے حد ساقط ہونے کی بات کہی ہے، لہذا نسب ثابت ہوگا۔

یہ تفصیلات ایسے نکاح میں نسب کی بابت تھیں جس کی حرمت پر اجماع ہو اور حرمت کا علم بھی (نکاح کرنے والے کو) ہو، جہاں تک عدت کا تعلق ہے تو مالکیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے قائلین ثبوت نسب کے نزدیک عدت واجب ہوگی، اور اسے استبراء کہا جائے گا۔
لیکن شافعیہ اور حنفیہ میں سے جو ثبوت نسب کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک عدت واجب نہیں ہوگی (۱)۔

(۱) البدائع ۲/۳۳۵، ۷/۳۵۶، ابن ماجہ ۲/۳۵۰، ۳۵۱-۳۵۲، ۶۰۷-۶۰۸، ۶۰۹، ۱۵۳/۳، ۱۵۳، فتح القدیر ۳/۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۷، ۱۲/۵۲۰، ۵۲۱، الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۷۹، ۲۸۰، المزیلی ۲/۱۵۳، جامعہ الدبوتی ۲/۲۱۹، ۳/۳۷۵، جوہر الاکلیل ۱/۳۸۶، معجم الجلیل ۲/۳۷۵، ۳۸۱، القوائین المعقہ لابی جزی رص ۱۲۰، نہایت المحتاج ۷/۱۱۹، ۱۲۰، ۱۶۸، شرح روض الطالب ۳/۱۲۱، ۱۵۰، روضۃ الطالبین ۷/۳۲، ۵۱، ۱۰/۵۳، معنی المحتاج ۳/۱۳۷-۱۳۸، المہذب ۲/۱۳۶، ۱۵۱، الوجہ ۲/۱۱، الاشباہ والنسب ۱/۵۰، المحوری ۲/۳۲۹، المعنی ۶/۳۵۵-۳۵۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷،

ہے (۱)۔

اجمالی حکم:

فقہاء نے اس اصطلاح کا استعمال کتب فقہ میں چند مواقع پر کیا ہے، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

طہارت کے باب میں:

۳- سر کے مسح کی واجب مقدار کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک ماصیہ کی مقدار یعنی چوتھائی سر کا مسح کرنا واجب ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا واجب ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اتنی مقدار کافی ہے جس کو مسح کر کہا جاسکے، خواہ وہ مقدار قلیل ہو (۲)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”وضو“ میں دیکھی جائے۔

اسی طرح فقہاء کا اس شخص کی بابت اختلاف ہے جس کے پاس صرف اپنے بعض اعضاء (دھونے) کے لائق پانی ہو، حنفیہ، مالکیہ اور اکثر علماء کی رائے ہے کہ ایسا شخص اس پانی کو چھوڑ دے گا جو صرف اس کے بعض اعضاء کے لئے کافی ہو، اور تیمم کر لے گا، حنابلہ کی ایک رائے یہی ہے۔ شافعیہ کا اظہر قول یہ ہے کہ اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانی استعمال کرے، پھر تیمم کرے، حنابلہ کی دوسری رائے یہی ہے (۳)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”تیمم“ میں دیکھی جائے۔

(۱) المصباح لمیر، مادہ ”فرع“۔

(۲) الہدایہ مع فتح القدیر ۱۰/۱، کشاف القناع ۹۸/۱، المغنی ۱۲/۵، المجموع ۳۹۹۔

(۳) جامعہ الطحاوی علی الدر المختار ۱۲/۵، موابہ الجلیل ۳۳/۱، تلبیوہ عمیرہ ۸۰/۱، المغنی ۲۳۲۔

بعضیہ

تعریف:

۱- بعضیہ کا لفظ ”بعض“ کا مصدر صناعی ہے، ”بعض الشيء“ کسی چیز کا ایک حصہ، اور بعض کہتے ہیں: اس کا ایک جزء، اس کی جمع ”أبعاض“ ہے۔

ثعلب فرماتے ہیں: اہل نحو کا اتفاق ہے کہ بعض کا مطلب کسی شے میں سے کچھ حصہ یا اشیاء میں سے ایک شے ہے، اس لفظ سے نصف سے زائد مراد ہو سکتا ہے، جیسے آٹھ کو شئی من العشرة کہا جاسکتا ہے، اور نصف سے کم پر بھی بولا جاسکتا ہے۔

”بعضت الشيء تبعیضاً“ کا مطلب ہے میں نے شے کو علاحدہ علاحدہ ممتاز جز بنا دیا (۱)۔

اصطلاح میں یہ لفظ اپنے لغوی معنی سے خارج نہیں ہے (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

۲- تعلق رکھنے والے الفاظ میں سے ”جزئیہ“ اور ”فرعیہ“ ہیں، یہ باہم متقارب الفاظ ہیں، اس لئے کہ ”جزئیہ“ کا لفظ ”جزء“ سے ہے اور ”شئی کا جزء“ اس کا ایک حصہ ہوتا ہے (۳)، اور ”فرعیہ“ کا لفظ ”فرع“ سے ہے اور یہ وہ ہے جو اپنی اصل سے فرع (شاخ)

(۱) لسان العرب، المصباح لمیر، مادہ ”بعض“۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۸/۳۶۳، مفتی المحتاج ۴۹۹، القناع ۱۱۶/۲۔

(۳) المصباح لمیر، مادہ ”جزء“۔

نماز کے باب میں:

۴۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس شخص کے پاس صرف اس قدر کپڑا ہو جس سے وہ اپنی شرم گاہ (پوشیدہ رکھنے کے اعضاء) کے بعض حصہ کا ستر کر سکے تو اس حصہ کا ستر اس پر ضروری ہوگا^(۱)، شافعیہ کی اصطلاح میں ”ابحاض صلاۃ“ سے مراد وہ سنتیں ہیں جن کی تلافی (ان کے چھوٹ جانے کی صورت میں) سجدہ سہو سے کی جاتی ہے، اور وہ صبح (کی نماز) میں یا نصف ماہ رمضان کی نماز وتر میں قنوت، قنوت کے لئے قیام، تشهد اول، اس کا تعدہ، نبی ﷺ پر درود (قول اظہر کے مطابق) ہیں، انہیں ابحاض اس لئے کہا گیا کہ جب سجدہ سے ان کی تلافی لازم ہوئی تو یہ حقیقی ابحاض یعنی ارکان کے مشابہ ہو گئے^(۲)۔

ان کے علاوہ سنتوں کو ”ہینات“ کہا جاتا ہے جن کی تلافی سجدہ سہو سے نہیں ہوتی، اور نہ ان کے لئے سجدہ شروع ہے، شافعیہ کے نزدیک ”بعض“ چند امور میں ”ہینت“ سے ممتاز ہے:

اول: بعض کی تلافی سجدہ سہو سے ہو جاتی ہے، برخلاف ہیئت کے کہ اس کی تلافی سجدہ سہو سے نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس کی بابت سجدہ سہو کا حکم وارد نہیں ہے۔

دوم: بعض مستقل سنت ہے، دوسرے کی تابع نہیں، اس کے برخلاف ہیئت مستقل نہیں ہے، بلکہ ارکان کے تابع ہے جیسے تکبیرات، تسبیح، دعائیں جو قیام یا رکوع، یا رکوع سے اٹھنے یا سجدہ یا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے اوقات کی ہیں۔

سوم: نماز میں ابحاض کے اپنے مخصوص مقام ہیں جن میں دوسرا ان کے شریک نہیں ہے، اس کے برخلاف ہینات کے لئے مخصوص مقام

نہیں ہیں، بلکہ وہ ارکان کے اندر پائی جاتی ہیں، جیسا کہ ابھی گذرا۔ چہارم: نماز کے باہر ابحاض کی انجام دہی مطلوب نہیں ہوتی، سوائے درود شریف کے، ہینات اس سے مختلف ہیں، چنانچہ تکبیرات اور تسبیحات وغیرہ اذکار نماز کے اندر اور باہر دونوں مطلوب ہوتے ہیں۔ عدا بعض کا ترک شافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اس کے ترک سے احتیاباً سجدہ سہو کیا جائے گا، جیسا کہ نسیاناً اس کے ترک پر شافعیہ کے معتد قول کے مطابق سجدہ کیا جاتا ہے، اس لئے کہ خلل دونوں حالتوں میں پایا جا رہا ہے، بلکہ عدا ترک کا خلل زیادہ بڑھا ہوا ہے تو اس کی تلافی کی ضرورت بھی زیادہ ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مرجوح قول یہ ہے کہ اگر عدا ترک کر دیا تو سجدہ نہیں کرے گا، اس لئے کہ خود کو سنت سے محروم رکھنے کی کوتاہی اس نے کی ہے، برخلاف بھول جانے والے کے کہ وہ معذور ہے، تو اس کے لئے تلافی کی مشروعیت مناسب ہوئی^(۱)۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بعض واجب کے بالمقابل ہے، حنفیہ کے نزدیک بعض وہ ہے جس کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن اگر عدا ترک کر دیا یا سہو ترک کیا اور سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز کا اعادہ اس پر واجب ہوگا، اگر نماز کا اعادہ نہیں کیا تو گنہ گار ہوگا، اور نماز دونوں حالتوں میں درست ہوگی۔

اگر واجب کو عدا ترک کر دیا تو حنابلہ کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی، اور اگر بھول کر چھوڑا تو حنفیہ اور حنابلہ دونوں کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہوگا^(۲)، مالکیہ کے نزدیک شافعیہ کی طرح ابحاض سنت ہے، لیکن مالکیہ اس کو سنت کا نام نہیں دیتے، اسی طرح ان کے

(۱) تحفۃ المحتاج ۲/ ۳۳، ۴۰، ۴۳، ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰،

نزدیک سجدہ سہونت ہے^(۱)، (دیکھئے: ”صلاۃ“۔)

طلاق، ظہار اور آزادی غلام کے باب میں:

۷- فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلاق یا ظہار میں بعضیت یا جزیت نہیں ہوتی، اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا: ”تو طلاق والی ہے بعض طلاق، یا نصف طلاق، یا جزء طلاق“ تو ایک پوری طلاق واقع ہوگی^(۱)، اسی طرح فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے طلاق یا ظہار کی نیت اپنی زوجہ کے بعض حصہ کی طرف کی تو مکمل طلاق یا ظہار لازم ہوگا، اگر وہ بعض حصہ جزء شائع (غیر متعین حصہ) ہو جیسے زوجہ کا نصف یا اس کا تہائی حصہ، اور اگر طلاق یا ظہار کی نیت کسی متعین جزء کی جانب کی^(۲) تو اس میں تفصیل و اختلاف ہے جس کے لئے اصطلاح ”طلاق، ظہار“ کی جانب رجوع کیا جائے۔

حق (آزادی غلام) میں بعضیت پر بحث کے لئے اصطلاح ”حق“ دیکھی جائے۔

شہادت کے باب میں:

۸- بیٹے کی شہادت اپنے باپ کے حق میں بعضیت کی وجہ سے رد کر دی جائے گی، یہی جمہور علماء کا قول ہے، لیکن باپ کے خلاف بیٹے کی شہادت عام اہل علم کے نزدیک قبول کی جائے گی، فقہاء نے بیٹے کی شہادت اپنے باپ کے حق میں اس لئے رد کر دی کہ دونوں کے درمیان بعضیت ہے تو یہ شہادت کو یا خود اپنے لئے یا اپنے خلاف قرار پائے گی^(۳)۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۵۱۵/۲، القوانین الفقہیہ ص ۲۳۳، مغنی المحتاج ۳۹۸، کشف المحجرات ص ۳۹۱۔

(۲) زرقانی شرح مختصر خلیل ۱۰۹/۳، الخرش ۱۰۵/۳، فتح القدیر ۵۲/۳-۵۳، ۲۲۸-۲۲۹، ۳۶۱، المغنی ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، کشاف القناع ۵۱۵/۳، ۵۱۶/۳-۵۱۷/۳، المحلی شرح المصابیح ۳۳۳/۳، ۳۳۴/۳، ۳۳۵/۳۔

(۳) فتح القدیر ۳۰/۶، الخرش ۷۹/۷، المحلی علی المصابیح ۳۳۲/۳، الوجیز ۲۵۰/۳، المغنی ۱۹۱/۹، ۱۹۲/۹۔

زکاۃ کے باب میں:

۵- زکاۃ دینے والے پر جن لوگوں کا نفقہ رشتہ زوجیت یا بعضیت جیسے بیٹے و بیٹیاں ہونے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، ان کو اقراء و مساکین کے حصہ میں سے نہیں دیا جائے گا، اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جب زکاۃ دینے والے پر نفقہ واجب ہو^(۲)۔

صدقہ فطر کے باب میں:

۶- اگر کسی کے پاس فطرہ میں ایک صاع کا بعض حصہ ہی ہو تو کیا اس کا نکالنا واجب ہوگا؟

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ فطرہ صرف ایسے شخص پر واجب ہے جو اپنی رہائش، کپڑے، اثاثہ جات اور اشیاء ضرورت کے علاوہ نصاب زکاۃ کا مالک ہو^(۳)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے نصاب زکاۃ کے مالک ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے، ان حضرات کا اتفاق ہے کہ جو شخص ایک دن رات کی غذا سے زائد ایک صاع کا مالک ہو اس پر اس کا نکالنا ضروری ہے، لیکن جو بعض صاع کا مالک ہو اس کا نکالنا مالکیہ کے نزدیک واجب ہے، یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ بقدر امکان واجب پر عمل کرتے ہوئے بعض صاع کا نکالنا صحیح قول میں واجب ہے^(۴)۔

دیکھئے: اصطلاح ”زکاۃ“۔

(۱) القوانین الفقہیہ ص ۶۹، ۶۹-۷۰۔

(۲) القناع ۱۱۶/۳، المجموع ۷۸/۶، المغنی ۳۸۲/۳۔

(۳) الہدایہ مع الفتح ۲۹۲/۳-۳۰۔

(۴) زرقانی ۱۸۶/۳، المغنی ۷۵/۳، المحلی مع قلیوبی و عمیرہ ۳۵/۳۔

دیکھئے: اصطلاح ”شہادت“۔

بعضیت کی وجہ سے غلام کی آزادی:

۹۔ شافعیہ کی رائے ہے کہ جو شخص اپنے اصول یا فروع (آباء، اجداد یا اولاد) میں سے کسی کا مالک ہو وہ اس سے آزاد ہو جائے گا، حنفیہ اور حنابلہ نے حنق (آزادی) کے دائرہ کو وسیع کر دیا ہے، انہوں نے فرمایا: اس صورت میں نسل محرم ہوتا ہے، تو جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک ہوگا وہ ذی رحم محرم اس سے آزاد ہو جائے گا۔

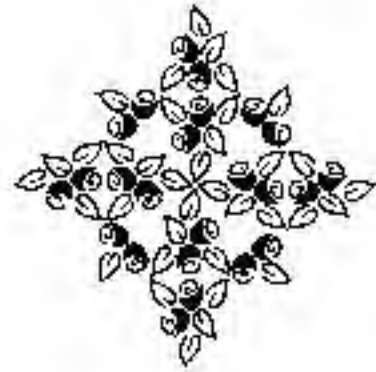
مالکیہ کا مذہب ہے کہ نفس ملکیت سے والدین اور ان سے اوپر کے لوگ، اولاد اور ان سے نیچے والے، حقیقی یا باپ شریک یا ماں شریک بھائی و بہن آزاد ہو جائیں گے^(۱)۔

بِغَاء

تعریف:

۱۔ ”بِغَاء“ کا لفظ ”بَغَتِ الْمَرْأَةُ تَبْغِي بِغَاءً“ کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے فسق و فجور کرنا، اس کی صفت ”بغی“ یعنی فاحشہ ہے، اس کی جمع ”بغایا“ ہے، یہ عورت کے ساتھ مخصوص وصف ہے، مرد کو ”بغی“ نہیں کہا جاتا ہے^(۱)۔

بِغَاء فقہاء کے عرف میں عورت کے زنا کو کہتے ہیں، مرد کے زنا کو ”بِغَاء“ نہیں کہتے ہیں، عورت کے بِغَاء سے مراد عورت کا باہر نکل کر ایسے آدمی کو تلاش کرنا ہے جو اس کے ساتھ وہ فعل کرے، خواہ عورت کو اس پر مجبور کیا گیا ہو یا مجبور نہیں کیا گیا ہو، یہ مفہوم آیت قرآنی ”وَلَا تُكْرَهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْتُمْ تَحْصُنَا“^(۲) (اور اپنی باندیوں کو مت مجبور کرو زنا پر جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں) کی تفسیر میں وارد علماء کے اقوال سے واضح ہوتا ہے، چنانچہ کتب تفسیر میں اس آیت کا سبب نزول یہ بتایا گیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کی کچھ باندیاں تھیں وہ ان کو اس فعل پر مجبور کیا کرتا تھا، اس آیت میں ان عورتوں کے اس فعل کو جس پر ان کو مجبور کیا گیا تھا ”بِغَاء“ کہا گیا، تو اگر ان کی رضامندی سے یہ فعل ہو تو اس پر اس لفظ کا اطلاق درست ہوگا بلکہ اولیٰ ہوگا، آیت کریمہ میں جو ”إِنْ أَرَدْتُمْ تَحْصُنَا“ کی قید لگی



(۱) لسان العرب، المصباح الحمیر، الصحاح، محیط الحیط، القاموس الحیط: مادہ ”بغی“۔

(۲) سورہ نور ۳۳۔

(۱) فتح القدیر ۳/۳۷۳، حاشیہ ابن عابدین ۹/۳۳، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر

۳۶۶/۳، نہایت المحتاج ۸/۶۳، اتھد ۱۰/۳۶۶۔

ہوئی ہے اس کی جانب اشارہ آئندہ آئے گا^(۱)۔

زانیہ عورت کے مہر لینے کا حکم:

۲- نبی کریم ﷺ نے بغی (زانیہ عورت) کے مہر سے منع فرمایا، حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن ثمن الکلب ومہر البغی وحلوان الکاهن“^(۲) (رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کے مہر اور کاهن کی اجرت سے منع فرمایا ہے)، کچھ زانیہ عورتیں اپنے زنا کا عوض لیا کرتی تھیں، چنانچہ آیت کریمہ ”وَلَا تُکْرَهُوا فَتِیَاتِکُمْ عَلٰی الْبَغَاءِ“ کی تفسیر میں حضرت مجاہد سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی باندیوں کو حکم دیتے تھے تو وہ زنا کرانی تھیں اور کماتی تھیں، پھر اپنی کمائی ان کے پاس لاتی تھیں، عبد اللہ بن ابی بن سلول کی ایک باندی تھی جو زنا کرواتی تھی، پھر اس نے اس عمل سے نفرت کر لی اور قسم کھائی کہ ایسا نہیں کرے گی تو عبد اللہ بن سلول نے اس کو مجبور کیا تو وہ گئی اور ایک سبز چادر کے عوض زنا کروائی، پھر اسے لے کر ان کے پاس آئی، اسی سلسلہ میں یہ آیت مازل ہوئی^(۳)۔

”مہر بغی“ سے مراد وہ اجرت ہے جس کے عوض عورت زنا کے لئے اپنی ذات کو اجرت پر دے، اس کی حرمت میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں ہے، بغاء سے تعلق رکھنے والے بقیہ احکام کی تفصیل کا مقام اصطلاح ”زنا“ ہے۔

بُغَاة

تعریف:

۱- لغت میں کہا جاتا ہے: ”بغی علی الناس بغیا“ یعنی اس نے ظلم اور زیادتی کی، ایسا شخص ”باغی“ کہلاتا ہے، اس کی جمع ”بغاة“ ہے، ”بغی“ یعنی فساد کی کوشش کی، اسی سے ہے ”الفئة الباغیة“ (باغی گروہ)^(۱)۔

فقہاء فی الجملہ اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں، البتہ وہ تعریف میں بعض قیود لگاتے ہیں، چنانچہ انہوں نے بغاۃ کی تعریف اس طرح کی کہ وہ امام برحق کی اطاعت سے تاویل کے ذریعہ نکل جانے والے مسلمان ہیں جن کو شوکت بھی حاصل ہو۔

امام کے مطالبہ کردہ کسی حق واجب جیسے زکاۃ کی ادائیگی سے گریز بھی بجز خروج تصور کیا جائے گا۔

بغاۃ کے علاوہ لوگوں کے لئے اہل عدل کا نام استعمال کیا جاتا ہے، یہ امام کی اطاعت و حمایت پر ثابت قدم رہنے والے لوگ ہوتے ہیں^(۲)۔

(۱) روح المعانی ۱۵۶/۱۸، القرطبی ۲۵۳/۱۲، احکام القرآن لابن العربی ۱۳/۲، تفسیر الطبری ۱۸/۳۔

(۲) حدیث: ”یہی رسول اللہ ﷺ.....“ کی روایت بخاری (فتح ۳۶۳/۳ طبع استنبی) اور مسلم (۳/۱۱۸ طبع المکتب) نے کی ہے۔

(۳) احکام القرآن لابن العربی ۱۳/۲، احکام القرآن للکلباء ۳/۲، صحیح ترمذی ۶۷/۵، ثمن ابن ماجہ ۳۰/۲۔

(۱) المصباح لسان العرب، مادہ ”بغی“۔

(۲) القرطبی ۳۱۶/۶، روح المعانی ۱۵۰/۶، معالم التنزیل بہامش ابن کثیر ۱۵/۸، حاشیہ ابن طاہرین ۳۰۸/۳، الہدایہ لفتح ۳۰۸/۳، حاشیہ اعلیٰ علی تبیین الحقائق ۳۰۳/۳، اشرح الصغیر ۳۲۶/۳، مواہب الجلیل ۲۷۸/۶، التاج والاکلیل ۲۷۶/۶، منہاج الطالبین وحاشیہ اقلیو بی ۷۰/۳، کشاف القناع ۱۵۸/۱۔

متعلقہ الفاظ:

الف-خوارج:

۲- جرجانی فرماتے ہیں: خوارج وہ لوگ ہیں جو سلطان کی اجازت کے بغیر مشر و صول کرتے ہیں^(۱)۔

یہ لوگ دراصل جنگ میں حضرت علیؑ کی صف میں تھے، جب انہوں نے تحکیم قبول کر لی تو یہ لوگ ان کے خلاف خروج کر گئے اور کہنے لگے، آپ جب حق پر ہیں تو حکم بنانا کیوں قبول کیا۔

ابن عابدین فرماتے ہیں: یہ لوگ حضرت علیؑ کو ان کے تحکیم قبول کرنے کی وجہ سے باطل پر سمجھتے ہیں، ان سے قتال کو واجب سمجھتے ہیں، اہل عدل کے خون کو مباح سمجھتے ہیں، ان کی خواتین اور بچوں کو قید کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ ان کی نظر میں کفار ہیں^(۲)۔

اکثر فقہاء کا خیال ہے کہ یہ لوگ (خوارج) بغاوت ہیں، ان کو کافر وہ نہیں سمجھتے، محدثین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ وہ مرتد کفار ہیں، ابن المنذر نے فرمایا: میرے علم کے مطابق کسی نے ان کو کافر قرار دینے میں محدثین سے اتفاق نہیں کیا ہے، ابن عبد البر نے ذکر کیا ہے کہ امام علیؑ سے ان کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا وہ کافر ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کفر سے ہی وہ بھاگے ہیں، کہا گیا: تو وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافقین تو اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں، پوچھا گیا: پھر وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو فتنہ کا شکار ہو گئے، تو اندھے اور بہرے ہو گئے، ہمارے خلاف بغاوت کی اور قتال کیا تو ہم نے بھی ان سے قتال کیا، حضرت علیؑ نے ان سے کہا: ہم تم سے تین باتوں کا وعدہ کرتے ہیں: ہم تم کو اللہ کی مسجدوں سے نہیں روکیں گے کہ تم ان

میں اللہ کا نام لو، اور ہم تمہارے ساتھ جنگ کا آغاز نہیں کریں گے، اور ہم تم سے ٹی کو نہیں روکیں گے جب تک کہ تمہاری حمایت ہمارے ساتھ ہو^(۱)۔

ماوردی فرماتے ہیں: اگر خوارج اپنے عقائد کا اظہار کریں جب کہ وہ اہل عدل کے ساتھ ملے جلے ہوں تو امام کے لئے جائز ہوگا کہ ان کی تعزیر کرے^(۲)۔
تفصیلی بحث اصطلاح ”فرق“ میں دیکھی جائے۔

ب- محاربین (حرابت (ڈاکہ زنی اور قتل) کا ارتکاب کرنے والے):

۳- ”محاربون“ کا لفظ ”حرابة“ سے مشتق ہے جو ”حرب“ کا مصدر ہے، ”حربہ بحرہ“ کا معنی ہے اس نے اس کا مال لے لیا، حارب: غصب کرنے اور لوٹ لینے والا^(۳)۔

”حرابة“ کا مفہوم حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے قطع طریق یعنی ڈکیتی بتایا ہے، فقہاء نے فرمایا: حرابتہ راگیروں کے خلاف خروج کر کے ان پر غالب آکر مال لوٹنا ہے، اس طور پر کہ راگیروں کو گزرنے سے روک دے، اور راستہ منقطع ہو جائے، خواہ یہ قطع کسی جماعت کی جانب سے ہو یا ایک فرد کی جانب سے ہو اگر قطع کی قوت اسے حاصل ہو، اور خواہ یہ قطع ہتھیار کے ذریعہ ہو یا بغیر ہتھیار کے لاٹھی اور پتھر وغیرہ کے ذریعہ، حرابتہ کو ”بڑی چوری“ کہتے ہیں۔

”چوری“ اس اعتبار سے کہا جائے گا کہ راستہ قطع کرنے والا (ڈاکو) امام کی نگاہ سے جس پر حفظ امن کی ذمہ داری ہے، چھپ کر مال لوٹتا ہے، اور ”بڑی“ اس وجہ سے ہے کہ اس کا ضرر عام

(۱) المغنی ۸/۱۰۵، ۱۰۷۔

(۲) الاحکام السلطانیہ ص ۱۵۸۔

(۳) لسان العرب، مادۃ ”حرب“۔

(۱) تعریفات للجر جانی ص ۹۱۔

(۲) حاشیہ ابن ماجہ ص ۳۱۰، البدائع ص ۱۳۰۔

بغاة ۴

ہوتا ہے کہ امن و امان ختم ہو جانے کی وجہ سے سکھوں سے راستہ کٹ جاتا ہے (۱)۔

پس حراہ اور بغی کے درمیان فرق یہ ہے کہ بغی میں تاویل کا وجود ضروری ہے، جب کہ حراہ کا مقصد زمین میں فساد پھیلانا ہے۔

بغی کا شرعی حکم:

۴- بغی حرام ہے، اور بغاوت کرنے والے گنہگار ہیں، لیکن بغی ایمان سے نکلتا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بغاوت کو اس آیت میں مومنین کہا ہے: ”وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأْضَلُّوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ تَكَ“ (۲) (اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تو ان کے درمیان اصلاح کرو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک وہ رجوع کر لے اللہ کے حکم کی طرف بے شک مسلمان (آپس میں) بھائی بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو)، ان سے قتال جائز ہے اور لوگوں پر ان سے قتال میں امام کا تعاون واجب ہے، اور ان سے قتال کے دوران اہل عدل میں سے جو مارا جائے وہ شہید ہے، اور اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں تو ان سے قتال ساقط ہو جائے گا، صنعائی فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص جماعت سے جدا ہو جائے، لیکن ان کے خلاف نہ خروج کرے اور نہ ان سے جنگ کرے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا، اس لئے کہ امام سے محض اختلاف کی

(۱) البحر الرائق ۲/۵، البدائع ۷/۹۰، حاشیہ العینی علی تبیین الحقائق ۳/۲۳۵، ہواہب الجلیل ۶/۹۱۳، لشرح الصغیر ۳/۹۱۳۔

(۲) سورہ حجرات ۹/۱۰۔

وجہ سے مخالف سے قتال واجب نہیں ہوتا (۱)۔

ایک حدیث میں جسے حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا: ”یا ابن مسعود: أتدري ما حكم الله فيمن بغى من هذه الأمة؟ قال ابن مسعود: الله ورسوله أعلم، قال: حكم الله فيهم ألا يتبع مدبرهم، ولا يقتل أسيرهم، ولا يذفف على جريحهم“ (۲) (اے ابن مسعود! کیا جانتے ہو کہ اس امت میں سے جو بغاوت کرے اس کے بارے اللہ کا کیا حکم ہے؟ ابن مسعود نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، ان کے قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور نہ ان کے زخمی کو قتل کیا جائے)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ بغی مذموم نام نہیں ہے، اس لئے کہ بغاوت کرنے والوں نے اپنی صواب دید میں جائز تاویل کی وجہ سے مخالفت کی، البتہ اس میں ان سے غلطی ہوگئی تو ان کے لئے ایک طرح کا عذر ہے، اس لئے کہ ان میں اجتہاد کی اہلیت ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: باغیوں کی مذمت سے متعلق جو کچھ واروہ اور جو فقہاء کے کلام میں بعض مواقع پر انہیں عصیان اور فسق کے وصف سے موصوف کیا گیا ہے وہ ان لوگوں سے متعلق ہے جن کے اندر اجتہاد کی اہلیت نہیں ہے یا جن کے پاس تاویل نہیں ہے (۳)، اسی

(۱) روح المعانی ۲۶/۱۵۱، سبل السلام ۳/۲۰۷۔

(۲) سبل السلام ۳/۲۰۹، روح المعانی ۲۶/۱۵۱، اور حدیث ”المدبری ما حکم اللہ“ کو حاکم (۲/۱۵۵ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) اور بیہقی (۸/۱۸۲ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے روایت کیا ہے بیہقی نے فرمایا:

اس کو کوثر بن حکیم نے بخاری روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۲۔

بغاة ۵-۶

کا دعویٰ کریں اور ان کے پاس تاویل و توجیہ اور قوت بھی ہو تو ایسے لوگ اہل بغاوت ہیں، جو لوگ بھی قتال کی طاقت رکھتے ہوں اہل بھی کے خلاف امام کی نصرت ان پر ضروری ہے، ابن عابدین فرماتے ہیں: خوارج بغاۃ میں سے ہیں۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں: اگر وہ امام کے خلاف خروج کریں تو وہ فاسق ہیں^(۱)۔

بغاوت کے تحقق کی شرطیں:

۶- مندرجہ ذیل صورتوں میں بغاوت ثابت ہوگی:

الف۔ امام کے خلاف خروج کرنے والے لوگ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہوں جنہیں قوت حاصل ہو اور تاویل فاسد کا سہارا لے کر انہوں نے امام کو معزول کرنے کے ارادہ سے ناحق خروج کیا ہو، لہذا اگر اہل ذمہ (ذمی لوگ) خروج کریں تو وہ بغاۃ نہیں بلکہ حربی قرار پائیں گے، اور اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ خروج کرے جس کے پاس نہ تاویل ہو اور نہ حکومت ظلی کا قصد تو وہ قطاع طریق (ڈاکوؤں کی جماعت) قرار پائیں گے، اسی طرح اگر ان کو قوت و شوکت نہ ہو، نہ ان سے قتال کا اندیشہ ہو، خواہ وہ تاویل کرتے ہوں (تو بھی وہ باغی نہیں کہلائیں گے)، اور اگر کسی حق جیسے خاتمہ ظلم کے لئے امام کے خلاف خروج کریں تو بھی وہ باغی نہیں کہلائیں گے، اور امام پر لازم ہوگا کہ وہ ظلم چھوڑ دے اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آئے، لوگ ان کے خلاف امام کا تعاون نہیں کریں گے، اس لئے کہ یہ ظلم میں تعاون ہوگا، اور نہ ہی خروج کرنے والے گروہ کا تعاون کریں گے، اس لئے کہ یہ خروج اور فتنہ پھیلانے میں تعاون ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے فتنہ ابھارنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

طرح اس صورت میں ہے جب کہ ان کی تاویل قطعی طور پر باطل ہو۔
۵- فقہاء نے باغیوں کے فعل کے جواز اور اس کے صغیرہ یا کبیرہ ہونے کے اعتبار سے ان کی چند قسمیں بیان فرمائی ہیں:

الف۔ باغی اگر اہل بدعت میں سے نہ ہوں تو وہ فاسق نہیں ہیں بلکہ وہ محض اپنی تاویل میں خطا پر ہیں، جیسے کہ فقہاء مجتہدین، ابن قدامہ فرماتے ہیں: میرے علم کے مطابق ان کی شہادت کے قبول کرنے میں کوئی اختلاف نہیں^(۱)، اس کا بیان عنقریب آئے گا، اسی طرح اگر انہوں نے خروج کی گفتگو تو کی لیکن اب تک خروج کا عزم نہیں کیا ہے تو امام کو ان سے تعرض کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ جنایت کا عزم نہیں پایا گیا، اس کی مثال وہ ہے جو بعض صحابہ کے ساتھ پیش آیا جنہوں نے امام کی نافرمانی کی لیکن غالب آنے کے طور پر نہیں، بایں طور کہ چند ماہ تک انہوں نے خلیفہ کی بیعت نہیں کی، پھر بیعت کی مقرر طے فرماتے ہیں: اس کی وجہ سے باغیوں پر لعنت، ان سے برائت اور ان کی تفسیق لازم نہیں ہوتی^(۲)۔

ب۔ اگر بغاۃ اہل عدل میں گھل مل جائیں اور اپنے اعتقاد کا اظہار کریں، جنگ نہ کریں تو بھی امام کو ان کی تعزیر کا حق ہوگا، اس لئے کہ اپنے اعتقاد کا اظہار کرنا اور اہل عدل میں اس کی اشاعت کرنا اور جنگ نہ کرنا گناہ صغیرہ شمار کیا جائے گا^(۳)۔

ج۔ اگر مسلمان کسی ایک امام پر اکٹھے ہو جائیں اور اس کی وجہ سے امن و امان میں ہوں، پھر مومنین کا ایک گروہ اس کے خلاف خروج کر جائے جو امام کے کسی ظلم کی وجہ سے نہیں بلکہ دعویٰ حق و ولایت کی وجہ سے ہو اور وہ کہیں کہ حق ہمارے ساتھ ہے اور حکومت

(۱) المغنی ۸/۱۱۷۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳۰۹/۳، مواہب الجلیل ۲۷۸/۶، حاشیہ الدربوٹی ۳۰۹/۳، تفسیر القرطبی ۲۲۱/۱۶۔

(۳) الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۵۸۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳۰۹/۳، حاشیہ الہامی ۳۰۹/۳، المغنی ۸/۱۱۸۔

بغاة ۷-۸

وہ کسی ایک علاقہ میں علاحدہ ہو گئے ہوں^(۱)، ہاں ان سے قتال کے لئے یہ چیز شرط ہے^(۲)۔

کس امام کے خلاف خروج بغاوت ہے؟
 ۷۔ جس شخص کی امامت اور بیعت پر مسلمان متفق ہو جائیں، اور اس کی امامت ثابت ہو جائے تو اس کی اطاعت اور اس کا تعاون واجب ہوگا، اسی طرح اگر اس کی امامت اس طور پر ثابت ہوئی ہو کہ سابق امام نے اس کو متعین کر دیا ہو، کیونکہ امام یا تو بیعت کی وجہ سے یا سابق امام کی جانب سے تقرری کے ذریعہ امام قرار پاتا ہے، اور اگر کوئی شخص امام کے خلاف خروج کرے اور اس کو مغلوب کر لے اور اپنی تلوار کے تل پر لوگوں پر غالب آجائے یہاں تک کہ لوگ اس کے سامنے جھک جائیں اور اس کے تابع ہو جائیں تو وہ امام ہو جائے گا جس کے خلاف خروج اور اس سے قتال حرام ہوگا^(۳)، تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”امامت کبریٰ“۔

بغاوت کی علامات:

۸۔ اگر کوئی جماعت امام کے خلاف خروج اور اس کے احکام کی مخالفت کی بات کرے، سر تابی کا اظہار کرے اور وہ گروہ بند ہوں اور

اور جو لوگ امام کے خلاف قوت کے ساتھ لیکن ایسی تاویل کا سہارا لے کر خروج کریں جو قطعی طور پر فاسد ہو اور مسلمانوں کی جان و مال کو حائل قرار دے لیں جو قطعی طور پر حرام ہیں، جیسے مرتدین کی تاویل، تو وہ بھی باغی نہیں کہلائیں گے، اس لئے کہ باغی وہ ہے جس کی تاویل میں صحت اور فساد دونوں کی گنجائش ہو، لیکن تاویل کا فاسد ہونا ہی اظہار ہو اور وہ اپنے زعم میں شریعت کا متبع ہو، اس کا فساد صحیح میں شامل قرار پائے گا اگر اس کے ساتھ دفاع کے لئے قوت بھی موجود ہو^(۱)۔

ب۔ لوگ کسی امام پر اکٹھا اور اس کی وجہ سے پُر امن ہوں اور راستے بھی مامون ہوں، اس لئے کہ اگر ایسا نہیں ہوگا تو امام یا تو بے بس ہوگا یا ظالم و جائر، اور اس کے خلاف خروج کرنا اور اس کو معزول کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ اس سے فتنہ نہ پیدا ہو ورنہ باہمی فتنہ و فساد چھیڑنے سے بہتر صبر کر لینا ہی ہے۔

ج۔ خروج مسلح ہو، یعنی قوت کے اظہار کے ساتھ ہو، اور کہا گیا ہے کہ جنگ و قتال کے ساتھ ہو، اس لئے کہ جو غیر مسلح طور پر امام کی نافرمانی کرے وہ باغی نہیں ہوگا، اور جو قوت کے اظہار کے بغیر امام کی اطاعت کا قیادہ اتار پھینکے وہ باغی نہیں ہوگا^(۲)۔

د۔ شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ خروج کرنے والوں کا اپنا ایک سربراہ ہو جس کی رائے پر وہ چلتے ہوں، خواہ وہ مقرر کردہ امام نہ ہو، اس لئے کہ جن کا سربراہ نہ ہو ان کی شوکت نہیں ہوگی۔

اور کہا گیا ہے: بلکہ شرط ہے کہ ان میں مقرر کردہ امام ہو۔
 اس کے ساتھ ساتھ بغاوت کے تحقق کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ

(۱) التاج والاکلیل ۲/۶۷-۲۷۸، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۲-۳۸۳، فتح القدر ۳/۳۱۳
 (۲) المشرح الصغیر ۳/۳۲۷

(۱) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۲-۳۸۳
 (۲) ان تمام شرائط کے سلسلہ میں دیکھئے: ابن حابدین ۳/۳۰۹-۳۱۰، فتح القدر ۳/۳۰۸-۳۰۹، حاشیہ اعلیٰ علی تبیین الحقائق ۳/۳۰۳، التاج والاکلیل ۲/۶۷-۲۷۸، مواہب الجلیل ۶/۲۷۷-۲۷۸، حاشیہ الدسوقی ۳/۳۰۹، المشرح الصغیر ۳/۳۲۷، المہذب ۲/۲۱۹، منہاج الطالبین وحاشیہ اقلیو بی ۱/۱۷۰-۱۷۱، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۲-۳۸۳، کشاف القناع ۶/۱۶۱، المغنی ۸/۱۰۷
 (۳) المغنی ۸/۱۰۷، الدر المختار وحاشیہ ابن حابدین ۳/۳۱۰، التاج والاکلیل ۲/۶۷-۲۷۸، منہاج الطالبین وحاشیہ اقلیو بی ۳/۱۷۳-۱۷۴

ہو تو ضرر کے ازالہ تک ہم ان سے غمیں گے (۱)۔

اہل فتنہ سے ہتھیار کی فروختگی:

۹۔ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ باغیوں اور اہل فتنہ کے ہاتھوں ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے، اس لئے کہ یہ معصیت پر تعاون کے دروازہ کو بند کرنا ہے، اسلمہ کو کرایہ یا معاوضہ میں انہیں دینے کا بھی حکم ہے، امام احمد نے فرمایا: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع السلاح فی الفتنۃ“ (۲) (رسول اللہ ﷺ نے فتنہ کے زمانہ میں ہتھیار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ ان سے ہتھیار فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ یہ معصیت پر تعاون ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ (۳) (ایک دوسرے کی مددگی اور تقویٰ میں کرتے رہو، اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)، اور اس لئے بھی واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے ہتھیار لے لئے جائیں تاکہ وہ فتنہ میں ان کا استعمال نہ کر سکیں، تو ان سے ہتھیار فروخت کرنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

اور کراہت کا حکم نفس ہتھیار کو بیچنے کا ہے جو استعمال کے لئے تیار شدہ ہو، اور اگر یہ نہ معلوم ہو کہ ہتھیار کا طالب اہل فتنہ میں سے ہے تو

(۱) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۳، کشاف القناع ۶/۶۶۶، المغنی ۸/۱۱۱۔

(۲) الاطاب ۳/۲۵۳، نہایۃ المحتاج ۳/۵۵۳، المغنی ۳/۲۳۶، اعلام المقصود ۳/۵۸۳، حدیث: ”نہی رسول اللہ عن بیع السلاح.....“ کو بیچنے والے نے حضرت عمر بن حصین سے دو سندوں سے نقل کیا ہے پہلی سند کے بارے میں بیچنے والے نے کہا اس کا مرفوع ہوا وہم ہے سو قوف ہوا زیادہ صحیح ہے دوسری سند میں بحر السقاء روای ہے اس کے بارے میں کہا ہے ضعیف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا (المسنن الکبریٰ للبخاری ۵/۳۲۷)۔

(۳) سورہ مائدہ ۲۔

جنگ کے ارادہ سے تیار ہوں تاکہ امام کو معزول کر کے خود مارت حاصل کر لیں اور ان کے پاس تاویل بھی ہو جو جنگ کی بابت ان کے نقطہ نظر کو جواز فراہم کرتی ہو، تو یہ امور ان کی بغاوت کی علامت ہوں گے۔

امام کو چاہئے کہ جب اسے اس صورت حال کی خبر پہنچے اور معلوم ہو کہ وہ اسلمہ خرید رہے ہیں اور جنگ کے لئے تیاری کر رہے ہیں تو وہ ان کو پکڑ کر قید کر دے یہاں تک کہ وہ اس ارادہ سے باز آجائیں اور اس سر نو توبہ کر لیں تاکہ شر کو بقدر امکان دور کیا جاسکے، اس لئے کہ اگر امام ان کی طرف سے جنگ شروع ہونے کا انتظار کرے گا تو بسا اوقات دفاع ممکن نہیں ہوگا کہ مبادا ان کی شوکت میں اضافہ ہو جائے اور ان کی تعداد بڑھ جائے، بالخصوص جب کہ فتنہ کی طرف اہل فساد تیزی سے بڑھتے ہیں (۱)۔ ان سے آغاز جنگ کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اسی طرح اگر وہ امام کی مخالفت کرتے ہوئے حق اللہ یا حق الانسان کو روکیں جیسے زکاۃ اور زمین کے خراج کی ادائیگی جو انہوں نے بیت المال کے لئے وصول کر رکھا ہو، ساتھ ہی وہ گروہ بند اور امام کے خلاف مسلح خروج کے لئے تیار ہوں، اور اس کی پرواہ بھی نہ ہو تو یہ چیز ان کی بغاوت کی علامت ہوگی (۲)۔

اگر وہ خوارج کی رائے کا اظہار کریں جیسے گناہ کبیرہ کرنے والے کی تکفیر، جماعتوں کا ترک، مسلمانوں کے جان و مال کو مباح سمجھنا، لیکن وہ ان امور کا ارتکاب نہ کریں، نہ قتال کا قصد کریں اور نہ امام کی اطاعت سے ٹکسیں تو یہ بغاوت کی علامت نہیں ہوگی، خواہ وہ لوگ کسی ایک مقام پر اکٹھا ہو کر نمایاں ہو گئے ہوں، لیکن اگر ان سے ضرر پہنچ رہا

(۱) فتح القدیر ۳/۱۱۳، تبیین الحقائق وحامیۃ العلمی ۳/۱۹۳، البدائع ۷/۱۳۰۔

(۲) الشرح الکبیر وحامیۃ الرسول ۳/۲۹۹۔

بُغَاة ۱۰۴

اس کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ دارالاسلام میں اہل صلاح کو غلبہ ہوتا ہے، اور احکام کی بنیاد غالب پر ہوتی ہے۔
لیکن اگر اس شی سے قتال نہیں کیا جاتا ہو جب تک کہ اس کو ہتھیار نہ بنایا جائے جیسے لوہا تو اس کو فروخت کرنا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ معصیت کا تعلق عین ہتھیار کے بیچنے سے ہے نہ کہ لوہا سے، فقہاء نے لوہا کو لکڑی پر قیاس کیا ہے جس سے گانے کے آلات بنائے جاتے ہیں کہ اس لکڑی کا فروخت کرنا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ بذات خود لکڑی قابل نکیر نہیں ہے، بلکہ اس کا ناجائز استعمال مکر ہے، لوہے کو اہل حرب کے ہاتھ بیچنا اگرچہ مکروہ تحریمی ہے، لیکن اہل بغی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ وہ لوہے کو ہتھیار بنانے کا موقع نہیں پاتے ہیں، کیونکہ ان کا فساد عموماً توبہ کی وجہ سے یا ان کی جمعیت منتشر ہو جانے کی وجہ سے زوال کے قریب ہوتا ہے، اہل حرب کا معاملہ اس کے برخلاف ہے^(۱)۔

ابن عابدین نے کراہت کے تفریق کو ظاہر سمجھا ہے، اور فرمایا ہے: مجھے اس موضوع پر کسی کا کلام نہیں ملا^(۲)۔

باغیوں کے تین امام کی ذمہ داری:
الف- قتال سے پہلے:

۱۰- امام کو چاہئے کہ اپنے خلاف خروج کرنے والے باغیوں کو جماعت میں لوٹ آنے اور اپنی اطاعت میں داخل ہو جانے کی دعوت دے شاید وہ بات مان لیں اور دعوت قبول کر لیں اور یوں نصیحت سے شر دور ہو جائے، اس لئے کہ ان کی توبہ کی امید ہوتی ہے، امام ان سے خروج کی وجہ دریافت کرے، اگر امام کی جانب سے کسی ظلم کی وجہ سے خروج

ہو تو اس ظلم کو وہ دور کرے، اگر وہ کوئی ایسی وجہ بتائیں جس کا ازالہ ممکن ہو تو اس کا ازالہ کر دے، اگر کسی شبہ کا اظہار کریں تو اس کی وضاحت کرے^(۱)، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قتال سے پہلے اصلاح کا حکم دیا ہے، فرمایا: ”وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأْضَلُّهُمَا بَيْنَهُمَا“^(۲) (اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تو ان کے درمیان اصلاح کرو)، اور اس لئے بھی کہ ان کو روکنا اور اس کا شر دور کرنا مقصود ہے، نہ کہ ان کو قتل کرنا، اور یہ مقصود محض گفتگو سے حاصل ہو سکتا ہو تو وہ قتال سے بہتر ہے کہ اس میں دونوں فریق کا نقصان ہے، اس (اصلاحی کوشش) سے پہلے ان سے قتال کرنا جائز نہیں ہے، **الا** یہ کہ ان کے شر کا اندیشہ ہو، اور اگر وہ مہلت طلب کریں^(۳)، اور ان کا قصد بظاہر طاعت کی طرف لوٹ آنے کا ہو تو امام ان کو مہلت دے گا۔

ابن المنذر نے فرمایا: ان امور پر ان تمام اہل علم کا اجماع ہے جن سے میں واقف ہوں^(۴)۔ ابواسحاق شیرازی نے فرمایا: امام ان کو ایک مرتبہ مدت جیسے دو یوم یا تین یوم کی مہلت دے گا^(۵)۔

اور اگر وہ اپنی بغاوت پر اصرار کریں بعد اس کے کہ امام نے ان کے پاس کسی امانت دار خیر خواہ کو دعوت کے لئے بھیجا ہو جو ان کو ترغیبی و ترہیبی وعظ کے ذریعہ انتخاباً نصیحت کرے گا، دینی اتحاد اور کفار کے ہنسی نہ اڑانے کی خوبی بتائے گا، پھر وہ اصرار کریں تو ان سے اعلان

(۱) تبیین الحقائق ۳/۲۹۳، الدر وحاشیہ ابن عابدین ۳/۳۱۱، فتح القدیر ۳/۳۱۰، البدائع ۲/۳۰۰، المشرع الکبیر ۳/۲۹۹، المشرع الصغیر ۳/۳۰۸، المہذب ۲/۳۱۹، نہایۃ المحتاج ۲/۳۸۵-۳۸۶، المغنی ۸/۱۰۸، کشاف القناع ۶/۱۶۳۔

(۲) سورۃ حجرات ۹۔

(۳) المغنی ۸/۱۰۸، کشاف القناع ۶/۱۶۳۔

(۴) المغنی ۸/۱۰۸۔

(۵) المہذب ۲/۳۱۹۔

(۱) تبیین الحقائق ۳/۲۹۶-۲۹۷، الفتح والختایہ ۳/۳۱۵، البدائع ۲/۳۰۰۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۱۳۔

جنگ کر دے گا^(۱)، اور اگر امام بغیر دعوت کے ان سے قتال کرے تو بھی جائز ہوگا، اس لئے کہ دعوت واجب نہیں ہے^(۲)۔

مالکیہ کے نزدیک انہیں آگاہ کرنا اور ان کو دعوت دینا واجب ہے جب تک کہ وہ عجلت نہ کریں^(۳)۔

اگر مناظرہ اور الزامہ کے لئے کسی کو بھیجا جائے تو ضروری ہے کہ وہ شخص واقفیت رکھنے والا اور زیرک ہو، اگر کسی اور غرض سے بھیجا جائے تو ایسے اوصاف کا حامل ہونا مستحب ہے^(۴)۔

کاسانی نے تفصیل کی ہے فرماتے ہیں: اگر امام کو معلوم ہو کہ وہ ہتھیار بند ہو رہے ہیں اور مقابلہ کے لئے تیاری کر رہے ہیں تو اس کو چاہئے کہ انہیں پکڑ لے اور قید کر دے تاکہ وہ توبہ کریں، اور اگر امام کو علم ہونے سے پہلے وہ ہتھیار بند اور قتال کے لئے تیار ہو چکے ہوں تو مناسب ہے کہ پہلے انہیں جماعت کی رائے کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دے، حضرت علیؑ کے خلاف جب اہل حروراء نے خروج کیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں عدل کی طرف بلائیں، اگر وہ قبول کر لیں تو انہیں چھوڑ دے، اگر انکار کریں تو ان سے قتال کرے۔۔۔ اور اگر دعوت سے پہلے امام ان سے قتال کرے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ دعوت ان تک پہنچی ہوئی ہے، کیونکہ وہ دارالاسلام میں رہنے والے مسلمان ہیں^(۵)۔

کاسانی نے اپنی سنن کبریٰ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب حروریہ نے خروج کیا تو ایک احاطہ میں اکٹھے ہو گئے، ان کی تعداد چھ ہزار تھی، میں نے امیر المؤمنین علیؑ سے کہا: میں

ان لوگوں سے بات کروں، انہوں نے فرمایا: مجھے آپ پر ان سے اندیشہ ہے، میں نے کہا: ہرگز نہیں، پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور ان کی طرف روانہ ہوا، ان کے پاس پہنچا تو وہ اکٹھے تھے، میں نے کہا: میں تم لوگوں کے پاس اصحاب نبیؐ کی طرف سے آیا ہوں، نبیؐ کے چچا زاوہائی اور ان کے داماد کی طرف سے آیا ہوں، ان ہی حضرات پر قرآن نازل ہوا، وہ قرآن کی تاویل سے تم لوگوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہیں، تمہاری جماعت میں ان حضرات میں سے کوئی بھی نہیں ہے، اور میں نے کہا: بتاؤ، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور آپ علیہ السلام کے داماد پر تمہارے کیا اعتراضات ہیں؟ انہوں نے کہا: تین اعتراضات ہیں، ایک یہ کہ انہوں نے اللہ کے دین میں لوگوں کو حکم بنایا، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ"^(۱) (حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا حق ہے)، دوسرے یہ کہ انہوں نے قتال کیا تو نہ تو گرفتار کیا اور نہ غنیمت جمع کیا، تو اگر (فريق مقابل) کافر تھے تو ان کی عورتیں اور ان کے موال ہمارے لئے حلال تھے، اور اگر وہ مومن تھے تو ان کا خون ہم پر حرام تھا، تیسرے یہ کہ انہوں نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ بٹا دیا^(۲)، اگر وہ مومنین کے امیر نہیں ہیں تو کافروں کے امیر ہیں، میں نے کہا: اگر میں تمہیں اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنت سناؤں جس سے تمہاری اس بات کی تردید ہوتی ہو تو کیا تم لوگ لوٹ آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے کہا: جہاں تک تمہارا یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین میں لوگوں کو حکم بنایا تو میں تم کو سنا تا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ ایک خرکوش کے سلسلہ میں جس کی قیمت

(۱) نہایۃ المحتاج ۳۸۶/۷۔

(۲) تمییز الحقائق ۳۳۲، الدرر حاشیہ ابن ماجہ ۳۱۱/۳۔

(۳) الشرح الصغیر ۳۲۸/۳۔

(۴) نہایۃ المحتاج ۳۸۵/۷۔

(۵) البدائع ۱۴۰/۷۔

(۱) سورۃ انفصام ۵۷۔

(۲) حضرت علیؑ اس بات پر راضی ہو گئے کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ اپنے ساتھ نامہ میں اپنے نام سے "امیر المؤمنین" کی عبارت حذف کر دیں۔

بُغَاة ۱۱

ایک معاہدہ نامہ تیار کر لیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے کاتب سے فرمایا: لکھو:

”ہذا ما قضی علیہ محمد رسول اللہ“ (اس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے) تو انہوں نے کہا: خدا کی قسم اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیعت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے، آپ لکھئے: محمد بن عبد اللہ۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”واللہ إني لرسول اللہ وإن کذبتُمونی“ (خدا کی قسم میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں، چاہے تم لوگ مجھے جھٹلاؤ)، اے علی! لکھو: ”محمد بن عبد اللہ“ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے بہتر ہیں، لیکن انہوں نے اپنے نام سے لفظ رسول اللہ منادیا، حالانکہ یہ نام نبوت کا نام نہیں ہوا۔

(اس مناظرہ کے بعد) ان میں سے دو ہزار افراد نے رجوع کر لیا اور دوسرے باقی رہے تو ان سے جنگ کی گئی (۱)۔

آلوسی نے صراحت کی ہے کہ قتال سے پہلے ضروری ہے کہ واضح حجت اور قطعی دلائل سے ان کے شبہات دور کئے جائیں اور باغیوں کو جماعت میں لوٹ آنے اور امام کی اطاعت میں داخل ہو جانے کی دعوت دی جائے (۲)۔

ب- باغیوں سے قتال:

۱۱- امام باغیوں کو اپنی اطاعت قبول کرنے کی دعوت دے اور ان کے شبہات دور کر دے پھر بھی وہ قبول نہ کریں اور اکٹھا گردہ بند ہوں اور جنگ کے لئے آمادہ ہوں تو ان سے جنگ کرنا جائز ہے، لیکن کیا

ربیع درہم ہے لوگوں کے سپرد فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَلَا تَقْتُلُوا الصَّيِّدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ“ (شکار کو موت مارو جب کہ تم حالت احرام میں ہو)، یہاں تک کہ فرمایا: ”يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَمَلٍ مِّنْكُمْ“ (۱) (اور) اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں گے)، اور اللہ تعالیٰ نے عورت اور اس کے شوہر کے سلسلہ میں فرمایا: ”وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا“ (۲) (اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو تو تم ایک حکام مرد کے خاندان سے اور ایک حکام عورت کے خاندان سے مقرر کر دو)، میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا انسانوں کے خون اور ان کی جان کے تحفظ اور باہمی اصلاح کے لئے لوگوں کا فیصلہ زیادہ برحق ہے یا ایک ایسے شرکوش کے لئے جس کی قیمت محض ربیع درہم ہے؟

اور جہاں تک تمہارا یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے قتال کیا اور نہ گرفتار کیا اور نہ غنیمت جمع کیا تو کیا تم اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو گرفتار کرو گے، پھر ان سے بھی وہ چیز حلال کر لو گے جو ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے حلال کر لیتے ہو، حالانکہ وہ تمہاری ماں ہیں؟ اگر تم ایسا کرو گے تو کفر کے مرتکب ہو جاؤ گے، اور اگر تم یہ کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہیں تو بھی تم کفر کرو گے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ“ (۳) (نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں)، اور جہاں تک تمہارا یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ منادیا تو رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن قریش کو دعوت دی کہ آپس میں

(۱) سورہ مائدہ ۹۵۔

(۲) سورہ نساء ۳۵۔

(۳) سورہ احزاب ۶۔

(۱) الفتح ۴۴، نیز دیکھئے البدائع ۴۰۷، المغنی ۱۱۶/۸، المہرب

۲/۱۹، میل الاوطار ۷/۱۶۸۔

(۲) روح المعانی ۱۶/۱۵۱۔

ہم ان سے قتال کا آغاز کریں یا ہم ان سے اس وقت تک قتال نہ کریں جب تک کہ وہ خود ہی مقابلہ آرائی پر آمادہ نہ ہو جائیں، اس سلسلہ میں دو رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: قتال کا آغاز کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اگر ہم ان کی جانب سے آغاز جنگ کا انتظار کریں گے تو بسا اوقات دفاع ممکن نہیں ہوگا، یہ رائے خواہر زاوہ نے نقل کی ہے، زیلعی فرماتے ہیں: یہی حنفیہ کا مسلک ہے، اس لئے کہ نص قرآنی میں ان کی جانب سے آغاز کی قید کے بغیر حکم آیا ہے: ”فَإِنْ بَعَثَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْآخَرِ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي...“ (۱) (پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے.....)، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”سیخرج قوم في آخر الزمان، أحداث الأسنان، سفهاء الأحلام، يقولون من قول خبير البرية، لا يجاوز إيمانهم حناجرهم، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية، فأنما لقيتموهم فاقتلوهم، فإن في قتلهم أجراً لمن قتلهم يوم القيامة“ (۲) (آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جو کم عمر اور کم عقل ہوں گے، وہ حضور اکرم ﷺ کی بات نقل کریں گے، لیکن ان کا ایمان ان کے حلق سے بھی تجاوز نہیں کرے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے تو تم جہاں بھی انہیں پاؤ ان کو قتل کرو، ان کو قتل کرنے پر قیامت کے دن قتل کرنے والے کو اجر ملے گا)۔

اور اس لئے بھی کہ حکم کا دار و مدار اس کی علامت پر ہوتا ہے اور زیر بحث صورت میں علامت ان کی تیاری اور گروہ بندی ہے، اور اگر ہم

(۱) سورہ حجرات ۹۔

(۲) حدیث ”سیخرج قوم في آخر الزمان.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۸۳/۱۲ طبع المستوفی) اور مسلم (۴۳۶/۲-۴۳۷ طبع المجلد) نے کی ہے۔

ان کی جانب سے حقیقتاً قتال کا انتظار کریں تو یہ چیز ان کی تقویت کا ذریعہ ثابت ہوگی، اس لئے ان کے شر کے ازالہ کی ضرورت کے پیش نظر حکم کا مدار علامت پر ہوگا، اور اس لئے بھی کہ امام کے خلاف خروج کی وجہ سے وہ منافرانہ قرار پائے، تو ان سے قتال جائز ہے جب تک کہ وہ منافرمانی سے باز نہ آجائیں، اور حضرت علیؑ سے خوارج کے بارے میں جو منقول ہے کہ ”ہم تم سے قتال نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہی ہم سے قتال نہ کرو“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کہ تم ہم سے قتال کا عزم نہ کر لو، اور اگر ان کو قید کر کے ان کے شر کا دفعیہ ممکن ہو جب کہ وہ تیاری کر چکے ہوں تو ایسا ہی کیا جائے گا اور ہم ان سے قتال نہیں کریں گے، اس لئے کہ قتال سے کم تر صورت سے ان کے شر کا دفعیہ ممکن ہے (۱)۔

ان کے ساتھ جنگ میں خود پہل کرنے کے جواز کی رائے فقہاء حنابلہ نے اختیار کی ہے، چنانچہ کشاف القناع میں ہے: اگر وہ رجوع سے انکار کریں تو امام انہیں نصیحت کرے گا اور قتال کا خوف دلائے گا، اگر رجوع کر کے اطاعت اختیار کر لیں تو انہیں چھوڑ دے گا، ورنہ اگر وہ ان سے جنگ کرنے پر قادر ہو تو ان سے جنگ کرنا اس پر واجب ہوگا، اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہے (۲)۔

دوسرا رجحان: قدوری نے نقل کیا ہے کہ امام ان سے جنگ کا آغاز نہیں کرے گا جب تک کہ وہ خود نہ پہل کریں، یہی رائے کاسانی اور کمال نے بھی روایت کی ہے، کاسانی کہتے ہیں: اس لئے کہ ان سے قتال ان کے شر کے دفعیہ کے لئے ہے، ان کے شرک کے شرکی وجہ سے نہیں ہے، کیونکہ وہ مسلمان ہیں، لہذا جب تک ان کی جانب سے شر کا آغاز نہیں ہو امام ان سے قتال نہیں کرے گا، اس لئے

(۱) تبیین الحقائق ۳/۲۵۳، الفتح ۳۱۱۔

(۲) کشاف القناع ۶/۶۲، دیکھئے المغنی ۸/۱۰۸۔

کہ مسلمان سے قتال صرف دفاعاً جائز ہے، برخلاف کافر کے کہ کفر بذات خود فتیح ہے^(۱)، اس رائے کو بعض مالکیہ نے ظاہر سمجھا ہے، اور یہی شافعیہ کا مسلک اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ ان سے جنگ کا آغاز نہ کریں جنہوں نے ان کے خلاف خروج کیا ہے اور اگر قتل کے بغیر ان کا دفاع ممکن ہو تو قتل جائز نہیں ہے، اور اس سے قبل ان سے قتال جائز نہیں ہے **إلا یہ کہ حملہ آور کی طرح ان کے شر کا خوف ہو جائے**، اور ابن تیمیہ نے کہا: ”افضل یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ خود آغاز کریں“ یعنی جنگ کا آغاز کریں^(۲)۔

باغیوں سے جنگ میں معاونت:

۱۲- باغیوں سے جنگ کے لئے امام کسی کو بلائے تو اس پر قبول کرنا فرض ہے، اس لئے کہ غیر معصیت میں امام کی اطاعت فرض ہے۔ ابن عابدین کہتے ہیں: ہر اس شخص پر جو مقابلہ کی سکت رکھتا ہو امام کی معیت میں جنگ کرنا واجب ہے، **إلا یہ کہ خروج کا سبب امام کا ایسا ظلم ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں ان کے انصاف کے لئے ان کا تعاون اگر ممکن ہو تو واجب ہے**، اور جو شخص سکت نہ رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں بیٹھے، اور اسی پر بعض صحابہ کرام سے متعلق مروی ان کا یہ عمل محمول کیا گیا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں انہوں نے کنارہ کشی اختیار کی، اور بعض صحابہ کرام کو تو قتال کے حلال ہونے میں ہی تردد تھا۔

اور امام ابوحنیفہ سے جو یہ قول مروی ہے کہ ”اگر مسلمانوں کے درمیان فتنہ واقع ہو تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ فتنہ سے کنارہ کشی

(۱) البدائع ۱/۳۰۷، الفتح ۳/۳۱۰۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۳/۲۹۹، کشاف القناع ۶/۱۶۲، المغنی ۸/۱۰۸، المہذب

۲/۲۱۹، ۲/۲۲۲، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۳۔

اختیار کرے اور اپنے گھر میں بیٹھ جائے“ تو یہ قول بھی اس صورت پر محمول ہے کہ امام نہ ہو، اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے: ”إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار“^(۱) (اگر دو مسلمان اپنی تلواروں سے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے) تو یہ حکم اس صورت پر محمول ہے کہ وہ دونوں عصیت اور (جائلی) حمیت میں لڑتی کریں، یا دنیا اور حکومت کے لئے لڑیں۔

اور اگر سلطان ظالم ہو اور لوگوں کی ایک جماعت ظلم کے خاتمہ کے لئے اس کے خلاف خروج کر دے، اور امام سے ظلم کے خاتمہ کا مطالبہ کیا جائے تو وہ قبول نہ کرے تو لوگ نہ تو سلطان کی معاونت کریں اور نہ باغیوں کی مدد^(۲)، اس لئے کہ غیر عادل کی معاونت واجب نہیں ہے، امام مالک کہتے ہیں: اس سے اور جس چیز کا اس سے مطالبہ ہے دونوں سے صرف نظر کرو، اللہ تعالیٰ ایک ظالم سے دوسرے ظالم کے ذریعہ انتقام لے گا پھر ان دونوں سے انتقام لے لے گا^(۳)، اور شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر وہ امام کے خلاف خروج کریں خواہ امام ظالم ہو۔ تو باغیوں سے قریب رہنے والے مسلمانوں پر واجب ہے کہ امام کی اعانت کریں تاکہ ان کی شوکت ختم ہو جائے^(۴)۔

باغیوں کی مدافعت کے لئے امام کے تعاون کے وجوب پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی وہ روایت دلیل ہے جس میں

(۱) حدیث: ”إذا التقى المسلمان.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۳/۳۱۳ طبع

المنقبة) اور مسلم (۳/۲۲۱۳ طبع المجلسی) نے کی ہے۔

(۲) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/۳۱۱، فتح القدیر ۳/۳۱۱، البدائع

۷/۳۰۷، حاشیہ الدسوقی ۳/۲۹۹، حاشیہ شبراہی علی نہایۃ المحتاج

۷/۳۸۵، المغنی ۸/۱۰۷، کشاف القناع ۶/۱۶۲۔

(۳) حاشیہ الدسوقی ۳/۲۹۹۔

(۴) حاشیہ شبراہی علی نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۵۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ”مَنْ أَعْطَى إِمَامًا صَفْقَةً يَدِهِ وَثَمَرَةً قَلْبِهِ فَلْيُطْعَمهُ إِنَّ اسْتَطَاعَ، فَإِنْ جَاءَ آخِرُ بِنَازِعِهِ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخِرِ“^(۱) (جس شخص نے کسی امام کو اپنے ہاتھوں کا معاہدہ اور اپنے قلب کا ثمرہ دیا وہ اس کی اطاعت استطاعت بھر کرے، پھر اگر دوسرا شخص آکر اس سے نزاع کرے تو دوسرے کی گردن مار دو)، اور اس لئے بھی کہ جس کی امامت ثابت ہوگئی اس کی اطاعت واجب ہوگئی، دلیل حدیث مذکور ”يُخْرِجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ ...“ ہے^(۲)۔

باغیوں سے قتال کی شرائط اور اس کے امتیازات:

۱۳- اگر باغیوں کو نصیحت کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہو اور وہ امام کی اطاعت کی جانب رجوع اور جماعت میں شامل ہونا قبول نہ کریں، یا توبہ کرنا قبول نہ کریں اگر امام کے قبضہ میں ہوں اور ہم سے قتال کا ارادہ رکھیں تو ان سے قتال واجب ہے^(۳)، بشرطیکہ وہ اہل عدل کی عزت و آبرو سے چھیڑخوانی کریں یا ان کی وجہ سے مشرکین سے جہاد معطل ہو جائے، یا بیت المال کے حقوق میں وہ کچھ لے لیں جو ان کا نہیں ہے، یا جو ان پر واجب الاداء ہے اس کی ادائیگی سے گریز کریں یا ایسے امام کی معزولی کا مظاہرہ کریں جس کی بیعت منعقد ہو چکی ہے، جیسا کہ ماوروی نے فرمایا ہے، اور ربی نے کہا ہے: زیادہ مناسب یہ ہے کہ ان سے قتال مطلقاً واجب ہے، اس لئے کہ ان باغیوں کی موجودگی سے، خواہ مذکورہ امور نہ پائے جائیں، مفاسد پیدا ہوں گے، اور بسا اوقات ان کا تدارک ممکن نہ ہوگا بالخصوص جب کہ وہ امام کے

(۱) حدیث: ”مَنْ أَعْطَى ...“ کی روایت مسلم (۳/۳۷۳ طبع النسخ) نے کی ہے۔

(۲) المغنی ۸/۱۰۳-۱۰۵۔

(۳) حاشیہ ابن ماجہ بن ۳۱۰/۳، التاج والاکلیل ۶/۲۷۸، المغنی ۸/۱۰۵۔

قبضہ سے نکل چکے اور قتال کے لئے آمادہ ہو چکے ہوں^(۱)۔

اگر ان کے شر کا ازالہ کسی آسان تر شکل سے ممکن ہو تو ضروری حد تک اس شکل کا اپنانا واجب ہے، اس لئے کہ ان سے جنگ کے لئے یہ شرط ہے کہ ان کے شر کو دفع کرنے کے لئے قتال کے علاوہ کوئی راستہ نہ رہ گیا ہو، تو اگر محض گفتگو سے حصول مقصد ممکن ہو تو وہ قتال سے زیادہ بہتر ہے^(۲)۔

باغیوں سے قتال کی کیفیت:

۱۴- باغیوں سے قتال دراصل انتشار و تفریق کو ختم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، انہیں گنہ گار نہیں قرار دیا جاتا، اس لئے کہ وہ تاویل کرنے والے ہوتے ہیں، اسی لئے باغیوں سے قتال اور کفار سے قتال کے درمیان گیارہ باتوں میں فرق ہے: باغیوں سے قتال کا مقصد ان کو سرکشی سے باز رکھنا ہے، ان کا قتل نہیں، ان میں سے جو میدان جنگ سے بھاگ جائیں انہیں چھوڑ دیا جائے گا، ان کے زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے قیدی قتل کئے جائیں گے^(۳)، نہ ان کے اموال غنیمت بنائے جائیں گے، نہ ان کے بچے گرفتار کئے جائیں گے، نہ ان کے خلاف مشرکین کی مدد لی جائے گی، نہ ان سے مال پر صلح کی جائے گی، نہ ان کے مقابلہ میں توپ وغیرہ اسلحہ نصب کئے جائیں گے، نہ ان کے گھروں کو جالیا جائے گا اور نہ ان کے درخت کاٹے جائیں گے^(۴)۔

اگر باغی کسی ایک مقام پر کنارہ کش ہو کر اکٹھا ہو جائیں، یا کسی

(۱) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۶، المیزاب ۲/۲۲۲۔

(۲) حاشیہ ابن ماجہ بن ۳۱۰/۳، المغنی ۸/۱۰۸-۱۰۹۔

(۳) حنفیہ نے اس مسئلہ میں تفصیل کی ہے جو آگے آرہی ہے۔

(۴) التاج والاکلیل ۶/۲۷۸، حاشیہ الدسوقی ۳/۲۹۹، حاشیہ الصلوی علی الشرح

الصغیر ۳/۲۹۹۔

گروہ کی شکل اپنائیں اور ان کے شر کا ازالہ بغیر قتال کے ممکن نہ ہو تو ان سے قتال کرنا جائز ہوگا تا آنکہ ان کی جمعیت منتشر ہو جائے، اگر ان کی تیاری کر لینے کے بعد قید و گرفتاری سے ان کا شر دور کیا جاسکتا ہو تو یہی طریقہ اپنایا جائے گا، اس لئے کہ ان سے جہاد صرف اس حد تک ضروری ہے کہ ان کا شر دور ہو جائے جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا، حضرت علیؓ نے اہل حروراء سے نہروان کے مقام پر صحابہ کرام کی موجودگی میں قتال کیا جو نبی اکرم ﷺ کے اس قول کی تصدیق تھی کہ ”انا اقاتل علیٰ تنزیل القرآن وعلیٰ یقاتل علیٰ تأویلہ“^(۱) (میں قرآن کے نزول پر قتال کروں گا اور علی قرآن کی تاویل پر قتال کریں گے)، تاویل کی بنا پر قتال دراصل باغیوں سے قتال ہے، جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زکاۃ ندینے والوں سے قتال کیا^(۲)۔

اگر امام ان سے قتال کرے اور انہیں شکست دے دے اور وہ واپس بھاگنے لگیں اور امام ان کی جانب سے مطمئن ہو جائے یا وہ ہتھیار ڈال کر یا شکست کھا کر جنگ بند کر دیں یا زخمی یا گرفتار ہو کر جنگ کے قابل نہ رہیں تو اہل عدل کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کا پیچھا کریں اور ان کے زخمیوں کو قتل کریں اور ان کے قیدیوں کو قتل کریں، اس لئے کہ ان کے شر سے امن حاصل ہو چکا ہے، اسی طرح ان کے بچوں کو گرفتار نہیں کیا جائے گا نہ ان کا مال تقسیم کیا جائے گا، حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: ”شکست کے بعد نہ میدان میں موجود شخص کو قتل کیا جائے گا اور نہ بھاگنے والے کو، نہ ان کا شہر فتح کیا جائے گا، نہ

ان کی عورتوں کو باندی بنا کر حلال قرار دیا جائے گا، اور نہ ان کا مال لوٹا جائے گا“، بلکہ انہوں نے باغیوں سے فرمایا کہ جو اپنی چیز پہچان لے اسے حاصل کر لے، یعنی جو باغی اپنا سامان پہچان لے اسے واپس لے لے، جنگ جمل میں آپؐ نے فرمایا: کسی بھاگنے والے کا پیچھا مت کرو، کسی زخمی کو قتل نہ کرو، کسی قیدی کو قتل نہ کرو، اور عورتوں کو کچھ نہ کرو^(۱)، اور اس لئے بھی کہ ان سے قتال ان کا شر دور کرنے اور انہیں اطاعت گزار بنانے کے لئے کیا جاتا ہے، انہیں قتل کرنا مقصود نہیں ہے^(۲)، ابن قتادہ کہتے ہیں: ہمارے علم کے مطابق ان کے موال کو غنیمت بنانے اور ان کے بچوں کو قیدی بنانے کی حرمت میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ ان کا خون معصوم ہے، ان کے شر کے ازالہ اور ان سے قتال کی ضرورت کے بقدر ہی ان کا خون اور مال مباح ہوا ہے، لہذا اس مقصد کے علاوہ ان کا خون بھی حرام باقی رہے گا^(۳)۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر باغیوں کا اپنا گروہ دور دراز مقام پر ہو جہاں وہ پناہ لیتے ہوں، اور گروہ کے ان تک پہنچنے کی توقع عام طور پر نہ ہو، اور جنگ قائم ہو اور غالب گمان ہو کہ ان تک گروہ نہیں پہنچے گا تو ایسی صورت میں بھاگنے والے باغیوں سے قتال نہیں کیا جائے گا، ان کے زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا کہ ان کے شر سے امن ہو چکا ہے، **إلا ینکہ وہ پٹ کر حملہ کی نیت رکھتے ہوں۔**

لیکن ان کا گروہ اگر قریب کے مقام پر ہو، اور عموماً کمک پہنچاتا ہو اور جنگ قائم ہو تو ایسی صورت میں ان کا پیچھا کرنا اور

(۱) حدیث: ”انا اقاتل.....“ کو دارقطنی نے ”لا افراد“ میں روایت کیا ہے اور کبہ اس کی روایت تہذا جابر رضی اللہ عنہ نے کی ہے جو راوی فیہ (کنز العمال ۱۱/۶۱۳ طبع المرسال)۔

(۲) البدائع ۷/۳۰۰، الفتح ۱۱/۳۳۱، حاشیہ ابن ماجہ ۱۱/۳۳۱، تبیین الحقائق ۳/۳۹۳، الشرح لمکبیر وحاشیہ الدسوقی ۳/۳۹۹، التاج والاکلیل ۶/۲۷۸، المہرب ۲/۲۱۹، المغنی ۸/۱۰۸۔

(۱) الفتح ۱۱/۳۳۱، البدائع ۷/۳۰۰-۳۰۱، جامعہ الدسوقی ۳/۳۹۹-۳۰۰، التاج والاکلیل ۶/۲۷۸، المہرب ۲/۲۱۹، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۶، المغنی ۸/۱۱۶-۱۱۷، کشاف القناع ۶/۱۶۳۔
(۲) المہرب ۲/۲۱۹، المغنی ۸/۱۱۵۔
(۳) المغنی ۸/۱۱۵-۱۱۶۔

ان کے زخمیوں کو قتل کرنا جائز ہوگا، اور اگر ان کا گروہ دور ہو لیکن باغیوں تک اس کا پہنچنا عام طور پر متوقع ہو اور جنگ بھی قائم ہو اور اس کا غالب گمان ہو جائے تو اس صورت میں ان سے قتال ہی مناسب ہے^(۱)۔

اور اسی سے قریب مالکیہ کی رائے ہے، چنانچہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ ان پر غلبہ پا کر ان کی جانب سے اگر اطمینان ہو جائے تو نہ تو شکست خوردہ کا پیچھا کیا جائے گا اور نہ زخمی کو مار ڈالا جائے گا^(۲)۔

حنابلہ نے یہ صراحت کی ہے کہ باغی اگر جنگ بند کر دیں، خواہ وہ اس طور پر ہو کہ وہ اطاعت قبول کر لیں، یا ہتھیار ڈال دیں، یا شکست کھا جائیں اور اپنے گروہ میں جا ملیں یا نہ ملیں، یا زخم، مرض یا گرفتاری کی وجہ سے جنگ کے قابل نہ باقی رہیں تو ایسی صورت میں ان کو قتل کرنا اور بھاگنے والے کا پیچھا کرنا حرام ہے، ابن قدامہ نے ایسی روایات و آثار نقل کی ہیں جن میں بھاگنے والے کو قتل کرنے، زخمی کو مار ڈالنے اور قیدی کو قتل کرنے کی ممانعت آئی ہے، یہ روایات عام ہیں، پھر انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ ان سے قتال کا مقصد ان کو روکنا ہے اور وہ مقصد حاصل ہو چکا ہے، لہذا ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا جیسا کہ حملہ آور کو قتل کرنا ایسی صورت میں جائز نہیں ہوتا، اور ان کو آئندہ کے اندیشہ سے بھی کہ ان کا گروہ ہے قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اگر ان کا کوئی گروہ نہ ہو^(۳)۔

جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے تو انہوں نے صراحت کی ہے کہ اگر باغیوں کا گروہ ہو جہاں وہ پناہ لیتے ہوں تو ایسی صورت میں کسی تفصیل کے بغیر اہل عدل کو چاہئے کہ بھاگنے والے کو قتل کریں اور

زخمیوں کا خاتمہ کریں تاکہ وہ اپنے گروہ سے جا کر نہ مل جائیں، اور ان کے ذریعہ محفوظ ہو جائیں اور پھر پلٹ کر اہل عدل پر حملہ کریں، اور ان کے قتل کے جواز کے لئے ان کی جانب سے قتال کی صرف علامت کا پایا جانا کافی ہے، حقیقتاً قتال ضروری نہیں، اور اس لئے بھی کہ اگر باغیوں کا گروہ ہو تو ان کا قتل دفاع کے دائرہ سے باہر نہیں ہوگا، کیونکہ باغی اپنے گروہ میں شامل ہو جائیں گے، اور ان کا شر پہلے کی طرح پھر لوٹ آئے گا، فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا قول اس صورت کی بابت ہے جب کہ ان کا گروہ نہ ہو^(۱)۔

برسر پرکار باغی عورت:

۱۵- جمہور فقہاء (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کی رائے ہے کہ باغیوں میں شامل عورت اگر قتال کر رہی ہو تو اسے قید کیا جائے گا صرف دوران مقابلہ ہی اسے قتل کی اجازت ہے، قید اس لئے کیا جائے گا کہ وہ معصیت پر ہے اور تاکہ اسے شرفقتہ سے روکا جائے^(۲)۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر عورتوں کا قتال محض جوش دلانے اور پتھر پھینکنے کی صورت میں ہو تو انہیں قتل نہیں کیا جائے گا^(۳)۔

باغیوں کے اموال کو غنیمت بنانا، ان کو ضائع کرنا اور ان کا ضمان:

۱۶- فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ باغیوں کے اموال کو غنیمت نہیں بنایا جائے گا، نہ انہیں تقسیم کیا جائے گا اور نہ ان کو ضائع کرنا جائز ہوگا، بلکہ ضروری ہے کہ اموال انہیں لوٹا دئے جائیں، لیکن امام کو

(۱) البدائع ۷/۲۰۰-۱۳۱، الفتح ۳/۱۱۲۔

(۲) فتح القدیر ۳/۳۱۲، حاشیہ ابن ماجہ ۳/۳۱۱، تبیین الحقائق ۳/۳۹۵، البحر

الرائق ۵/۱۵۲، جامعہ الدسوقی ۳/۲۹۹، المہذب ۲/۲۲۱، المغنی ۸/۱۱۵۔

(۳) التاج والاکلیل ۶/۲۷۹، المشرع المصغر ۳/۳۳۰۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۶۔

(۲) المشرع المصغر ۳/۲۹۹-۳۰۰، التاج والاکلیل ۶/۲۷۸۔

(۳) المغنی ۸/۱۱۵۔

چاہئے کہ ان کی شوکت کو توڑ کر ان کے شر کو دفع کرنے کے مقصد سے ان کے اموال کو روک لے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں تب انہیں اموال لوٹا دے کہ اب ضرورت ختم ہو گئی، اور غنیمت بنانا درست نہیں ہے، اور اگر ان کے اموال گھوڑے وغیرہ کی شکل میں ہوں جن کی حفاظت کے لئے اخراجات درکار ہوتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ انہیں فروخت کر کے ان کی قیمت روک لی جائے۔

ان کے مالی نقصان پر ضمان کے مسئلہ میں تفصیل ہے، عادل اگر دوران قتال باغی کی جان یا مال کو قتال کے سبب یا قتال کی ضرورت کے تحت ضائع کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ ان کا کچھ مال جیسے گھوڑا ضائع کئے بغیر ان کا قتل ممکن ہی نہیں، پس اگر وہ سوار ہو کر لڑ رہے ہوں تو ان کے جانور کو زخمی کرنا جائز ہوگا، تو جب جان تلف کرنے پر ضمان نہیں ہے تو مال ضائع کرنے پر ضمان بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگا۔

اگر قتال کی حالت اور اس کی ضرورت نہ ہو تو ان کے مکانات نہیں جائے جائیں گے اور ان کے درخت نہیں کاٹے جائیں گے، اس لئے کہ اگر مقابلہ کے دوران ان کا مال امام کے ہاتھ لگ جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اسے محفوظ رکھے تا آنکہ انہیں وہ لوٹا دے، لہذا ان کے اموال نہیں لوٹے جائیں گے، اس لئے کہ ان اموال پر وراثت کے احکام برقرار ہیں، ان سے مقابلہ صرف اس لئے کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے نئی بدعت ایجاد کر لی ہے، لہذا یہ مقابلہ ایک حد کی طرح ہے جو ان پر قائم کی جا رہی ہے^(۱)۔

ماوردی نے ضمان کو اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جنگ سے باہر اپنے سکون قلب اور انتقام کی نیت سے ان کا مال ضائع کیا گیا ہو، اگر باغیوں کو کمزور کرنے اور شکست دینے کی غرض سے مال

(۱) حاشیہ الدسوقی ص ۳۰۰، التاج والاکلیل ۶/۲۷۸-۲۷۹۔

ضائع کیا گیا ہو تو ضمان نہیں ہوگا^(۱)۔

زیلعی اور ابن عابدین نے باغیوں کے گروہ بند ہونے اور خروج کرنے سے پہلے یا ان کی قوت ٹوٹ جانے اور جمعیت منتشر ہو جانے کے بعد ہونے والے نقصان پر ضمان کو محمول کرنے کو ظاہر سمجھا ہے^(۲)۔

اہل عدل کا باغیوں کو نقصان پہنچانا:

۱۷- زیلعی نے مرغینانی سے نقل کیا ہے کہ عادل اگر باغی کی جان یا مال کا اتلاف کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور نہ گنہ گار ہوگا، اس لئے کہ وہ ان کے شر کے ازالہ کے لئے ان سے قتال پر مامور ہے۔ محیط میں ہے: اگر اس نے باغی کا مال ضائع کر دیا تو ضمان لیا جائے گا، اس لئے کہ باغی کا مال ہمارے حق میں معصوم ہے اور ضمان لازم کرنا ممکن ہے، لہذا ضمان واجب قرار دینے میں فائدہ ہے^(۳)۔

باغیوں کا اہل عدل کو نقصان پہنچانا:

۱۸- اگر بغاوت کرنے والے اہل عدل کا مال ضائع کر دیں تو ان پر کوئی ضمان نہیں ہے، اس لئے کہ وہ تاویل کرنے والا ایک گروہ ہے، لہذا انہیں اہل عدل کی طرح ضامن قرار نہیں دیا جائے گا، اور اس لئے بھی کہ وہ مال ہمارے حق میں تحفظ رکھتا ہے، اور شارع کے حق میں گناہ کو تحفظ حاصل نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ ان کو ضامن قرار دینے کے نتیجے میں اطاعت شعاری کی طرف سے انہیں نفرت ہو جائے گی، چنانچہ عبدالرزاق نے اپنی سند سے زہری سے روایت کیا ہے کہ سلیمان بن ہشام نے زہری کو لکھ کر ایک ایسی عورت کے بارے میں دریافت کیا جو اپنے شوہر کے پاس سے چلی گئی، اپنی قوم

(۱) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۵۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ص ۱۲۳، تبیین الحقائق ص ۲۹۶۔

(۳) تبیین الحقائق ص ۲۹۶۔

اگر باغی تو بہ کر لیں اور رجوع کر لیں تو اہل حق کے جو اموال ان کے پاس ملیں وہ واپس لے لئے جائیں گے، اور جو اموال انہوں نے خرچ کر لئے ہوں وہ ان سے واپس نہیں لئے جائیں گے خواہ وہ مال دار ہوں، اس لئے کہ وہ تاویل کرنے والے ہیں^(۱)۔

اگر باغی کسی اہل عدل کو معرکہ کے علاوہ قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا، اس لئے کہ اس باغی نے ہتھیار کا مظاہرہ کر کے قتل کیا ہے، اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کی ہے جیسا راہزن کرتے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس باغی کا قتل ضروری نہیں ہے، یہی رائے حنابلہ کے نزدیک صحیح ہے، اس لئے کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: ”اگر میں چاہوں تو معاف کر دوں اور اگر چاہوں تو قصاص لوں“^(۲)۔

باغی مقتولین کا مسئلہ کرنا:

۱۹- باغی مقتولین کا مسئلہ کرنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، مالکیہ کے نزدیک حرام ہے، جہاں تک ان کے سر منتقل کرنے کا سوال ہے تو حنفیہ نے کہا: ان کے سر کاٹ کر شہروں میں گھمانا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ مسئلہ ہے، لیکن بعض متأخرین حنفیہ نے اس کو ایسی صورت میں جائز قرار دیا ہے جب اس سے اہل عدل کے اطمینان قلب اور باغیوں کی شوکت توڑنے کا مقصد حاصل ہوتا ہو، مالکیہ نے باغی مقتولین کے سروں کی نمائش ان کے مقام قتل پر جائز قرار دیا ہے^(۳)۔

(۱) التاج والاکلیل ۶/۲۷۸-۲۷۹۔

(۲) المغنی ۸/۱۱۳۔

(۳) الفتح ۳/۱۶، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۱۲، تبیین الحقائق ۳/۲۹۵، حاشیہ الدبوتی ۳/۲۹۹، التاج والاکلیل ۶/۲۷۷-۲۷۸، نہایت المحتاج ۷/۳۸۶، المغنی ۸/۱۱۳، کشاف القناع ۶/۱۶۳۔

کے سامنے شرک کی شہادت دی، حرور یہ سے جا ملی اور شادی کر لیا، پھر وہ اپنے گھر والوں کے پاس نائب ہو کر لوٹ کر آئی ہے، راوی کہتے ہیں کہ زہری نے انہیں لکھا: اما بعد! پہلا فتنہ اس وقت برپا ہوا جب کہ وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت فرمائی تھی بڑی تعداد میں موجود تھے، ان کی متفقہ رائے ہوئی کہ قرآن کی تاویل کر کے جس کسی نے شرم گاہ کو حلال کر لیا ہو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی، جس نے قرآن کی تاویل کر کے خون کو مباح کر لیا ہو اس پر قصاص جاری نہیں کیا جائے گا، کسی نے قرآن کی تاویل کر کے مال کو حلال کر لیا ہو وہ مال نہیں لوٹایا جائے گا، سوائے اس کے کہ کوئی سامان بعینہ محفوظ ہو تو اسے اس کے مالک کو واپس کیا جائے گا، اور میری رائے یہ ہے کہ وہ عورت اپنے شوہر کے پاس لوٹا دی جائے اور اس پر تہمت لگانے والے پر حد جاری کی جائے۔

امام شافعی کے ایک قول میں باغیوں کو ضامن قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ”تم ہمارے مقتولوں کی دیت ادا کرو گے، ہم تمہارے مقتولوں کی دیت ادا نہیں کریں گے“^(۱)، اور اس لئے بھی کہ یہ جائیں اور اموال معصوم ہیں انہیں ناحق اور کسی جائز دفاع کی ضرورت کے بغیر ضائع کیا گیا ہے، تو اس کا ضمان واجب ہوگا، جس طرح غیر جنگی حالت میں اٹالیف پر ضمان ہوتا ہے^(۲)۔

(۱) المغنی ۸/۱۱۳۔

ابن قدامہ نے اس رائے سے حضرت ابو بکر کا رجوع نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس رائے پر عمل نہیں کیا، اور یہ مقول نہیں کہ انہوں نے کسی پر مالی تاوان اس وجہ سے لازم کیا ہو، اگر مرتدین کے حق میں تاوان واجب بھی قرار دیا جائے تو بھی زیر بحث صورت میں لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ باغی تاویل کرنے والے مسلمان ہیں۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۱۲، البدائع ۷/۱۳۱، تبیین الحقائق ۳/۲۹۶، حاشیہ الدبوتی ۳/۲۹۹، التاج والاکلیل ۶/۲۷۷-۲۷۸، نہایت المحتاج ۷/۳۸۵، المغنی ۸/۱۱۳-۱۱۴۔

باغی قیدی:

۲۰- باغی قیدیوں کے ساتھ خصوصی معاملہ کیا جائے گا، اس لئے کہ ان سے جنگ کرنا محض ان کے شر کے دفع کے لئے ہے، تو ان کے ساتھ صرف اسی قدر عمل مباح ہوگا جس سے قتال کا دفع ہو، لہذا اگر ان کا کوئی گروہ نہ ہو تو بالاتفاق انہیں قتل نہیں کیا جائے گا جس کی وجہ پیچھے گزر چکی ہے، اسی لئے انہیں مطلقاً غلام نہیں بنایا جائے گا خواہ ان کا کوئی گروہ ہو یا نہ ہو، اس مسئلہ پر اتفاق ہے، اس لئے کہ وہ آزاد مسلمان ہیں، ان کے بچوں اور عورتوں کو بھی گرفتار نہیں کیا جائے گا^(۱)۔

اگر ان کا گروہ ہو تو بھی مالکیہ^(۲)، شافعیہ^(۳) اور حنابلہ^(۴) کے نزدیک انہیں قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن مالکیہ میں سے عبد الملک کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی باغی قید کر لیا جائے اور جنگ ختم ہوگئی ہو تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا، اور اگر جنگ جاری ہو تو امام کو حق ہے کہ اگر اس سے اندیشہ محسوس کرے تو اسے قتل کر دے^(۵)۔

(۱) تبیین الحقائق ۲۹۵/۳، لشرح الصغیر وبلغة السالك ۳۱۵/۲، حاشیہ الحرم ۵۳/۱۷، ۱۱۸، لغزوع ۵۳/۳

علامہ کمال کہتے ہیں: اگر اس مسئلہ پر اجماع قائم نہ ہو چکا ہو تو ان کے مملوک بنائے جانے پر بعض واقعات سے استدلال ممکن ہوتا، ابن ابی شیبہ (۲۶۳/۱۵) نے اپنی سند سے ابو بھری سے نقل کیا ہے کہ جب اہل جہل کو شکست ہوگئی تو حضرت علیؑ نے کہا: جو لوگ جنگ سے علاحدہ ہیں انہیں مت پکڑو، جو تھکے اور جانور ہیں وہ تم لے لو، لیکن کوئی عورت تمہاری ام ولد نہیں ہوگی، اور جس خاتون کا شوہر مارا گیا وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے تو لوگوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ان کا خون تو ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتیں حلال نہیں؟ لوگوں نے آپ سے حجت کی تو آپ نے کہا: اچھا عورتوں کو لاؤ اور ہاتھ پر قترہ اندازی کرو کہ وہی تو سربراہ ہوتا کہ ہیں، اس طرح حضرت علیؑ نے انہیں خاموش کیا (فتح ۲/۳۱۳)۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۲۹۹/۳

(۳) المہرب ۱۱۹/۳

(۴) المغنی ۸/۱۱۳، کشاف القناع ۱۶۲/۱۶۳

(۵) التاج والاکلیل ۲۷۸/۶

مالکیہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اگر جنگ بند ہونے کے بعد کسی کو قید کیا جائے تو اس سے توبہ کرائی جائے، اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے گا، اور کہا گیا ہے کہ اس کی تادیب کی جائے گی، قتل نہیں کیا جائے گا^(۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر باغی قیدی کو قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت کا ضمان دینا ہوگا، اس لئے کہ قید کی وجہ سے اس کا خون محفوظ ہو گیا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو قتل کرنے پر قصاص لازم آئے گا، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہوگا، اس لئے کہ امام ابو حنیفہ نے اس کے قتل کو جائز قرار دیا ہے تو اس مسئلہ میں شبہ پیدا ہو گیا^(۲)، اور اگر قیدی بالغ ہو اور اطاعت قبول کر لے تو اسے آزاد کر دیا جائے گا، اگر اطاعت قبول نہ کرے تو جنگ ختم ہونے تک اسے محبوس رکھا جائے گا^(۳)، اگر غلام یا بچہ ہو تو قید نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ بیعت کی اہلیت والوں میں نہیں ہے، بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ اسے بھی قید میں رکھا جائے گا، اس لئے کہ ان کے قید سے بھی باغیوں کی دل شکنی ہوگی^(۴)، یہی رائے حنابلہ کی بھی ہے^(۵)۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر قیدی کا کوئی گروہ ہو تو امام کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو اسے قتل کر دے یا چاہے تو بقدر امکان اس کے شر کے دفع کے لئے قید رکھے، جس اقدام سے باغیوں کی قوت زیادہ کمزور ہو اس کے مطابق امام فیصلہ کرے گا^(۶)۔

(۱) بدایہ المجتہد ۳۹۸/۲

(۲) المہرب ۲۲۰/۲

(۳) المہرب ۲۲۰/۲، کشاف القناع ۱۶۵/۶

(۴) المہرب ۲۲۰/۲، نہایہ المحتاج ۳۸۷/۷

(۵) کشاف القناع ۱۶۵/۶

(۶) حاشیہ ابن عابدین ۳۱۱/۳

قیدیوں کا فدیہ:

۲۱- فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اہل عدل قیدیوں کے فدیہ میں باغی قیدیوں کو دینا جائز ہے، فقہاء کہتے ہیں: باغی اگر اہل عدل قیدیوں کو قتل کر دیں تو اہل عدل کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ باغی قیدیوں کو قتل کریں، اس لئے کہ باغی قیدی دوسروں کے جرم میں قتل نہیں کئے جائیں گے، اور اگر باغی اپنے قیدیوں کو فدیہ میں چھوڑنا قبول نہ کریں اور انہیں قید رکھیں تو ابن قدامہ کہتے ہیں: اہل عدل کے لئے اس جواز کی بھی گنجائش ہے کہ باغی قیدیوں کو قید ہی رکھیں جب تک ان کے عوض اپنے قیدیوں کی رہائی کی صورت نہ نکل آئے، اور یہ بھی محتمل ہے کہ باغی قیدیوں کو قید رکھنا جائز نہ ہو اور انہیں رہا کر دیا جائے، اس لئے کہ اہل عدل قیدیوں کو قید رکھنے کا گناہ باغی قیدیوں کے سر نہیں ہے^(۱)۔

باغی قیدیوں سے متعلق تفصیل کے لئے اصطلاح ”اسری“ دیکھی جائے۔

باغیوں سے مصالحت:

۲۲- فقہاء کا اتفاق ہے کہ باغیوں سے مال پر صلح کر لینا جائز نہیں ہے، اگر امام مال پر مصالحت کر لے تو مصالحت باطل ہوگی^(۲)۔ اگر باغی بغیر مال کے جنگ بندی پر صلح کا مطالبہ کریں تو یہ پیشکش اسی وقت قبول کی جائے گی جب اس میں خیر ہو، اگر امام یہ دیکھے کہ ان کا ارادہ رجوع الی الطاعت اور معرفت حق کا ہے تو انہیں مہلت دے گا، ابن المنذر کہتے ہیں: ان امور پر ان تمام اہل علم کا اتفاق ہے جن کی آراء میں نے محفوظ رکھی ہیں، لیکن اگر باغیوں کا مقصود یہ ہو کہ مقابلہ کے لئے وہ اکٹھا ہو لیں، کمک آجائے یا اچانک امام پر حملہ آور

ہو جائیں تو ایسی صورت میں امام فوری کارروائی کرے گا اور انہیں مہلت نہیں دے گا^(۱)۔

اگر مصالحت ہو جائے اور ہر فریق دوسرے فریق کے پاس رہن رکھ دے کہ اگر کوئی فریق غدر کرے گا تو دوسرا فریق رہن میں رکھے گئے لوگوں کو قتل کر دے گا، پھر باغی غدر کریں اور رہن کو بھی قتل کر دیں تو اہل عدل کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ بھی رہن کو قتل کر دیں، بلکہ اہل عدل رہن کو قید رکھیں گے تا آنکہ باغی ہلاک ہو جائیں یا توبہ کر لیں، اس لئے کہ رہن کے لوگ مصالحت کی وجہ سے مامون ہو چکے ہیں، نیز انہیں رہن کے بطور لیتے وقت امان دیا جا چکا ہے، دوسروں کے غدر پر ان سے مواخذہ نہیں کیا جاسکتا، ہاں انہیں قید رکھا جائے گا تا کہ اپنے گروہ میں لوٹ کر شامل نہ ہو جائیں^(۲)، اور ان کی قوت میں اضافہ بن کر جنگ کی آگ کو مزید بھڑکانے کا سبب بنیں۔

۲۳- اگر باغی اہل عدل کو رہن دیں کہ ان کو مہلت دی جائے تو اس غرض کے لئے یہ رہن لینا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ رہن کو قتل کرنا ان کے اصحاب کے غدر کی وجہ سے جائز نہیں ہوتا ہے، اور اگر باغیوں کے قبضہ میں کچھ اہل عدل قیدی ہوں اور ان کے عوض وہ کچھ لوگوں کو بطور رہن پیش کریں تو امام انہیں قبول کرے گا اور اہل عدل کے لئے مدد کا ذریعہ بنائے گا، اور اگر وہ اہل عدل قیدیوں کو رہا کر دیں تو امام ان کے رہن کو رہا کر دے گا، اور اگر وہ ان کو قتل کر دیں تو امام ان کے رہن کو قتل نہیں کرے گا، اس لئے کہ رہن کے لوگ دوسروں کے قتل کرنے کی وجہ سے قتل نہیں کئے جائیں گے، کیونکہ وہ امن وامان پا چکے ہیں، اگر جنگ ختم ہو جائے تو رہن کو چھوڑ دیا جائے گا جس طرح

(۱) الفتح ۳/۱۵، حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۱، المشرح الکبیر، جامعۃ الدوسقی

۳/۲۹۹، التاج والاکلیل ۶/۲۷۸، المہذب ۲/۲۱۹، المغنی ۸/۱۰۸۔

(۲) الفتح ۳/۳۱۵-۳۱۶۔

(۱) المغنی ۸/۱۱۵، کشاف القناع ۶/۱۶۵۔

(۲) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۳۰۔

ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے^(۱)۔

کن باغیوں کا قتل جائز نہیں:

۲۴- فقہاء کا اس قاعدہ کی اصل پر اتفاق ہے کہ اہل حرب میں سے جن لوگوں جیسے عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور اندھوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، باغیوں میں سے بھی ان لوگوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوں، اس لئے کہ باغیوں کا قتل ان کے قتال کے شر کو دفع کرنے کے لئے ہے، لہذا قتل کا جواز اہل قتال کے ساتھ مخصوص رہے گا، اور یہ مذکورہ لوگ عادتاً قتال کرنے والے نہیں ہوئے، لہذا انہیں قتل نہیں کیا جائے گا، سوائے اس کے کہ وہ خود قتال میں حصہ لیں^(۲)، خواہ تخریض و ترغیب دلانے کی صورت میں حصہ ہو کہ یہ بھی معنوی اعتبار سے قتال ہے، ایسی صورت میں بچہ اور معتوہ (کم عقل) کے علاوہ لوگوں کو قتل کرنا مباح ہوگا، بچہ اور معتوہ کے سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ ان دونوں کا قتل قصداً نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر یہ حقیقتاً یا معنایاً جنگ میں حصہ لیں تو دوران جنگ ان کا قتل جائز ہوگا^(۳)۔

حنفیہ کے نزدیک امام کو اختیار ہے کہ باغی قیدیوں کو قتل کر دے یا انہیں قید رکھے ان کے نزدیک جو بوڑھے وغیرہ قتال کریں یا تخریض و ترغیب دلائیں ان کا قتل جائز ہے، ایسے لوگ جنگ کے دوران یا جنگ سے فراغت کے بعد قتل کئے جائیں گے، لیکن بچہ اور معتوہ کو جنگ ختم ہونے کے بعد قتل نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ جنگ بند ہونے کے بعد قتل یا گرفتاری بطور سزا ہوتی ہے، اور یہ

دونوں سزا کے اہل نہیں ہیں، جہاں تک دوران جنگ ان کے قتل کا تعلق ہے تو یہ ان کے شر کے دفع کے لئے ہے جس طرح حملہ آور کا دفاع کیا جاتا ہے^(۱)۔

حنا بلہ کہتے ہیں: اگر باغیوں کے ساتھ غلام، عورتیں اور بچے بھی آئیں، تو سامنے آنے پر ان سے مقابلہ کیا جائے گا، لیکن پیچھے پھیر کر بھاگ رہے ہوں تو انہیں بھی دوسرے آزاد لوگوں اور بالغ مردوں کی طرح چھوڑ دیا جائے گا، اس لئے کہ ان سے جنگ دفع شر کے لئے ہے، اگر ان میں سے کوئی کسی انسان کو قتل کرنا چاہے تو اس سے مقابلہ اور قتال جائز ہوگا۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر باغی چھوٹے بچوں کو ڈھال بنالیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا، الا یہ کہ ان کو چھوڑ دینے میں اکثر مسلمانوں کی تباہی لازم آتی ہو^(۲)۔

قدرت کے باوجود جنگ نہ کرنے والوں کا باغیوں کے ساتھ شریک ہونا:

۲۵- اگر باغیوں کے ساتھ ایسے لوگ بھی میدان میں ہوں جو جنگ نہ کریں، حالانکہ وہ جنگ کی قدرت رکھتے ہوں تو بالقصد انہیں قتل کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ باغیوں سے قتال کا مقصد انہیں روکنا ہے، اور ایسے لوگوں نے خود ہی اپنے آپ کو روک لیا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فِجْرًا وَّهُوَ جَاهِلٌ“^(۳) (اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے)، یہ آیت بتاتی ہے کہ عام حالات میں مومن کا عمداً قتل حرام

(۱) البدائع ۷/۱۰۱، ابن عابدین ۳/۳۱۱، المہذب ۲/۱۰۸-۱۰۹، حاشیہ الدسوقی ۳/۲۹۹، التاج والاکلیل ۶/۲۷۸-۲۷۹۔
(۲) کشاف القناع ۶/۱۶۳، المغنی ۸/۱۱۰، الدسوقی ۳/۹۹۔
(۳) سورہ نساء ۹۳۔

(۱) البدائع ۷/۱۰۱، الفتح ۳/۱۵۳، المہذب ۲/۱۰۹، المغنی ۸/۱۰۸-۱۰۹۔
(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۱۱، البدائع ۷/۱۰۱، حاشیہ الدسوقی ۳/۲۹۹، المہذب ۲/۲۰۰، المغنی ۸/۱۱۰۔
(۳) البدائع ۷/۱۰۱۔

ہے، باغی اور حملہ آور کے دفاع کی ضرورت کے حالات اس حکم سے علاحدہ ہیں، لہذا ان دونوں اقسام کے لوگوں کے علاوہ صورت میں حرمت کا حکم اپنے عموم پر باقی رہے گا، پس اگر کوئی شخص قتال نہیں کر رہا ہے اس سے بچنا چاہ رہا ہے، جب کہ وہ قتال کی قدرت رکھتا ہے، اور اس شخص کی طرف سے جنگ کے بعد بھی قتال کا اندیشہ نہیں ہے اور وہ مسلمان ہے تو چونکہ اس کے دفاع کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے اس کا خون مباح نہیں ہوگا (۱)۔

شافعیہ کے نزدیک ایک قول میں ایسے شخص کا قتل جائز ہے، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد سجاد بن طلحہ بن عبید اللہ کے قتل سے منع فرمایا تھا، وہ قتال نہیں کر رہا تھا صرف اپنے باپ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا، لیکن ایک شخص نے اسے قتل کر دیا اور ایک شعر پڑھا، تو حضرت علیؑ نے اس کے قتل پر نکیر نہیں فرمائی، اس کا قتل اس لئے بھی جائز ہے کہ وہ ساتھیوں کے لئے معاون بنا ہوا ہے (۲)۔

باغیوں میں سے محرم سے قتال کا حکم:

۲۶- فقہاء کافی الجملہ اتفاق ہے کہ کسی عادل کے لئے جائز نہیں ہے کہ باغیوں میں سے اپنے ذی رحم محرم (قریبی رشتہ دار) کو قتل کرے، مالکیہ نے اس حکم کو والدین تک محدود رکھا ہے، بلکہ بعض مالکیہ نے اپنے ایسے والدین کا قتل بھی جائز بتایا ہے، حنابلہ کے نزدیک ایک روایت میں بھی ایسا ہی حکم ہے، اس روایت کو قاضی نے ذکر کیا ہے، اور بعض فقہاء نے صرف کراہت کی تصریح کی ہے، یہی رائے زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأِنْ جَاهِلَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطْعَمُهُمَا"

(۱) المغنی ۱۰/۸، ۱۱۰۔

(۲) المہذب ۲/۲۱۹، ۲۲۰۔

وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا" (۱) (اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کئے جانا)، اور اس لئے بھی کہ امام شافعی نے روایت کی ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَفَّ أَبَا حَمْزَةَ بْنِ عَتَبَةَ عَنْ قَتْلِ أَبِيهِ" (۲) (نبی ﷺ نے عتبہ کے بیٹے ابو حمزہ کو اپنے والد کے قتل سے منع کیا)، اور بعض فقہاء نے والدین کا قتل حلال نہ ہونے کی صراحت کی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسن صحبت کا حکم دیا ہے اور حکم وجوب کا متقاضی ہے (۳)، اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء میں تفصیل ہے اور دلائل ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں: عادل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اہل بغی میں سے براہ راست اپنے ذی رحم محرم کے قتل سے آغاز کرے، اس لئے کہ اس میں دو حرمیں جمع ہو جاتی ہیں، اسلام کی حرمت اور قرابت و رشتہ کی حرمت، لیکن باغی اگر عادل کے قتل کا ارادہ کرے تو اسے دفاع کا حق ہے، اور اگر دفاع قتل کے بغیر ممکن نہ ہو تو جائز ہے کہ وہ ایسی صورت پیدا کرے کہ دوسرا شخص اس باغی کو قتل کر دے، اس لئے کہ اسلام دراصل خون کو محفوظ کر دیتا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱) سورہ بقرہ ۱۷۵۔

(۲) حدیث: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَفَّ أَبَا حَمْزَةَ بْنِ عَتَبَةَ عَنْ قَتْلِ أَبِيهِ" کو امام شافعی نے (۱) ۲۲۲/۳ طبع دار المعرفہ (اور بیہقی نے اپنی سنن (۱۸۶/۸) طبع دار المعارف العشائریہ) میں روایت کیا ہے ان کی سند میں محمد بن عمر الواقدی راوی ہے جو بہتم بالکذب ہے العبد عبد اللہ بن حجر (۳۶۳/۹) طبع دائرة المعارف النظامیہ۔

(۳) البدائع ۷/۱۳۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۱۳، الفتح ۳/۱۳، تبیین الحقائق ۶/۳۲۷، جامع الدسوقی ۳/۳۰۰، المناجیح والاکلیل ۶/۹۷، ۲۷۹، الشرح الصغیر ۳/۳۲۹، المہذب ۲/۲۲۰، نہایہ المحتاج ۷/۳۸۷، کشاف القناع ۶/۶۳، المغنی ۸/۱۱۸۔

”فإذا قالوها عصموا مني دماءهم وأموالهم...“^(۱) (اگر وہ (کلمہ اسلام) کو کہہ لیں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال کو محفوظ کر لیں گے) اور باغی مسلمان ہے، غیر ذی رحم محرم باغی کا قتل ان کے دفع شر کے لئے ہے، اس لئے نہیں کہ ان میں شرک ہے، اور دفع شر کی تکمیل صرف دفاع اور دوسرے کی طرف سے باغی کو قتل کر دینے کا سبب بن جانے سے ہو جاتی ہے^(۲)۔

مالکیہ نے کہا: انسان کے لئے مکروہ ہے کہ اپنے باغی باپ کو قتل کرے، ماں کا حکم بھی باپ کی طرح ہے، بلکہ ماں کے قتل کی کراہت بدرجہ اولیٰ ہے کہ اس کی فطرت میں شفقت و محبت رچی ہوئی ہے، اپنے دادا، بھائی اور بیٹے کا قتل مکروہ نہیں ہے^(۳)، ابن حنبل نے فرمایا: کوئی حرج نہیں کہ انسان باغیوں سے مقابلہ میں اپنے بھائی اور قرابت دار کو قتل کرے، جہاں تک صرف والد کا تعلق ہے تو میں والد کا عداوت قتل پسند نہیں کرتا، ابن عبد السلام نے باغی بیٹے کے قتل کا جواز نقل کیا ہے، لیکن یہ رائے غیر مشہور ہے^(۴)۔

اور شافعیہ نے کہا: ذی رحم محرم کے قتل کا قصد کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ کفار سے قتال میں ان کا قتل مکروہ ہے، اگر وہ قتال کرے تو اس کا قتل مکروہ نہیں ہے، حنابلہ نے کہا: ذی رحم محرم باغی کا قتل اصح قول کی رو سے مکروہ ہے، ابن قدامہ نے قاضی سے نقل کیا ہے کہ مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حق کی بنیاد پر قتل ہے، لہذا یہ اس پر حد جاری کرنے کے مشابہ ہے^(۵)۔

(۱) حدیث: ”فإذا قالوها...“ کی روایت بخاری (الفتح ۱۱۲/۶ طبع المنقحہ) ورمسلم (۵۳/۱ طبع المصنوع) نے کی ہے۔

(۲) البدائع ۱/۳۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۱۱، الفتح ۳/۱۱۵، تبیین الحقائق ۲/۲۷۳۔

(۳) حاشیہ الدسوقی ۳/۳۰۰، الشرح الصغیر ۳/۳۲۹۔

(۴) التاج والاکلیل ۶/۲۷۹۔

(۵) المہذب ۲/۲۲۰، نہایت المحتاج ۷/۸۷، کشاف القناع ۶/۶۳، المغنی ۱۱۸/۸۔

مقتول باغی سے عادل کی وراثت اور اس کے برعکس:

۲۷- حنفیہ اور مالکیہ کی رائے ہے اور یہی حنابلہ میں سے ابو بکر کی رائے ہے کہ عادل اپنے باغی رشتہ دار کا وارث ہوگا جسے اس نے قتل کیا ہے، اس لئے کہ یہ حق کی بنیاد پر قتل ہے، لہذا یہ میراث سے مانع نہیں ہوگا جیسے کہ قصاص کا قتل (باغی میراث میں مانع نہیں ہوتا)، اور اس لئے بھی کہ باغی کا قتل واجب ہے اور اس کے قاتل پر کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ضمان واجب ہوتا ہے، تو اسی طرح وہ قاتل وراثت سے بھی محروم نہیں کیا جائے گا، اور اسی طرح اگر باغی اپنے عادل رشتہ دار کو قتل کر دے تو مالکیہ نیز حنابلہ میں سے ابو بکر کے نزدیک یہی حکم ہوگا^(۱) کہ ان فقہاء کا قول ہے کہ ”ان کے درمیان باہم میراث قائم رہے گی“^(۲)۔

لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر باغی اپنے عادل رشتہ دار کو قتل کر دے اور دعویٰ کرے کہ میں حق پر ہوں تو وہ باغی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک وارث ہوگا، امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں، اور اگر باغی یہ کہے کہ میں نے اسے قتل کیا اور میں باطل پر ہوں تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک بالاتفاق وہ وارث نہیں ہوگا، امام ابو حنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ اس نے جو کچھ بھی تلف کیا تاویل فاسد کا سہارا لے کر کیا ہے، اور فاسد تاویل کے ساتھ اگر قوت بھی شامل ہو جائے تو وہ صحیح سے ملحق ہو جاتی ہے، پس وہ تاویل اگرچہ فی نفسہ فاسد ہے لیکن اس کی وجہ سے ضمان ساقط ہو جاتا ہے تو اسی طرح اس کی وجہ سے وراثت سے محرومی نہیں لازم آئے گی، جیسا کہ اس کے اعتقاد میں وہی تاویل صحیح ہے^(۳)۔

شافعیہ کی رائے ہے اور یہی حنابلہ میں سے ابن حامد کا قول ہے

(۱) المغنی ۸/۱۱۸، کشاف القناع ۶/۱۶۳۔

(۲) التاج والاکلیل ۶/۲۷۹، حاشیہ الدسوقی ۳/۳۰۰، الشرح الصغیر ۳/۳۲۹۔

(۳) الفتح ۳/۳۱۳، تبیین الحقائق ۳/۲۹۵-۲۹۶۔

سے قتال جائز نہیں ہے، اور نہ ہی کسی ایسے بڑے ذریعہ کا استعمال جائز ہے جس کا نقصان عام ہو جیسے ڈبونا، زبردست تباہ کن سیلاب چھوڑنا، نہ ہی ان کا محاصرہ کرنا اور کھانا پانی کی سپلائی منقطع کر دینا جائز ہے، بلکہ یہ کہ کوئی ضرورت ہو، مثلاً خود انہوں نے یہ ذرائع اختیار کئے ہوں، یا ہمارا محاصرہ کر لیا ہو اور ان ذرائع کے بغیر دفاع ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں یہ عمل ان سے گلو خلاصی کی نیت سے انجام دیا جائے گا نہ کہ ان کے قتل کے مقصد سے^(۱)، اس لئے کہ جو قتال نہ کرے اس کا قتل جائز نہیں ہے، اور جن چیزوں کا نقصان عمومی ہوتا ہے ان کی زد میں قتال کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں آتے ہیں۔

باغیوں کا ان سے مقبوضہ ہتھیار سے مقابلہ:

۲۹- حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے اور یہی حنابلہ کی ایک رائے ہے کہ باغیوں کا مقابلہ ان ہی کے اسلحوں، گھوڑوں اور ان سامان جنگ سے کیا جائے جن پر قبضہ کر لیا گیا ہو، اگر اہل عدل کو اس کی ضرورت پیش آئے، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں سے مقبوضہ ہتھیار کو اپنے اصحاب میں بصرہ میں تقسیم فرمایا تھا اور یہ تقسیم ضرورت کی بنیاد پر تھی، انہیں اسلحوں کا مالک نہیں بنایا گیا تھا، اور اس لئے بھی کہ امام بوقت ضرورت اہل عدل کے مال میں بھی ایسا تصرف کر سکتا ہے تو باغیوں کے مال میں بدرجہ اولیٰ درست ہوگا^(۲)۔

ابن قدامہ نے قاضی سے نقل کیا ہے کہ امام احمد نے دوران جنگ ان اسلحوں سے انتفاع کے جواز کا اشارہ کیا ہے، ان سے

کہ مندرجہ ذیل حدیث کے عموم کی بنیاد پر وہ شخص وارث نہیں ہوگا، حدیث ہے: ”لیس لقاتل شیء“^(۱) (قاتل کے لئے کوئی شیء نہیں ہے)، یہی حکم اس باغی کا ہوگا جس نے عادل کو قتل کیا ہو^(۲)، اور شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ قاتل اپنے مقتول کا مطلقاً وارث نہیں ہوگا^(۳)۔

باغیوں سے قتال کے لئے کن اسلحوں کا استعمال جائز ہے:

۲۸- حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک باغیوں سے قتال میں اگر وہ قلعہ بند ہو گئے ہوں، ہر اس اسلحہ کا استعمال درست ہے جس سے اہل حرب سے جنگ کی جاتی ہے جیسے تلوار، تیر اندازی، مینجیق (توپ)، آگ لگانا، ڈبو دینا، رسد اور پانی کی سپلائی کاٹ دینا وغیرہ، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب باغی خود ان چیزوں کا استعمال کریں، اس لئے کہ باغیوں سے قتال ان کے شر کے دفع اور ان کی قوت و شوکت کو توڑنے کے لئے ہوتا ہے، لہذا جن ذرائع سے یہ مقاصد حاصل ہوں ان کا استعمال ان سے قتال میں کیا جائے گا^(۴)، مالکیہ نے کہا: کہ اگر ان میں عورتیں اور بچے بھی ہوں تو ان پر آگ نہیں پھینکی جائے گی^(۵)۔

شافعیہ اور حنابلہ نے کہا کہ آگ اور مینجیق (توپ) کے ذریعہ ان

(۱) حدیث: ”لیس لقاتل شیء“..... کو امام مالک نے سوطا (۱/ ۸۶۷ طبع المجلد) میں مرسل روایت کیا ہے اور بیہقی نے لفظ ”القاتل لایموت“ کے ساتھ اسی کی روایت کی ہے اس کی سند میں کلام ہے، بیہقی نے کہا اس کے شواہد سے اس کو تقویت ہو جاتی ہے (سنن بیہقی ۱/ ۲۲۰ طبع دار الفکر المعارف الشیخانیہ)۔

(۲) المغنی ۸/ ۱۱۸۔

(۳) منہاج الطالبین و جامعہ اقلیہ بی ۳۸/ ۱۳۸۔

(۴) البدائع ۷/ ۱۳۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۱۱، الفتح ۳۲/ ۳۱۱۔

(۵) الشرح الکبیر و جامعہ الدسوقی ۳۲/ ۲۹۹، المنہاج والاکلیل ۶/ ۲۷۸۔

(۱) نہایہ المحتاج ۷/ ۷۸، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، المغنی ۸/ ۱۱۰، کشاف القناع ۶/ ۱۶۳۔

(۲) الفتح والہدایہ ۳۲/ ۳۱۳، حاشیہ ابن عابدین ۳۲/ ۳۱۱، تبیین الحقائق ۳۲/ ۳۹۳، المغنی ۸/ ۱۱۶، المنہاج والاکلیل ۶/ ۲۷۸، جامعہ الدسوقی ۳۲/ ۳۰۰۔

قتال کے علاوہ میں استعمال کو منع کیا ہے، اس لئے کہ دوران جنگ ان کی جانوں کا اتلاف اور ان کے اسلحوں و جانوروں پر قبضہ جائز ہے تو ان سے انتفاع بھی جائز ہوگا جیسا کہ اہل حرب کے اسلحوں سے انتفاع جائز ہے، ابو الخطاب نے کہا: اس مسئلہ میں دو وجہیں ہیں (۱):

شنافعیہ کی رائے اور یہی حنابلہ کے نزدیک دوسری رائے ہے جس کا ذکر ابو الخطاب نے کیا ہے، یہ ہے کہ باغیوں کے جن اسلحوں اور گھوڑوں پر قبضہ کر لیا گیا ہے کسی کے لئے ان میں سے کچھ بھی استعمال جائز نہیں ہے، الا یہ کہ ضرورت ہو تو اس صورت میں انہیں اجرت مثل ادا کرنا لازم ہوگا، جیسے کہ ایک مضطر شخص دوسرے کا کھانا استعمال کر لے تو کھانے کی قیمت اسے ادا کرنی لازم ہوتی ہے (۲)، اور اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه" (۳) (کسی مسلمان کا مال صرف اس کی رضامندی سے ہی استعمال کرنا جائز ہے)، اور اس لئے بھی کہ جس کا مال لیما جائز نہیں ہے اس کے مال سے انتفاع بھی بغیر اس کی اجازت اور بغیر ضرورت جائز نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ اسلام نے ان کا مال معصوم کر دیا ہے، اور ان سے قتال تو صرف اس لئے مباح ہے کہ انہیں اطاعت کی طرف لوٹایا جائے، لہذا مال معصوم ہی رہے گا، اور جب جنگ ختم ہو جائے گی، تو ان کا اسلحہ وغیرہ تمام اموال کی طرح ان کو لوٹنا واجب ہوگا، جنگ ختم ہونے سے قبل اس لئے نہیں لوٹایا جائے گا کہ وہ ہم سے قتال میں اس کا استعمال کریں گے (۴)۔

(۱) المغنی ۸/۱۱۶۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۷، المہذب ۲/۲۲۱۔

(۳) حدیث: "لا یحل مال امرئ مسلم کو امام احمد (۲۵/۲۲۵ طبع المصنف) نے ابو حنیفہ راوی سے روایت کیا ہے دشمن نے مجمع میں اسے روایت کیا ہے اور کہہ اس کو امام احمد اور یزید نے روایت کیا ہے سہوں کے رجال صحیح کے رجال ہیں (مجمع الرواۃ ۳/۱۷۱ طبع القدی)۔

(۴) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۷، المہذب ۲/۲۲۱، کشاف القناع ۶/۱۶۳۔

باغیوں سے قتال میں مشرکین سے مدد:

۳۰- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے کہ باغیوں سے قتال میں کفار سے استعانت و مدد حرام ہے، اس لئے کہ قتال کا مقصد باغیوں کا قتل نہیں بلکہ انہیں باز رکھنا ہے، اور کفار بالقصد ان کا قتل کریں گے، اور اگر کفار سے تعاون کی ضرورت آجائے تو اگر جن کفار سے مدد لی جارہی ہے انہیں قابو میں رکھنے کی قدرت ہو تو جائز ہوگا، اگر ایسی قدرت نہ ہو تو جائز نہیں ہوگا۔

جیسا کہ شافعیہ اور حنابلہ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ باغیوں سے قتال میں ایسے اہل عدل کا تعاون لیما بھی جائز نہیں ہے جو پیچھے پھیر کر بھاگتے باغیوں کے قتل کی رائے رکھتے ہوں (یہ رائے فقہاء حنفیہ کی ہے) جیسا کہ تفصیل پیچھے بیان ہوئی۔

حنفیہ جمہور کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ اہل شرک سے استعانت جائز نہیں ہے اگر اہل شرک ہی کا حکم نافذ ہوتا ہو، لیکن اگر اہل عدل کا حکم چلتا ہو تو ذمیوں نیز باغیوں کے کسی گروہ سے استعانت میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ مدد کی ضرورت نہ ہو، اس لئے کہ اہل عدل دین کی سرخ روئی کے لئے قتال کرتے ہیں، اور باغیوں کے خلاف اہل شرک کا تعاون ایسا ہی ہے جیسے جنگی اسلحوں سے کام لیا جائے (۱)۔

باغیوں سے معرکہ کے مقتولین اور ان کی نماز جنازہ:

۳۱- اہل عدل میں سے جو قتل ہو وہ شہید ہوگا، اس لئے کہ وہ اللہ کے حکم کے لئے قتال میں مارا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي" (۲) (تو اس سے لڑو جو یادتی کر رہا ہے)، اس شہید کو نہ

(۱) حاشیہ ابن حابدین ۳/۱۶۳، حاشیہ الدبوتی ۳/۹۹۲، التاج والاکلیل ۶/۲۷۸، المہذب ۲/۲۲۰، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۷، المغنی ۸/۱۱۱، کشاف القناع ۶/۱۶۳۔

(۲) سورۃ حجرات ۹۔

جمہور نے غسل و تکفین اور نماز جنازہ کے حکم میں باغیوں میں سے خوارج اور غیر خوارج کے درمیان فرق نہیں کیا ہے^(۱)۔

باغیوں کی باہمی لڑائی:

۳۲- اگر باغیوں کے دو گروہ میں باہم لڑائی ہو جائے اور امام ان دونوں کو قابو میں کر سکتا ہو تو پھر امام کسی ایک فریق کی مدد نہیں کرے گا، اس لئے کہ دونوں فریق غلطی پر ہیں، لیکن اگر امام دونوں فریقوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا ہو اور نہ اس بات کا اطمینان ہو کہ امام سے قتال کے لئے دونوں فریق متحد ہو جائیں گے تو ان دونوں میں سے جو فریق حق سے زیادہ قریب ہو اس فریق کو امام اپنے ساتھ ملا لے گا، اگر دونوں فریق برابر درجہ میں ہوں تو امام اپنی رائے و اجتہاد سے کسی ایک کو اپنے ساتھ ملا لے گا، اس عمل سے مقصود ایک فریق کے مقابلہ و دوسرے فریق کی مدد نہیں ہوگی بلکہ دوسرے فریق کے خلاف پہلے فریق سے مدد لینی مقصود ہوگی، پھر دوسرا فریق شکست کھا جائے تو امام اس پہلے فریق سے قتال نہیں کرے گا جس کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا تا آنکہ اس فریق کو اطاعت اختیار کر لینے کی دعوت دے دے اس لئے کہ اس فریق سے استعانت کی وجہ سے اسے امان حاصل ہو چکا ہے، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے^(۲)۔

حنفیہ اور مالکیہ کی جن کتابوں سے ہم نے رجوع کیا ہے ان میں اس صورت کا حکم نہیں ملا۔

حنفیہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کوئی باغی اپنے لشکر میں دوسرے باغی کو عداقت کر دے پھر باغیوں پر اہل عدل غالب آجائیں تو قتال پر کچھ بھی نہیں ہوگا، کیونکہ مقتول کا خون مباح تھا، اگر اسے کسی عادل

غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ وہ ایسے معرکہ میں شہید ہوا ہے جس میں قتال کا حکم تھا، لہذا وہ کفار سے معرکہ میں شہید ہونے والے کے مشابہ ہو گیا، حنابلہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اسے غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی، یہی امام اوزاعی اور ابن المنذر کا قول ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”صلوا علی من قال لا إله إلا الله“^(۱) (ہر کلمہ لا إله إلا الله کہنے والے پر نماز جنازہ پڑھو)، آپ نے معرکہ کے کفار مقتولین کا استثناء فرمایا، تو ان کے علاوہ لوگوں کے لئے اصل حکم ہی باقی رہے گا^(۲)۔

جہاں تک باغی مقتولین کا تعلق ہے تو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ انہیں غسل دیا جائے گا، کفن دیا جائے گا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، حضور ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کی وجہ سے کہ ”صلوا علی من قال لا إله إلا الله“، اور اس لئے بھی کہ وہ مسلم ہیں لیکن ان کے لئے شہادت کا حکم ثابت نہیں ہوا، لہذا انہیں غسل دیا جائے گا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، یہی حکم حنفیہ کے نزدیک بھی ہے خواہ باغیوں کا گروہ ہو یا نہ ہو، یہ حنفیہ کی صحیح رائے ہے^(۳)، اور مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے اہل حروراء پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، لیکن انہیں غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا اور تدفین کی گئی^(۴)۔

(۱) حدیث: ”صلوا علی من قال“ کو دارقطنی (۵۶/۳ طبع دارالمحاسن) نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے ابن حجر نے کہہ عثمان بن عبد الرحمن - جو اس سند کے ایک راوی ہیں - کو یحییٰ بن معین نے جھوٹا بتایا ہے (انہیں ۳۵/۲ طبع شرکت المطابع النعیمیہ)۔

(۲) البدائع ۱۲۲/۷، حاشیہ ابن عابدین ۳۱۳/۳، حاشیہ العینی علی تبیین الحقائق ۳۹۶/۸، المغنی ۱۱۲۔

(۳) البدائع ۱۲۲/۷، حاشیہ ابن عابدین ۳۱۳/۳، حاشیہ العینی علی تبیین الحقائق ۳۹۶/۸، المغنی ۱۱۶-۱۱۷۔

(۴) البدائع ۱۲۲/۷۔

(۱) المغنی ۸/۱۱۷۔

(۲) المہذب ۲۲۰/۲، المغنی ۸/۱۱۰-۱۱۱۔

ہوگا، اس لئے کہ امان کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ انہیں لازماً مسلمانوں سے باز رکھا جائے، لیکن یہاں انہوں نے مسلمانوں سے قتال کرنے کی شرط قبول کی ہے، لہذا انہیں امان حاصل نہیں ہوا، اہل عدل ان سے قتال کریں گے، اور ان کے جو قیدی اہل عدل کے ہاتھوں گرفتار ہوں گے وہ جنگی قیدی کے حکم میں ہوں گے^(۱)۔

اگر باغی امان یافتہ لوگوں (مستائین) سے مدد طلب کریں تو جو انہی یہ لوگ باغیوں کی اعانت کریں گے عہد شکن قرار پائیں گے اور اہل حرب کے حکم میں ہو جائیں گے، اس لئے کہ انہوں نے مسلمانوں سے عدم تعرض کی شرط توڑ دی، اور ان کا معاہدہ ذمیوں کے برخلاف وقتی ہوتا ہے، لیکن اگر انہیں عہد شکنی پر مجبور کیا گیا ہو اور انہیں قوت بھی حاصل ہو تو ان کا عہد برقرار رہے گا^(۲)۔

اگر باغیوں نے اہل ذمہ سے مدد لی اور انہوں نے باغیوں کی مدد کی اور ان کے ساتھ مل کر قتال کیا تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دو رائیں ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ ان کا عہد ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے اہل حق سے قتال کیا تو ان کا عہد باقی نہیں رہا، جیسا کہ انہوں نے خود ہی تنہا قتال کیا ہو، اس رائے کے مطابق یہ ذمی اہل حرب قرار پائیں گے، ہر حال میں انہیں قتل کیا جائے گا، ان کے زخمیوں کو بھی مار ڈالا جائے گا، انہیں غلام بنایا جائے گا، اور ان پر حربیوں سے قتال کے تمام احکام جاری ہوں گے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ اہل ذمہ کو نہیں معلوم کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر، لہذا اس مسئلہ میں

نے قتل کر دیا ہوتا تو قاتل پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا، لہذا باغی قاتل پر بھی دیت یا قصاص واجب نہیں ہوگا، اور نہ ہی اس پر گناہ ہوگا، اور اس لئے بھی کہ قتل کے وقت امام عدل کو ولایت حاصل نہیں تھی، لہذا یہ قتل موجب جزا نہیں بنا جیسے کہ دارالحرب میں قتل موجب جزا نہیں ہوتا^(۱)۔

فقہاء حنفیہ کہتے ہیں: اگر باغی کسی شہر پر غالب آجائیں، پھر باغیوں کا دوسرا گروہ ان سے جنگ کرے اور شہر والوں کو گرفتار کرنا چاہے تو اہل شہر پر واجب ہوگا کہ اپنے لوگوں کے دفاع کے لئے مقابلہ کریں^(۲)۔

حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر باغیوں کے لشکر میں ایک اہل عدل تاجر دوسرے اہل عدل تاجر کو قتل کر دے یا اہل عدل قیدی دوسرے قیدی کو قتل کر دے پھر یہ لوگ قبضہ میں آئیں تو قصاص واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ فعل قتل موجب جزا نہیں بنا کیونکہ وہاں نفاذ مزا دشوار ہے اور ان پر ولایت بھی حاصل نہیں ہے، جیسا کہ دارالحرب میں ایسی صورت پیش آئے تو سزا واجب نہیں ہوتی، اس لئے کہ باغیوں کے لشکر اور دارالحرب دونوں میں یکساں طور پر ولایت حاصل نہیں ہے^(۳)۔

باغیوں کا کنار سے مدد لینا:

۳۳- حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ باغی اگر اہل حرب سے مدد لیں اور انہیں امان دیں یا ان سے معاہدہ کر لیں اور ہمیں ان اہل حرب پر کامیابی حاصل ہو تو ہمارے لئے اس امان کا اعتبار نہیں

(۱) الہدایہ والفتح والعتابہ ۳/۱۳۳، الدر المختار ۳/۱۲۳، تبیین الحقائق وحاشیہ اعلیٰ ۳/۲۹۵۔

(۲) فتح القدیر ۳/۱۶۲۔

(۳) بدائع الصنائع ۷/۱۴۱-۱۴۲۔

(۱) فتح القدیر ۳/۱۶۲، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۸، المغنی ۸/۱۴۱۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۸، المہذب ۲/۲۲۱، المغنی ۸/۱۴۱-۱۴۲، کشاف الفتاویٰ ۶/۱۶۶۔

لیکن شافعیہ اور حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ ذمی قتال کے دوران یا اس کے بغیر اہل عدل کا جو کچھ نقصان کریں اس کے وہ ضامن ہوں گے، اس لئے کہ ان کے لئے تاویل نہیں ہے^(۱)۔

باغی کو عادل کی جانب سے امان فراہم کرنا:
۳۴- حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اہل عدل میں سے کوئی شخص اگر کسی باغی کو امان دے دے تو اس کا امان جائز ہوگا، اس لئے کہ باغی سے اختلاف کفر سے بڑھ کر نہیں ہے، اور کفر کو امان دینا جائز ہے تو باغی کو امان دینا بھی جائز ہوگا بلکہ باغی امان کا مستحق بدرجہ اولیٰ ہوگا، اس لئے کہ وہ مسلمان ہے، اور بسا اوقات اس سے مناظرہ کی ضرورت ہو سکتی ہے تاکہ توبہ کر لے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسے فریق ثانی کی جانب سے مکمل اطمینان ہو، اگر کوئی باغی مان کے ساتھ آئے اور کوئی عادل اسے عداقت کر دے تو قتال پر دیت واجب ہوگی^(۲)۔

باغیوں کے امام کے تصرفات
اگر باغی دارالاسلام کے کسی شہر پر غالب آجائیں اور اپنا امام مقرر کر لیں اور یہ امام بحیثیت حاکم تصرفات انجام دے جیسے زکاۃ، عشر، خراج اور جزیہ کی وصولی، حدود اور تعزیرات کا نفاذ، تاضیوں کی تقرری تو کیا یہ تصرفات نافذ ہوں گے، اور ان پر ان کے آثار اہل عدل کے حق میں مرتب ہوں گے؟ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف- زکاۃ، جزیہ، عشر اور خراج کی وصولی:
۳۵- فقہاء کی رائے ہے کہ باغی جن علاقوں پر غالب آگئے ہوں،

ان کے لئے شیعہ پیدا ہو گیا، اس رائے کی رو سے یہ ذمی بھی اس بات میں باغیوں کی طرح ہوئے کہ ان کے قیدی، میدان سے بھاگنے والوں اور زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ اور مالکیہ نے شافعیہ اور حنابلہ سے اس مسئلہ میں اتفاق کیا ہے کہ اگر باغیوں کی درخواست پر ذمی ان کی مدد کریں تو ان کا عہد ذمہ نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ باغیوں کی جانب سے یہ فعل نقصان نہیں ہے، جو اہل ذمہ باغیوں میں شامل ہوئے وہ اس بات سے نہیں نکلے ہیں کہ معاملات میں اسلامی احکام کی پابندی کریں گے اور دارالاسلام والوں میں سے کہلائیں گے^(۱)۔

اگر باغی ان کو اپنی مدد پر مجبور کریں تو اس میں ایک ہی رائے ہے کہ ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا، اور ان کا قول قبول کیا جائے گا اس لئے کہ وہ باغیوں کے ماتحت قدرت ہیں^(۲)۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ ایسے ذمی بھی باغیوں کے حکم میں ہوں گے، فقہاء حنفیہ کے یہاں اس جملہ کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمی دوران قتال اہل عدل کے سامان کا اتنا فائدہ کریں تو ان پر اسی طرح ضمان نہیں ہوگا جس طرح باغیوں پر نہیں ہوتا ہے^(۳)، مالکیہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ انہوں نے ایسے ذمی کے بارے میں جو اصحاب تاویل باغیوں کے مطالبہ پر ان کے ساتھ خروج کریں، یہ کہا ہے کہ وہ جان یا سامان کے ضامن نہیں ہوں گے^(۴)۔

(۱) الفتح ۳/۱۵، التاج والاکلیل ۲/۲۹۶، الشرح المصغر ۳/۳۳۰، الشرح المکبیر وحاشیۃ الدرر ۳/۳۰۰، المہذب ۲/۲۲۱، نہایۃ المحتاج ۷/۱۸۸، المغنی ۸/۲۱، کشاف القناع ۶/۱۶۶۔

(۲) المغنی ۸/۱۲۲۔

(۳) فتح القدیر ۳/۳۱۵۔

(۴) الشرح المصغر ۳/۳۳۰، الشرح المکبیر وحاشیۃ الدرر ۳/۳۰۰، التاج والاکلیل ۲/۲۹۶۔

(۱) المہذب ۲/۲۲۱، نہایۃ المحتاج ۷/۱۸۸، المغنی ۸/۲۱، کشاف القناع ۶/۱۶۶۔

(۲) الفتح ۳/۱۶، رد المحتار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/۳۱۲۔

وہاں سے جو کچھ زکاۃ، جزیہ، عشر اور خراج وہ وصول کریں گے ان کا اعتبار و شمار ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ کیا یا لیا وہ جائز تاویل کے ساتھ ہوا، لہذا وہ نافذ ہوگا، جیسے کہ حاکم کسی ایسے امر کا فیصلہ دے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو، اور باغیوں کو عشر و زکاۃ وغیرہ دینے میں لوگوں پر کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس نجد حروری کا نمائندہ آتا تھا تو آپ اسے اپنی زکاۃ دے دیا کرتے تھے، اسی طرح حضرت سلمہ بن اکوع کا عمل تھا۔

اہل عدل کا امام ان علاقوں پر غالب آجائے تو جو کچھ باغیوں نے وصول کیا تھا ان میں سے کسی چیز کے مطالبہ کا اسے حق نہیں ہوگا، اور نہ ہی ان لوگوں سے طلب کرے گا جن سے وصول کیا گیا تھا، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے اسی کے مثل مروی ہے، اور اس لئے بھی کہ امام کو وصولی کی ولایت لوگوں کے تحفظ کرنے کی وجہ سے حاصل تھی، یہاں امام کی طرف سے حمایت و تحفظ نہیں پایا گیا، اور اس لئے بھی کہ اس کا شمار و اعتبار نہ کرنے میں عظیم ضرر اور بڑی مشقت ہے، ممکن ہے وہ طویل عرصہ تک ان علاقوں پر غالب رہیں، اور اگر ان کی وصولی کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس پوری مدت کی زکاۃ لوگوں سے لینی پڑے گی^(۱)۔

ابوعبید نے کہا: باغیوں نے جن لوگوں سے وصولی کی ہے وہ لوگ دوبارہ ادا کریں گے، اس لئے کہ ان سے جس نے وصول کیا ہے اسے ولایت صحیحہ حاصل نہیں ہے، لہذا اس کا وصول کرنا عام افراد کے وصول کرنے کی مانند ہوگا^(۲)۔

فقہاء حنفیہ کی رائے ہے کہ اہل بغی کے امام نے وصول شدہ اموال

(۱) الفتح ۳/۱۳۴، البدائع ۷/۱۳۲، المہذب ۲/۲۲۱، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۵، المغنی ۸/۱۱۸، کشاف القناع ۶/۶۵، الکافی لابن عبد البر ۶/۳۸۶، معج البیہل ۱/۳۳۶۔

(۲) المغنی ۸/۱۱۸۔

کو ان کے مصارف میں صرف کر دیا ہو تو دینے والوں کی طرف سے کفایت کرے گا، اور انہیں دوبارہ نہیں ادا کرنا ہوگا، اس لئے کہ حق اپنے مستحق تک پہنچ چکا ہے، لیکن اگر امام نے وہ اموال ان کے مصارف میں صرف نہیں کیا ہو تو جن سے وصولی کی گئی ہے ان پر ”فیما بینہ و بین اللہ“ لازم ہے کہ دوبارہ ادا کریں، اس لئے کہ وہ اموال اپنے مستحقین تک نہیں پہنچے ہیں، کمال ابن الہمام کہتے ہیں: مشائخ کہتے ہیں کہ مالکان پر خراج کی دوبارہ ادائیگی لازم نہیں ہے، اس لئے کہ باغی جنگ کرنے والے ہوتے ہیں، جو خراج کا مصرف ہیں خواہ وہ مالدار ہوں، اگر باغی فقراء ہوں تو یہی حکم عشر کا ہوگا، لیکن اگر باغی مالدار ہوں تو مشائخ نے دوبارہ ادا کرنے کا فتویٰ دیا ہے، تمام اموال کی زکاۃ میں یہی حکم ہوگا^(۱)۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: اگر باغیوں کا شہر اہل عدل کے قبضہ میں آجائے اور زکاۃ دینے والے دعویٰ کریں کہ انہوں نے باغیوں کو ادا کر دیا ہے تو ان کی بات قبول کی جائے گی، ان سے قسم لینے کے سلسلہ میں شافعیہ کی دورائے ہے، اور امام احمد نے کہا: لوگوں سے ان کی زکاۃ پر حلف نہیں لیا جائے گا۔

اور اگر جزیہ ادا کرنے والے دعویٰ کریں کہ انہوں نے باغیوں کو جزیہ دے دیا ہے تو ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ جزیہ عوض ہے، لہذا ادائیگی کی بابت ان کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ اجرت پر لینے والا اجرت کی ادائیگی کا دعویٰ کرے تو قبول نہیں کیا جائے گا، حنابلہ کے نزدیک اگر سال گزر گیا ہو تو ان کا قول قبول کرنے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ باغی ان سے جزیہ نہیں چھوڑیں گے، لہذا ان کا قول قبول کیا جائے گا، اس لئے کہ ظاہری صورت ان کے حق میں ہے، اور اس لئے بھی کہ اگر اسی طرح بہت

(۱) فتح القدیر ۳/۳۱۳۔

سارے برس بیت جائیں تو اپنے دعویٰ پر بینہ پیش کرنا ان کے لئے مشکل ہوگا، اور نتیجہ ان کو دوبارہ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ جس پر خراج واجب ہے اگر وہ باغیوں کو خراج ادا کر دینے کا دعویٰ کرے تو اس میں دو رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ اس کا قول قبول کیا جائے گا اس لئے کہ وہ مسلم ہے، پس ادائیگی کی بابت اس کا قول قبول کیا جائے گا جس طرح زکاۃ کی ادائیگی میں قبول کیا جاتا ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ قبول نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ خراج ثمن یا اجرت ہے، لہذا ادائیگی کے سلسلہ میں اس کی بات نہیں قبول کی جائے گی جس طرح بیع میں ثمن اور اجارہ میں اجرت کی بابت قبول نہیں کی جاتی ہے^(۱)۔

اگر باغی وظیفہ خواروں کا حصہ اپنی فوج پر تقسیم کر دیں تو درست ہے، اس لئے کہ وہ محتمل تاویل کا اعتقاد رکھتے ہیں، لہذا یہ اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کے مشابہ ہوا، اور اس لئے بھی کہ اس کا اعتبار نہ کرنے میں رعیت کو نقصان پہنچاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ ان کی فوج بھی اسلامی انواع میں سے ہے اور ان سے بھی کفار پر رعب قائم ہے، یہ حکم دونوں صورتوں میں ہے خواہ زکاۃ معجل ہو یا نہیں، اور خواہ باغیوں کی شوکت و وجوب زکاۃ تک برقرار ہو یا نہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کی تقسیم کا اعتبار نہیں کیا جائے گا تا کہ وہ اس کے ذریعہ ہمارے خلاف قوت نہ حاصل کر لیں^(۲)، اگر خراج دینے والا شخص ذمی ہو تو اس کا حکم جزیہ کی طرح ہے، کیونکہ وہ غیر مسلم کی طرف سے عوض ہے^(۳)۔

ب۔ باغیوں کا فیصلہ اور اس کا نفاذ:

۳۶۔ اگر باغی کسی شہر پر قابض ہو جائیں اور وہاں اہل شہر میں سے

کسی کو تاقضی مقرر کر دیں جو باغیوں میں سے نہ ہو تو یہ بالاتفاق درست ہے، اور وہ تاقضی حدود کا اجراء کرے گا، اور اگر وہ تاقضی باغیوں میں سے ہو، پھر اہل عدل شہر پر غالب آجائیں اور اس تاقضی کے فیصلے تاقضی اہل عدل کے سامنے پیش کئے جائیں تو یہ تاقضی ان فیصلوں کو نافذ کر دے گا جو معنی بر عدل ہوں، اسی طرح ان فیصلوں کو بھی نافذ کر دے گا جو باغی تاقضی نے کسی مجتہد کی رائے کے مطابق کئے ہوں، اس لئے کہ اجتہادی امور میں تاقضی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے، خواہ وہ فیصلے تاقضی اہل عدل کی رائے کے مخالف ہوں^(۱)۔

مالکیہ نے کہا: اگر باغی تاویل پر ہو اور کسی کو تاقضی مقرر کرے اور وہ کسی چیز کا فیصلہ دے تو وہ نافذ ہوگا، اس کے فیصلوں کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا، بلکہ انہیں صحت پر محمول کیا جائے گا اور ان سے اختلاف رفع ہو جائے گا، موافق نے کہا: یہ ظاہر مذہب ہے، لیکن اگر باغی تاویل والا نہ ہو تو اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کی جائے گی، ابن القاسم نے کہا: ان باغیوں کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے^(۲)۔

شافعیہ اور حنابلہ نے کہا: اگر وہ تاقضی اہل عدل کے خون اور اموال کو مباح سمجھنے والوں میں ہو تو اس کے احکام نافذ نہیں ہوں گے، اس لئے کہ فیصلہ کے لئے عدل اور اجتہاد شرط ہے، اور یہ تاقضی نہ تو عادل ہے اور نہ مجتہد، لیکن اگر وہ اہل عدل کے خون و مال کو مباح نہ سمجھتا ہو تو اس کے بھی وہ فیصلے نافذ ہوں گے جو فیصلے اہل عدل کے نافذ ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ ایسی تاویل والے ہیں جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، لہذا اس کے وہ فیصلے جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے رو نہیں ہوں گے، اور اس لئے بھی کہ یہ جائز تاویل کے ساتھ فروع میں اختلاف ہے، لہذا یہ فیصلہ کی صحت میں مانع نہیں ہوگا اور نہ

(۱) الفتح ۳/۱۶، البدائع ۷/۳۲، المغنی ۸/۱۱۹۔

(۲) المشرح الکبیر وجامعہ الدوسقی ۳/۳۰۰، التاج والاکیل ۶/۲۷۹، المشرح الصغیر ۳/۳۰، مع الجلیل ۱/۳۳۶۔

(۱) المہذب ۲/۲۲۱۔

(۲) نہایہ المحتاج ۷/۳۸۵، المغنی ۸/۱۱۹۔

(۳) المغنی ۸/۱۱۹، کشاف القناع ۶/۱۶۶۔

وہ فاسق ہوگا جس طرح اختلاف فقہاء مانع نہیں ہوتا ہے، اگر باغی قاضی ایسا فیصلہ دے جو اجماع کے مخالف نہ ہو تو اس کا فیصلہ مانڈ ہوگا، اور اگر وہ فیصلہ اجماع کے خلاف ہو تو رد کر دیا جائے گا، اور اگر وہ دوران جنگ کئے جانے والے نقصانات کا ضمان باغیوں سے ساقط ہونے کا فیصلہ دے تو یہ فیصلہ مانڈ ہوگا، اس لئے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے، اگر باغیوں نے جنگ سے قبل نقصان کیا ہو تو اس کے ضمان کے ساقط ہونے کا فیصلہ مانڈ نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ فیصلہ اجماع کے خلاف ہے، اور اگر باغی قاضی اہل عدل پر ان نقصانات کے ضمان کا فیصلہ دے جو دوران جنگ انہوں نے کئے تو یہ فیصلہ مخالف اجماع ہونے کی وجہ سے مانڈ نہیں ہوگا، لیکن جنگ کے علاوہ کئے جانے والے نقصانات کے ضمان کا فیصلہ دے تو یہ مانڈ ہوگا^(۱)۔

ج۔ باغی قاضی کا خط عادل قاضی کے نام:

۷۳-۳۸- حنفیہ کے نزدیک قاضی اہل عدل باغیوں کے قاضی کا خط قبول نہیں کرے گا اس لئے کہ وہ فاسق ہیں^(۲)، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہمارے نام ان کی تحریر کی بنیاد پر بیحد وثبوت سننے کے بعد فیصلہ صحیح قول کے مطابق جائز ہے، لیکن اس پر فیصلہ نہ دینا اور اس کو مانڈ نہ کرنا مستحب ہے تاکہ ان کا استخفاف ہو، لیکن فیصلہ کے فریق کا نقصان بھی نہ ہو، اگر قاضی اسے قبول کر لے تو جائز ہے اس لئے کہ باغی قاضی کا فیصلہ مانڈ ہوتا ہے تو اس کی تحریر پر فیصلہ بھی جائز ہوگا، جس طرح قاضی اہل عدل کی تحریر پر فیصلہ جائز ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ فیصلہ ہے اور فیصلہ کرنے والا اس کا اہل ہے، بلکہ اگر ہمارے کسی شخص کے حق میں ان کے کسی شخص کے خلاف فیصلہ ہو تو بھی فیصلہ کا نفاذ ضروری ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کی تحریر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

(۱) المہذب ۲/۲۲۱، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۳، المغنی ۸/۱۱۹-۱۲۰۔

(۲) الفتح ۳/۱۶، البدائع ۷/۱۳۲۔

کیونکہ اس سے باغی قاضی کے منصب کی بلندی لازم آتی ہے^(۱)۔ اس مسئلہ میں مالکیہ کی کوئی صراحت ہمیں نہیں ملی، لیکن انہوں نے ایسے قاضی کے لئے عدالت کی شرط لگائی ہے جس کی تحریر قبول کی جائے گی، خواہ اس قاضی کو منصب قضاء کسی غالب آجانے والے والی نے دیا ہو یا کافر نے، تاکہ لوگوں کے مصالح کی رعایت ہو سکے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں کے قاضی کی تحریر قبول کرنا درست ہے^(۲)۔

د۔ باغیوں کا اجرائے حدود اور ان پر حدود کا وجوب:

۷۳-۳۸۔ باغیوں کے امام کی جاری کردہ حد صحیح واقع ہوتی ہے اور کفایت کرتی ہے، چنانچہ مجرم اگر جرم قتل کا مرتکب نہ ہو تو اس پر دوبارہ حد جاری نہیں کی جائے گی، اور اگر قتل ہو تو اس پر دیت نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت علیؓ نے اہل بصرہ سے قتال کیا اور انہوں نے جو کچھ اجرائے حدود کئے تھے انہیں منسوخ نہیں کیا، اس لئے کہ انہوں نے جائز تاویل کے ذریعہ عمل کیا ہے، تو وہ مانڈ ہوں گے، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں سے ہر ایک نے اس کی صراحت کی ہے^(۳)۔

حنفیہ نے کہا ہے: اگر باغیوں کے امام کا نصب کردہ قاضی اس شہر کے اہالیان میں سے ہو جس پر باغیوں نے قبضہ کیا ہے، خود باغیوں میں سے نہ ہو تو اس قاضی پر اجرائے حدود واجب ہے اور وہ مانڈ ہوں گے، اور اگر وہ قاضی باغیوں میں سے ہو اور باغیوں نے دارالحرب سے قوت حاصل کر لی ہو تو حدود کا وجوب نہیں ہوگا، اس لئے کہ فعل غیر دارالاسلام میں واقع ہونے کی وجہ سے سرے سے موجب حد بنائی نہیں ہے، کیونکہ واقعہ جرم کے وقت قوت کے مقام

(۱) المہذب ۲/۲۲۱، نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۳، المغنی ۸/۱۲۰، کشاف القناع ۶/۱۶۶۔

(۲) التاج والاکیل ۶/۱۳۳۔

(۳) المشرح المصغر ۳/۳۳۰، التاج والاکیل ۶/۲۷۹، حامیۃ الدنوتی ۳/۳۰۰۔

المہذب ۲/۲۲۱، المغنی ۸/۱۱۸۔

بغاة ۳۹، بغی

مالکیہ کہتے ہیں: باغیوں کی شہادت قبول کی جائے گی بشرطیکہ وہ اہل بدعت نہ ہوں، اگر بدعت والے ہوں تو قبول نہیں کی جائے گی، اور اس میں ادائیگی شہادت کے وقت کا اعتبار ہوگا (۱)۔

شافعیہ نے کہا: باغیوں کی شہادت ان کی تاویل کی وجہ سے قبول کی جائے گی، الا یہ کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے موافقین کے حق میں ان کی تصدیق کی وجہ سے شہادت دیتے ہیں، ایسی صورت میں ان میں سے بعض کے حق میں شہادت قبول نہیں کی جائے گی (۲)۔

حنابلہ نے کہا ہے: باغی اگر اہل بدعت نہ ہوں تو وہ فاسق نہیں ہیں، وہ محض اپنی تاویل میں خطا پر ہیں، لہذا وہ مجتہدین کی طرح ہیں، ان میں سے جو شخص شہادت دے گا اگر وہ عادل ہو تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ انہیں بغاوت اور امام کے خلاف خروج کی وجہ سے فاسق قرار دیا جائے گا، لیکن ان کی شہادت قبول کی جائے گی، اس لئے کہ ان کا فسق دین کی جانب سے ہے تو اس کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جائے گی (۳)۔

بغی

دیکھئے: ”بغاة“۔

پر ولایت حاصل نہیں ہے، اور اگر مجرم دارالاسلام لوٹ آئے تو بھی اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی، اسی طرح اگر ان پر ہمارا غلبہ ہو جائے تو بھی حدود ان پر قائم نہیں کئے جائیں گے، اور اگر باغیوں نے حدود قائم کئے ہوں تو ان کا اعادہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ان کا وجوب ہی اصلاً نہیں ہوا ہے (۱)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے کہا کہ: اگر انہوں نے بغاوت کے دوران ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس پر حد واجب ہوتی ہے، پھر ان پر غلبہ حاصل ہو اور انحالیکہ ان پر حدود کا نفاذ نہ ہوا ہو، تو ایسی صورت میں ان کے درمیان اللہ کی حدود جاری کی جائیں گی، ملکوں کے فرق میں حدود ساقط نہیں ہوں گی، یہی ابن المنذر کا قول ہے، اس لئے کہ آیات اور روایات میں حکم عام ہے، اور اس لئے بھی کہ ہر وہ مقام جہاں عبادات اپنے اوقات پر واجب ہوتی ہیں وہاں حدود بھی اپنے اسباب کے پائے جانے پر واجب ہوں گی جیسے کہ اہل عدل کے ملک میں ہوتا ہے، اور اس لئے بھی کہ وہ مجرم ایسا زانی یا چور ہے جس کے زنا اور چوری میں کوئی شبہ نہیں ہے تو اس پر حد واجب ہوگی جس طرح دارالعدل میں ذمی پر حد واجب ہوتی ہے (۲)۔

باغیوں کی شہادت:

۳۹- اصل یہ ہے کہ باغیوں کی شہادت قبول کی جائے گی، حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اصحاب ہوئی و خوانش اگر اپنی خواہشات میں عادل ہوں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی، سوائے بعض روافض جیسے فرقہ خطابیہ کے، اور ایسے لوگ جن کی بدعت کفر کا سبب ہو یا عصبیت والے یا وہ لوگ جن میں فسق و فجور ہو، ایسے لوگوں کی شہادت ان کے کفر اور فسق کی وجہ سے قبول نہیں کی جائے گی (۳)۔

(۱) المشرح الکبیر و جامع الدرر السنی ۱/۲۵، المصنوع ۱۹۶/۲۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۳۔

(۳) المغنی ۸/۱۱۸۔

(۱) الفتح ۳/۱۱۵، البدائع ۷/۱۳۱۔

(۲) المغنی ۸/۱۲۰۔

(۳) البدائع ۶/۲۶۹۔

بقر

تعریف:

۱- ”بقر“ اسم جنس ہے، ابن سیدہ نے کہا: اس لفظ کا اطلاق پالتو اور وحشی، نر اور مادہ (گائے) پر ہوتا ہے، اس لفظ کا واحد ”بقرة“ ہے، اور کہا گیا ہے: اس لفظ پر ”ق“ اس لئے آئی ہے کہ وہ اپنی جنس کا ایک فرد ہے، اور جمع لفظ ”بقرات“ ہے۔

فقہاء نے بھینس کو احکام شریعت میں گائے کے برابر رکھا ہے، اور ان دونوں جانوروں کے ساتھ ایک جنس جیسا معاملہ کیا ہے^(۱)۔

گائے کی زکاة:

۲- گائے کی زکاة واجب ہے، سنت اور اجماع سے اس کا ثبوت ہے۔ جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو امام بخاری نے حضرت ابو ذرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”والذي نفسي بيده، أو الذي لا إله غيره - أو كما حلف - ما من رجل تكون له إبل أو بقرة أو غنم لا يؤدي حقها إلا أتى بها يوم القيامة أعظم ما تكون وأسمه، تطوه بأخفافها، وتنطحه بقرونها، كلما جازت أخراها ردت عليه أولاها حتى يقضى بين الناس“^(۲) (قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری

(۱) المصباح لميرلسان العرب، القاسوس الحيط: متعلقہ مادہ۔

(۲) حدیث: ”والذي نفسي بيده“ کی روایت بخاری (فتح ۳۲۳/۳ طبع الشافعیہ) اور مسلم (۶۸۶/۲ طبع المجلد) نے کی ہے۔

جان ہے، یا یوں فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں) یا جیسی آپ ﷺ نے قسم کھائی (جس شخص کے پاس بھی اونٹ یا گائے یا بکری ہو اور وہ اس کا حق ادا نہیں کرے تو قیامت کے دن جانور کو اس طرح لایا جائے گا کہ وہ جانور انتہائی فرہ اور بڑا ہوگا، اپنے کھروں سے اسے روندے گا، اور اپنی سینگوں سے اسے مارے گا، جب جب آخری جانور گزر جائے گا تو پہلا جانور اس پر لوٹایا جائے گا، یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا، نیز نسائی اور ترمذی نے حضرت مسروق سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار، گایوں میں ہر تیس گائے میں ایک تنبیع یا تبیعہ (ایک سالہ جس کا دوسرا سال شروع ہو گیا ہو)، اور ہر چالیس گائے میں ایک مسنہ (دو سالہ جس کا تیسرا سال شروع ہو گیا ہو) وصول کریں^(۱)۔

صحابہ اور ان کے بعد علماء کا اجماع ہے کہ پالتو جانوروں (انعام) پر زکاة واجب ہے، اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور بقر (گائے) انعام کی ایک قسم ہے، لہذا بقر پر بھی اسی طرح زکاة واجب ہوگی جس طرح اونٹ اور بکری پر واجب ہے، محض بعض شرائط کے سلسلہ میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی^(۲)۔

بقر میں وجوب زکاة کی شرائط:

۳- بقر میں وجوب زکاة کے لئے عمومی شرائط ہیں، جن کی تفصیل زکاة کی بحث میں موجود ہے، یہاں اس سے متعلق چند مخصوص شرائط ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) حدیث: ”بعث معاذاً.....“ کی روایت نسائی (۲۶/۵ طبع المکتبۃ النجاریہ) اور حاکم (۳۹۸/۱ طبع دائرة المعارف العجمانیہ) نے کی ہے ذہبی نے اس کی تصحیح اور موافقت کی ہے۔
(۲) المغنی لابن قدامہ ۵۹۱/۲۔

چرنے کی شرط:

۴- جانور کی زکاة میں ”چرنے“ سے مراد یہ ہے کہ جانور سال کے اکثر حصہ میں مباح گھاس میں چرتا ہو، خولہ وہ بذات خود چرتا ہو یا کوئی چرواہا اسے چراتا ہو، جمہور علماء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ مویشی جانور کی زکاة میں چرنے کی شرط ہے، اور مویشی جانور میں بقر داخل ہے، لہذا اس کے لئے بھی چرنے کی شرط ہے، لیکن جو گائے کام میں استعمال ہوتی ہو اور اس کو چارہ فراہم کیا جاتا ہو اس پر زکاة واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس گائے میں چرنے کی شرط نہیں پوری ہو رہی ہے۔

امام مالک نے کہا: بقر کی زکاة میں چرنے کی شرط نہیں ہے، لہذا کام میں استعمال ہونے والی، اور فراہم کیا گیا چارہ کھانے والی گائے پر بھی امام مالک کے نزدیک زکاة واجب ہوگی۔

امام مالک نے اپنی رائے پر استدلال اس بات سے کیا ہے کہ جن احادیث میں بقر پر زکاة واجب بتائی گئی ہے وہ احادیث مطلق ہیں، نیز اہل مدینہ کا عمل بھی اسی پر ہے، اور اہل مدینہ کا عمل مالکیہ کے اصولوں میں سے ایک ہے^(۱)۔

جانوروں کی زکاة میں چرنے کی شرط لگانے والے علماء حضرت علیؓ سے مروی روایت سے استدلال کرتے ہیں، اس روایت کے راوی کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ بقر کی زکاة کے سلسلہ میں حضرت علیؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لیس فی العوامل شیء“^(۲) (کام کرنے والے جانوروں پر کچھ واجب نہیں ہے)، نیز حضرت عمرو بن شعیب کی روایت سے بھی استدلال

ہے جس میں راوی اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے اور وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لیس فی البقر العوامل شیء“^(۱) (کام کرنے والی گایوں پر کچھ واجب نہیں ہے)، جمہور نے بقر کے سلسلہ میں وارد مطلق نصوص کو اونٹ اور بکری کے سلسلہ میں وارد ان نصوص پر محمول کیا ہے جن میں چرنے کی قید ہے، نیز جمہور نے چرنے کی شرط کے مسئلہ میں بقر کو اونٹ اور بکری پر قیاس کے ذریعہ استدلال کیا ہے^(۲)۔

اور اس طرح بھی کہ زکاة میں صفت نمو و فراش کا اعتبار کیا گیا ہے، جانوروں میں یہ صفت صرف چرنے والے جانوروں میں پائی جاتی ہے، کام کرنے والی گایوں میں نمو و برہوتری کی صفت مفقود ہے، یہی حال چارہ پر پلنے والے جانوروں کا ہے کہ ان میں بھی فراش کا وصف مفقود ہے، اس لئے کہ چارہ اس کی فراش کے برابر ہو جاتا ہے، لہذا یہ کہ ان جانوروں کو تجارت کے لئے تیار کیا گیا ہو تو ان میں سامان تجارت کی زکاة واجب ہوگی^(۳)۔

جنگلی گائے پر زکاة:

۵- اکثر علماء کے نزدیک جنگلی گائے پر زکاة واجب نہیں ہے، حنابلہ کے نزدیک دو روایتیں ہیں، مسلک ان کا یہ ہے کہ اس پر زکاة واجب ہے، اس لئے کہ جس حدیث میں گائے پر زکاة بتائی گئی ہے جو ابھی مذکور ہوئی وہ مطلق ہے اس میں جنگلی گائے بھی شامل ہے، حنابلہ کی

(۱) حدیث: ”لیس فی البقر.....“ کی روایت دارقطنی (۲/۱۰۳ طبع شرکت

الطباعة الفقیہ) نے کی ہے زبلی نے روایت کے راوی غالب بن عبید اللہ کی وجہ سے حدیث کو معلول قرار دیا ہے ابن معین کہتے ہیں: اس (روای) سے استدلال نہیں کیا جائے گا (نصب الراية ۲/۳۹۰ طبع مجلس العلمی)۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۲/۵۹۲، المجموع ۵/۳۵۷ طبع الممیر یہ

(۳) المغنی ۲/۵۷۷۔

(۱) الدبوتی ۱/۳۳۲، المغنی لابن قدامہ ۲/۵۷۶۔

(۲) حدیث: ”لیس فی العوامل.....“ کی روایت ابوداؤد (۲/۲۲۹ طبع

عزت عبید داس) نے حضرت علی بن ابی طالب سے کی ہے نووی نے اس کو حسن بتایا ہے جیسا کہ نصب الراية (۲/۳۲۸ طبع مجلس العلمی) میں ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے، ابن قدامہ نے فرمایا: یہی زیادہ صحیح ہے اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے کہ جنگلی گائے میں زکاۃ واجب نہیں ہے^(۱)، اس لئے کہ مطلقاً لفظ بقر میں وہ داخل نہیں اور نہ وہ مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس کو صرف ”بقر“ نہیں کہا جاتا ہے، بلکہ اس میں اضافت کر کے ”بقر الوحش“ (جنگلی گائے) کہا جاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ عموماً جنگلی گائے میں نساب کا وجود جس میں پورے سال چرنے کی صفت بھی پائی گئی ہو نہیں ہوتا ہے، اور اس لئے بھی کہ قربانی اور حج کے جانوروں میں جنگلی گائے درست نہیں ہوتی ہے، تو اس میں زکاۃ بھی واجب نہیں ہوگی جس طرح ہرنوں میں نہیں ہوتی، نیز یہ پالتو جانوروں (بہیمۃ الانعام) میں سے بھی نہیں ہے، تو اس میں بھی زکاۃ واجب نہیں ہوگی جس طرح دوسرے تمام وحشی جانوروں میں نہیں ہوتی ہے، اس میں راز یہ ہے کہ زکاۃ صرف ان جانوروں میں واجب ہوتی ہے جو پالتو ہوں دوسرے جانوروں میں نہیں ہوتی، اس لئے کہ پالتو جانوروں میں دودھ اور افزائش نسل کی وجہ سے نمو کی کثرت ہوتی ہے، نیز کثرت تعداد اور کم خرچ ہونے کی وجہ سے انتفاع بھی بہت ہوتا ہے، یہ ساری باتیں صرف پالتو جانوروں میں پائی جاتی ہیں، اس لئے زکاۃ بھی صرف ان میں ہی واجب ہوگی^(۲)۔

پالتو اور جنگلی سے مل کر پیدا ہونے والے جانوروں کی زکاۃ:

۶- حنا بلہ کی رائے یہ ہے کہ ان جانوروں پر زکاۃ واجب ہے جو جنگلی اور پالتو سے مل کر پیدا ہوئے ہوں، خواہ نر جانور جنگلی ہو یا مادہ جنگلی ہو، ان کا استدلال یہ ہے کہ پالتو اور جنگلی سے مل کر پیدا ہونے والا

(۱) الانصاف ۳/۳، انہوں نے لفروع سے بھی نقل کیا ہے المغنی ۲/۵۵۵،

المفتیح ۱/۱۱۸۔

(۲) المغنی ۲/۵۵۳، المفتیح ۱/۱۱۸۔

جانور ایسا جانور ہے جس کی پیدائش دو ایسے جانور سے ہو رہی ہے جن میں ایک پر زکاۃ واجب ہے اور دوسرے پر زکاۃ واجب نہیں ہے، تو وجوب زکاۃ کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی جس طرح ایک چرنے والے اور دوسرے چارہ والے جانوروں سے پیدا ہونے والے جانور پر زکاۃ واجب ہوتی ہے، اسی پر اس مسئلہ کو قیاس کیا جائے گا، اور وحشی و پالتو سے مل کر پیدا ہونے والے جانور پر بھی زکاۃ واجب ہوگی، اس رائے کی رو سے ایسے جانوروں کو زکاۃ کے مسئلہ میں اس جنس کے دوسرے پالتو جانوروں میں شامل کیا جائے گا، اور ان کو ملا کر نساب زکاۃ پورا کیا جائے گا، اور یہ بھی پالتو جانوروں کی نوع کا ایک فرد قرار پائے گا^(۱)۔

امام ابو حنیفہ اور مالک کہتے ہیں: اگر مادہ جانور پالتو ہو تو زکاۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں ہوگی، اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ جانور میں مادہ کا اعتبار ہوتا ہے، اس لئے کہ جانوروں میں مادہ ہی اپنے بچہ کی دیکھ رکھ کرتی ہے^(۲)۔

امام شافعی کہتے ہیں: ایسے جانور میں زکاۃ واجب ہی نہیں ہے خواہ اس کی پیدائش جنگلی نر سے ہوئی ہو یا جنگلی مادہ سے^(۳)۔

گائے کی زکاۃ میں سال گزرنے کی شرط:

۷- علماء کا اتفاق ہے کہ دوسرے پالتو جانوروں کی طرح بقر کی زکاۃ میں بھی سال کا گذرنا ضروری ہے، سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ مالک نساب ہونے کے بعد پورا قمری سال اس پر گزر جائے تب اس پر زکاۃ واجب ہوگی^(۴)۔

(۱) المغنی ۲/۵۵۵۔

(۲) بدائع الصنائع ۲/۳۰۲، المغنی ۲/۵۵۵۔

(۳) مغنی المحتاج ۱/۳۶۹، الجمل علی شرح المبیع ۲/۲۱۹۔

(۴) مغنی المحتاج ۱/۳۷۸، المغنی ۲/۶۳۵۔

نصاب مکمل ہونے کی شرط:

جہاں تک نصاب کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں فقہاء کے چند اقوال ہیں جن میں دور رجائات مشہور ہیں:

۸- پہلا رجحان: یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت معاذ بن جبل اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کا قول ہے، شعمی، شہر بن حوشب، طاؤس، عمر بن عبد العزیز اور حسن بصری بھی اسی کے قائل ہیں، زہری نے اہل شام سے یہی نقل کیا ہے، اور ابو حنیفہ، مالک، احمد بن حنبل اور شافعی کی بھی یہی رائے ہے، یہ سب فرماتے ہیں کہ تمیں سے کم گایوں پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، اگر گائے کی تعداد تیس ہو جائے تو اس پر ایک تیبع یا تبیعہ واجب ہے (تیبع وہ جانور ہے جو دو سال کا ہو، یا وہ ہے جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ ہے جو چھ ماہ کا ہو، تبیعہ (یعنی مادہ) کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے) (۱)، پھر کچھ واجب نہیں ہے یہاں تک کہ چالیس کی تعداد ہو جائے، چالیس ہونے پر ایک مسنہ (دو سالہ) گائے واجب ہے (۲)، پھر ساٹھ سے پہلے کچھ واجب نہیں ہے، ساٹھ کی تعداد ہونے پر دو تبیعہ یا دو تیبع واجب ہے، پھر کچھ واجب نہیں ہے یہاں تک کہ دس گایوں کا اضافہ ہو جائے، دس کا اضافہ ہو جائے تو اس پوری تعداد میں سے ہر تیس گائے پر ایک تیبع یا تبیعہ اور ہر چالیس گائے پر ایک مسن یا مسنہ واجب ہوگا (۳)، چنانچہ ستر گایوں پر ایک تیبع اور ایک مسنہ، اسی گایوں پر دو مسنہ، نوے گایوں پر

تین تبیعہ، ایک سو گایوں پر ایک مسنہ اور دو تیبع، ایک سو دس گایوں پر دو مسنہ اور ایک تیبع واجب ہوگا، ایک سو تیس گایوں پر تین مسنہ یا چار تیبع واجب ہوگا یعنی مالک کو اختیار ہوگا کہ تین مسنہ نکالے یا چار تیبع نکالے، البتہ بہتر ہوگا کہ فقراء کی ضرورت اور ان کے فائدہ کا لحاظ کیا جائے، پھر جب جب دس گایوں کا اضافہ ہوگا واجب زکاة کی شکل بدلتی رہے گی۔ اس رائے کے قائلین کا استدلال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ ”آن رسول اللہ ﷺ حین بعثہ الی الیمن امرہ أن یأخذ من کل حالمة دیناراً، ومن البقر من کل ثلاثین تبیعاً أو تبیعۃ، ومن کل أربعین مسنۃ“ (۱) (جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کریں، اور گایوں میں ہر تیس کی تعداد میں سے ایک تیبع یا تبیعہ اور ہر چالیس میں سے ایک مسنہ وصول کریں)، اور ابن ابی لیلیٰ اور حکم بن حنیبہ نے حضرت معاذ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ”اوتاس“ یعنی تیس سے چالیس کے درمیان کی تعداد، اور چالیس سے پچاس کے درمیان کی تعداد کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”لیس فیہا شیء“ (اس میں کچھ واجب نہیں ہے) (۲)۔

ان حضرات کا استدلال اس سے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھا: ”فرائض البقر لیس فیما دون الثلاثین من البقر صلیقۃ، فإذا بلغت ثلاثین ففیہا عجل رافع جذع، إلی أن تبلغ أربعین، فإذا بلغت أربعین ففیہا بقرۃ مسنۃ، إلی أن تبلغ سبعین، فإن فیہا بقرۃ وعجلا

(۱) المجموع للنووی ۳۱۶/۵، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح المکبیر ۳۳۵/۱، اکلی ۲۹۰/۵۔

(۲) المجموع للنووی ۳۱۶/۵، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح المکبیر ۳۳۵/۱، اکلی ۲۹۰/۵۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی ۳۳۵/۱، لام ۸/۲، فتح القدیر ۳۳۳/۲، المغنی ۵۹۲/۲، اکلی ۲۹۰/۵۔

(۱) حدیث حضرت سجاد کی تاریخ فقرہ نمبر ۲ میں گذر چکی ہے۔

(۲) حدیث حضرت سجادہ ”الہ مسائل النبی ﷺ“ کی روایت دارقطنی

(۳/۲) طبع شرکت المطابعہ القدیہ نے کی ہے، نیز طبعی نے ارسال کی وجہ سے

اس کو مغلوط بتایا ہے (نصب الراية ۳۲۸/۲ طبع مجلس اعلیٰ)۔

دس گایوں میں دو بکریاں اور پندرہ گایوں میں تین بکریاں اور بیس گایوں میں چار بکریاں واجب ہیں۔

زہری کہتے ہیں: گائے کی زکاة اونٹ کی زکاة کی طرح ہے، لیکن گائے میں عمروں کا لحاظ نہیں ہے، پس اگر پچیس گائیں ہوں تو ان میں ایک گائے واجب ہے پچھتر کی تعداد ہونے تک، پچھتر سے زائد ہونے پر دو گائیں ایک سو بیس تک واجب ہیں، ایک سو بیس سے زائد ہو تو ہر چالیس میں ایک گائے واجب ہے، زہری کہتے ہیں: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ صحابہ کا قول کہ ہر تیس میں ایک تیج اور ہر چالیس میں ایک گائے ہے یہ اہل یمن کے لئے تخفیف تھی، پھر اس کے بعد کی تفصیل مروی نہیں ہے۔

حضرت عکرمہ بن خالد سے بھی مروی ہے، کہتے ہیں کہ جب مجھے مقام ”حک“ کی زکاة کی وصولی پر مامور کیا گیا تو میری ملاقات چند ایسے شیوخ سے ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں زکاة ادا کی تھی، انہوں نے مجھ سے باہم مختلف باتیں بتائیں، بعض نے کہا: میں اونٹ کی طرح گائے کی زکاة نکالتا تھا، کسی نے کہا: تیس گایوں پر ایک تیج ہے، کسی نے کہا: چالیس گایوں پر ایک مسنہ گائے ہے، ابن حزم نے بھی اپنی سند سے ابن المسیب اور ابو قتادہ اور دوسروں سے اسی طرح ذکر کیا ہے جس طرح زہری سے نقل کیا گیا ہے، اور حضرت عمر بن عبد الرحمن بن خالد انصاری سے مروی ہے کہ گائے کی زکاة اونٹ کی زکاة کی طرح ہے لیکن گائے میں عمروں کا لحاظ نہیں ہے^(۱)۔

قربانی میں کافی ہونے والے جانور:

۱۰۔ قربانی میں صرف اُنعام کافی ہوں گے یعنی اونٹ، گائے، اور بکری، برخلاف ان حضرات کے جنہوں نے کہا: اُنعام اور غیر اُنعام

جذعاء، فإذا بلغت ثمانین ففيها مسنتان، ثم على هذا الحساب“^(۱) (گائے کی زکاة یہ ہے کہ تیس سے کم گایوں پر کچھ واجب نہیں ہے، تیس کی تعداد ہونے پر چھوٹا اچھا پچھڑا واجب ہے یہاں تک کہ چالیس کو پہنچ جائے، چالیس ہونے پر ایک مسنہ گائے واجب ہے، یہاں تک کہ ستر کی تعداد کو پہنچ جائے، ستر پر ایک بقرہ اور چھوٹا پچھڑا واجب ہے، پھر جب اسی کی تعداد ہو جائے تو اس میں دو مسنہ واجب ہے، پھر اسی حساب سے وجوب ہے)۔

دو مقررہ تعداد کے درمیان کے لئے جسے ”وقص“ کہا جاتا ہے احکام کی تفصیل اصطلاح ”اوقاص“ میں دیکھی جائے۔

۹۔ دوسرا رجحان: سعید بن مسیب، زہری اور ابو قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ گائے کا نساب وہی ہے جو اونٹ کا نساب ہے، گائے میں سے وہی لیا جائے گا جو اونٹ میں لیا جاتا ہے، لیکن اونٹ میں عمر کی جو شرط ہے یعنی بنت مخاض، بنت لبون، حقہ، جذعہ، یہ شرط گائے میں نہیں ہوگی، یہی زکاة کے سلسلہ میں حضرت عمر بن خطاب کی تحریر میں بھی مروی ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ اور عہد نبوت میں زکاة ادا کرنے والے شیوخ سے بھی یہی مروی ہے، ابو سعید نے روایت کیا ہے کہ زکاة کے سلسلہ میں حضرت عمر بن خطاب کی تحریر میں ہے کہ گائے میں سے اسی طرح لیا جائے گا جس طرح اونٹ میں سے لیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں: اس سلسلہ میں دیگر صحابہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: گائے میں وہی واجب ہے جو اونٹ میں واجب ہے، ابن حزم نے اپنی سند زہری اور قتادہ سے نقل کیا ہے، ان دونوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: ہر پانچ گایوں میں ایک بکری، اور

(۱) حدیث: ”کتاب رسول اللہ ﷺ“ کو امام ابو داؤد نے اپنے مراسیل میں روایت کیا ہے نسائی نے کہا: سلیمان بن ارقم - جو اس روایت کے ایک روی ہیں - متروک الحدیث ہیں (نصب الراية ۲/۳۳۰ طبع مجلس العلمی)۔

(۱) بولید المجدد ۱/۲۶۱، المغنی ۲/۵۹۳، المکلی ۶/۳۳۔

ہر ماکول اللحم کی قربانی درست ہوگی (۱)۔

تفصیل اصطلاح ”أضحية“ میں دیکھی جائے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص صرف اپنی جانب سے ایک گائے کی قربانی کرے تو اس کی طرف سے قربانی ہو جائے گی، خواہ واجب قربانی ہو یا نفلی۔

۱۱- ایک گائے کی قربانی میں کئی افراد کی شرکت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ ایک گائے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہوگی، سات افراد ایک گائے کی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں، خواہ وہ سات افراد ایک گھر کے ہوں یا دو گھر کے یا علاحدہ علاحدہ گھروں کے ہوں، اور خواہ قربانی واجب ہو یا نفلی، اور خواہ کسی نے تقرب کا ارادہ کیا ہو یا صرف گوشت کی نیت کی ہو، ہر شخص کی طرف سے اس کی نیت کے مطابق درست ہوگی، لیکن حنفیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ تمام شرکاء نے تقرب کی نیت کی ہو، اگر کسی ایک نے گوشت کی نیت کی ہو تو کسی کی طرف سے قربانی درست نہیں ہوگی۔

امام مالک کہتے ہیں: گائے، اونٹ اور بکری میں سے ایک رأس ایک شخص کی طرف سے اور ایک گھروالوں کی طرف سے کافی ہوگا خواہ ان کی تعداد سات افراد سے زیادہ ہو، بشرطیکہ انہیں اس نے تطوعاً شریک کیا ہو، لیکن اگر ان سب نے باہم مل کر خرید اہو تو درست نہیں ہوگا، اور نہ ہی دو یا دو سے زائد اجنبی افراد کی جانب سے درست ہوگا (۲)۔

(۱) المحلی ۷/۳۳۳۔

(۲) المجموع للمووی ۸/۳۹۸، المغنی لا بن قدامہ ۸/۶۱۹، حاشیۃ الدسوقی ۲/۱۱۹، حاشیۃ قلیوبی و عمیرہ ۳/۲۵۰، بحملہ فتح القدیر ۸/۳۲۹، المحلی ۷/۳۳۸، نیل الاوطار للموکی ۵/۱۹۳۔

پہلے قول والوں نے حضرت جابر کی روایت سے استدلال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”نحرنا مع رسول اللہ ﷺ البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة“ (۱) (ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک بدنہ سات افراد کی جانب سے، اور ایک گائے سات افراد کی جانب سے قربانی کی)، ان ہی سے مروی ہے کہ ”نحرنا مع رسول اللہ ﷺ مہلین، فأمرونا أن نشترک فی الإبل والبقر، کل سبعة منا فی بدنة“ (۲) (ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تلبیہ کہتے ہوئے نکلے، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں شریک ہوں، ہم میں سے ہر سات آدمی ایک بدنہ میں شریک ہو)۔

امام مالک نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کو اپنایا ہے، وہ فرماتے تھے: بدنہ ایک شخص کی طرف سے اور گائے ایک شخص کی طرف سے اور بکری ایک شخص کی طرف سے ہے، اشتراک کا مجھے علم نہیں، حضرت ابن عمر کے علاوہ محمد بن سیرین سے بھی ایسا ہی مروی ہے، چنانچہ ان کی رائے ہے کہ ایک جان صرف ایک ہی جان (فرد) کی طرف سے درست ہوگی (۳)۔

ہدی میں گائے:

۱۲- حج کی قربانی میں گائے کا حکم وہی ہے جو اضحیہ میں ہے، اس سے وہ تفصیل مستثنیٰ ہے جو آدمی اور اس کے گھروالوں کی طرف سے درست ہونے کی بابت ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ”حج“ اور ”ہدی“ میں

(۱) حدیث حضرت جابرہ ”نحرنا مع رسول اللہ ﷺ.....“ کی روایت مسلم (۵۵۵/۳ طبع المحلی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث حضرت جابرہ ”نحرنا مع رسول اللہ ﷺ.....“ کی روایت مسلم (۵۵۵/۳ طبع المحلی) نے کی ہے۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی ۲/۱۱۹، المغنی ۸/۶۲۰، المحلی ۷/۳۳۸۔

دیکھی جائے۔

گائے کا ذبح:

۱۴- گائے کا ذبح اسی طرح ہے جس طرح بکری کا ذبح ہے، لہذا اگر گائے ذبح کرنے کا ارادہ ہو تو اسے بائیں پہلو پر لٹا دیا جائے، اس کے تینوں پاؤں باندھ دئے جائیں: آگے والے دونوں پاؤں اور بائیں پاؤں، دایاں پاؤں نہ باندھا جائے تاکہ ذبح کے وقت وہ حرکت کر سکے، ذبح کرنے والا اپنے بائیں ہاتھ سے گائے کا سر پکڑے اور دائیں ہاتھ میں چھری پکڑے، پھر ”بسم اللہ واللہ اکبر“ کہہ کر ذبح شروع کرے، جانور اور ذبح کرنے والے کا رخ قبلہ کی طرف ہو جہاں تک اونٹ کا تعلق ہے تو اس کو لبہ یعنی گردن کے نچلے حصہ میں اس طرح نیزہ مار کر نحر کیا جائے کہ اونٹ کھڑا ہو اور بائیں گھٹنا بندھا ہوا ہو^(۱)۔

سواری کے لئے گائے کا استعمال:

۱۵- فقہاء کا اتفاق ہے کہ پالتو جانوروں میں سے سواری اور بار برداری کے لئے اونٹ ہے، جہاں تک گائے کا تعلق ہے تو وہ سواری کے لئے نہیں پیدا کی گئی ہے، بلکہ سواری کے علاوہ دیگر منافع جیسے ہیتی وغیرہ میں کام لینے کے لئے پیدا کی گئی ہے، بکریاں دودھ، نسل اور گوشت کے لئے پیدا کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ“^(۲) (اور تمہارے لئے چوپایوں میں سامان عبرت ہے، ہم تم کو ان کے پیٹ سے (دودھ) پلاتے ہیں، اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے

ہدی میں گائے کے اشعار کرنے کا جہاں تک تعلق ہے تو سوائے امام ابو حنیفہ کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اشعار (نشان لگانا) سنت ہے اور مستحب ہے، نبی ﷺ نے ایسا کیا ہے اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ نے کیا ہے، اس پر بھی اتفاق ہے کہ اشعار اونٹ میں سنت ہے خواہ اونٹ کا کوہان ہو یا نہ ہو، اگر کوہان نہیں ہو تو کوہان کی جگہ پر اشعار کیا جائے گا۔

جہاں تک گائے کا تعلق ہے تو شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس میں مطلقاً اشعار ہے، خواہ اس کا کوہان ہو یا نہیں ہو، گائے ان کے نزدیک اونٹ کی طرح ہے، امام مالک کے نزدیک اگر گائے کو کوہان ہو تو اشعار کیا جائے گا، اگر کوہان نہیں ہو تو اشعار نہیں کیا جائے گا^(۱)۔

تھلید (قلاوہ ڈالنے) کا حکم:

۱۳- تھلید: گلے میں قلاوہ (پنہ) ڈالنا ہے، ہدی کی تھلید کا مطلب ہے اس کے گلے میں کھال کا پنہ ڈالا جائے تاکہ پہچان لیا جائے کہ یہ جانور قربانی کا ہے تو اس کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ اونٹ اور گائے میں قلاوہ ڈالنا مستحب ہے۔ جہاں تک بکری کا تعلق ہے تو شافعیہ کے نزدیک اونٹ اور گائے کی طرح بکری کو بھی قلاوہ ڈالنا مستحب ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک بکری کو قلاوہ ڈالنا مستحب نہیں ہے۔

اونٹ اور گائے کو جوتوں وغیرہ کا قلاوہ ڈالا جائے گا جس سے معلوم ہو جائے کہ بقرانی کا جانور ہے^(۲)۔

(۱) جامعہ اقلیہ بی و عمیرہ ۳/۲۲۳۔

(۲) سورہ سوسنہ ۱/۲۲۔

(۱) المجموع ۸/۳۶۰۔

(۲) المجموع ۸/۳۶۰۔

رکھتے ہیں)۔

گائے کا پیشاب اور گوبر:

۱۶- غیر ماکول اللحم خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان، اس کے بول و براز کے نجس ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

ماکول اللحم جیسے اونٹ، گائے اور بکری کے بول و براز کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک تمام بول و براز نجس ہیں خواہ ماکول اللحم کے ہوں یا غیر ماکول اللحم کے، امام مالک، امام احمد اور سلف کی ایک جماعت کی رائے ہے، شافعیہ میں سے ابن خزیمہ، ابن المنذر، ابن حبان اصطخری اور رویانی نے، اور حنفیہ میں سے محمد بن حسن نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے کہ ماکول اللحم کا بول (پیشاب) پاک ہے^(۱)، تفصیل اور استدلال کے لئے اصطلاح ”نجاست“ دیکھی جائے۔

دیت میں گائے کا حکم:

۱۷- دیت میں گائے کا اعتبار ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں علماء کے دوقول ہیں:

امام ابو حنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی اپنے قول قدیم میں اس طرف گئے ہیں کہ دیت میں تین چیزیں اصل ہیں، اونٹ، سونا اور چاندی، گائے اس میں نہیں ہے^(۲)۔

صاحبزین (امام ابو یوسف، امام محمد)، ثوری، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک دیت میں پانچ اشیاء اصل ہیں: اونٹ، سونا، چاندی،

(بعض کو) تم کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتی پر سوار ہوتے ہو)۔ اور ارشاد ہے: ”اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَكُلُونَ“^(۱) (اللہ ہی وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور تم ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو)۔ اور ارشاد ہے: ”وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْقُلُوكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ“^(۲) (اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو)۔

جن آیات میں یہ تذکرہ ہے کہ اُنعام (پالتو جانوروں) پر سواری کی جائے گی، علماء کے نزدیک اس سے مراد بعض اُنعام یعنی اونٹ ہیں، اس میں عام لفظ بول کر خاص مراد لیا گیا ہے^(۳)۔

سواری کے لئے گائے کا استعمال مناسب نہ ہونے کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقْرَةً لَهُ قَدْ حَمَلَ عَلَيْهَا، انْفَتَحَتْ إِلَيْهِ الْبَقْرَةُ فَقَالَتْ: إِنِّي لَمْ أَخْلُقْ لِهَذَا، وَلَكِنِّي إِنَّمَا خُلِقْتُ لِلْحَرْثِ، فَقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللَّهِ - تَعْجَبًا وَفِرْعَاءً - أَبَقْرَةً تَكَلِّمُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ: فَإِنِّي أَوْمَنُ بِهِ وَأَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ“^(۴) (ایک شخص اپنی ایک گائے پر سامان رکھ کر لے جا رہا تھا کہ گائے نے اس کی طرف دیکھا اور بولی: میں اس کام کے لئے نہیں پیدا کی گئی ہوں، میں تو کھیتی کے لئے پیدا کی گئی ہوں، لوگوں نے تعجب اور گھبراہٹ میں کہا: سبحان اللہ، کیا گائے بولتی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں، ابوبکر اور عمر اس پر ایمان

(۱) سورہ نعرہ ۷۹۔

(۲) سورہ زمرہ ۱۲۔

(۳) تفسیر القرطبی ۲/۱۰، روح البغی ۱۸/۲۳۔

(۴) حدیث: ”بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقْرَةً.....“ کی روایت مسلم (۱۸۵۷) نے کی ہے۔

(۱) نیل واطار ۶۰/۶۱۔

(۲) المغنی ۵۹/۷، المجموع للحووی ۵۱/۱۹، بدائع الصنائع ۷/۲۵۳۔

بکاء ۱

گائے اور بکری، صاحبین نے کپڑوں کا بھی اضافہ کیا ہے، یہی عمر، عطاء، طاہس اور مدینہ کے ساتوں فقہاء کا قول ہے، اس قول کے مطابق گائے دیت کی بنیادی چیزوں میں سے ایک ہے، دیت والوں کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ صاحبین کے نزدیک ہے۔ کہ گائے ہی دیت میں ابتدائوں، انہیں دوسرے سامان کے دینے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا۔

بکاء

تعریف:

۱- البکاء: ”بکی بکی بکی وبکاء“ کا مصدر ہے (۱)۔

لسان العرب میں ہے: لفظ ”بکاء“ بغیر مد کے بھی ہے اور مد کے ساتھ بھی، فراء وغیرہ کہتے ہیں: اگر مد کے ساتھ بولا جائے تو وہ آواز مراد ہوتی ہے جو بکاء (رونے) کے ساتھ ہوتی ہے، اگر بغیر مد کے بولا جائے تو آنسو اور ان کا ٹپکنا مراد ہوتا ہے۔

حضرت کعب بن مالکؓ حضرت حمزہؓ کے مرثیہ میں کہتے ہیں:

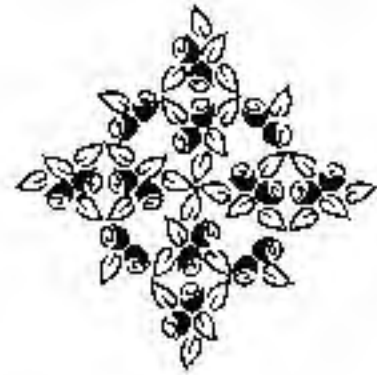
بکت عینی وحق لها بکاها

وما یغنی البکاء ولا العویل

(میری آنکھ روئی اور اس کو رونے کا حق ہے، حالانکہ آہ و بکاء کچھ

فائدہ نہیں پہنچا سکتے)۔

خلیل کہتے ہیں: قصر کے ساتھ پڑھنے والے اسے ”نم وزن“ کے معنی میں لیتے ہیں، اور مد کے ساتھ پڑھنے والے ”آواز“ کے معنی میں لیتے ہیں، اور لفظ ”بکاء“ کا مطلب ہے بہ تکلف رونا، جیسا کہ حدیث میں ہے: ”فان لم تبکو فتبکوا“ (۲) (اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو)۔



(۱) القاموس المحیط، المصباح الممیر: مادہ ”بکی“۔

(۲) حدیث: ”فان لم تبکو“ کی روایت ابن ماجہ (۱/۲۲۳ طبع المجلد)

نے کی ہے بصیری نے کہا اس کی سند میں ابورافع ہے اس کا نام اسماعیل بن رافع ہے وہ ضعیف و متروک ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۷/۲۵۳، المجموع ۹/۵۰۱۔

فقہاء کا استعمال بھی اس سے الگ نہیں ہے۔

کے محاسن شمار کرنے کے لئے بھی بولتے ہیں، اسم ”ندبہ“ ہے^(۱)۔

متعلقہ الفاظ:

و- نحب یا نحیب:

الف- صیاح و صراخ:

۵- ”نحب“ لغت میں خوب رونے کو کہتے ہیں نحیب بھی اسی معنی میں ہے^(۲)۔

۲- صیاح اور صراخ لغت میں پوری طاقت کے ساتھ آواز لگانا ہے، کبھی ان کے ساتھ رونا بھی ہو سکتا ہے اور کبھی نہیں، ”صراخ“ کا استعمال مدد کے لئے آواز لگانے پر بھی ہوتا ہے^(۱)۔

ھ- عویل:

۶- عویل بلند آواز سے رونے کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ”أعولت المرأة إعوالاً وعویلاً“^(۳) (عورت نے زور سے آدہ بکا کی)۔

ب- نیاح:

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ ”نحب“ اور ”عویل“ دونوں کا معنی ”خوب رونا“ ہے، اور ”صراخ“ اور ”صیاح“ معنی میں قریب قریب ہیں، ”نواح“ میت پر رونے کو کہتے ہیں، ”ندب“ میت کے محاسن شمار کرنے کو کہتے ہیں، اور ”بکاء“ آواز کے ساتھ رونے کو کہا جاتا ہے، اور ”بکی“ بغیر آواز رونے کو کہتے ہیں یعنی صرف آنسو بہانے پر اکتفا کیا جائے۔

۳- نیاح اور نیاحة لغت میں میت پر آواز کے ساتھ رونے کو کہتے ہیں^(۲)۔

المصباح میں ہے: یہ اس سے قریب ہے جو قاموس میں آیا ہے کہ: ”ناحت المرأة علی المیت نوحاً“ (عورت نے میت پر نوحہ کیا)، باب ”قال“ سے ہے، اس سے اسم ”نواح“ بر وزن غراب ہے، بسا اوقات ”نیاح“ نون کے زیر کے ساتھ کہا جاتا ہے، ایسی عورت کو ”نانحة“ کہتے ہیں، ”نیاحة“ نون کے زیر کے ساتھ اسی سے اسم ہے، اور نوحہ کی جگہ کو ”مناحة“ میم کے زیر کے ساتھ بولتے ہیں^(۳)۔

بکاء کے اسباب:

۷- بکاء (رونے) کے متعدد اسباب ہیں: اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت، حزن، شدت مسرت۔

ج- ندب:

۴- ”ندب“ لغت میں کسی کام کی طرف بلانے اور اس پر آمادہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، ندب: میت پر رونے اور اس

مصیبت میں رونے کا شرعی حکم:

۸- رونا کبھی تو بغیر آواز کے صرف آنسو بہانے تک ہوتا ہے، کبھی اتنی ہلکی آواز ہوتی ہے جس سے استرازا ممکن ہو، کبھی تیز آواز کے

(۱) القاموس المحیط، المصباح المہیر۔

(۲) القاموس المحیط۔

(۳) المصباح المہیر۔

(۱) القاموس المحیط، المصباح المہیر۔

(۲) القاموس المحیط، المصباح المہیر۔

(۳) المصباح المہیر۔

ساتھ ہوتا ہے جیسے صراخ، نواح، ندب وغیرہ، یہ رونے والے کے فرق سے مختلف ہوتا ہے، کچھ لوگ غم چھپالینے پر قادر ہوتے ہیں، اپنے جذبات پر قابو پالیتے ہیں اور کچھ لوگ ایسا نہیں کر پاتے۔

اگر بکاء (رونے) میں ہاتھ کا عمل شامل نہ ہو جیسے گریبان چاک کرنا، چہرہ پیٹنا اور زبان کا عمل بھی شامل نہ ہو جیسے صراخ و چیخ، بلاکت و بربادی کو دعوت دینا وغیرہ، تو ایسا رونا مباح ہے^(۱)، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "إِنَّ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْعَيْنِ وَالْقَلْبِ فَمِنْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْ الرَّحْمَةِ، وَمَا كَانَ مِنَ الْيَدِ وَاللِّسَانِ فَمِنْ الشَّيْطَانِ"^(۲) (جب تک رونا آنکھ اور دل سے ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف سے اور رحمت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور جب ہاتھ اور زبان سے ہونے لگے تو وہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے) اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْذِبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ، وَلَكِنْ يَعْذِبُ بِهَذَا - وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ - أَوْ بِرَحْمٍ"^(۳) (آنکھ کے آنسو اور قلب کے حزن کی وجہ سے اللہ عذاب نہیں دیتا، لیکن اس کی وجہ سے (اور آپ ﷺ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا) اللہ عذاب دیتا ہے یا رحم کرتا ہے)۔

اس حالت کے علاوہ میں رونے کے حکم کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

اللہ کے خوف سے رونا:

۹- مومن زندگی بھر اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے، اپنے تمام

اعمال اور تصرفات میں اللہ کا تصور رکھتا ہے، پس وہ اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذکر کے وقت روتا ہے، ایسا مومن ان سرافگندہ لوگوں میں شامل ہے جن کے بارے میں اللہ نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا: "وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمُ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ"^(۱) (اور آپ خوش خبری سنا دیجئے گروں جھکا دینے والوں کو جن کے دل ڈرجاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر صبر کرنے والوں کو اور نماز کی پابندی کرنے والوں کو اور (ان کو) جو خرچ کرتے رہتے ہیں اس میں سے جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے)، اور ان ہی کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ اللَّهِ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ"^(۲) (ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں)۔

قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں اس کے قریب المعنی دیگر آیات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کا وصف بتایا ہے کہ وہ ذکر الہی کے وقت خوف اور ڈر محسوس کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کا ایمان قوی ہوتا ہے اور وہ اپنے پروردگار کا خیال کرتے ہیں، گویا وہ خدا کے سامنے ہیں، اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے جس میں اللہ فرماتا ہے: "وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ" (اور آپ خوش خبری سنا دیجئے گروں

(۱) سورہ حج ۳۳، ۳۵۔

(۲) سورہ انفال ۲۔

(۱) نیل الاوطار للحکامی ص ۱۳۹-۱۵۰ طبع دار الفکر۔

(۲) حدیث: "إِنَّ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْعَيْنِ....." کی روایت احمد (۱/۲۳۷ طبع المسند) نے کی ہے اس کی سند میں علی بن زید بن جعدان ہے جو ضعیف ہے (تمذیب التہذیب لابن حجر ۸/۳۲۳ طبع دائرة المعارف الشیخانیہ)۔

(۳) حدیث: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْذِبُ....." کی روایت بخاری (فتح ۵/۱۷۳ طبع الشیخ) نے کی ہے۔

جھکا دینے والوں کو جن کے دل ڈرجاتے ہیں، اور فرماتا ہے: ”الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ“^(۱) (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے انہیں اطمینان ہو گیا، اس آیت کا تعلق کمال معرفت اور اطمینان قلب سے ہے، ”وجل“: اللہ کے عذاب سے گھبراہٹ کو کہتے ہیں، لہذا اس میں تناقض نہیں ہے، اللہ نے دوسری آیت میں دونوں معنوں کو جمع فرمایا ہے: ”اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ“^(۲) (اللہ نے بہتر کلام نازل کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہوئی اور بار بار دہرائی ہوئی، اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، کانپ اُٹھتی ہے پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہو جاتے ہیں) یعنی اللہ کے ساتھ ان کے نفس کو یقین کے اعتبار سے سکون حاصل ہوتا ہے، اگرچہ وہ اللہ سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔

۱۰۔ یہ ان لوگوں کے اوصاف ہیں جو اللہ کی معرفت رکھنے والے اور اس کی گرفت اور عذاب سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، ان جاہل عوام اور بدعت پرست گنوار کی چیخ و پکار کی طرح نہیں جو گدھوں کی طرح چلاتے ہیں، ایسا کرنے والے اگر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ خشوع اور وجد ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ تمہاری پہنچ تو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے مقام تک، اللہ کی معرفت اور خوف و تعظیم میں نہیں ہو سکتی ہے، حالانکہ اس مقام کے باوجود ان حضرات کی حالت یہ تھی کہ مواعظ کے وقت اللہ کو جانتے تھے اور اللہ کے خوف سے آہ و گریہ کرتے تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ کے ذکر اور اس کی کتاب کی تلاوت سنتے وقت اہل معرفت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ: ”وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ اللَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا

(۱) سورہ رعدہ/۲۸۔

(۲) سورہ زمر/۲۳۔

مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْبُرْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ“^(۱) (اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو پیغمبر پر اتارا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں دیکھیں گے کہ ان سے آنسو بہہ رہے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے)، یہ ان حضرات کا وصف اور ان کا جواب ہوتا ہے، جو لوگ ایسے نہیں ہیں وہ ان کی راہ پر نہیں ہیں، لہذا جسے طریقہ اپنانا ہو وہ ان لوگوں کا طریقہ اپنائے، لیکن جو لوگ پاگلوں کا روپ دھار کر حال کا ڈھونگ رچاتے ہیں وہ سب سے بد حال لوگ ہیں، اور پاگل پن کی تو مختلف قسمیں ہیں، امام مسلم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے نبی ﷺ سے سوالات کئے اور بار بار سوالات کئے تو ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے، منبر پر چڑھے اور فرمایا: ”سلونی، لا تسألونی عن شیء إلا بینتہ لکم، مادمت فی مقامی هذا، فلما سمع ذلك القوم أرموا“^(۲) ورہبوا أن یکون بین یدی آمر قد حضر، قال انس: فجعلت ألتفت یمیناً وشمالاً فإذا کل إنسان لاف رأسه فی ثوبه یمکی...“^(۳) (مجھ سے پوچھو، تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھو گے میں اس کا جواب دوں گا جب تک میں اس جگہ پر ہوں، لوگوں نے جب یہ سنا تو خاموش رہے اور اندیشہ محسوس کیا کہ آپ ﷺ کسی ہونے والے بڑے حادثہ کے سامنے ہوں، حضرت انس کہتے ہیں: میں نے دائیں بائیں مڑ کر دیکھا تو یہ دیکھا کہ ہر شخص اپنے سر کو اپنے کپڑے میں لپیٹے رو رہا ہے...)، راوی نے پوری حدیث ذکر کی، امام ترمذی نے حضرت عراباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے اور روایت کو صحیح بتایا ہے، راوی کہتے ہیں: ”وعظنا رسول اللہ ﷺ موعظة بلیغة ذرفت

(۱) سورہ مائدہ/۸۳۔

(۲) آدم الرجل لوماما کا معنی ہے وہ خاموش ہو گیا، اور ایسے شخص کو موم کہتے ہیں۔

(۳) حدیث: ”سلونی...“ کی روایت مسلم (۳/۱۸۳۳ طبع المکمل) نے کی ہے۔

منہا العیون، ووجلّت منها القلوب“ (رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک بلیغ خطبہ دیا جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل دہل گئے)، پوری حدیث مذکور ہے، راوی نے یوں نہیں کہا کہ ہمیں حال آگیا اور ہم رقص کرنے لگے، بلکہ کرچلنے لگے، قیام کیا^(۱)۔

صاحب روح المعانی آیت قرآنی: ”الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ“^(۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ان کے دل خوف الہی سے دہل گئے کہ ان پر جلال الہی کی کرنوں کا فیضان ہو رہا تھا^(۳)۔

۱۱- خشیت الہی سے رونے کا اثر عمل پر پڑتا ہے، اور گناہ معاف ہوتے ہیں، اس کی دلیل ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”عینان لا تمسهما النار: عین بکت من خشية الله، وعین باتت تحرس في سبيل الله“^(۴) (وہ قسم کی آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کی خشیت سے روئی ہو، اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے راستہ میں پہرہ دے رہی ہو)۔

صاحب تحفۃ الاحوذی کہتے ہیں: حدیث کے الفاظ ”عینان لا تمسهما النار“ (وہ آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی) یعنی ان آنکھ والوں کو نہیں چھوئے گی، جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے، اور چھونے کا

(۱) المقطبی ۳/۶۶-۳۶۵ طبع دارالکتب المصریہ حدیث عربیہ: ”وعظما رسول الله ﷺ.....“ کی روایت ابن ماجہ (۱۶/۱ طبع الحلبي)، ابوداؤد (۱۶/۵ طبع عزت عید دہاس) اور حاکم (۹۶/۱ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

(۲) سورۃ حج ۳۵۔

(۳) روح المعانی ۱۵۳/۱ طبع المیزب۔

(۴) حدیث: ”عینان لا تمسهما النار.....“ کی روایت ترمذی (۱۵۳/۳ طبع الحلبي) اور ابویعلیٰ نے کی ہے جیسا کہ فتح الباری (۸۳/۶ طبع المنقیر) میں ہے ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

لفظ بول کر اٹھا رہ کیا گیا ہے کہ اس سے اوپر کی چیز تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگی، اور ایک روایت میں ”اہلًا“ (کبھی نہیں) کے الفاظ بھی ہیں، اور ایک دوسری روایت میں ہے: ”لا یقربان النار“^(۱) (جہنم کی آگ سے قریب نہیں ہوں گے)۔

صاحب روح المعانی نے اللہ کی خشیت سے رونے کی تعریف میں وارد متعدد روایات ذکر کی ہیں جن میں اوپر مذکور حدیث بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یلج النار رجل بکى من خشية الله تعالى حتى يعود اللبن في الضرع ولا یجتمع علی عبد غبار فی سبیل اللہ تعالیٰ ودخان جہنم“^(۲) (اللہ کے خوف سے رونے والا اس وقت تک جہنم میں نہیں جائے گا جب تک کہ دودھ تھن میں واپس نہ چلا جائے، اور کسی بندہ پر اللہ کے راستہ کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے)۔

نماز میں رونا:

۱۲- حنفیہ کی رائے ہے کہ نماز میں اگر کسی تکلیف یا مصیبت کی وجہ سے رونا ہو تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ رونا کلام اناس کی قبیل سے ہے، لیکن رونے کا سبب اگر جنت یا جہنم کا تذکرہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ رونا زیادتی خشوع کی علامت ہے جو نماز میں مقصود ہے، لہذا ایسا رونا تسبیح یا دعا کے معنی میں ہوا، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ: ”انه كان یصلي باللیل وله أزيز كأزيز المرجل من البكاء“^(۳) (آپ ﷺ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۶۹/۵ طبع المجلد۔

(۲) روح المعانی ۱۹۰/۱۵-۱۹۱ طبع المیزب حدیث: ”لا یلج النار رجل بکى من.....“ کی روایت ترمذی (۱۵۳/۶ طبع الحلبي) نے کی ہے اور کہا ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۳) حدیث: ”كان یصلي.....“ کی روایت ابوداؤد (۵۵۷/۱ طبع عزت

رات میں نماز پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کے رونے کی آواز ہانڈی کے ابلنے کی طرح آتی تھی)۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب رونے کی آواز دو حروف سے زیادہ ہو یا دو حروف اصلیہ ہوں، اگر حروف زائد میں سے دو حروف سے زیادہ ہو یا ایک حرف زائد اور دوسرا حرف اصلی ہو تو ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہیں ہوگی، حروف زائد دس ہیں جن کا مجموعہ ”ا م ا ن و ت س ه ی ل“ کے حروف ہیں^(۱)۔

اس مسئلہ میں مالکیہ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں رونا یا تو آواز کے ساتھ ہو گا یا بغیر آواز کے ہوگا، اگر رونا بغیر آواز کے ہو تو اس سے نماز باطل نہیں ہوگی خواہ بلا اختیار رونا آیا ہو یا اس طور کہ خشوع یا مصیبت کی وجہ سے رو پڑا ہو یا اختیاری رونا ہو، بشرطیکہ اختیاری رونا زیادہ نہ ہو۔

اگر رونا آواز کے ساتھ ہو تو بلا اختیار رونے میں نماز ٹوٹ جائے گی خواہ کسی مصیبت کی وجہ سے ہو یا خشوع کی وجہ سے، اگر بغیر اختیار رونا آیا ہو مثلاً خشوع کی وجہ سے رو پڑا ہو تو نماز نہیں ٹوٹے گی خواہ رونا کثیر ہو، اگر بغیر خشوع کے رونا آگیا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی^(۲)۔

اس تفصیل کے علاوہ دسوقی نے ذکر کیا ہے کہ آواز کے ساتھ رونا اگر کسی مصیبت یا تکلیف کی وجہ سے بغیر غلبہ کے ہو یا خشوع کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں یہ رونا گفتگو کی طرح ہے، عدا اور سہوا رونے کے درمیان فرق کیا جائے گا، یعنی عدا رونا تو مطلقاً نماز کو باطل کر دے گا خواہ کم ہو یا زیادہ، سہوا رونا اگر زیادہ ہو تو نماز باطل

ہو جائے گی، کم ہو تو سجدہ سہو کیا جائے گا^(۱)۔

شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں رونا صحیح قول کے مطابق اگر ایسا ہو کہ دو حروف ظاہر ہو جائیں تو نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ نماز کے منافی ہے، خواہ یہ رونا آخرت کے خوف سے ہو، صحیح قول کے بالمقابل قول یہ ہے کہ اس سے نماز باطل نہیں ہوگی، اس لئے کہ لغت میں اس کو گفتگو نہیں کہتے اور نہ اس رونے سے کچھ سمجھ میں آتا ہے، لہذا یہ رونا محض آواز کے مشابہ ہوا^(۲)۔

جہاں تک حنابلہ کا تعلق ہے تو ان کی رائے یہ ہے کہ نماز کے اندر اگر رونے میں دو حروف ظاہر ہو جائیں یا خشیت میں اودیا کراہ ظاہر ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ رونا ذکر کے قائم مقام ہے، اور کہا گیا ہے کہ اگر رونا غالب آجائے گا تب یہ حکم ہے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی، جیسے کہ رونا خشیت کے طور پر نہ ہو، اس لئے کہ رونے میں حروف تجنی ہوتے ہیں، اور وہ بذات خود کلام کی طرح معنی پر دلالت کرتا ہے، کراہ کے سلسلہ میں امام احمد کہتے ہیں: اگر کراہ غالب آجائے تو میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں یعنی تکلیف کی وجہ سے، اگر خود سے رونے تو مکروہ ہوگا جیسے کہ ہنسی، ورنہ مکروہ نہیں ہوگا^(۳)۔

قرآن پڑھتے وقت رونا:

۱۳ ستر آں کی تلاوت کے وقت رونا مستحب ہے، سورہ اسراء کی اس آیت سے یہی مفہوم ہوتا ہے: ”وَيَخْرُوْنَ لِلْأَذْقَانِ يَسْكُوْنَ وَيَزِيلُهُمْ خُسُوْعًا“^(۴) (اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے

= عبید دھاس (اور نسائی (۳/ ۱۳ طبع المکتبۃ النہاریہ) نے کی ہے۔

(۱) تبیین الحقائق ۱/ ۱۵۵-۱۵۶ طبع دار المعرف، فتح القدیر ۱/ ۲۸۱-۲۸۲ طبع دار صادر۔

(۲) حاشیہ الشیخ علی الصوئی علی مختصر فہمیل، جو حاشیہ خرشی پر مطبوع ہے ۱/ ۳۲۵ طبع دار صادر، جوہر الاکلیل ۱/ ۶۳، ہواہب الجلیل ۳/ ۳۳۔

(۱) حاشیہ الدسوقی علی لشرح الکبیر ۱/ ۲۸۳ طبع دار الفکر۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۲/ ۳۳، حاشیہ اقلیو بی و عمیرہ ۱/ ۱۸۷، مغنی المحتاج ۱/ ۱۹۵۔

(۳) المفروح ۱/ ۳۷۰-۳۷۱۔

(۴) سورہ اسراء ۱۰۹۔

ہوئے اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے، قرطبی فرماتے ہیں: یہ ان حضرات کی مدح ہے اور علم کی پہچان، اور علم کا حصہ رکھنے والے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ اس مقام تک پہنچے، چنانچہ قرآن کی سماعت کے وقت خشوع و تواضع اور سرانگندگی اختیار کرے (۱)۔

زحری "الکشاف" میں "ویریدہم خشوعاً" کی تفسیر میں کہتے ہیں: یعنی دل کی نرمی اور آنکھ کی تری بڑھ جاتی ہے (۲)۔ اسی آیت پر گفتگو کرتے ہوئے طبری کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نزول قرآن سے قبل یہود و نصاریٰ کے علماء جو ایمان لائے جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں، اور قرآن کے مواضع و جہر سے ان کے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے، یعنی اللہ کے حکم اور اس کی اطاعت کے لئے سرانگندگی و مدلل میں اضافہ ہوتا ہے (۳)۔

قرأت قرآن کے وقت رونے کا انتخاب اس روایت سے بھی سمجھا جاتا ہے جسے ابن ماجہ نے اور اسحاق بن راہویہ و ہزار نے اپنی مسندوں میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "إن هذا القرآن نزل بحزن، فإذا قرأتموه فابكوا، فإن لم تبكوا فتمسكوا" (۴) (یہ قرآن حزن کے ساتھ نازل ہوا ہے، تو جب تم اس کی تلاوت کرو تو روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنا لو)۔

موت کے وقت اور اس کے بعد رونا: ۱۴ - فقہاء کا اتفاق ہے کہ رونا اگر بغیر آواز کے صرف آنسو بہنے کی حد تک ہو تو یہ موت سے قبل اور اس کے بعد جائز ہے، یہی حکم ہے جب آواز کے ساتھ رونا غالب آجائے اور وہ روکنے پر قادر نہ ہو سکے، اور یہی حکم ہے دل کے غم کا بھی۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ بلند آواز سے میت کے محاسن شمار کر کے واہل کرنا حرام ہے، الا یہ کہ بعض حنا بلہ سے فروغ میں منقول کچھ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ نوحہ کرنا، کپڑے و گریباں چاک کرنا، منہ نوچنا وغیرہ جیسے کام حرام ہیں، حنفیہ نے اس کے لئے کراہت کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے ان کی مراد کراہت تحریمی ہے، اس طرح فقہاء کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف باقی نہیں رہتا۔

لیکن اگر رونا آواز کے ساتھ ہو، البتہ نوحہ و پکاریا چاک گریباں وغیرہ نہ ہو تو حنفیہ و مالکیہ اور حنا بلہ کی رائے میں جائز ہے، مالکیہ نے رونے کے لئے اکٹھا نہ ہونے کی شرط لگائی ہے، اگر رونے کے لئے اکٹھا ہوں تو مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے (۱)۔

شافعیہ کے نزدیک تفصیل ہے، قلیوبی نے اس کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: میت پر رونا قیامت کے دن کی ہولناکی کے خوف وغیرہ کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، یا محبت یا رقت کی وجہ سے، مثلاً بچہ پر ہو تو بھی یہی حکم ہے، لیکن صبر کرنا زیادہ بہتر ہے، یا نیکی و صلاح، برکت، شجاعت علم جیسی شئی کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے ہو

(۱) القرطبی ۱۰/۳۳۱۔

(۲) کشاف ۲/۶۹، طبع دار المعرفہ۔

(۳) اس سے مراد سورہ اسراء کی دو آیات: ۱۰۷ اور ۱۰۹ ہیں، طبری ۱۵/۱۸۱-۱۸۲، طبع المصنف، روح المعانی ۱۵/۱۹۰، طبع المصنف۔

(۴) حدیث: "إن هذا القرآن کی تخریج فقہ نمبر ۱ میں گذر چکی ہے۔

(۱) فتاویٰ قاضی خاں و امیر ازبک مع الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۹۰، جامعہ الطحاوی علی الدر المختار ۱/۳۸۳، حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۰۷، جامعہ الدسوقی ۱/۳۲۲، جوامع الاکلیل ۱/۱۱۲، مواہب الجلیل مع المتاج والاکلیل ۲/۲۳۵، الخرشنی مع جامعہ الصوکی ۲/۱۳۳۔

گریبان پہاڑنا اور شیطان کی چیخ)۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لیس منا من لطم الخلود و شق الجيوب و دعى بدعوى الجاهلیة“^(۱) (وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو منہ پر تھپڑ مارے، کپڑے پہاڑ ڈالے اور جاہلیت کا نعرہ لگائے)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھپڑ مارنا، گریبان چاک کرنا اور جاہلیت کا نعرہ لگانا جائز نہیں ہے۔

نسائی نے حضرت جابر بن عتیکؓ سے روایت کیا ہے: ”أن رسول الله ﷺ جاء يعود عبد الله بن ثابت فوجده قد غلب، فصاح النسوة وبكين، فجعل ابن عتيك يسكتهن، فقال رسول الله ﷺ: دعهن، فإذا وجب فلا تبكين باكية، قالوا: وما الوجوب يا رسول الله؟ قال: الموت“^(۲) (رسول اللہ ﷺ حضرت عبد اللہ بن ثابت کی عیادت کے لئے تشریف لائے، دیکھا کہ آخری حالت ہے، تو عورتیں چیخ کر رونے لگیں، حضرت ابن عتیکؓ انہیں خاموش کرنے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو، جب واجب ہو جائے تو کوئی رونے والی ہرگز نہ روئے، لوگوں نے دریافت کیا: واجب ہونا کیا ہے یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: موت)۔

قبر کی زیارت کے وقت رونا:

۱۵- قبر کی زیارت کے وقت رونا جائز ہے، اس کی دلیل صحیح مسلم میں

تو مندوب ہے، یا رشتہ وصلہ، وفاداری، اور مصلحت پذیری کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے یا قضاء و قدر پر تسلیم و رضا کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو تو رونا حرام ہے^(۱)۔

امام شافعی کہتے ہیں: موت سے قبل رونا جائز ہے، جب موت ہو جائے تو رک جائیں، انہوں نے استدلال نسائی میں حضرت جابر بن عتیکؓ کی حدیث سے کیا ہے جو عنقریب آ رہی ہے^(۲)۔

فقہاء نے اس مسئلہ میں جو رائے دی ہے اس پر استدلال حدیث سے کیا ہے، چنانچہ ترمذی نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”أخذ النبي ﷺ بيد عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه فانطلق به إلى ابنه إبراهيم، فوجده يجود بنفسه، فأخذه النبي ﷺ فوضعه في حجره فبكى، فقال له عبد الرحمن: أبكيت؟ أو لم تكن نهيت عن البكاء؟ قال: لا، ولكن نهيت عن صوتين أحمرقین فاجرین: صوت عند مصيبة، خمش وجوه و شق جيوب و رنة شيطان“^(۳) (نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں لے کر اپنے صاحب زادہ ابراہیم کے پاس تشریف لائے، دیکھا کہ وہ جاں کنی کے عالم میں ہیں، نبی ﷺ نے انہیں لے کر اپنی کود میں رکھا اور رو پڑے، حضرت عبد الرحمن نے پوچھا: آپ ﷺ رو رہے ہیں؟ کیا آپ ﷺ نے رونے سے منع نہیں فرمایا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن میں نے دو قسم کی احقرانہ و فاجرانہ آواز سے روکا تھا، ایک مصیبت کے وقت آواز، چہرہ نوچنا،

(۱) قلیوبی ۱/ ۳۳۳، معنی المحتاج ۱/ ۳۵۵-۳۵۶، نہلیہ المحتاج ۳/ ۱۳-۱۵،

المرآۃ للعیرازی ۱/ ۱۳۶۔

(۲) المجموع للحووی ۵/ ۳۰۷۔

(۳) حدیث: ”نهيت عن صوتين أحمرقین فاجرین.....“ کی روایت حاکم

(۳/ ۲۰) طبع دائرة المعارف العثمانیہ نے کی ہے۔

(۱) حدیث: ”لیس منا من لطم الخلود.....“ کی روایت بخاری (الفتح

۳/ ۱۶۳ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

(۲) حدیث جابر بن عتیک: ”أن رسول الله ﷺ جاء يعود.....“ کی روایت

ابودود (۳/ ۳۸۲) طبع عزت حیدر دہاس نے کی ہے اس کی سند میں عتیک بن

حارث کی جہالت ہے (المعجم لابن حجر ۷/ ۱۰۵) طبع دائرة المعارف النظامیہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی روایت ہے فرماتے ہیں کہ: ”زار النبی ﷺ قبر امہ فبکی، وابکی من حولہ...“ الخ^(۱) (نبی ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو روپڑے اور اپنے ساتھ والوں کو بھی رلایا...)۔

رونے کے لئے عورتوں کا جمع ہونا:

۱۶- رونے کے لئے عورتوں کا اکٹھا ہونا مالکیہ کے نزدیک اگر بغیر آواز کے ہو تو مکروہ ہے، اور آواز کے ساتھ ہو تو حرام ہے^(۲)۔
شافعیہ کے نزدیک رونے کے لئے اکٹھا ہونا جائز نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ نے رونے کے لئے عورتوں کے جمع ہونے کے مسئلہ پر گفتگو نہیں کی ہے، لیکن فقہاء کا اتفاق ہے کہ بغیر آواز کے صرف آنسو کے ساتھ رونا جائز ہے، کراہت یا تحریم اس وقت ہوتی ہے جب اسی کے ارادہ سے جمع ہوا پایا گیا ہو۔

اور جب رونے کے لئے عورتوں کا اکٹھا ہونا مکروہ یا حرام ہے تو رونے کے لئے مردوں کا جمع ہونا بدرجہ اولیٰ مکروہ یا حرام ہوگا، فقہاء نے صرف عورتوں کا مسئلہ اس لئے بیان کیا کہ ان میں اس کا رواج ہوتا ہے^(۳)۔

ولادت کے وقت بچہ کے رونے کا اثر:

۱۷- ولادت کے وقت اگر بچہ روئے مثلاً چیخ کی آواز سنائی دے تو یہ اس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے، خواہ بچہ پوری طرح علاحدہ ہو گیا ہو جیسا کہ شافعیہ کے نزدیک ہے، یا علاحدہ نہ ہو جیسا کہ حنفیہ کے

مزدیک ہے، اگر بچہ نہ روئے اور نہ کوئی دوسری ایسی علامت پائی جائے جس سے بچہ کی زندگی معلوم ہو تو اس کی زندگی کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لہذا اگر زندگی پر دلالت کرنے والی کوئی چیز پائی گئی جیسے رونا، چیخ وغیرہ تو اسے زندوں کا حکم دیا جائے گا، پس اس کا نام رکھا جائے گا، وہ وارث ہوگا، عمداً اس کو قتل کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا، اس کے موالی قتل غیر عمد میں دیت کے مستحق ہوں گے، اور اگر زندگی ثابت ہونے کے بعد مر گیا تو اسے غسل دیا جائے گا، اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کی وراثت جاری ہوگی۔
اس کی تفصیل اصطلاح ”مہمل“ میں دیکھی جائے۔

کنواری لڑکی کا شادی کے لئے اجازت طلبی کے وقت رونا:
۱۸- کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت طلب کی جائے اور وہ روپڑے تو یہ اجازت سمجھی جائے گی یا نہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کے تین رجحانات ہیں:

الف- حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: اگر بغیر آواز کے رونا ہو تو رضامندی کی دلیل ہوگی، اگر آواز کے ساتھ ہو تو رضامندی نہیں ہوگی^(۱)۔

ب- مالکیہ کہتے ہیں: کنواری غیر مجبور یعنی وہ لڑکی جس کی شادی والد کے علاوہ دوسرے اولیٰ کر رہا ہو، اس کا رونا رضامندی سمجھی جائے گی، اس احتمال کی وجہ سے کہ ممکن ہے والد کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے رونا آیا ہو، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ شادی سے روکنے کے لئے رونا ہے تو رضامندی نہیں سمجھی جائے گی^(۲)۔

ج- حنابلہ کہتے ہیں: رونا نکاح کی اجازت ہے، اس لئے کہ

(۱) حدیث: ”زار النبی ﷺ قبر امہ...“ کی روایت مسلم (۶۷۱/۲) طبع المجلد (۱) نے کی ہے۔

(۲) جوہر الاکلیل ۱/ ۱۱۳، مواہب الجلیل ۲/ ۲۳۰-۲۳۱، جامعہ الدسوقی ۱/ ۲۳۳۔

(۳) جامعہ الدسوقی ۱/ ۲۳۳۔

(۱) الاختیار لتحلیل الخیار ۳/ ۹۲ طبع دار المعرفہ، فتح الباری ۵/ ۳۳ طبع الریاض۔

(۲) المشرح الکبیر مع جامعہ الدسوقی ۲/ ۲۲۷ طبع دار الفکر۔

کر پاتے، اور کہا گیا ہے: مصنوعی آنسو پوشیدہ نہیں رہتا، جیسا کہ کسی حکیم نے کہا ہے:

إذا اشتبكت دموع في خدود

تبين من بكي ممن تباكي

(جب آنسو رخساروں سے آمیز ہو جائیں تو حقیقی اور بناوٹی رونے والے واضح ہو جائیں گے) (۱)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تستأمر اليتيمة فإذا بكت أو سكت فهو رضاها، وإن أبت فلا جواز عليها“ (۱) (کنواری سے اجازت لی جائے گی، اگر وہ رو پڑے یا خاموش رہے تو یہ اس کی رضا مندی ہے، اور اگر انکار کر دے تو اس پر جواز نہیں ہے)، اور اس لئے بھی کہ اجازت طلبی سن کر وہ منع نہیں کرتی ہے تو یہ اجازت سمجھی جائے گی جیسے کہ خاموشی، اور رونا فطرط حیا کی دلیل ہے، ناپسندیدگی کی نہیں، کیونکہ اگر وہ ناپسند کرتی تو باز رہتی، کیونکہ وہ باز رہنے سے نہیں شرماتی (۲)۔

آدمی کا رونا کیا اس کے صدق گفتاری کی علامت ہے؟

۱۹- انسان کا رونا اس کے صدق گفتار کی علامت نہیں ہے، اس کی دلیل سورہ یوسف کی آیت ہے: ”وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ“ (۳) (اور یہ لوگ اپنے باپ کے پاس شروع رات میں روتے ہوئے پہنچے)، برادران یوسف نے رونے کا ڈھونگ کیا تا کہ ان کے ابا ان کی بات سچ سمجھ لیں حالانکہ ان کی بات جھوٹ تھی، انہوں نے ہی سازش رچی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔

قرطبی فرماتے ہیں: ہمارے علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ رونا انسان کی صداقت قول کی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ ممکن ہے رونا بناوٹی ہو، کچھ لوگ ایسا کرنے پر قادر ہوتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں

(۱) حدیث: ”تستأمر اليتيمة فإذا بكت أو سكت“ کی روایت ابو داؤد (۲/۵۷۳، ۵۷۵ طبع عزت عید دہاس) نے کی ہے امام ابو داؤد نے کہا حدیث کا لفظ ”بکت“ محفوظ نہیں ہے بلکہ حدیث میں وہم ہے یہ وہم ادریس یا محمد بن علاء راوی سے ہوا ہے اصل حدیث کا لفظ ”بکت“ کے بغیر ہے، جس کو امام بخاری (الفتح ۹/۱۹۱ طبع المستطیع) نے روایت کیا ہے۔

(۲) مطالب اولیٰ النہی ۵/۵۶-۵۷ طبع المکتب الاسلامی۔

(۳) سورہ یوسف ۱۶۔

(۱) القرطبی ۹/۱۳۵۔

بکارتہ ۱-۳

کے ساتھ عقد صحیح یا صحیح کے قائم مقام عقد فاسد میں جماع نہ کیا گیا ہو، اور کہا گیا ہے: یہ وہ عورت ہے جس کا پردہ بکارت زائل ہی نہ ہوا ہو^(۱)۔

بکارتہ

متعلقہ الفاظ:

الف- عذرتہ:

۲- عذرتہ لغت میں مقام مخصوص پر ہونے والی کھال کو کہتے ہیں^(۲)، اسی سے ”عذراء“ ہے یعنی وہ عورت جس کی بکارت کسی طرح نہ زائل ہوئی ہو^(۳)۔

پس ”عذراء“ لغت اور عرف میں ”بکرہ“ کے مرادف ہے، بسا اوقات فقہاء ان دونوں میں فرق کرتے ہیں، چنانچہ عذراء ایسی خاتون کو کہتے ہیں جس کی بکارت سرے سے زائل ہی نہ ہوئی ہو، درویر کہتے ہیں: اگر عرف میں دونوں کو برابر سمجھا جاتا ہو تو اعتبار کیا جائے گا^(۴)۔

ب- شیوبت:

۳- شیوبت: وحلی کے ذریعہ خواہ حرام طریقہ پر ہو، بکارت زائل ہونے کا نام ہے۔

شیب: لغت میں بکرہ کی ضد ہے، یہ وہ خاتون ہے جس نے شادی کی اور شیبہ ہوئی ہو اور شوہر سے ازدواجی تعلق کے بعد کسی بھی وجہ سے اس سے علاحدہ ہو گئی ہو، اصمعی سے منقول ہے کہ دخول کے بعد مرد ہو یا عورت وہ شیب ہے۔

شیب اصطلاح میں وہ عورت ہے جس کی بکارت وحلی کی وجہ سے

تعریف:

۱- بکارتہ (ب پر زید کے ساتھ) لغت میں وہ کھال ہے جو عورت کی شرمگاہ پر ہوتی ہے^(۱)۔

بکرہ: وہ عورت جس کی بکارت زائل نہ کی گئی ہو، اور مرد کو ”بکرہ“ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس نے (شرعی طور پر) کسی عورت سے مباشرت نہ کی ہو، اسی مفہوم میں حدیث ہے: ”البکرہ بالبکرہ جلد مائة و نفي سنة“^(۲) (کنوار لڑکا کنواری لڑکی کے ساتھ ناجائز جنسی تعلق قائم کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی شہر بدری ہے)۔

بکر اصطلاح میں حنفیہ کے نزدیک ایسی عورت کا نام ہے جس سے نکاح یا بغیر نکاح کے جماع نہ کیا گیا ہو، پس جس کی بکارت بغیر جماع کے کوڑنے یا مسلسل حیض یا زخم ہو جانے یا دیر تک بلا شادی کے رہ جانے کی وجہ سے زائل ہو گئی ہو بایں طور کہ اپنے گھر والوں میں بلوغ کے بعد طویل مدت تک بیٹھی رہی ہو، یہاں تک کہ کنواریوں کے شمار سے نکل گئی ہو، تو ایسی عورت حقیقتاً اور حکماً بکرہ (باکرہ) ہے^(۳)۔

مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ باکرہ وہ عورت ہے جس

(۱) المصباح لمیر لسان العرب، مادہ ”بکرہ“۔

(۲) حدیث: ”البکرہ بالبکرہ.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۳۱۶ طبع المجلسی) نے

عبادہ بن صامت سے کی ہے۔

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۳۰۲ دار احیاء التراث العربی۔

(۱) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/۲۸۱ طبع عیسیٰ المجلسی مصر۔

(۲) لسان العرب، مادہ ”عذرتہ“۔

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۳۰۲، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/۲۸۱۔

(۴) نہایہ المحتاج ۶/۲۲۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، الدسوقی ۲/۲۸۱۔

بکارت ۴-۵

خواہ حرام طریقہ پر ہو، زائل ہوگئی ہو^(۱)۔

شیب اور بکر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اختلاف کے وقت بکارت کا ثبوت:

۴- جمہور فقہاء نے بکارت اور شیوہ بت کے سلسلہ میں عورتوں کی شہادت کو قبول کیا ہے، ان کی تعداد کے سلسلہ میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایک ثقہ عورت کی شہادت سے بکارت ثابت ہو جائے گی، دو عورتوں میں زیادہ احتیاط اور زیادہ اطمینان ہے، حنابلہ میں سے ابو الخطاب نے اس مسئلہ میں مرد کی شہادت کو بھی درست قرار دیا ہے۔

مالکیہ کا مذہب جیسا کہ خلیل اور دیر نے اپنی شرحوں میں صراحت کی ہے یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت سے بکارت ثابت ہوگی۔

لیکن وسوقی نے باب نکاح میں لکھا ہے کہ اگر مرد دو عورتوں کو یا ایک عورت کو لائے جو اس کے حق میں زوجہ کی تصدیق کے معاملہ میں کو اسی دیں تو قبول کی جائے گی۔

شافعیہ نے کہا: دو مردوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں یا چار عورتوں کی شہادت سے بکارت ثابت ہوگی^(۲)۔

ثبوت بکارت میں عورت کی شہادت قبول کرنے کی علت یہ ہے کہ خاتون کا وہ مقام شرم گاہ ہے جسے مرد صرف ضرورت کے وقت دیکھ سکتے ہیں، امام مالک نے زہری سے نقل کیا ہے کہ ”سنت ربی ہے

کہ عورتوں کی شہادت ان امور میں درست قرار دی جاتی ہے جن سے صرف عورتیں واقف ہوتی ہیں، جیسے عورتوں کی ولادت اور ان کے عیوب“^(۱)، اور اس پر بکارت اور شیوہ بت کو قیاس کیا گیا ہے۔ اسی طرح بکارت یمن سے بھی ثابت ہوتی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

عقد نکاح میں بکارت کا اثر:

کنواری عورت کی اجازت کس طرح ہوگی:

۵- فقہاء کا اتفاق ہے کہ نکاح کی اجازت طلہ کے وقت کنواری بالغہ عورت کی خاموشی اس کی جانب سے اجازت ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”البکر تستأذن فی نفسها، وإذنها صماتها“^(۲) (کنواری سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے گی، اور اس کی خاموشی اس کی طرف سے اجازت ہے)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”الایم أحق بنفسها من ولیها، والبکر تستأذن فی نفسها، وإذنها صماتها“^(۳) (شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے، اور کنواری سے اجازت لی جائے گی، اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے)۔

خاموشی کی مانند بغیر استہزاء کے ہنسی بھی ہے، اس لئے کہ یہ ہنسی بمقابلہ خاموشی رضامندی کی واضح دلیل ہے، اسی طرح تبسم

(۱) زمہری کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے اپنے ”مصنف“ میں روایت کیا ہے جیسا کہ نصب الرایہ (۸۰/۳ طبع مجلس العلمی) میں ہے اور عبدالرزاق نے اپنے ”مصنف“ (۳۳۳/۸ طبع مجلس العلمی) میں اسے تفصیلاً روایت کیا ہے۔

(۲) حدیث: ”البکر تستأذن“ کی روایت مسلم (۱۰۳/۲ طبع المجلس) نے حضرت ابن عباس سے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”الایم أحق بنفسها من ولیها“ کی روایت مسلم (۱۰۳/۲ طبع المجلس) نے حضرت ابن عباس سے کی ہے۔

(۱) لسان العرب، المصباح الممیر، مادہ: ”شیب“، کشف القناع ۳۶/۵ طبع الریاض۔

(۲) حاشیہ ابن ماجہ ۵۹۶/۲، ۸۹/۳، طبع دار احیاء التراث العربی، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲۸۵/۲، ۱۸۸/۳، شرح المصباح ۳۳۵/۳، الاقناع للخطیب الشربینی ۶۹/۲، کشف القناع ۱۳/۵ طبع الریاض، المغنی ۱۵۵/۹، ۱۵۷۔

٤-٦ سورة

وسکراہٹ اور بغیر آواز کے روماء اس لئے کہ روماء بھی ضمناً رضامندی کی دلیل ہے۔

اس سلسلہ میں دار و مدار رونے اور بھسنے کے اندر قرآن احوال کے اعتبار پر ہے، اگر قرآن متعارض ہوں یا واضح نہ ہوں تو احتیاط برتی جائے گی^(۱)۔

کنواری بالغہ خاتون سے اجازت و مشورہ لیما جمہور کے نزدیک مستحب ہے، اس لئے کہ اس کے ولی کو اس کے نکاح میں اس پر اجبار کا حق حاصل ہے، خفیہ کے نزدیک اجازت لیما سنت ہے، اس لئے کہ اس کے ولی کو حق اجبار حاصل نہیں ہے^(۲)۔ اس کی تفصیل اصطلاح ”نکاح“ میں دیکھی جائے۔

۶۔ مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ چند قسم کی کنواری عورتوں کی خاموشی پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ نکاح کی اجازت طلحی کے وقت ان کے لئے بول کر اجازت دینی ضروری ہے، یہ مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ ایسی کنواری لڑکی جس کو بعد بلوغت اس کے باپ یا باپ کے وصی نے رشید مقرر دیا ہو، اس لئے کہ ایسی خاتون پر اس کے والد کو جبر حاصل نہیں ہے، کیونکہ اس کے والد نے اس کے ساتھ حسن تصرف کا معاملہ رکھا ہے، مذہب میں معروف قول یہی ہے۔

ب۔ ایسی مجبور یا کرہ عورت جس کو اس کے والد نے نکاح کرنے سے روک دیا ہو، اور روکنے کا مقصد خاتون کا مغاوت نہیں ہو بلکہ اس کو نقصان پہنچانا ہو، یہ عورت اپنا معاملہ حاکم کے سامنے لے جائے اور

(۱) حاشیه ابن عابدین ۲/ ۲۵۸، حاشیه الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/ ۲۲۳، ۲۲۷
طبع دار الفکر، قلیوبی علی شرح المصباح ۳/ ۲۲۳ طبع عیسیٰ حکمتی مصر، المغنی
۱/ ۳۵۳-۳۵۴ طبع الریاض، کشف القناع ۵/ ۳۳، ۳۶ طبع الریاض۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/۲۲۳، ۲۲۷، نہایت الحجاج ۶/۲۲۳، کشاف القناع ۵/۴۳، المغنی لابن قدامہ ۶/۳۹۱ طبع الریاض، حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۹۸ اور اس کے بعد کے صفحات، فتح القدیر ۳/۱۶۳۔

حاکم خود اس کا نکاح اس لئے کرنا چاہے کہ اس کے والد نے گریز کر لیا ہے، اور اس کا نکاح پڑھائے۔

ج۔ ایسی یتیم غفلت کی شکار کنواری لڑکی جس کا نہ باپ ہو نہ وصی، اور جس پر فقر یا زنا کا یا کسی شرعی سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے بگاڑ کا اندیشہ ہو، ایک قول کے مطابق، لیکن معتمد قول کی رو سے ایسی عورت بر جبر کا حق ہے۔

و۔ ایسی باکرہ جس پر جبر نہ ہو، جس کے ساتھ کھیل ہوا ہو، یعنی اس کے حقیقی ولی کے علاوہ کسی اور نے اس کی اجازت کے بغیر شادی کر دی ہو جو باپ اور اس کے متعین کردہ وصی کے علاوہ کوئی ہو، پھر اس تک خبر پہنچائی جائے اور وہ راضی ہو جائے۔

ۛ۔ ایسی کنواری لڑکی جس کی شادی کسی معیوب شخص سے کی جارہی ہو جس کا عیب عورت کے لئے باعث خیار ہو جیسے جنون، جذام اور برص کے عیوب (۱) تفصیل اصطلاح ”نکاح“ میں دیکھی جائے۔

ولی کی شرط یا عدم شرط:

۷۔ کنواری خاتون اگر صغیرہ ہو تو بالاتفاق وہ اپنا نکاح خود سے نہیں کر سکتی، بلکہ اس کا ولی اس کی شادی کرے گا۔

کنواری اگر کبیرہ ہو تو جمہور فقہاء سلف و خلف کے نزدیک یہ بھی اپنا نکاح بذات خود نہیں کر سکتی، صرف ولی اس کا نکاح کرے گا، مالکیہ کے مشہور مذہب کی رو سے اگرچہ وہ غیر شادی شدہ ہونے کی حالت میں ساٹھ سال کی ہی کیوں نہ ہو گئی ہو یہی حکم ہے (۲)۔

(۱) جاهیه الدسوقی علی المشرع الکبیر ۲/ ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۸، المشرع الصغیر مع جاهیه الصاوی ۲/ ۳۶۷-۳۶۸ طبع دار المعارف مصر۔

(۲) ابن حابدین ۲۶۹/۲، حاشیه الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/۲۲۲، ۲۲۳، نهایة الحجاج ۲/۲۲۳ طبع مصطفیٰ المجلس مصر، الغنی لابن قدامة ۹/۶۳۳ طبع الرياض.

بکارتہ ۸-۹

رضا مندی ضروری ہوگا^(۱)۔

شافیہ اور حنابلہ کا مسلک اس مسئلہ میں سوائے بعض تفصیلات کے زیادہ مختلف نہیں ہے، جیسے ولی عاقل (شادی سے روکنے والا) کا بار بار شادی سے گریز کرنا^(۲)۔

ج۔ یتیم صغیرہ باکرہ پر اگر اندیشہ بگاڑ ہو تو اس کا ولی اسے شادی کرنے پر مجبور کرے گا، مالکیہ کے معتد قول کے مطابق تقاضی سے مشورہ کرنا ضروری ہوگا^(۳)۔

حنفیہ کے نزدیک اس صورت حال کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں، اس لئے کہ مطلق صغیرہ خواہ وہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ، اس پر اس کے ولی کو حق اجبار حاصل ہے، پھر جب وہ بالغ ہوگی اور ولی مجبر باپ یا دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ہو تو اس عورت کو اختیار بلوغ حاصل ہوگا۔

حنابلہ کا مذہب ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ ولی مجبر صرف باپ ہے، صغیرہ کی شادی اس کے علاوہ دوسرا نہیں کرے گا خواہ وہ دادا ہو، مذہب حنابلہ کی دوسری روایت مذہب حنفی کی مانند ہے۔

شافیہ کے نزدیک باکرہ کی شادی میں ولایت اجبار صرف باپ اور دادا کو حاصل ہے، دیگر اولیاء کو نہیں، یتیم باکرہ پر ولایت اجبار صرف دادا کو حاصل ہے۔

شوہر کی جانب سے زوجہ کی بکارت کی شرط:

۹۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک خاتون سے اس شرط پر شادی کی ہو کہ وہ باکرہ ہے، پھر دخول کے بعد واضح ہوا کہ وہ کنواری

حنفیہ کا مذہب ہے کہ ایسی خاتون کے ولی کو حق اجبار حاصل نہیں ہے، وہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے، اگر وہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم میں اپنا نکاح کرتی ہے تو اس کے ولی کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق اس کے حاملہ ہونے سے پہلے پہلے حاصل ہے^(۱)۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ آزاد، عاقلہ بالغہ اگر کنواری ہو تو اس کا نکاح ولی کے بغیر منعقد نہیں ہوگا، امام محمد سے مروی ہے کہ موقوف رہے گا، تفصیل اصطلاح ”نکاح“ میں دیکھی جائے۔

بکارت کے باوجود اجبار کب ختم ہوگا؟

۸۔ الف۔ مالکیہ کی رائے ہے کہ ولد ایسی باکرہ پر اجبار نہیں کرے گا جس کو اس نے رشیدہ بنایا ہو، اگر وہ بالغ ہوگئی ہو، مثلاً اس نے لڑکی سے کہا ہو: میں نے تم کو رشیدہ قرار دیا، یا میں نے تمہارا ہاتھ چھوڑ دیا، یا میں نے تم سے پابندی اٹھالی، یا اسی جیسے الفاظ عورت کا رشیدہ ہونا اس کے ولد کے قرار سے ثابت ہوگا، یا اگر وہ انکار کرے تو بیئہ سے ثابت ہوگا، اور جہاں اس پر اجبار نہیں ہوگا وہاں اس کی اجازت اور زبان سے اظہار ضروری ہوگا، یہی مذہب میں معروف ہے۔

ابن عبد البر کہتے ہیں: والد کو اس پر جبر کا حق حاصل ہے۔

ب۔ باکرہ مجبرہ کا باپ اگر اسے اپنی پسند کے شخص سے نکاح کرنے سے روک دے، اور وہ اپنا معاملہ قضا میں لے جائے اور اس کی پسند کے شخص کا اس کا کفو ہونا ثابت ہو جائے تو حاکم باپ کو حکم دے گا کہ اس کی شادی کر دے، اگر باپ پھر بھی گریز کرے تو اس کا حق اجبار ختم ہو جائے گا اور حاکم خود اس کی شادی کر دے گا، اس صورت میں عورت کے لئے شادی اور مہر پر زبان سے اظہار

(۱) حامیۃ الدسوقی ۲/۲۳۱، شرح الزرقانی ۲/۱۷۸۔

(۲) منہاج الطالبین و حامیۃ اقلیو بی ۳/۲۲۵، کشاف القناع ۵/۳۳، ۵۳، طبع الریاض۔

(۳) شرح الدرر المجمع حامیۃ الدسوقی ۲/۲۲۳، حاشیہ ابن ماجہ ۲/۲۹۶، المغنی ۲/۸۹، ۸۸، قلیو بی ۳/۲۲۳، طبع عیسیٰ الحلبي۔

(۱) رد المحتار ۲/۲۹۶، ۲۹۸، طبع دار احیاء التراث العربی، فتح القدیر و الختاریہ ۱/۱۵۷، ۱۶۳۔

بکارتہ ۹

کوڈ نے اچھلنے وغیرہ کی وجہ سے بھی زائل ہو جاتی ہے، اور اگر والد کو معلوم ہو کہ بلاطی وہ شیبہ ہوگئی ہے، لیکن اس نے پوشیدہ رکھا تو صحیح قول کے مطابق شوہر کو فسخ ورد کا حق ہوگا، اور اگر وطی کی وجہ سے بکارت زائل ہوئی ہو تو بدرجہ اولیٰ فسخ ہوگا۔

اگر اس نے بکارت کی شرط لگائی پھر پایا کہ نکاح کی وجہ سے وہ شیبہ ہو چکی ہے تو شوہر کو مطلقاً حق فسخ حاصل ہے خواہ والد کو علم ہو یا نہیں ہو (۱)۔

شافعیہ کے نزدیک اگر کسی نے ایک خاتون سے اس کی بکارت کی شرط پر نکاح کیا، پھر معلوم ہوا کہ شرط موجود نہیں ہے تو اظہر قول کے مطابق نکاح صحیح ہوگا، اس لئے کہ معتقد علیہ (جس پر عقد ہوا ہے) متعین ہے، اس کی ایک شرط و صفت کے نہ ہونے سے وہ بدل نہیں گیا ہے، شافعیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہوگا، اس لئے کہ نکاح کی بنیاد تعین اور مشاہدہ پر نہیں بلکہ اسماء اور صفات پر ہوتی ہے، لہذا نکاح میں صفت کا بدل جانا اصل شئی کے بدل جانے کی مانند ہے (۲)۔

حنابلہ سے مروی ہے کہ اگر شادی میں شرط لگائی کہ عورت باکرہ ہوگی، پھر اسے زنا کی وجہ سے شیبہ پاتا ہے تو شوہر کو حق فسخ حاصل ہوگا، اور اگر شرط لگائی کہ وہ باکرہ ہو لیکن اسے شیبہ پاتا ہے تو اس قدر امہ کہتے ہیں: امام احمد سے مروی کلام میں دو احتمالات ہیں:

ایک احتمال یہ ہے کہ شوہر کو اختیار حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ نکاح کو صرف آٹھ عیوب کی وجہ سے فسخ کیا جاسکتا ہے، لہذا نکاح کی شرط کی مخالفت کی وجہ سے فسخ نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ شوہر کو صرف اختیاً حاصل ہوگا، اس لئے کہ

نہیں ہے تو اس شخص پر پورا مہر لازم ہوگا، اس لئے کہ مہر استمتاع و لطف اندوزی کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، بکارت کی وجہ سے نہیں، اور اس کے معاملہ کو نیکی پر محمول کیا جائے گا اور سمجھا جائے گا کہ اس کی بکارت کوڈ نے وغیرہ کی وجہ سے زائل ہوگئی ہوگی۔

اگر اس نے مہر مثل سے زائد رقم پر اس سے شادی اس شرط پر کی ہو کہ وہ کنواری ہے، لیکن وہ غیر کنواری نکلتی ہے تو مہر مثل سے زائد رقم واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ زیادتی اپنی پسند و رغبت کے بالمقابل اس نے رکھی تھی جو پائی نہیں گئی، تو اس کے بالمقابل رقم بھی واجب نہیں ہوگی۔

شرط بکارت کے خلاف پائے جانے کی وجہ سے فسخ نکاح کا حق ثابت نہیں ہوگا (۱)۔

مالکیہ کے نزدیک اگر کسی نے ایک خاتون سے یہ سمجھ کر نکاح کیا ہو کہ وہ کنواری ہے، پھر واضح ہوا کہ وہ شوہر دیدہ ہے، لیکن اس عورت کے والد کو اس کا علم نہ ہو تو اس بنیاد پر شوہر کو رد کا حق نہیں ہوگا، والا یہ کہ اس شخص نے یہ کہا ہو کہ میں اس عورت سے اس شرط پر شادی کرتا ہوں کہ وہ عذراء ہو (عذراء وہ ہے جس کی بکارت کسی زائل کرنے والے سے زائل نہ ہوئی ہو) پھر وہ شیبہ ظاہر ہوتی ہے تو شوہر کو اسے رد کرنے کا حق ہوگا، خواہ اس کے ولی کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، اور خواہ شوہر بت کسی نکاح کی وجہ سے ہوئی ہو یا بغیر نکاح کے۔

لیکن اگر اس نے شرط لگائی ہو کہ عورت باکرہ ہو، پھر اسے بغیر وطی نکاح کے شیبہ پاتا ہے اور باپ کو اس کا علم نہیں ہے تو اس صورت میں تردید ہے، ایک قول یہ ہے کہ شوہر کو اختیار حاصل ہوگا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے اختیار حاصل نہیں ہوگا، یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ ایسی عورت پر بکارت کا لفظ صادق آتا ہے، اور اس لئے بھی کہ بکارت کبھی

(۱) الخرش علی مختصر ظیل ۳۳۹، ۳۳۸ طبع دار صادر۔

(۲) شرح منہاج الطالبین ۳۲۵، ۳۲۴ طبع عیسیٰ الخلی مصر۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳۳۶، ۳۳۸۔

اس نے ایک پسندیدہ وصف کی شرط لگائی، لیکن عورت اس شرط کے خلاف نکلی (۱)۔

حکمی بکارت، نیز اجبار اور عورت کی اجازت کی معرفت میں اس کا اثر:

۱۰۔ جس خاتون کی بکارت بغیر وحی کے مثلاً اچھلنے کی وجہ سے یا انگلی ڈالنے سے یا حیض کی حدت سے یا اس جیسی دوسری چیز سے زائل ہو جائے تو وہ حقیقتاً اور حکماً باکرہ ہے، ان مذکورہ امور کی وجہ سے زائل بکارت کا اثر اجبار، اجازت طبعی اور اجازت کی معرفت پر نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس عورت نے محل بکارت میں وحی کا تجربہ کسی مرد سے نہیں کیا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس صورت میں زائل ہونے والی شئی صرف وہ پردہ یعنی کمال ہے جو مقام بکارت پر ہوتی ہے، یہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، شافعیہ کے نزدیک بھی صحیح قول یہی ہے، شافعیہ کا دوسرا قول، اور امام ابو یوسف و امام محمد کا قول یہ ہے کہ ایسی عورت ثیبہ کے حکم میں ہے، یعنی اس کی خاموشی پر اکتفا نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عذرة (پردہ بکارت) زائل ہوگئی ہے، اس لئے وہ حقیقتاً ثیبہ ہے۔

حنفیہ نے کہا: جس عورت کی بکارت زنا کی وجہ سے زائل ہوئی ہو۔ اگر یہ بار بار نہ ہوا ہو اور نہ زنا کی وجہ سے اس پر حد جاری کی گئی ہو۔ تو وہ حکماً باکرہ ہے (۲)۔

تفصیل اصطلاح ”نکاح“ میں ہے۔

(۱) المغنی لابن قدامہ ۱/۵۹۵، طبع الریاض، کشاف القناع ۵/۹۹، ۱۳۹، طبع الریاض۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/۲۲۳، المغنی لابن قدامہ ۱/۵۹۵، کشاف القناع ۵/۲۷، طبع الریاض، شرح منہاج الطالبین ۳/۲۲۳، حاشیہ ابن عابدین ۲/۳۰۲، فتح القدیر ۳/۱۶۹، تمیز الحقائق مع حاشیہ الاقنانی ۲/۱۲۰۔

بغیر جماع کے بالقصد پردہ بکارت زائل کرنا اور اس کا اثر:

۱۱۔ حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ اپنے صحیح قول میں اس بات پر متفق ہیں کہ اگر شوہر اپنی زوجہ کا پردہ بکارت بغیر جماع کے انگلی وغیرہ سے بالقصد زائل کر دے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ازالہ میں ایک آلہ اور دوسرے آلہ کے درمیان فرق نہیں ہے، باب جنایات میں بچوں کے احکام میں وارد ہے کہ شوہر اگر عورت کا پردہ بکارت انگلی سے زائل کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اس کو سزا دی جائے گی، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عمل صرف مکروہ قرار پائے (۱)۔

حنابلہ نے کہا: اس نے ایسی چیز تلف کی جس کے اتلاف کا عقد کی وجہ سے وہ مستحق تھا تو کسی دوسری چیز کی وجہ سے اس کا تاوان نہیں ہے (۲)۔

جہاں تک شافعیہ کا تعلق ہے تو وہ کہتے ہیں: ازالہ شوہر کا استحقاق ہے۔

شافعیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اپنے عضو تناسل کے بجائے دوسرے عضو سے زائل کرے تو تاوان دے گا (۳)۔

مالکیہ نے کہا: اگر شوہر نے اپنی بیوی کی بکارت اپنی انگلی سے قصد زائل کر دی تو اس پر تاوان (حکومت عدل) واجب ہوگا جس کی تعیین تقاضی کرے گا، اور انگلی سے بکارت زائل کرنا حرام ہے، ایسے عمل پر شوہر کی تادیب کی جائے گی (۴)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”نکاح“ اور ”دیت“ میں ملے گی۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/۳۳۱۔

(۲) کشاف القناع ۵/۱۶۳۔

(۳) شرح المنہاج ۲/۱۲۲-۱۲۳۔

(۴) حاشیہ الدسوقی ۳/۲۷۷-۲۷۸، طبع دار الفکر، لشرح المغنی علی حاشیہ اعمادی ۳/۳۹۲۔

کی جس کے اتمام کا وہ عقد کی وجہ سے مستحق تھا، تو دوسری چیز کی وجہ سے اس کا تاوان نہیں دے گا^(۱)۔

بکارت کا دعویٰ اور قسم لینے پر اس کا اثر:

۱۳- مالکیہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی خاتون سے یہ سمجھ کر شادی کی کہ وہ باکرہ ہے اور کہا کہ میں نے اسے شیبہ پایا، لیکن خاتون کہتی ہے کہ نہیں اس نے مجھے باکرہ پایا، تو ایسی صورت میں عورت کا قول یمن کے ساتھ معتبر ہوگا اگر وہ رشیدہ ہو، خواہ وہ یہ دعویٰ کرتی ہو کہ اب بھی وہ باکرہ ہے یا یہ دعویٰ کرتی ہو کہ اس وقت باکرہ تھی اور شوہر نے اس کی بکارت زائل کر دی، مذہب کا مشہور قول یہی ہے، تحقیق کے لئے اس کو دیکھا نہیں جائے گا، لیکن اگر وہ رشیدہ نہیں ہو اور صحیح تصرفات انجام نہ دیتی ہو یا صغیرہ ہو تو اس کے باپ کو قسم دلائی جائے گی، عورتیں اس کو نہ جبراً دیکھیں گی اور نہ ابتداءً، اگر وہ خود راضی ہو تو عورتیں دیکھ کر تحقیق کریں گی، اگر شوہر دو عورتوں کو لائے جو شوہر کے حق میں اس چیز کے خلاف کو ای دیں جس میں دورات کی تصدیق کی جاتی ہے تو ایسی صورت میں ان دو عورتوں کی شہادت پر عمل کیا جائے گا، یہی حکم ایک عورت کی کو ای کا بھی ہے، لہذا اس وقت عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی، بظاہر خواہ یہ شہادت عورت کے دعویٰ پر اس سے حلف لینے کے بعد آئے، اور اگر باپ یا دوسرا ولی واقف ہو کہ عورت نکاح کے ذریعہ بطی سے نہیں بلکہ اچھلنے وغیرہ کی وجہ سے یا زنا کی وجہ سے شیبہ ہو گئی ہے، اور اس نے شوہر سے یہ بات چھپائی ہو تو صحیح قول کے مطابق شوہر کو حق فسخ حاصل ہوگا اگر شوہر نے بکارت کی شرط لگا رکھی ہو، اور شوہر باپ سے یا دوسرے ولی سے جس نے شادی کرائی ہے

جماع کے بغیر انگلی سے بکارت دور کر دینے کی صورت میں مہر کی مقدار:

۱۲- حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کی بکارت بغیر جماع کے زائل کر دی، پھر ازدواجی تعلق کے بغیر طلاق دے دی تو عورت کا پورا مہر شوہر پر واجب ہوگا، اگر مہر متعین ہو اور ادا نہ کیا گیا ہو، اگر کچھ مہر ادا کر دیا گیا ہو تو بقیہ واجب ہوگا، اس لئے کہ انگلی وغیرہ سے بکارت کا زائل کرنا صرف خلوت میں ہی ہو سکتا ہے^(۱)۔

اور مالکیہ نے کہا: اگر شوہر نے مذکورہ عمل کیا تو اس پر اپنی انگلی سے زائل کرنے والی بکارت کا تاوان اور ساتھ میں آدھا مہر واجب ہوگا^(۲)۔

شافعیہ اور حنابلہ نے کہا: ایسی خاتون کے لئے اس کے نصف مہر کا فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے: ”وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَبِصْفِ مَا فَرَضْتُمْ“^(۳) (اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی ہے قبل اس کے کہ انہیں ہاتھ لگایا ہو، لیکن ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے ہو، تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا آدھا واجب ہے)، اس آیت میں ”مس“ سے مراد جماع ہے، اور صرف استمتاع اور بغیر آلہ کے ازالہ بکارت سے مہر کا وجوب نہیں ہوتا ہے، پس اگر طلاق دے دی تو نصف مہر واجب ہوگا، بکارت کا تاوان نہیں۔

حنابلہ نے آیت سے استدلال کے علاوہ یہ علت بھی بتائی ہے کہ اس خاتون کو جماع اور خلوت سے قبل طلاق دی گئی ہے، لہذا اسے صرف متعین مہر کا نصف ہی ملے گا، اور اس لئے کہ اس نے وہی تلف

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/۳۳۰-۳۳۱۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۲/۲۷۷-۲۷۸ طبع دار الفکر۔

(۳) سورہ بقرہ ۲۳۷۔

(۱) نہایت المحتاج مع حاشیہ ابوالفیاء نور الدین ۱/۳۳۵ کشاف القناع

۱/۶۳۔

بلاغ

خيار حاصل نہیں ہوگا (۱)۔

تفصیل اصطلاح ”نکاح“، ”صداق“، ”شرط“ میں دیکھی جائے۔

مہر کی رقم واپس لے گا۔

اگر نکاح کی وجہ سے شیبہ ہوگئی ہے تو لوٹا دی جائے گی خواہ باپ کو علم نہ ہو (۱)۔

تفصیل اصطلاح ”نکاح“، ”صداق“ اور ”عیب“ میں دیکھی جائے۔

بلاغ

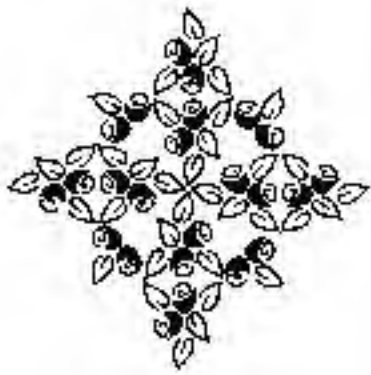
دیکھئے: ”تبلیغ“۔

مثانعیہ نے کہا: اپنی بکارت کے دعویٰ میں بغیر یمن عورت کی تصدیق کی جائے گی، اسی طرح شیوہت کے دعویٰ میں بھی، والا یہ کہ وہ عقد نکاح کے بعد دعویٰ کرے کہ وہ نکاح سے قبل شیبہ تھی تو ایسی صورت میں اس سے لازماً قسم لی جائے گی، خطیب شربنی کہتے ہیں: اس صورت میں ولی سے قسم لے کر تصدیق کی جائے گی تاکہ عقد کا بطلان لازم نہ آئے، اور عورت سے زول بکارت کا سبب نہیں پوچھا جائے گا۔

اگر ولی نے عقد سے پہلے اس کے باکرہ ہونے کا بینہ پیش کر دیا تاکہ اسے اس پر حق اجبار حاصل ہو تو یہ بینہ قبول کیا جائے گا، اور اگر عورت نے خود عقد کے بعد بینہ پیش کر دیا کہ عقد سے قبل اس کی بکارت زائل ہوگئی تھی تو عقد باطل نہیں ہوگا (۲)۔

حنابلہ نے کہا: جس نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی ہو کہ وہ کنواری ہے اور دخول کے بعد دعویٰ کرے کہ اس نے اس کو شیبہ پایا اور وہ انکار کرے تو اس کی وطنی کے بعد عدم بکارت کے سلسلہ میں اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو مخفی رہتی ہیں، لہذا محض شوہر کے دعویٰ پر اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

اگر کوئی عادل خاتون کو ایسی دے کہ وہ عورت دخول سے پہلے شیبہ تھی تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور شوہر کو خيار حاصل ہوگا، ورنہ



(۱) حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/ ۲۸۳، ۲۸۶ طبع دار الفکر۔

(۲) حاشیہ اقلیو بی علی منہاج الطالبین ۳/ ۲۲۳ طبع عتبی لکھنؤ مصر۔

(۱) مطالب اولیٰ النہی ۵/ ۱۳۱ طبع المکتب الاسلامی دمشق۔

بلعوم ۱-۳

بعض فقہاء کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا^(۱)، اس میں اختلاف اور تفصیل ہے جو اصطلاح ”صوم“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ب- تذکیہ و ذبح سے متعلق احکام:

۳- حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ متفق ہیں کہ ذبح کے دوران مذبح کی دیگر متعینہ رکوں کے ساتھ بلعوم کا کاٹنا بھی ضروری ہے، یہ رگیں ہیں: حلقوم یعنی سانس کی مالی، ووجین یعنی گردن کی دونوں جانب کی رگیں جن کے درمیان حلقوم اور مری ہوتے ہیں، ووجین سے ہی جسم کی اکثر رگیں وابستہ ہوتی ہیں، اور وہ دونوں دماغ سے ملتی ہیں، ان کے ساتھ مری (بلعوم) کا کاٹنا بھی ضروری ہے۔

جہاں تک مالکیہ کا تعلق ہے تو انہوں نے بلعوم کاٹنے کی شرط نہیں لگائی ہے، بلکہ انہوں نے پورے حلقوم اور پورے ووجین کے کاٹنے کی شرط لگائی ہے^(۲)۔

ذبح میں کس قدر کاٹنا کافی ہو سکتا ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے جس کا اجمالی ذکر درج ذیل ہے:

حنفیہ کا مذہب ہے کہ اگر ذبح نے تمام رگیں مکمل کاٹ دیں تو کھانا حلال رہے گا، اس لئے کہ ذبح پالیا گیا، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کوئی سی تین رگیں کاٹ دی جائیں، امام ابو یوسف کہتے ہیں: حلقوم اور مری کو اور ووجین میں سے ایک رگ کا کاٹنا ضروری ہے، امام محمد کہتے ہیں: ہر رگ کا اکثر حصہ کٹنے کا اعتبار ہوگا، قدوری نے

(۱) الاختیار شرح المختار ۱/۱۳۱، ۱۳۳ طبع دار المعرفۃ، المشرق الکبیر و جامعہ الدینیۃ ۱/۵۲۳، ۵۲۷، المہذب ۱/۸۹-۹۰، نیل المار ب بشرح دلیل الطالب ۱۰۰-۹۹ طبع الفلاح۔

(۲) رد المحتار علی الدر المختار ۵/۱۸۶-۱۸۷، الاختیار شرح المختار ۳/۱۳۲، ۱۳۱ طبع مصنفی الخلیفۃ ۱۹۳۶ء، المہذب ۱/۲۵۹، نہایت المحتاج ۸/۱۱۰-۱۱۱، المشرق الکبیر ۲/۹۹، منار السبیل فی شرح الدلیل ۲/۳۲۱، ۳۲۳ طبع المکتب الاسلامی، نیل المار ب بشرح دلیل الطالب ۲/۱۵۸-۱۵۹ طبع الفلاح۔

بلعوم

تعریف:

۱- بلعوم لغت اور اصطلاح میں کھانے اور پینے کی مالی اور حلق میں نکلنے کے مقام کو کہتے ہیں^(۱)۔

بلعوم سے متعلق احکام:

بلعوم۔ اس اعتبار سے وہ منہ کے آخری حصہ (یعنی لبی) اور معدہ کے درمیان کھانے پینے کی مالی کا نام ہے۔ اس سے کچھ احکام متعلق ہیں، کچھ احکام روزہ ٹوٹنے سے متعلق ہیں، کچھ احکام کا تعلق ذبح اور اس میں قطع بلعوم سے ہے، اور کچھ احکام کا تعلق بلعوم پر جنایت و زیادتی اور اس پر دیت سے ہے۔

الف- روزہ اور اس کو توڑنے سے متعلق احکام:

۲- فقہاء کا اتفاق ہے کہ روزہ کے دوران بلعوم (حلق) کے اندر جو بھی کھانا، پانی یا دوا داخل ہو وہ فی الجملہ روزہ کو توڑ دیتی ہے، اس کی تفصیلات اصطلاح ”صوم“ میں دیکھی جائیں۔

اگر تہی کرنے کی کوشش کرے اور تہی بلعوم سے آگے بڑھ جائے تو

(۱) المصباح للمیر، مختار الصحاح، لسان العرب، المعرب فی ترتیب المعرب، المشرق الکبیر ۲/۹۹، المعظم المستعذب ۱/۲۵۹، رد المحتار علی الدر المختار ۵/۱۸۷، منار السبیل فی شرح الدلیل ۲/۳۲۳ طبع المکتب الاسلامی، نیل المار ب بشرح دلیل الطالب ۲/۱۵۹ طبع الفلاح۔

ج- جنایت سے متعلق احکام:

۴- فقہاء کا اتفاق ہے کہ سر اور چہرہ کے علاوہ حصوں میں ہونے والے زخموں کی دو قسمیں ہیں: جائفہ اور غیر جائفہ۔

شافعیہ اور حنابلہ نے فرمایا: جائفہ وہ زخم ہے جو پیٹ یا پشت یا سرین یا سینہ کے اوپری حصہ یا حلق یا مثانہ کے اندرونی حصہ تک پہنچ جائے، حنفیہ نے کہا: اگر گردن کے ایسے مقام تک زخم پہنچ جائے کہ اس مقام تک پانی کا قطرہ پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو تو یہ جائفہ ہے، اس لئے کہ روزہ اسی وقت ٹوٹ جاتا ہے جب جوف تک پہنچ جائے۔

جائفہ زخم میں دیت کا تہائی حصہ واجب ہوتا ہے، اگر وہ بالکل آ رہا ہو جائے تو دو جائفہ کے حکم میں ہے^(۱)، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فی الجائفة ثلث الدية“^(۲) (جائفہ میں دیت کا تہائی حصہ ہے)، اور حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بالکل آ رہا ہو جانے والے جائفہ میں دو تہائی دیت کا فیصلہ دیا^(۳)، اس لئے جائفہ اگر آ رہا ہو جائے تو دو جائفہ ہو جاتے ہیں، یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: جائفہ پیٹ اور پشت کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور اس میں محض دیت کا تہائی واجب ہے، اگر وہ آ رہا ہو جائے تو دو

امام محمد کا قول امام ابو یوسف کے ساتھ نقل کیا ہے، کرنی نے امام ابو حنیفہ کے قول: ”ان رکوں کا اکثر کٹ جائے تو حلال ہوگا“ کو امام محمد کے قول کے مفہوم پر محمول کیا ہے، صحیح یہ ہے کہ کسی بھی تین رکوں کا کٹ جانا کافی ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک حلقوم، مری اور وجین کا کاٹنا مستحب ہے، اس لئے کہ اس میں روح جلد نکل جاتی ہے اور ذبیحہ کے لئے آرام دہ ہے، اگر حلقوم اور مری کے کاٹنے پر اکتفاء کرے تو بھی کافی ہے، اس لئے کہ حلقوم سانس کی نالی ہے اور مری کھانے کی نالی ہے، اور ان دونوں کے کٹ جانے کے بعد روح باقی نہیں رہتی^(۱)۔

مالکیہ نے مکمل حلقوم، اور یہ وہ نالی ہے جس سے سانس گذرتی ہے، اور مکمل وجین کاٹنے کی شرط لگائی ہے، مری کٹنے کی شرط انہوں نے نہیں لگائی ہے^(۲)۔

حنابلہ نے حلقوم اور مری کٹنے کی شرط لگائی ہے اور ان دونوں میں سے بعض حصہ کا کٹ جانا کافی قرار دیا ہے، دونوں کو بالکل جدا کر دینے کی شرط نہیں رکھی ہے، اس لئے کہ ایسی صورت میں محل ذبح میں اتنے حصہ کا کٹنا پالیا جاتا ہے جس کے ساتھ زندگی باقی نہیں رہتی، حنابلہ نے وجین کاٹنے کی بھی شرط لگائی ہے، ابن تیمیہ نے ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ چار رکوں میں سے تین کا کاٹنا کافی ہے، اور کہا: یہ رائے زیادہ قوی ہے، ان سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص حلقوم اور وجین کو کاٹ لے لیکن گردن کی ابھری ہوئی ہڈی کے اوپر سے اس کا کیا حکم ہے؟ کہا: اس میں اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ ایسا جانور حلال ہے^(۳)، تفصیل کے لئے اصطلاح ”تذکیہ“ دیکھی جائے۔

(۱) الاختیار شرح المختار ۳/۱۳۲، المہذب ۱/۵۹۹۔

(۲) لشرح الکبیر ۲/۹۹۔

(۳) منار السبیل فی شرح الدلیل ۲/۳۲۲-۳۲۳، المکتب الاسلامی، نیل
لما رب شرح دلیل الطالب ۲/۵۹، طبع الفلاح۔

(۱) الاختیار شرح المختار ۲/۳۲۵ طبع دار المعرفہ بدائع الصنائع فی ترتیب
المشائخ ۲/۲۹۶، مکتبہ فتح القدیر ۸/۸۱۳، المہذب فی فقہ الامام
الثانی ۲/۳۰۰-۳۰۱، منار السبیل فی شرح الدلیل ۲/۳۵۲-۳۵۳ طبع
المکتب الاسلامی، نیل لما رب بشرح دلیل الطالب ۲/۱۳۵ طبع الفلاح۔

(۲) حدیث: ”فی الجائفة ثلث الدية“..... کو ابن ابی شیبہ (۲/۲۱۰-۲۱۱) مشائخ کردہ
المدار السنن (۱) نے مرسل روایت کیا ہے اس کے دیگر طرق ہیں حسن سے
یقوی ہو جاتی ہے (نصب الراية للربیع ۳/۵۷۳ طبع مجلس اعلیٰ)

(۳) حضرت ابو بکر کے مرکوعہ المرزاق نے اپنے ”مصنف“ (۲/۳۶۹) طبع مجلس
العلیٰ میں روایت کیا ہے۔

جائزہ ہوں گے^(۱)۔

تفصیل کے لئے اصطلاح ”جنايات“ اور ”ديات“ دیکھی جائے۔

بلوغ

تعریف:

۱- بلوغ لغت میں پہنچنے کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ”بلغ الشيء يبلغ بلوغاً وبلاغاً“ وہ پہنچ گیا۔

”بلغ الصبي“ کا مطلب ہے کہ بچہ بالغ ہو گیا اور احکام شرع کی پابندی کا وقت پالیا، اسی طرح ہے: ”بلغت الفتاة“ لڑکی بالغ ہو گئی^(۱)۔

اصطلاح میں انسان کے بچپن کی حد ختم ہو جانا کہ وہ شرعی احکام کا مکلف قرار پائے، بلوغ ہے، یا بچہ کے اندر ایسی قوت کا پیدا ہو جانا جس سے وہ بچپن کی حالت سے نکل کر دوسری حالت میں پہنچ جائے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- کبر:

۲- کبر اور صغروں کی نسبتی الفاظ ہیں، ایک شے دوسری شے کی نسبت کبھی کبیر و بڑی ہوتی ہے اور کسی اور کی بہ نسبت وہ صغیر و چھوٹی ہے، لیکن فقہاء کبر سنی کو دو معنوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اول: انسان اسی عمر کے مرحلہ سے گذر کر ضعف و پیری کے مقام

(۱) لسان العرب الجیط، المصباح للمیر: مادہ ”بلغ“، رد المحتار علی الدر المختار ۵/ ۷۹۔

(۲) شرح الررثانی ۵/ ۲۹۰، الشرح الصغیر علی اقرب المسالك ۱/ ۱۳۳ طبع

دار المعارف مصر۔

(۱) الشرح الکبیر ۴/ ۲۷۰-۲۷۱، شرح الررثانی علی مختصر فلیل ۸/ ۳۳-۳۵۔

بلوغ ۳-۶

تک پہنچ جائے^(۱)۔

دوم: بچپن کی حد سے نکل کر جوانی کے مرحلہ میں داخل ہونا مراد لیا جائے، تو یہ اصطلاحی بلوغ کے مفہوم میں ہوگا۔

ب- اوراک:

۳- اوراک لغت میں لفظ ”ادرک“ کا مصدر ہے، ”ادرک الصبی والفتاة“ اس وقت کہتے ہیں جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائیں، لغت میں اوراک مطلق بول کر ”مل جانا“ مراد لیتے ہیں، کہا جاتا ہے: ”مشیت حتی ادرکتہ“ (میں چلا یہاں تک کہ اس سے جاما)، اس لفظ سے حیوان اور پھلوں میں بلوغ بھی مراد لیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ لفظ رویت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”ادرکتہ ببصری“ میں نے اسے دیکھ لیا۔

فقہاء نے لفظ اوراک کا استعمال بلوغت کو پہنچنے کے معنی میں کیا ہے، اس طرح یہ لفظ اس اطلاق کی رو سے ”بلوغ“ کے مساوی ہو جاتا ہے۔

بعض فقہاء لفظ اوراک مطلق بول کر پختگی کا وقت آنا مراد لیتے ہیں^(۲)۔

ج- حلم و احتلام:

۴- احتلام لفظ ”احتلم“ کا مصدر ہے، حلم اسم مصدر ہے، لغت میں خوابیدہ شخص کے خواب کو کہتے ہیں خواہ خواب اچھا ہو یا بُرا، البتہ

(۱) القاسوس الحیط، المصباح الممیر، التعریفات للجر جانی ص ۷۷، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۱۲۲۔

(۲) لسان العرب الحیط، المصباح الممیر، طلبة المطلب، التعریفات للجر جانی، الکلیات لابن ابقاء، المعرب فی ترتیب المعرب، العظم المستوی ب ۱۸۹ ص ۳۴ طبع مجلس، حاشیہ اقلیو بی ۳۳ ص ۶۳ طبع مجلس۔

شارع نے ان دونوں میں فرق کیا ہے، ”رُئیا“ کا لفظ اچھے خواب کے لئے استعمال کیا ہے، اور ”حلم“ کا لفظ اس کے برعکس کے لئے مخصوص کیا ہے۔

پھر احتلام اور حلم کا استعمال اس سے خاص معنی میں کیا گیا، یعنی خوابیدہ شخص کا یہ دیکھنا کہ وہ جماع کر رہا ہے خواہ اس کے ساتھ نزال ہو یا نہ ہو۔

پھر اس لفظ کا استعمال بلوغ کے معنی میں کیا گیا ہے۔ اس طرح حلم، احتلام اور بلوغ اس معنی میں مترادف الفاظ قرار پاتے ہیں۔

وسر اہقت:

۵- مراہقت قریب ابلوغ ہونے کو کہتے ہیں، ”راہق الغلام والفتاة“ کا مطلب ہوا کہ لڑکی اور لڑکا بلوغ کے قریب پہنچ گئے لیکن ابھی بالغ نہیں ہوئے۔

اس لفظ کا اصطلاحی معنی بھی وہی ہے جو لغوی معنی ہے۔

اس طرح مراہقت اور بلوغ دو متضاد الفاظ قرار پائے^(۱)۔

۶- اشد:

۶- اشد لغت میں تجربہ و علم کے مقام تک انسان کے لئے پہنچنے کو کہتے ہیں، ”اشد“ ایسا مرحلہ ہے جو بچپن کی حد ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، یعنی انسان کا مردوں کے مقام تک پہنچنے سے لے کر چالیس سال کی عمر تک، کبھی لفظ ”اشد“ کا اطلاق اوراک اور بلوغ پر ہوتا ہے، اور کہا گیا ہے کہ بلوغ کے ساتھ رشد و پختگی محسوس کی جائے تو

(۱) لسان العرب الحیط، المصباح الممیر، التعریفات للجر جانی، مادہ ”راہق“، ابن ماجہ ص ۲۱/۵۔

بلوغ ۷-۱۱

احتمام:

۹- احتتام مرد یا عورت سے نیند یا بیداری میں خروج منی کے امکان کے وقت میں منی نکلنے کو کہتے ہیں^(۱)، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا“^(۲) (اور جب تم میں سے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہئے)، اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”خذ من کل حالل دیناراً“^(۳) (ہر بالغ سے ایک دینار لو)۔

انبات:

۱۰- انبات: زیر ناف بال ظہر ہونے کو کہتے ہیں، جس کے ازالہ کے لئے مونڈنے وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، کمزور روئیں جو بچوں کو نکل آتے ہیں وہ ”انبات“ نہیں ہیں، بعض مالکیہ اور حنابلہ کے کلام میں ہم پاتے ہیں کہ انبات جب دو اور غیر مصنوعی وسائل کا استعمال کر کے نکالا جائے تو اس سے بلوغ ثابت نہیں ہوگا، وہ کہتے ہیں: اس لئے کہ کبھی دو اور غیرہ کے ذریعہ انبات میں عجلت کی جاتی ہے تا کہ بالغوں کے حقوق اور ولایت حاصل کی جائے^(۴)۔

انبات کو بلوغ کی علامت قرار دینے میں فقہاء کے تین مختلف قول ہیں:

۱۱- اول: انبات بلوغ کی علامت مطلقاً نہیں ہے، نہ اللہ کے حق میں اور نہ بندوں کے حق میں، یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام مالک کی

اسے ”أشد“ کہیں گے۔ پس لفظ ”أشد“ بعض اطلاعات میں بلوغ کے مساوی ہے^(۱)۔

و- رشد:

۷- رشد لغت میں ”ضال“ کا عکس ہے، رشد، رشید، رشاد ”ضال“ کی ضد ہیں، یعنی صحیح وجہ پالینا اور راستہ کی ہدایت پانا۔

رشد فقہاء کی اصطلاح میں اکثر علماء کے نزدیک صرف مال میں صلاح کو کہتے ہیں، ان میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد ہیں، حضرت حسن، امام شافعی اور ابن المذہب رکھتے ہیں: دین اور مال میں صلاح کو کہتے ہیں^(۲)۔

تفصیل اصطلاح ”رشد“، ”ولایت علی المال“ میں دیکھی جائے۔
رشد کے لئے متعین عمر نہیں ہے، کبھی بلوغ سے پہلے بھی رشد آ جاتا ہے، لیکن یہ ثبوتاً و مادہ ہے جس پر حکم نہیں ہے، کبھی بلوغ کے ساتھ یا اس کے بعد ہوتا ہے، فقہاء کے استعمال میں ہر رشید بالغ ہوتا ہے، لیکن ہر بالغ رشید نہیں ہوتا۔

مرد، عورت اور مخنث میں بلوغ کی فطری علامتیں:

۸- بلوغ کی چند ظاہری فطری علامتیں ہیں، کچھ علامات تو مرد اور عورت کے درمیان مشترک ہیں، کچھ علامات صرف کسی ایک کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں، ذیل میں مشترک علامات ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) لسان العرب المحیط، المعرب فی ترتیب المعرب، الکلیات لا بی ابقاء، تحت: المورود بأحكام المولود، ص ۲۳۵ طبع المدنی، تفسیر القرطبی ۱۶/ ۱۵۳ طبع دار الکتب المصریہ۔

(۲) لسان العرب، المعرب فی ترتیب المعرب، المصباح المعرب، الکلیات لا بی ابقاء، مادہ ”رشد“، المغنی و المشرح الکبیر ۱۵/ ۳۱۶، ۱۶/ ۳۱۶، نہایت المحتاج ۳۶/ ۳۳۶، شرح منہاج الطالبین مع حواشی ۱۲/ ۳۰۲، ۳۰۳۔

(۱) شرح منہاج الطالبین و جامعہ اقلیو بی ۲/ ۳۰۰۔

(۲) سورہ نور ۵۹۔

(۳) حدیث: ”خذ من کل.....“ کی روایت ترمذی (۳/ ۱۱ طبع الحلیم) اور حاکم

(۱/ ۳۹۸ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے حاکم نے اس کی تصحیح کی

ہے اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

(۲) المجلد علی الصحیح ۳/ ۳۳۸، کشاف القناع ۶/ ۵۳۔

بلوغ ۱۲-۱۳

میرے بال نکل آئے ہیں، چنانچہ لوگوں نے میرے زیر ناف کو کھولا، تو دیکھا کہ بال نہیں نکلے ہیں تو مجھے قیدیوں میں شامل کر لیا (۱)۔

جہاں تک آثارِ صحابہ کا تعلق ہے، تو ایک اثر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو لکھا کہ ”صرف ایسے لوگوں کو قتل کیا جائے جن (کے زیر ناف) پر استرے چل چکے ہوں، اور جزیہ صرف ان ہی لوگوں سے لیا جائے جن پر استرے چل چکے ہوں“، نیز ایک انصاری لڑکے نے اپنے اشعار میں ایک خاتون کی تہییب کر ڈالی تو اس لڑکے کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا، وہاں دیکھا گیا کہ اس کے زیر ناف بال نہیں نکلے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”اگر بال نکل آئے ہوتے تو میں تم پر لازماً حد جاری کرتا“ (۲)۔

۱۳- تیسرا قول: انبات بعض صورتوں میں بلوغ کی علامت ہے اور بعض صورتوں میں نہیں، یہ شافعیہ اور بعض مالکیہ کا قول ہے۔

چنانچہ شافعیہ کی رائے ہے کہ انبات کافر کی اولاد اور جس کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہو ان کے بلوغ کا حکم لگانے کا متقاضی ہے، مسلمان مرد و عورت کے لئے نہیں، انبات شافعیہ کے نزدیک عمر یا انزال کے ذریعہ بلوغ کی علامت ہے، خود حقیقی بلوغ نہیں، شافعیہ کہتے ہیں: اسی لئے اگر احتمال نہ ہو اور دو عادل اشخاص کو ایسی دیں کہ اس کی عمر پندرہ سال سے کم ہے تو محض انبات کی وجہ سے اس کے بلوغ کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

فقہاء شافعیہ نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان فرق اس لئے کیا ہے کہ مسلم کے والدین اور اس کے مسلمان رشتہ داروں کے ذریعہ

ایک روایت ہے جیسا کہ المدونہ کے ”باب القذف“ میں ہے، ایسا ہی قول ابن القاسم کا ”باب اقطع فی اسرقتہ“ میں ہے، وصوقی کہتے ہیں: اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ کے حق اور آدمیوں کے حق میں فرق نہیں (۱)۔

۱۲- دوم: انبات مطلقاً بلوغ کی علامت ہے، یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے، اور امام ابو یوسف کی ایک روایت ہے جسے ابن عابدین اور صاحب الجوزہ نے نقل کیا ہے، لیکن ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ امام مالک اس شخص پر حد قائم نہیں کرتے جس کا بلوغ انبات کے علاوہ کے ذریعہ ثابت نہ ہوا ہو، اس لئے کہ بلوغ میں شبہ اقامت حد سے مانع ہے۔

اس قول کے اختیار کرنے والوں نے ایک حدیث نبوی اور چند آثارِ صحابہ سے استدلال کیا ہے، حدیث یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کو بنی قریظہ کے حق میں حکم فیصلہ بنایا تو انہوں نے ان کے جنگجوؤں کو قتل اور ان کے بچوں کو گرفتار کرنے کا فیصلہ دیا اور حکم دیا کہ ان کے زیر ناف کو کھول کر دیکھا جائے، جس کے بال نکل آئے ہوں وہ جنگجوؤں میں داخل ہے اور جس کے بال نہیں نکلے وہ بچوں میں داخل ہیں، یہ فیصلہ نبی ﷺ کو پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”لقد حکمت فیہم بحکم اللہ من فوق سبعة أرقعة“ (۲) (یقیناً تم نے ان کے سلسلہ میں سات آسمان کے اوپر سے نازل اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے)۔

اس واقعہ کے سلسلہ میں عطیہ بن کعب قرظی کہتے ہیں: قریظہ کے دن میں ان کے ساتھ تھا، انہوں نے حکم دیا کہ مجھے دیکھا جائے کہ کیا

(۱) عطیہ قرظی کے قول: ”حکمت معہم یوم قریظہ“ کو ابو داؤد (۵۶۱/۳) طبع عزت حیدر دھاس) اور ترمذی (۱۳۵/۳ طبع المجلدی) نے روایت کیا ہے ترمذی نے کہا: حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) دونوں روایتوں کو صاحب المغنی (۵۰۹/۳ اور ۵۶۱/۳) نے ذکر کیا ہے دیکھئے: الشرح الکبیر والدرستی ۳/۲۹۳، فتح الباری ۵/۲۷۷۔

(۱) الشرح الکبیر وجامعۃ الدرستی ۳/۲۹۳۔
(۲) حدیث: ”لقد حکمت فیہم.....“ کو امام نسائی نے مختصر اعلو للحدیثی (ص ۸۷) مکتب الاسلامی) میں روایت کیا ہے اس کی اصل بخاری (الفتح ۷/۳۱۱ طبع المستقیم) اور مسلم (۳۸۹/۳ طبع المجلدی) میں ہے۔

شافعیہ نے اس کے حکم کو اس کے مخرج ہی تک محدود رکھا ہے، بنو قریظہ کا فریضہ (تو یہ حکم کا فریضہ کے لئے رکھا)، ابن رشد وغیرہ مالکیہ نے اس حکم کو اس موقع سے عام رکھا ہے، یعنی احکام ظاہرہ کے اندر ایک نوع کا قیاس کرتے ہوئے اسے عام کیا ہے^(۱)۔

عورت کی مخصوص علامات بلوغ:

۱۵- عورت کے لئے دو علامتیں مزید اور ان ہی سے مخصوص ہیں: ایک حیض کہ وہ عورت کے بلوغ کی علامت ہے، حدیث نبوی ہے: "لا یقبل اللہ صلاۃ حائض إلا بخمار"^(۲) (اللہ تعالیٰ کسی حیض والی (بالغہ) خاتون کی نماز نہیں قبول کرتا مگر خمار (دوپٹہ) کے ساتھ)۔

مالکیہ نے حیض کا علامت ہونا اس صورت کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ حیض کے لانے میں کوئی ذریعہ اختیار نہ کیا گیا ہو، ورنہ (اگر حیض کسی سبب سے لمے آیا گیا ہو) تو علامت نہیں ہوگا۔

عورت کے بلوغ کی دوسری علامت حمل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے طریقہ یہ جاری فرمایا ہے کہ بچہ کی تخلیق مرد کے منی اور عورت کے مادہ منویہ سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ، خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ ذَافِقٍ يُخْرَجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ"^(۳) (سو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے)، پس اگر سابقہ علامت میں سے کوئی

واقفیت حاصل کرنا آسان ہے، اور اس لئے بھی کہ مسلم بچہ انبات کے معاملہ میں متہم ہے، کیونکہ وہ بسا اوقات دوا کے ذریعہ قبل از وقت انبات اس مقصد سے کر لیتا ہے کہ اس کی ذات پر سے پابندی ہٹ جائے اور ولایت حاصل ہو جائے، برخلاف کافر کے کہ وہ ایسی غلت نہیں کرتا ہے^(۱)۔

۱۴- بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ انبات کو بطور علامت قبول کرنے کا دائرہ اس سے وسیع ہے جہاں تک شافعیہ گئے ہیں، چنانچہ ابن رشد کہتے ہیں: آدمی اور آدمی کے درمیان کے امور جیسے قذف، قطع اور قتل میں انبات علامت ہے۔

لیکن جو امور انسان اور اللہ کے درمیان ہیں تو ان امور میں انبات علامت نہیں ہے، اس میں فقہاء مالکیہ کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔

بعض مالکیہ نے اسی قول پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی ہے کہ جس کے موئے زیر ناف نکل گئے ہیں لیکن اس کو احتلام نہیں ہوا ہے، واجبات کے ترک اور محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے اس شخص پر گناہ نہیں ہے، اور نہ باطن میں اس پر حقیق و آزادی لازم آتی ہے اور نہ حد لازم آتی ہے، خواہ حاکم نے وہ چیز اس پر لازم کر دی ہو، اس لئے کہ اس شخص کے موئے زیر ناف دیکھے جائیں گے، اور جیسا ظاہر ہو اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا^(۲)۔

دونوں فرق کی دلیل وہی حدیث ہے جو بنی قریظہ سے متعلق اوپر ذکر ہوئی ہے۔

(۱) المحلی ۸۹۱، المغنی ۵۰۹/۳۔

(۲) حدیث: "لا یقبل اللہ صلاۃ حائض إلا بخمار"..... کی روایت ابو داؤد (۲۲۱/۱) طبع عزت ہیددھاس (پور حاکم (۲۵۱/۱) طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے، حاکم نے اسے صحیح بتایا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۳) سورہ طارق ۵-۷۔

(۱) نہایت المحتاج ۳/۳۳۷ شرح المنہج وحامیۃ الجمل ۳/۳۳۸، ۳۳۹، صاحب المغنی نے مورخ الباری میں ابن حجر نے امام شافعی کا قول کافر کے سلسلہ میں جو نقل کیا ہے وہ ہم نے ذکر کیا اور مسلمان کے سلسلہ میں ان کے قول میں اختلاف بتایا ہے لیکن یہ اختلاف کتب شافعیہ میں ہمیں نہیں ملا۔

(۲) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۲۹۳۔

بلوغ ۱۶-۱۸

آئے، یا ان دونوں شرم گاہوں سے منی خارج ہو تو اسے بالغ قرار دیا جائے گا، لیکن اگر صرف ذکر سے منی خارج ہو یا صرف فرج سے حیض آئے تو بلوغ کا حکم نہیں لگایا جائے گا^(۱)۔

۱۸- حنابلہ میں سے ابن قدامہ نے اس قول پر کہ دونوں علامتوں میں سے جو پہلے ظاہر ہو جائے اس پر اکتفا کیا جائے گا، استدلال اس بات سے کیا ہے کہ عورت سے مرد کی منی نکلتا محال ہے اور مرد سے حیض آنا محال ہے، لہذا ان دونوں میں سے کسی ایک علامت کا ظاہر ہونا اس بات کی دلیل ہوگی کہ مخت مرد ہے یا عورت، اور جب اس کا مرد یا عورت ہونا متعین ہو گیا تو لازم ہوا کہ وہ علامت بلوغ کی دلیل قرار پائے، جیسے کہ اس علامت کے ظہور سے قبل جنس کی تعیین ہو جائے (تو جنس کے مطابق علامت بلوغ کی دلیل ہوتی ہے)، اور اس لئے بھی کہ وہ ذکر سے نکلنے والی منی ہے، یا فرج سے نکلنے والا حیض ہے، لہذا وہ بلوغ کی نشانی ہے جیسے کہ مرد سے نکلنے والی منی اور عورت سے نکلنے والا حیض بلوغ کی نشانی ہوتا ہے، ابن قدامہ کہتے ہیں: اور اس لئے بھی کہ جب فقہاء نے دونوں شرم گاہوں سے ایک ساتھ دونوں چیزوں (منی اور حیض) کا نکلتا بلوغ کی دلیل تسلیم کیا تو ان دونوں میں سے کسی ایک کا نکلتا بدرجہ اولیٰ بلوغ کی دلیل ہوگا، اس لئے کہ دونوں کا ایک ساتھ نکلتا ان دونوں میں تعارض اور سقوط دلالت کا متقاضی ہے، کیونکہ صحیح حیض اور مرد کی منی کا (ایک ساتھ نکلنے کا) تصور نہیں کیا جاسکتا، تو لازم ہوگا کہ ان دو میں سے ایک غیر محل سے نکلنے والا فضله قرار دیا جائے، اور ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی بہ نسبت کوئی ترجیح نہیں رکھتا تو نتیجہ دونوں کی دلالت باطل ہو جائے گی، جیسے دو بینہ جب متعارض ہو جائیں تو دونوں کی دلالت ساقط ہو جاتی ہے، لیکن اگر کسی ایک سے نکلتا بغیر کسی معارض کے پایا

(۱) نہایۃ المحتاج ۳۳۹/۳۔

علامت پائی جائے تو سابقہ طریقہ پر بلوغ کا حکم لگایا جائے گا، اگر ایسی کوئی علامت نہ پائی جائے تو عمر سے بلوغ ثابت ہوگا، اس تفصیل کے مطابق جو متعلقہ بحث کے مقامات پر مذکور ہے۔

۱۶- مالکیہ نے مرد و عورت کے لئے علامات بلوغ میں اوپر مذکورہ علامتوں کے علاوہ بغل کا بدبودار ہونا، ناک کے سرے کا چوڑا پن اور آواز کا موٹا پن بھی شمار کیا ہے۔

شافعیہ نے مرد کے لئے سابقہ علامات کے علاوہ مونچھ کے موٹے بال، آواز کا بھاری پن اور حلق کے کنارے کا ابھار وغیرہ بھی شمار کیا، اور عورت میں پستان کا ابھار بھی شمار کیا ہے^(۱)۔

مخت کی فطری علامات بلوغ:

۱۷- مخت اگر غیر مشکل ہو (جس کا مرد یا عورت کی جانب غلبہ واضح ہو) اور اسے مذکر یا مؤنث میں شامل کیا گیا ہو تو اس کی علامات بلوغ اسی جنس کے اعتبار سے ہوگی جس میں وہ شامل کیا گیا ہے۔

لیکن مخت مشکل ہو (یعنی مرد یا عورت کی جانب اس کے اعضاء کا غلبہ واضح نہ) تو اس کے لئے فطری علامات بلوغ وہی ہوں گی جو مردوں یا عورتوں کی علامات بلوغ ہیں، لہذا انزال و انبات وغیرہ مشترک علامات یا خصوص علامات کی بنیاد پر اس کے بلوغ کا حکم لگایا جائے گا، اسی تفصیل کے مطابق جو پیچھے گزر چکی ہے، یہ مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے، اور یہی بعض شافعیہ کا قول ہے۔

دوسرا قول جو شافعیہ کے نزدیک معتد بھی ہے یہ ہے کہ دونوں شرم گاہوں میں علامت کا وجود ضروری ہے، لہذا اگر مخت کے عضو تناسل (ذکر) سے منی کا اخراج ہو اور اس کی شرم گاہ (فرج) سے حیض

(۱) ابن حابدین ۵/۷۷، حامیۃ الدسوقی ۳۳۹/۳، شرح الصغیر علی اقرب المسالك ۳۳۹/۳، شرح الصہاج مع حاشیہ ۳۳۶/۳، نہایۃ المحتاج ۳۳۸/۳، المغنی والشرح للکبیر ۵۱۲/۳، ۵۱۳۔

جائے تو ضروری ہوگا کہ اس کا حکم ثابت ہو اور اس کی دلالت کے ثبوت کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے^(۱)۔

۱۹- رہے حنفیہ تو جہاں تک ہم دیکھ سکے ہیں اس کے مطابق اس مسئلہ پر ان کی صریح گفتگو ہمیں نہیں ملی، لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کا قول مالکیہ اور حنابلہ کے مطابق ہے، شرح اشباہ میں باب احکام النجس کے تحت جو مذکور ہے اس کے ظاہر سے یہی واضح ہوتا ہے، اس میں ہے کہ: اگر منث بلوغ ہو جائے، مثلاً عمر کے ذریعہ بلوغ کو پہنچ جائے لیکن مردوں یا عورتوں کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو اس کی نماز بغیر دوپٹہ کے نہیں ہوگی، اس لئے کہ آزار عورت کا سر بھی ستر میں شامل ہے^(۲)۔

عمر کے ذریعہ بلوغ:

۲۰- شارع نے بلوغ کو ابتدائے کمال عقل کی علامت مانا ہے، اس لئے کہ آغاز کمال عقل سے واقفیت و شمار ہے تو بلوغ کو اس کے قائم مقام قرار دیا گیا۔

عمر کے ذریعہ بلوغ تب ہوتا ہے جس سے قبل بلوغ کی کوئی علامت نہ پائی جائے، بلوغ کی عمر میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف و امام محمد کی رائے ہے^(۳) کہ لڑکا اور لڑکی کے لئے عمر کے ذریعہ بلوغ کا معیار پندرہ قمری سال کا مکمل ہو جانا ہے، جیسا کہ شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ معیار تحدیدی ہے، حضرت ابن عمرؓ کی اس حدیث کی وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں: احد کے دن مجھے نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، میری عمر اس وقت

چودہ برس تھی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت نہیں دی اور مجھے بالغ نہیں سمجھا، پھر غزوہ خندق کے موقع پر مجھے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر پندرہ برس تھی تو آپ علیہ السلام نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی اور مجھے بالغ قرار دیا^(۱)۔

امام شافعی کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے سترہ صحابہ کو واپس کر دیا جن کی عمریں چودہ برس تھیں، انہیں آپ ﷺ نے بالغ تصور نہیں فرمایا، پھر یہی صحابہ جب پندرہ برس کے ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی، ان صحابہ میں حضرت زید بن ثابت، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں^(۲)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ بلوغ اٹھارہ سال پورا ہونے پر ہوگا، ایک قول کے مطابق اٹھارہویں برس میں داخل ہو جانے پر ہوگا، خطاب نے مذہب میں پانچ اقوال نقل کئے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے اٹھارہ برس، اور کہا گیا ہے ستر برس، رسالہ کے بعض شارحین نے اضافہ کیا ہے: سولہ اور انیس برس، اور ابن وہب سے پندرہ برس مروی ہے^(۳) حضرت ابن عمرؓ کی سابق حدیث کی وجہ سے۔

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی خبر: ”عوضت علمی النبی.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۲/۵۶۷ طبع المستقر) نے کی ہے غزوہ احد شوال ۳ھ میں پیش آیا، اور غزوہ خندق جمادى ۵ھ میں ہوا، حضرت ابن عمرؓ کے قول ”میری عمر پندرہ برس تھی“ کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ میں اس عمر میں داخل ہو گیا تھا، اور ان عی کے قول ”میری عمر پندرہ برس تھی“ کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ میں نے پندرہ برس مکمل کر لئے تھے، دیکھئے: سبل السلام ۳۸/۳ طبع الاستقامہ ۱۳۵۷ھ۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/۶۶۱، شرح المنہاج مع حاشیہ اقلیہ بی ۲۹۹/۲-۳۰۰، نہایہ المحتاج ۳/۳۲۶۔

(۳) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۲۹۳، اکمل المدا رک ۳/۵، مواہب الجلیل ۵/۹۵۔

(۱) المغنی ۳/۵۱۱، شرح المنتقى ۲/۲۹۹۔

(۲) شرح الاشباہ والنظائر ص ۵۰۲ طبع المہند۔

(۳) حاشیہ بر ماوی ص ۲۳۹، المغنی والشرح الکبیر ۳/۵۱۲، ۵۱۳، رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین ۵/۹۷، ۱۱۳۔

بلوغ ۲۱-۲۲

لڑکی کے لئے بلوغ کی ادنیٰ عمر حنفیہ، شافعیہ کے نظریہ قول اور اسی طرح حنابلہ کے نزدیک (۱) نو قمری سال ہے، اس لئے کہ یہ سب سے کم وہ عمر ہے جس میں لڑکی کو حیض آتا ہے، اور اس لئے کہ حدیث نبوی ہے: ”إِذَا بَلَغَتِ الْجَارِيَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَهِيَ امْرَأَةٌ“ (۲) (جب لڑکی نو سال کی ہو جائے تو وہ پوری عورت ہے)، مراد یہ ہے کہ ایسی لڑکی کا حکم عورت کا ہے، شافعیہ کی دوسری روایت میں نویں سال کا نصف ہے، اور ایک قول ہے کہ نویں سال میں داخل ہو جاتا ہے، اور اس لئے کہ یہ سب سے کم وہ عمر ہے جس میں لڑکی کو حیض آتا ہے (۳)۔
مختص کے لئے بلوغ کی ادنیٰ عمر پورے نو قمری سال ہیں، اور ایک قول ہے کہ نویں سال کا نصف ہے، اور ایک قول نویں سال میں داخل ہو جانے کا ہے (۴)۔

بلوغ کا ثبوت:

بلوغ درج ذیل طریقوں سے ثابت ہوتا ہے:

پہلا طریقہ: اقرار:

۲۲- چاروں مسالک کے فقہاء متفق ہیں کہ صغیر اگر مرأتق ہو اور عموماً پوشیدہ رہنے والی فطری علامتوں جیسے انزال، احتلام اور حیض میں سے کسی کی بنیاد پر بلوغ کا اقرار کرے تو اس کا اقرار درست ہوگا، اور اس کے حق میں اور اس کے خلاف بالغوں کے احکام جاری ہوں گے،

(۱) رد المحتار ۵/۹۷، شرح منہاج الطالبین مع حاشیہ اقلیوبی ۹۹/۱، کشاف القناع ۶/۵۳۔

(۲) حدیث: ”إِذَا بَلَغَتِ الْجَارِيَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَهِيَ امْرَأَةٌ“..... ”کوئی لڑکی اپنی سن (۳۲۰/۱ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) میں پہنچے حضرت عائشہؓ کی جانب اس قول کی نسبت کے بغیر نقل کیا ہے۔

(۳) شرح منہاج الطالبین ۹۹/۱، الاشباہ والنظائر للسیوطی ۲۳۲۔

(۴) المغنی لابن قدامہ ۱/۳۶۵، ۷/۶۱، کشاف القناع ۶/۵۳، ۳۵۳۔

امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ لڑکے کے لئے عمر کے ذریعہ بلوغ اٹھارہ برس ہونے پر ہے اور لڑکی کے لئے سترہ برس ہونے پر، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”وَلَا تُقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ“ (۱) (اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس طریق پر کہ جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”أَشُدُّ“ اٹھارہ برس کی عمر ہے، یہ اس لفظ کے سلسلہ میں کہی گئی مختلف عمروں میں سب سے کم ہے، لہذا اسے ہی احتیاطاً لے لیا گیا، یہ تو بچہ کی اشد (عمر بلوغت) ہے، بچی جلدی بالغ ہوتی ہے، لہذا اس کے لئے ایک سال کم کر دیا گیا (۲)۔

بلوغ کی ادنیٰ عمر جس سے قبل دعوائے بلوغ درست نہیں:

۲۱- لڑکے کے لئے بلوغ کی ادنیٰ عمر مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک پورے نو قمری سال مکمل کر لینا ہے، شافعیہ کے ایک دوسرے قول کے مطابق نویں سال کا نصف گزر جانا ہے، اسے نووی نے ”شرح المہذب“ میں ذکر کیا ہے (۳)۔

حنفیہ کے نزدیک بلوغ کی ادنیٰ عمر بارہ سال ہے (۴)، حنابلہ کے نزدیک دس سال ہے، اور ولی کا یہ اقرار اس وقت قبول کیا جائے گا کہ لڑکا احتلام کے ذریعہ بالغ ہو چکا ہے جب اس کی عمر دس سال ہو جائے (۵)۔

(۱) سورہ امراء ۳۳۔

(۲) رد المحتار علی الدر المختار ۵/۳۲، الاختیار وشرح المختار للموصلی ۶۶/۱، البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۹۶۔

(۳) حاشیہ الدسوقی علی المشرع الکبیر ۳۹۳، شرح منہاج الطالبین ۱/۳۰۰، نہایت المحتاج ۱/۳۰۶، الاشباہ والنظائر للسیوطی ۲۳۲۔

(۴) رد المحتار علی الدر المختار ۵/۹۷۔

(۵) کشاف القناع ۶/۵۳۔

شافعیہ نے بعض صورتوں کا استثناء کیا ہے جن میں احتیاطاً حلف دلایا جائے گا، اس لئے کہ وہ حقوق میں دوسروں کے بالمقابل ہے جیسے کہ وہ مال غنیمت میں جنگجو کا حصہ طلب کرے (کہ اس کا یہ مطالبہ دوسروں کے حق پر اثر انداز ہوگا)۔

دوسرا طریقہ: انبات:

۲۳- چاروں مسالک کے فقہاء نے قمر بلوغ کی صحت کے لئے شرط لگائی ہے کہ وہ مشکوک حالت میں نہ ہو، یا امام شافعی کے الفاظ میں: اس کا قمر قبول کیا جائے گا جب وہ بالغ کے مشابہ ہو، اگر وہ مشابہ نہ ہو تو قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ اس کا باپ اس کی تصدیق کرے، اور حنفیہ نے اس مفہوم کو پورا ادا کیا ہے کہ ظاہر حال اس کی تکذیب نہ کرنا ہو، بلکہ ایسی حالت میں ہو کہ اس جیسے شخص کو احتلام ہو سکتا ہو، مراد یہ ہے کہ قمر اس کے وقت اس کی جسمانی حالت بالغوں کی طرح ہو اور اس کی سچائی پر شک نہ ہوتا ہو۔

مالکیہ کے علاوہ فقہاء مذاہب نے اس کے قول قبول کرنے کا مطلق ذکر کیا ہے، لیکن مالکیہ نے اس میں تفصیل کی ہے، چنانچہ کہا ہے: اگر اس پر شک ہو تو جنایت اور طلاق سے متعلق امور میں اس کی تصدیق کی جائے گی، پس شبہ کی وجہ سے حد جاری نہیں کی جائے گی، اصل بچپن کی حالت کا تسلسل (اصحاب) مانتے ہوئے اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن مالی امور میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، لہذا اگر اس نے ودیعت ضائع کر دینے کا قمر کیا اس حال میں کہ وہ بالغ ہے، پھر اس کے باپ نے کہا کہ وہ بالغ نہیں ہے تو اس پر ضمان نہیں ہوگا^(۱)۔

بعض مالکیہ نے بلوغ کے سلسلہ میں دوسرا حق کا قول اس صورت

مالکیہ نے کہا: اس کا قول بلوغ کے سلسلہ میں قبول کیا جائے گا خواہ انفیاء ہو یا اثباتاً، اور خواہ وہ طالب ہو یا مظلوم، طالب ہونے کی مثال یہ ہے کہ وہ بلوغ کا دعویٰ اس لئے کرے تاکہ اسے مال غنیمت میں حصہ ملے، یا وہ لوگوں کی امامت کرے یا نماز جمعہ میں ضروری تعداد اس سے پوری ہو، اور مظلوم ہونے کی مثال یہ ہے کہ اس نے جنایت کی ہو، اور بالغ نہ ہونے کا دعویٰ کرے تاکہ اپنی ذات سے حد یا قصاص کو یا ودیعت و امانت ضائع کر دینے پر تاوان کو دور کر سکے، اور ایسے ہی اس نے طلاق دی ہو اور بوقت طلاق عدم بلوغ کا دعویٰ کرے تاکہ اس پر طلاق لازم نہ ہو۔

قمر بلوغ کا قول اس شرط کے ساتھ ہی قبول کیا جائے گا کہ وہ بلوغ کی ادنیٰ عمر سے گزر چکا ہو، بلکہ اس سے قبل اس کے بلوغ کا بینہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک بارہ برس پورے ہونے سے قبل لڑکے کا قمر قبول نہیں کیا جائے گا، اور حنابلہ کے نزدیک دس برس پورے ہونے سے پہلے اس کا قمر قبول نہیں کیا جائے گا، اور حنفیہ و حنابلہ دونوں کے نزدیک لڑکی کا قمر نو برس پورے ہونے سے پہلے قبول نہیں کیا جائے گا، بلوغ کا قمر صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسا معنی ہے جس کی اطلاع خود اسی شخص کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے اور اس کی اطلاع کے حصول کا مکلف کرنا شدید تنگی کا باعث ہے۔

اور اس پر بینہ کا بھی مکلف نہیں کیا جائے گا۔

مقدمہ میں جمہور کے نزدیک اسے حلف بھی نہیں دلایا جائے گا، کیونکہ اگر وہ فی الواقع بالغ نہ ہو تو اس کی یمین کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، اس لئے کہ صغیر کی یمین کا اعتبار و شمار ہی نہیں ہے، اور اگر وہ بالغ ہو تو اس کی یمین تحصیل حاصل ہے (ایسی شئی کو حاصل کرنا ہے جو پہلے سے حاصل ہے)۔

(۱) ابن مابین ۵/۷۷، المجموعہ ۱/۳۱۵، الدرستی علی لکیر ۳/۲۹۳، شرح منہج الجلیل ۳/۱۶۸، نہایۃ المحتاج ۵/۶۶-۶۷، کشاف القناع ۵/۵۶۶

بلوغ ۲۴

میں قبول کرنے کا ذکر کیا ہے جب وہ دونوں انبات (موئے زیر ناف) کے ذریعہ بلوغ کا دعویٰ کریں، انبات اور اس کے علاوہ دیگر مذکور فطری علامات کے درمیان فرق یہ ہے کہ انبات کی واقفیت حاصل کرنا آسان ہے، اور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ بنقریظہ کے لڑکوں میں سے جن کے بلوغ کا شک ہو ان کے موئے زیر ناف کھول کر دیکھے جائیں، لیکن شرم گاہ کھولنا چونکہ اصلاً حرام ہے، اس لئے فقہاء نے کہا کہ انبات و عدم انبات کے سلسلہ میں مشکوک شخص کا قول قبول کیا جائے گا، لیکن ابن العربی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے: اس کے انبات کو دیکھا جانا چاہئے، البتہ براہ راست نہیں بلکہ آئینہ کی مدد سے دیکھا جائے، مالکیہ میں سے ابن القفطان نے ان کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ اسے نہ تو براہ راست دیکھا جائے گا اور نہ آئینہ کی مدد سے، اور اگر وہ انبات کے ذریعہ بلوغ کا دعویٰ کرے تو اس کی بات قبول کی جائے گی۔

فقہاء کے نزدیک احکام شرعیہ کے لزوم کے لئے بلوغ شرط ہے:

۲۴- فقہاء کی رائے ہے کہ شارع نے واجبات اور محرمات کے احکام اور احکام کے آثار مرتب ہونے کوئی اجملہ بلوغ کی شرط سے وابستہ کیا ہے، اور انہوں نے اس پر استدلال چند دلائل سے کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ" (۱) اور جب تم میں سے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہئے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں) اس آیت

(۱) سورہ نور ۵۹۔

میں بلوغ کی وجہ سے اجازت طلب کرنے کو واجب قرار دیا گیا۔

ب۔ ارشاد باری ہے: "وَابْتَغُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ" (۱) (اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں تو اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھ لو تو ان کے حوالہ ان کا مال کر دو)، اس آیت میں بھی نکاح کی عمر تک پہنچ جانے کو یتیم سے مالی ولایت ختم ہو جانے کا سبب قرار دیا گیا بشرطیکہ وہ راشد (عقل و رشد والا) ہو۔

ج۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا: "خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مَعَاظِرًا" (۲) (ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری (یعنی کپڑا) لو)، اس میں بھی احتلام کو جزیہ کا سبب بتایا گیا۔

د۔ ایک دلیل واقعہ بنقریظہ ہے کہ جن قیدیوں کے بلوغ میں شبہ ہوا ان کے بارے میں دیکھا گیا کہ اگر ان کے موئے زیر ناف نکل آئے تو انہیں قتل کیا گیا، اگر زیر ناف نہیں نکلے تو قتل نہیں کیا گیا، اس واقعہ میں بھی انبات کو قیدی کے قتل کے جواز کی علامت بنایا گیا۔

هـ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ" (۳) (اللہ تعالیٰ کسی حیض آنے والی عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں کرتا)، اس میں حیض کو عورت کی نماز کے فاسد ہونے کا سبب بتایا گیا اگر وہ بغیر دوپٹہ نماز پڑھتی ہے۔

و۔ حدیث ہے کہ "غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم" (۴) (جمعہ کے دن کا غسل ہر احتلام والے پر واجب ہے)،

(۱) سورہ نساء ۶۔

(۲) حدیث صحاح: "خذ من كل حالِمٍ... کی تخریج (نقرہ نمبر ۹) میں کذریچکی ہے۔

(۳) حدیث: "لا يقبل الله... کی تخریج (نقرہ نمبر ۱۵) میں کذریچکی ہے۔

(۴) حدیث: "غسل يوم الجمعة... کی روایت بخاری (التح ۳۵۷ طبع

المنقبة) اور مسلم (۵۸۱/۲ طبع المحلی) نے کی ہے۔

بلوغ ۲۵

امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے: ”بچوں کے بلوغ اور ان کی کواعی کا باب“، ابن حجر کہتے ہیں: مقصود عنوان یعنی بچوں کی کواعی بقیہ احکام پر قیاس سے مستفاد ہوتی ہے اس حیثیت سے کہ وجوب احکام سے متعلق ہوتا ہے (۱)۔

ز۔ حدیث ہے: ”رفع القلم عن ثلاثة: عن الصغير حتى يكبر...“ (۲) (تین اشخاص سے قلم اٹھایا گیا ہے، بچہ سے یہاں تک کہ وہ بڑا ہو جائے)، اس حدیث میں بچپن کی حد سے نکل جانے کو گناہ کرنے پر گناہ لکھے جانے کا سبب بتایا گیا۔

علامات بلوغ کے سلسلہ میں وارد یہ اور ان جیسے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع نے عموماً پابندی احکام اور لزوم احکام کو بلوغ کی شرط سے وابستہ کیا ہے، پس جو بلوغ کی علامتوں میں سے کسی علامت کی وجہ سے بالغ قرار پائے وہ مکمل مرد یا مکمل عورت ہے، اور اگر عاقل ہے تو دیگر مردوں اور عورتوں کی طرح مکلف و پابند احکام ہے، اس پر وہ سارے احکام لازم ہوں گے جو ان لوگوں پر ہوتے ہیں، اور اسے وہ حق ملے گا جو دوسروں کو ملتے ہیں، بعض فقہاء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ ابن المنذر نے کہا: فقہاء کا اجماع ہے کہ فرائض اور احکام احکام والے عاقل پر واجب ہوں گے (۳)، ابن حجر کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ مردوں اور عورتوں پر احکام کی وجہ سے عبادات، حدود اور سارے احکام لازم ہوں گے (۴)۔

جن احکام کے لئے بلوغ شرط ہے:
الف۔ جن کے وجوب کے لئے بلوغ شرط ہے:
۲۵۔ فرائض و واجبات کی بجا آوری اور حرمت کے ترک کے احکام کے لئے بلوغ شرط ہے، نابالغ پر یہ واجب نہیں ہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ کا قول ہے: ”رفع القلم عن ثلاثة: عن الصغير حتى يكبر...“ جیسے نماز (۱)، روزہ (۲) اور حج کے احکام (۳)، البتہ زکاة میں اختلاف ہے۔

لیکن اس کے باوجود بچہ کے ولی کو چاہئے کہ اسے حرمت سے بچائے اور نماز وغیرہ کا حکم دے تاکہ وہ ان کا عادی ہو جائے، اس لئے کہ نبی ﷺ کا قول ہے: ”مروا أبناءكم بالصلاة لسبع، واضربوهم عليها لعشر، وفرقوا بينهم في المضاجع“ (۴) (اپنی اولاد کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم دو، دس برس کی عمر میں نماز کے لئے انہیں مارو، اور ان کے سونے کے بستر علاحدہ کر دو)۔

اس کے باوجود اگر بچہ عبادات ادا کرے یا مستحبات انجام دے تو وہ اس کی جانب سے صحیح ہوں گے اور اسے ان پر اجر ملے گا، اور قصاص اور

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۱/۲۳۳-۲۳۵، البدائع ۱/۱۸۹، حاشیہ الدسوقی علی شرح الکبیر ۱/۲۰۰، نہایۃ المحتاج مع حاشیہ ۱/۳۷۳-۳۷۴، شرح منہاج الطالبین ۱/۱۲۰-۱۲۱، کشاف القناع ۱/۱۵۔

(۲) رد المحتار علی الدر المختار ۱/۲۳۵، بدائع الصنائع ۲/۸۷، حاشیہ الدسوقی علی المشرع الکبیر ۱/۵۰۹، شرح الزرقانی ۲/۲۰۸، نہایۃ المحتاج ۳/۱۸۰، شرح منہاج الطالبین ۲/۶۳، کشاف القناع ۲/۳۰۸۔

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۱۳۱، بدائع الصنائع ۲/۱۲۰، مع الجلیل ۱/۳۶۱، حاشیہ الدسوقی ۲/۵۰۹، نہایۃ المحتاج ۳/۲۳۳، شرح منہاج الطالبین ۲/۸۵، کشاف القناع ۲/۵۵۷، ۳/۳۷۹۔

(۴) حدیث: ”مروا أبناءكم بالصلاة لسبع...“ کی ابو داؤد (۱/۳۳۳) طبع عزت حمید دھاس) نے کی ہے اور نووی نے ریاض الصالحین (۱/۱۷۱) میں اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔

(۱) الفتح ۵/۲۷۶ طبع المستقیم۔

(۲) حدیث: ”رفع القلم...“ کی روایت ابو داؤد (۳/۵۵۸) طبع عزت حمید دھاس) اور حاکم (۲/۵۹۲) طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے حاکم کی روایت میں ”الصبي حتى يحلّم“ کے الفاظ ہیں، حاکم نے اس کو صحیح بتایا ہے اور وہی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۳) کشاف القناع ۳/۲۳۳۔

(۴) فتح المبارک ۵/۲۷۷۔

بلوغ ۲۶-۲۸

طرح نذر^(۱)۔

ان میں سے ہر ایک کی تفصیل اپنے مقام پر اور اصطلاح ”صفر“ میں دیکھی جائے۔

حدود جیسے چوری کی حد^(۱) اور قذف^(۲) (تہمت لگانے) کی حدود واجب نہیں ہوں گی، البتہ اس کی تادیب کرنا جائز ہے۔

ب۔ جن احکام کی صحت کے لئے بلوغ شرط ہے:

۲۶۔ بلوغ ہر اس عمل کی صحت کے لئے شرط ہے جس میں مکمل اہلیت کی شرط ہوتی ہے، ان میں ساری ولایات ہیں جیسے امارت، قضا^(۳)، ولایت علی انفس^(۴) اور شہادت فی الجملہ^(۵)، اور ان ہی میں وہ تصرفات ہیں جن میں صرف ضرری ہے جیسے بیہ^(۶)، عاریت^(۷)، وقف^(۸) اور کفالت^(۹)، اور ان ہی میں ہے: طلاق اور جواس کے معنی میں ہے، جیسے ظہار اور ایلاء^(۱۰) اور خلع^(۱۱) اور عتق اور اسی

بلوغ سے ثابت ہونے والے احکام:

۲۷۔ یہ ایک حد تک دشوار امر ہے کہ ان تمام احکام کا احاطہ کیا جائے جو محض بلوغ آنے سے ثابت ہوتے ہیں، ذیل میں ان احکام کی بعض مثالیں ہیں جو محض اس وجہ سے ثابت ہوتے ہیں کہ لڑکا یا لڑکی کو احتلام آیا یا انہوں نے بلوغ کی علامتوں میں سے کوئی علامت دیکھی۔

اول۔ طہارت کے باب میں:

اعادہ تیمم:

۲۸۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر نابالغی کی حالت میں تیمم کیا پھر ایسی چیز سے بالغ ہوا جو خود ناقض وضو نہیں ہے جیسے عمر کے ذریعہ بلوغ، تو اس پر لازم ہے کہ تیمم کا اعادہ کرے اگر وہ فرض نماز پڑھنا چاہتا ہے، اس لئے کہ بلوغ سے پہلے تیمم نفل نماز کے لئے تھا، کیونکہ اگر اس نے مثلاً ظہر کے لئے تیمم کیا تھا تو ظہر کی نماز اس کے حق میں نفل تھی، لہذا ایسے تیمم سے فرض کی ادائیگی درست نہیں ہوگی، اس کے برعکس اگر کسی نے وضو کیا یا غسل کیا پھر بالغ ہوا تو وضو و غسل کا اعادہ لازم نہیں ہوگا، اس لئے نفل کے لئے وضو اور غسل بھی مایا کی کوہرے سے ختم کر دیتے ہیں، جہاں تک تیمم کا تعلق ہے تو وہ اباحت و جواز تو پیدا کر دیتا ہے، مایا کی کوہرے نہیں کرتا، مالکیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے

(۱) بدائع الصنائع ۶/۷، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۳۳۲، ۳۳۳، نہایۃ المحتاج ۴/۲۱، شرح منہاج الطالبین ۱۹۶/۳، کشاف القناع ۱۲۹/۶۔

(۲) رد المحتار علی الدر المختار ۳/۱۶۸، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۳۲۳، ۳۲۵، نہایۃ المحتاج ۷/۳۱۵، ۳۱۶، کشاف القناع ۶/۱۹۳۔

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۳/۲۹۶، ۲۹۹، بدائع الصنائع ۷/۲۳، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۲۹۶، الخرش علی مختصر فلیل ۷/۳۸، الجمل علی شرح الشيخ ۵/۳۳، نہایۃ المحتاج ۲/۲۶۶، کشاف القناع ۶/۲۹۳۔

(۴) رد المحتار علی الدر المختار ۳/۲۹۵، ۲۹۶، ۳۱۱، ۳۱۲، نہایۃ المحتاج ۶/۲۳۱، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۲۳۰۔

(۵) حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۱۶۵، ۱۸۳، ۱۸۴، رد المحتار علی الدر المختار ۳/۶۹، ۷۹، نہایۃ المحتاج ۸/۷۷، شرح منہاج الطالبین ۳/۱۸، کشاف القناع ۶/۱۶۶۔

(۶) کشاف القناع ۳/۲۹۸، ۲۹۹۔

(۷) المغنی و المشرح الکبیر ۵/۳۵۵۔

(۸) نہایۃ المحتاج ۵/۳۵۶، کشاف القناع ۳/۲۵۱، رد المحتار ۳/۳۵۷، ۳۶۰۔

(۹) بدائع الصنائع ۶/۵، الدسوقی ۳/۲۲۹، ۲۳۰، شرح منہاج الطالبین مع حاشیہ اقلیو بی ۲/۳۳، کشاف القناع ۳/۳۶۲۔

(۱۰) رد المحتار علی الدر المختار ۳/۳۲۳، ۳۲۶۔

(۱۱) رد المحتار ۲/۵۵۸، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۸، کشاف القناع ۹/۲۳۳۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۸۲، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/۱۶۱، نہایۃ المحتاج ۸/۱۶۳، شرح منہاج الطالبین مع حاشیہ اقلیو بی ۳/۲۷۰، کشاف القناع ۶/۲۷۳۔

کہ تیمم باحت پیدا کرتا ہے رفع مایا کی نہیں کرتا۔

حنفیہ کا مسلک اور یہی مالکیہ کا ایک قول ہے کہ تیمم مایا کی کو اس وقت تک کے لئے رفع کر دیتا ہے جب پانی مل جائے اور اس کے استعمال کی قدرت ہو، اس کا تقاضا یہ ہے کہ بچہ نے اگر تیمم کیا پھر بالغ ہوا تو اس پر تیمم کا اعادہ نہیں ہے^(۱)۔

دوم- نماز کے باب میں:

۲۹- لڑکا یا لڑکی پر وہ نماز بالاجماع واجب ہے جس نماز کے وقت میں وہ بالغ ہوئے ہوں اور اس نماز کو ادا نہیں کر چکے ہوں، حتیٰ کہ مالکیہ جنہوں نے کہا ہے کہ نماز کو اس کے وقت ضروری یعنی عصر کی نماز اس کے بالکل آخری حصہ تک مؤخر کرنا حرام ہے، اور اسی طرح صبح کی نماز بھی بالکل آخری وقت تک مؤخر کرنا حرام ہے، انہوں نے بھی یہ کہا ہے کہ اگر وقت ضروری میں بالغ ہوتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ نماز ادا کرے، اور اس کے لئے یہ تاخیر حرام نہیں ہوگی^(۲)۔

۳۰- اگر اس نے وقت کی نماز پڑھ لی، پھر اس نماز کا وقت نکلنے سے پہلے بالغ ہوا تو اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا، اس لئے کہ بلوغ سے پہلے جو نماز اس نے پڑھی ہے وہ اس کے حق میں نفل ہے، کیونکہ وہ نماز اس پر واجب نہیں ہوئی تھی، لہذا پہلی نماز واجب کی طرف سے کافی نہیں ہوگی، یہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے، مالکیہ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگر ظہر کی نماز پڑھی پھر جمعہ کی نماز سے پہلے بالغ ہو گیا تو اس پر لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز واجب ہوگی۔

اسی طرح اگر جمعہ کی نماز پڑھ لی، پھر بالغ ہوا اور دوسرا جمعہ اسے

ملا، تو ان لوگوں کے ساتھ دوبارہ جمعہ پڑھنا اس پر واجب ہے، اور اگر جمعہ فوت ہو جائے تو ظہر کی نماز دہرائے گا، اس لئے کہ اس کا پہلا عمل خواہ وہ جمعہ کی نماز ہو، نفل واقع ہوا ہے تو وہ فرض کی طرف سے کافی نہیں ہوگا^(۱)۔

شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر نماز پڑھ لی اور وقت کے اندر بالغ ہوا تو اس پر اعادہ نہیں ہے، وہ کہتے ہیں: اس لئے کہ اس نے وقت کی ذمہ داری ادا کر دی ہے، اور اگر وہ درمیان نماز بالغ ہو تو جو نماز وہ پڑھ رہا ہے اسے پورا کرنا لازم ہوگا، اس کا اعادہ واجب نہیں ہوگا لیکن اعادہ کرنا مستحب ہے^(۲)۔

۳۱- جس نماز کے وقت میں وہ بالغ ہوا ہے وہ نماز اس پر واجب ہوگی جیسا کہ مذکور ہوا، اسی کے ساتھ اس پر یہ بھی واجب ہوگا کہ متصل پہلے کی وہ نماز بھی پڑھے جو موجودہ نماز کے ساتھ جمع کی جاتی ہے، مثلاً اگر غروب شمس سے قبل بالغ ہوا تو ظہر اور عصر دونوں پڑھے، اور اگر فجر سے پہلے بالغ ہوا تو مغرب اور عشاء دونوں پڑھے، ابن قدامہ کہتے ہیں: یہ قول عبدالرحمن بن عوف، ابن عباس، طاووس، مجاہد، نخعی، زہری اور ربیعہ کا ہے، یہی امام مالک، امام شافعی، لیث، اسحاق، ابو ثور اور عام تابعین کا ہے، البتہ امام مالک نے کہا: پہلی نماز اس وقت واجب ہوگی جب اتنا وقت مل جائے جس میں پانچ رکعات پڑھی جاسکتی ہوں، یعنی پہلی نماز مکمل اور دوسری نماز کی کم سے کم ایک رکعت کا وقت مل جائے، حنابلہ کے نزدیک اگر تکبیر تحریمہ کے برابر وقت مل جائے تو بھی دونوں نمازیں واجب ہوں گی، شافعیہ کے نزدیک ایک رکعت کا وقت پالینے پر واجب ہوگی۔

اس قول کی دلیل یہ ہے کہ عذر کی حالت میں دوسری نماز کا وقت ہی

(۱) ابن ماجہ میں ۱۶۱، زرقانی ۱۲۰ طبع محمد مصطفیٰ، جامعۃ الدین ۱۵۵،

الغنی ۲۵۳، کشاف القناع ۲۶۶، المجموع للنووی ۲۲۱ طبع

المعیر ۲۲۷، ۲۹۷۔

(۲) جوہر الاکلیل ۳۳۔

(۱) شرح فتح القدیر ۳۳۲/۲، جوہر الاکلیل ۹۶، کشاف القناع ۲۲۶۔

(۲) المجموع ۱۲/۳۔

پہلی نماز کا بھی وقت ہوتا ہے، یعنی سفر وغیرہ میں ظہر کو عصر تک اور مغرب کو عشاء تک مؤخر کرنا ممکن ہوتا ہے، تو اس اعتبار سے عصر کا وقت ہی ظہر کا بھی وقت ہے، اور اسی طرح مغرب اور عشاء کا معاملہ ہے، تو دوسری نماز کا وقت پانے سے گویا اس نے پہلی نماز کا بھی وقت پالیا۔ اس مسئلہ میں حنفیہ، ثوری اور حسن بصری نے اختلاف کیا ہے، چنانچہ ان حضرات کی رائے ہے کہ وہ صرف وہی نماز پڑھے گا جس کے وقت میں بالغ ہوا ہے^(۱)۔

سوم- روزہ:

۳۲- اگر بچہ نے رمضان میں رات سے روزہ رکھا پھر ان میں وہ بالغ ہو گیا جب کہ وہ روزہ سے ہے تو اس پر اس روزہ کی تکمیل بلا اختلاف واجب ہے، اس لئے کہ جیسا کہ ربی ثانی نے کہا: دوران عبادت وہ اہل وجوب میں سے ہو گیا تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بالغ شخص نفل روزہ شروع کرے پھر اس کو مکمل کرنے کی نذر مان لے (تو اس پر اسی روزہ کی تکمیل واجب ہوتی ہے)۔

اگر اس نے اسی حال میں روزہ رکھا تو اس پر قضا نہیں ہے، البتہ حنابلہ کے نزدیک ایک قول کے مطابق اس پر قضا واجب ہوگی۔

اگر بچہ نے رات سے روزہ نہیں رکھا پھر دن میں بالغ ہو گیا تو اس مسئلہ میں دو جگہوں پر فقہاء کا اختلاف ہے، دن کے بقیہ حصہ میں کھانے پینے سے گریز کرنا اور اس دن کے روزہ کی قضا کرنا۔

۳۳- اساک (بقیہ حصہ دن میں نہ کھانا پینا) کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف درج ذیل ہے:

حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب اور یہی شافعیہ کا ایک قول ہے کہ دن کے بقیہ حصہ میں اس پر اساک واجب ہے، اس لئے کہ اگرچہ وہ روزہ کا

(۱) المغنی ۱/ ۳۹۷، جوہر الاکلیل ۱/ ۳۳۔

وقت نہیں پاسکا لیکن اساک کا وقت اس نے پالیا ہے۔ ان حضرات نے فرضیت رمضان کے ذریعہ منسوخ کئے جانے سے پہلے فرض عاشوراء کے سلسلہ میں وارد حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”من كان منكم أصبح مفطراً فليمسك ببقية يومه، ومن كان أصبح صائماً فليتم صومه“^(۱) (تم میں سے جس نے بغیر روزہ کے صبح کی ہو وہ بقیہ دن اساک کرے اور جو روزہ سے ہو وہ اپنا روزہ پورا کرے)، یہ حضرات کہتے ہیں کہ حکم (امر) وجوب کا متقاضی ہوتا ہے، اور یہ مہینہ کی حرمت و احترام کے لئے ہے۔

شافعیہ کا مذہب جو ان کے نزدیک اصح ہے یہ ہے کہ اس حال میں اساک مستحب ہے، واجب نہیں ہے، صرف وقت کی حرمت کی وجہ سے انہوں نے مستحب قرار دیا ہے، اساک اس حال میں واجب نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ عذر یعنی بچپن کی وجہ سے وہ بے روزہ تھا، تو یہ اس مسافر کے مشابہ ہوا جو سفر سے واپس آجائے اور اس مریض کے مشابہ ہوا جو شفا یاب ہو جائے۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ اس وقت اساک نہ واجب ہے نہ مستحب، جیسے کہ ہر صاحب عذر کے لئے اگر عذر کی وجہ سے افطار مباح ہو تو اساک نہ واجب ہوتا ہے اور نہ مستحب^(۲)۔

۳۴- روزہ کی قضا کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف درج ذیل ہے:

شافعیہ کا مذہب ایک قول کے مطابق یہ ہے کہ قضا واجب ہے، حنابلہ نے تفصیل کی ہے کہ جس نے بے روزہ صبح کی پھر دن میں بالغ ہوا تو اس پر قضا واجب ہے، اس لئے کہ اس نے وقت وجوب کا ایک

(۱) حدیث: ”من كان أصبح منكم.....“ کی روایت بخاری (فتح ۲/ ۲۰۰ طبع السنہ) اور مسلم (۲/ ۹۸ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۲) شرح فتح القدیر لابن اہمام ۲/ ۲۸۲، جوہر الاکلیل ۱/ ۳۶۱، الدرر النوری ۱/ ۵۱۳، نہایہ المحتاج ۳/ ۱۸۳، المغنی ۳/ ۵۲، کشاف القناع ۲/ ۳۰۹۔

بلوغ ۳۵

نصاب کا مالک ہو، لیکن غیر حنفیہ کے نزدیک بلوغ سے قبل شروع ہونے والا سال ہی بلوغ کے بعد ورازر ہے گا۔

غیر حنفیہ کے نزدیک بچہ اگر رشد کے ساتھ بالغ ہوا ہے تو اس پر یہ بھی لازم ہوگا کہ جب سے اس کی ملکیت میں مال آیا ہے اگر اس کا ولی اس کی طرف سے زکاۃ نہ نکالتا رہا ہو تو گزرے ہوئے تمام سالوں کی بھی زکاۃ ادا کرے^(۱)۔

لیکن اگر لڑکا اس حال میں بالغ ہوا کہ وہ سفیہ ہے اور اس کے نتیجے میں اس پر حجر و پابندی برقرار ہے تو حنفیہ کے نزدیک نیت شرط ہونے کی وجہ سے وہ خود سے زکاۃ ادا کرے گا، اس کی جانب سے ولی انجام نہیں دے گا، فقہاء حنفیہ کہتے ہیں: البتہ قاضی صرف بقدر زکاۃ مال اس کے سپرد کرے گا تاکہ وہ اسے ادا کر دے، لیکن ساتھ میں ایک امین بھی بھیجے گا تاکہ وہ زکاۃ کی رقم غیر مصرف میں نہ خرچ کر دے، سفیہ پر واجب نفقات جیسے اس کے رشتہ داروں کا نفقہ اس کے برعکس ہے، ان نفقات کی ادائیگی کے لئے چونکہ نیت شرط نہیں ہے، اس لئے اس کا ولی ان کی ادائیگی کرے گا^(۲)۔

جہاں تک شافعیہ کا تعلق ہے، تو ربلی نے کہا ہے: سفیہ بذات خود زکاۃ ادا نہیں کرے گا، لیکن اگر ولی اس کو اجازت دے دے اور مستحق زکاۃ شخص کی تعیین کر دے تو اس کے لئے ادا کرنا صحیح ہوگا، جیسا کہ اجنبی کے لئے درست ہے کہ سفیہ کو ادائیگی کا وکیل بنائے، اور اس کی جانب سے زکاۃ کی ادائیگی ولی یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہونی چاہئے، اس لئے کہ اگر سفیہ تنہا ہوگا تو ممکن ہے مال ضائع کر دے یا اس کی ادائیگی کا جھوٹا دعویٰ کرے، ربلی نے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی کہ ولی آیا زکاۃ ادا کرے گا یا اس کے رشد تک مؤخر کرے گا^(۳)۔

جز پالیا اور اس کی انجام دہی ایک مکمل روزہ کے بغیر ناممکن ہے، لیکن جس نے رات سے روزہ رکھا اور صبح روزہ کی حالت میں رہا پھر بالغ ہوا، تو اس پر قضا نہیں ہے، حنابلہ میں سے ابو الخطاب کو اس سے اختلاف ہے۔

حنفیہ، مالکیہ نیز شافعیہ نے اپنے اصح قول میں کہا ہے کہ ایسے شخص پر قضا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وہ پورا وقت نہیں پاسکا، ان حضرات نے روزہ اور نماز میں فرق کیا، کیونکہ ان کے نزدیک نماز کے وقت میں بالغ ہونے پر وہ نماز واجب ہو جاتی ہے، اس لئے کہ نماز میں وجوب کا سبب اس کی ادائیگی سے متصل وقت کا جز ہے، لہذا اس کے حق میں اہلیت پائی گئی، لیکن روزہ میں وجوب کا سبب اول جز ہے اور اس جز میں اہلیت نہیں پائی گئی ہے، یہ علت حنفیہ نے بتائی ہے۔

المغنی میں ہے کہ امام اوزاعی کی رائے یہ ہے کہ لڑکا اگر ماہ رمضان کے دوران بالغ ہو جائے تو بلوغ کے قبل رمضان کے گزرے ہوئے دنوں کی قضا کرنی ہوگی اگر ان دنوں میں روزہ نہ رکھا ہو، یہ رائے عام اہل علم کی رائے کے خلاف ہے^(۱)۔

چہارم - زکاۃ:

۳۵ - نابالغ پر وجوب زکاۃ کے مسئلہ میں فقہاء میں اختلاف ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک اس پر زکاۃ واجب ہے، اس لئے کہ وجوب زکاۃ کا تعلق مال سے ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نابالغ پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ زکاۃ ایک عبادت ہے جو مکلف شخص پر لازم آتی ہے اور بچہ مکلف لوگوں میں شامل نہیں ہے، پس جب بچہ بالغ ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاۃ کا سال اس کے بلوغ کے وقت سے شروع ہوگا اگر وہ

(۱) ابن ماجہ ص ۴۲، المغنی ص ۶۳۲، زکاتی ص ۱۳۱۔

(۲) ابن ماجہ ص ۵۹۳، فتح القدیر والعنایہ ص ۱۹۸۔

(۳) نہایہ المحتاج ص ۳۶۱۔

(۱) ساتھ مراجع۔

بلوغ ۳۶-۳۷

مالکیہ اور حنابلہ نے جہاں تک ہم ان کا کلام دیکھ سکے ہیں اس مسئلہ پر گفتگو ہی نہیں کی ہے۔

پنجم- حج:

۳۶- اگر صغیر حج کرے پھر بالغ ہو تو اس پر دوسرا حج واجب ہوگا، جو اس کے حق میں حج اسلام ہوگا، اور بلوغ سے پہلے کیا گیا حج اس کے لئے کافی نہیں ہوگا، اس پر ترمذی اور ابن المنذر نے اجماع نقل کیا ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَجْلِدَ فِي صَلَواتِ الْمُؤْمِنِينَ عَهْدًا، أَيْمًا مَمْلُوكَ حَجَّ بِهِ أَهْلُهُ فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يَعْتِقَ فَقَدْ قَضَى حَجَّهُ، وَإِنْ عَتِقَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ فَلْيَحِجَّ، وَإَيْمًا غُلَامَ حَجَّ بِهِ أَهْلُهُ قَبْلَ أَنْ يَدْرِكَ، فَقَدْ قَضَى حَجَّتَهُ، وَإِنْ بَلَغَ فَلْيَحِجَّ" (۱) (میں چاہتا ہوں کہ مومنین کے سینوں میں عہد کی تجدید کروں، جس غلام کو اس کے گھر والوں نے حج کر لیا اور وہ آزاد ہونے سے پہلے مر گیا تو اس نے اپنا حج ادا کر لیا، اور اگر مرنے سے پہلے آزاد ہو گیا تو وہ حج کرے، اور جس بچہ کو اس کے گھر والوں نے بلوغ سے پہلے حج کر لیا اس نے اپنا حج پورا کر لیا، اور اگر بالغ ہو جائے تو چاہئے کہ حج کر لے)، اور اس لئے بھی کہ حج بدنی عبادت ہے جسے اس نے وجوب کے وقت سے پہلے انجام دیا تو وقت پر وجوب سے وہ حج مانع نہیں ہوگا، رہی کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ حج پوری زندگی کا عمل ہے جو مکرر نہیں ہے، تو حالت کمال میں اس کی ادائیگی معتبر ہوگی (۲)۔

۳۷- اگر مرابط لڑکا (یا مربتہ لڑکی) اس حال میں بالغ ہوا کہ وہ میقات کے اندر احرام کی حالت میں ہے، تو اگر اس کا بلوغ اس وقت ہو جب وہ میدان عرفہ میں مقیم ہے، یا قوف عرفہ سے قبل بالغ ہوا، یا قوف عرفہ کے بعد بالغ ہوا لیکن دسویں ذی الحجہ کی فجر سے پہلے لوٹ کر عرفات میں قوف کر لیا اور مناسک حج مکمل کئے تو کیا اس کا نذر ایضاً حج ادا ہو گیا؟

امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اس کا نذر ایضاً حج ادا ہو جائے گا، اس پر دم واجب نہیں ہوگا اور نہ اس حج کے لئے احرام کی تجدید کرے گا، اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں: "اگر غلام قوف عرفات میں آزاد ہوا تو اس کا وہ حج کافی ہوگا، لیکن اگر جمع یعنی مزدلفہ میں آزاد ہوا تو حج فرض کی طرف سے یہ حج کافی نہیں ہوگا"، اور اس مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے کہ غلام کے علاوہ دوسرا کوئی آزاد بالغ شخص عرفات میں احرام باندھے اور حج کے مناسک پورے کر لے تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا، تو اسی طرح جو لڑکا عرفہ میں بالغ ہوا اس کا فرض حج ادا ہو جانا چاہئے۔

حنفی کا مسلک یہ ہے کہ اگر بلوغ کے بعد قوف عرفہ سے قبل احرام کی تجدید کر لے تو حج فرض ادا ہو جائے گا، اور اگر احرام کی تجدید نہ کرے تو فرض حج ادا نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا احرام نفل منعقد ہوا ہے تو یہ احرام فرض میں نہیں بدلے گا، فقہاء حنفیہ کہتے ہیں: احرام اگر چہ حج کے لئے شرط ہے لیکن وہ رکن کے مشابہ ہے، اس لئے ہم نے عبادت میں احتیاط کے بطور احرام کو شبہ رکن تصور کیا۔

امام شافعی سے ایک روایت ہے، جیسا کہ مختصر مزی میں ہے کہ اس صورت میں اس پر دم واجب ہوگا، یعنی اس لئے دم واجب ہوگا کہ وہ بغیر احرام میقات سے گزرنے والے کی طرح ہے۔

امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اس سے حج فرض ادا ہی نہیں ہوگا، وہ

(۱) حدیث: "أَيْمًا مَمْلُوكَ " کو امام شافعی (بدائع المنہج ۱/ ۲۹۰ طبع دار الانوار) اور امام طحاوی (۲/ ۲۵۷ طبع مطبعة الانوار الحمدیہ) نے ابن عباسؓ پر مستوفیاً نقل کیا ہے ابن حجر نے فتح الباری (۳/ ۷۰ طبع المستطیع) میں اسے صحیح بتلایا ہے۔

(۲) المغنی ۳/ ۲۳۸، نہایتہ المحتاج ۳/ ۲۳۳، شرح فتح القدیر ۲/ ۳۳۲۔

بلوغ ۳۸-۳۹

ہوگی، اس لئے کہ اس کی بنیاد میں ضعف ہے، لہذا تقاضی کی جانب رجوع پر موقوف رہے گا۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں: ان دونوں کو اختیار حاصل نہیں ہوگا، جیسے باپ یا دادا کے کئے ہوئے نکاح میں اختیار نہیں ہوتا ہے، کنواری لڑکی کو اگر اختیار حاصل ہو اور عقد نکاح کا اسے علم ہو تو محض خاموشی سے اختیار ساقط ہو جائے گا، اور بلوغ یا علم نکاح کے آخر مجلس تک اختیار باقی نہیں رہے گا، یعنی اگر وہ بالغ ہوئی اس حال میں کہ وہ نکاح سے واقف ہے، یا بلوغ کے بعد نکاح کا علم ہوتا ہے تو بلوغ یا علم ہونے کے وقت فوری فسخ کرنا ضروری ہے، اگر تھوڑی دیر بھی خاموش رہی تو اختیار باطل ہو جائے گا، خواہ وہ مجلس (بلوغ یا علم) تبدیل نہ ہوئی ہو، اسی طرح مجلس بلوغ یا مجلس علم نکاح کے آخر تک بھی اختیار باقی نہیں رہے گا، اگر لڑکی کو مسئلہ نہ معلوم ہو کہ اسے اختیار بلوغ حاصل ہے یا یہ نہ معلوم ہو کہ یہ اختیار آخر مجلس تک باقی نہیں رہے گا، اور اختیار سے لاعلمی کا دعویٰ عذر نہیں ہوگا، اس لئے کہ دارالاسلام میں جہل ولا علم کا عذر معتبر نہیں ہے، یہ رائے امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کی ہے۔

امام محمد کہتے ہیں کہ لڑکی کا اختیار اس وقت تک باقی رہے گا جب تک وہ جان نہ لے کہ اسے اختیار حاصل ہے، نابالغ لڑکے اور شبہ لڑکی - خواہ شبہ پہلے سے ہو یا وہ باکرہ رہی ہو اور شوہر نے اس سے ازدواجی تعلق قائم کیا ہو، پھر وہ بالغ ہوئی - ان دونوں کا اختیار خاموشی سے باطل نہیں ہوگا جب تک کہ صریح رضامندی یا دلالت رضامندی جیسے بوسہ لیما، چھونا، مہر ادا کرنا نہ پائے جائیں، یہ اختیار مجلس سے اٹھ جانے سے بھی باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کے اختیار کے استعمال کی مدت پوری عمر ہے، لہذا جب تک رضامندی نہ پائی جائے اختیار باقی رہے گا^(۱)۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۳۰۵-۳۰۶، ۳۰۹-۳۱۰، ۳۱۱ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، جامع الفصولین ۱/ ۲۸۸-۲۸۹، أنفع الوسائل فی تحریر المسائل للطبرسی ص ۱۳، ۱۵، طبع مطبعہ الشرق۔

بلوغ کے بعد احرام کی تجدید بھی نہیں کرے گا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جس احرام میں وہ بالغ ہوا ہے اسے جاری رکھے اور اس سے حج فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی^(۱)۔

۳۸- اگر لڑکا بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ جائے پھر بالغ ہو اور میقات تک واپس آنے کے بجائے اسی جگہ سے احرام باندھ لے، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور یہی حنابلہ کی ایک روایت ہے، یہ کافی ہوگا، اس پر دم واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ مکی اور میقات کے اندر رہنے والے کی طرح ہے۔

امام شافعی کی رائے ہے اور یہی امام احمد کی دوسری روایت ہے کہ اگر وہ میقات واپس نہ آئے تو اس پر دم واجب ہوگا، اس لئے کہ وہ بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھا ہے^(۲)۔

ششم - اختیار بلوغ:

بچپن میں لڑکی یا لڑکے کی شادی پر اختیار:

۳۹- اکثر حنفیہ کے نزدیک اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی خواہ لڑکی شوہر دیدہ ہو، کی شادی باپ اور دادا کے علاوہ مثلاً بھائی یا چچا وغیرہ نے کفو میں مہر مثل کے ساتھ کی ہو تو نکاح صحیح ہوگا، لیکن ان دونوں کو بلوغ کے وقت فسخ نکاح کا اختیار ہوگا، بشرطیکہ ان دونوں کو بلوغ سے پہلے یا بلوغ کے وقت عقد نکاح کا علم ہو یا بلوغ کے بعد انہیں عقد کا علم ہو، بایں طور کہ بلوغ کے وقت تو نکاح کا علم نہ ہو پھر اس کے بعد علم ہو گیا ہو، اگر وہ دونوں فسخ کو اختیار کریں تو تقاضی کے ذریعہ فسخ کی تکمیل

(۱) المغنی ۳/ ۲۳۸، نہایۃ الحاج ۳/ ۲۳۳، الام ۲/ ۳۰۰، مختصر المحرر ۱/ ۷۰،

شرح فتح القدیر مع حواشی ۲/ ۳۳۲، المدونہ ۱/ ۳۸۱۔

(۲) شرح فتح القدیر ۳/ ۲۷۳، الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۱۷، المدونہ ۱/ ۳۸۰،

۳۸۱، مللہا فی ۲/ ۳۰۰، المغنی ۳/ ۲۶۸۔

اگر صغیرہ کی شادی تاقضی نے کفو میں کر دی اور اس کا باپ یا دادا فاسق ہو تو امام ابوحنیفہ کی اظہر روایت میں اسے خیار حاصل ہوگا، اور یہی امام محمد کا قول ہے^(۱)۔

۴۰- مالکیہ کے نزدیک اگر صغیر کے ولی نے خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور، اس کا عقد ایسی شرائط پر کر دے جو عقد میں لگائی گئی ہوں اور وہ شرائط ایسی ہوں کہ مکلف کی جانب سے واقع ہونے پر لازم ہوتی ہوں، مثلاً لڑکی کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ اگر لڑکے نے اس لڑکی کے رہتے ہوئے دوسری شادی کی تو اس لڑکی کو یا اس دوسری بیوی کو طلاق ہوگی، یا صغیر نے اپنا عقد نکاح خود سے شرائط پر کر لیا اور اس کے ولی نے ان شرائط کی اجازت دے دی، پھر وہ بالغ ہوا اور بلوغ کے بعد ان شرائط کو ناپسند کرتا ہے، اور حال یہ ہو کہ اس نے بیوی سے دخول نہ کیا ہو، نہ بلوغ سے پہلے اور نہ بلوغ کے بعد، شرائط کو جانتے ہوئے، تو صغیر کو اختیار ہوگا کہ یا تو نکاح کو باقی رکھ کر شرائط کی پابندی کرے یا شرائط کی پابندی نہ کرے اور ایک طلاق دے کر نکاح فسخ کر دے، اور اس کی نوبت اس وقت آئے گی جب شرائط ختم کرنے پر عورت راضی نہ ہو، اس مسئلہ میں صغیرہ کا حکم وہی ہے جو صغیر کا ہے، تفصیل کتب فقہ کے باب الولایۃ میں دیکھی جائے^(۲)۔

اگر صغیر نے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا عقد نکاح کر لیا تو اس کے ولی کو اختیار ہوگا کہ ایک طلاق سے اس کا عقد فسخ کرے، اس لئے کہ یہ نکاح صحیح ہے، صرف اتنی سی بات ہے کہ نکاح لازم نہیں ہے، مالکیہ میں سے ابن الموازن نے کہا ہے کہ اگر ولی نے بچہ کا عقد نکاح رو نہیں کیا جب کہ فسخ نکاح ہی مفاد و مصلحت کا تقاضا تھا، یہاں تک کہ لڑکا بڑا ہو گیا اور ولی کی ولایت سے نکل گیا تو نکاح جائز ہو گیا، اب خود لڑکے

کو غور کا اختیار حاصل ہونا چاہئے کہ نکاح کو باقی رکھے یا رد کر دے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلوغ کے بعد لڑکے کو اختیار کا حق ملے^(۱)۔
تفصیل باب ”الولایۃ“ میں دیکھی جائے۔

۴۱- شافعیہ اپنے ایک قول میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر صغیر کی شادی اس کے باپ نے کسی عیب والی عورت سے کیا ہو تو نکاح صحیح ہوگا اور بالغ ہونے پر اس کو خیار حاصل ہوگا، لیکن مذہب شافعیہ یہ ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ نکاح پسند و خوش حالی کے خلاف ہے^(۲)۔

اگر صغیر کی شادی اس کے باپ نے غیر کفو میں کر دی تو اصح قول کے مطابق یہ نکاح اس صورت میں درست ہے، اس لئے کہ مرد کو اپنے غیر کفو کو فراش بنانے میں کوئی عار نہیں ہوتا، البتہ اسے خیار حاصل ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ عقد صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ ولایت مصلحت سے وابستہ ہے، اور غیر کفو میں شادی کرنا مصلحت کے خلاف ہے^(۳)۔

اگر باپ یا دادا نے صغیرہ کی شادی غیر کفو میں کر دی تو بالغ ہونے پر صغیرہ کو خیار حاصل ہوگا، اس لئے کہ یہ شادی خلاف اظہر قول کی رو سے صحیح واقع ہوئی ہے، اور عدم کفو کے نقص کی وجہ سے خیار ثابت ہوگا۔

اظہر قول کے مطابق یہ شادی باطل ہے^(۴)۔

۴۲- حنابلہ کے نزدیک باپ کے علاوہ کسی اور کو صغیرہ کی شادی کرنے کا جواز نہیں ہے، پس اگر باپ نے صغیرہ کی شادی کی تو اس صورت میں صغیرہ کو خیار حاصل نہیں ہوگا، لیکن باپ کے علاوہ کسی اور

(۱) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/۲۴۱۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۶/۲۵۵ طبع المکتبۃ الاسلامیۃ الریاض۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۶/۲۵۶۔

(۴) نہایۃ المحتاج ۶/۲۴۹۔

(۱) جامع الفصولین ۲/۲۹ طبع مول المصطفیٰ الازہریہ۔

(۲) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/۲۴۱-۲۴۲، الخرش علی مختصر ضلیل ۱۹۹/۳۔

ہفتم۔ بلوغ کی وجہ سے ولایت علی النفس کا اختتام:

۴۳۔ حنفیہ کے نزدیک آزاد عورت پر ولایت نکاح کے تعلق سے ولایت علی النفس مکلف ہونے (یعنی بلوغ و عقل) سے ختم ہو جاتی ہے، لہذا مکلف آزاد عورت کا نکاح ولی کی رضا مندی کے بغیر درست ہے، اور اس پر طلاق و وراثت وغیرہ احکام مرتب ہوں گے۔

کنواری لڑکی کی پرورش اس کے بالغ ہو جانے پر ختم ہو جائے گی جس طرح حیض وغیرہ سے عورتیں بالغ ہوتی ہیں، اگر وہ لڑکی نو عمر ہو تو باپ اسے اپنے ساتھ رکھے گا خواہ اس پر فساد کا اندیشہ نہ ہو، والد موجود نہ ہو تو بھائی اور چچا بھی رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ان دونوں کی جانب سے لڑکی پر اندیشہ نہ ہو، ورنہ قاضی کسی قابل اعتماد عورت کو متعین کر کے یہ لڑکی اس کے سپرد کر دیگا، اور عورت پر باپ کی ولایت اس وقت ختم ہوگی جب وہ اچھی عمر والی ہوگئی ہو اور اس کی رائے میں پختگی آگئی ہو، تو پھر وہ جہاں چاہے رہ سکتی ہے جب کہ اس پر اندیشہ نہ ہو، اور اگر وہ لڑکی یتیم ہو تو والد اپنے ساتھ نہیں رکھے گا **إلا** یہ کہ اسے اپنے نفس پر اطمینان نہ ہو تو باپ اور دادا ساتھ رکھیں گے، ان دونوں کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں جیسا کہ ابتداء میں ہے۔

لڑکے پر باپ کی ولایت اس وقت ختم ہوگی جب وہ بالغ و عاقل اور صاحب رائے ہو جائے، **إلا** یہ کہ اس کے نفس پر اطمینان نہ ہو مثلاً وہ فساد والا ہو اور اس پر اندیشہ ہو تو والد کو اسے اپنے ساتھ رکھنے کی ولایت حاصل ہوگی تاکہ فتنہ اور عار کو وہ دور کر سکے اور اس سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو تو اس کی تادیب کر سکے، کنواری، یتیم اور لڑکے کے حق میں دادا کے لئے بھی وہی احکام ہیں جو باپ کے لئے اوپر مذکور ہوئے ^(۱)۔

مالکیہ کے نزدیک صغیر کے حق میں ولایت علی النفس اس کے

نے اس کی شادی کی تو نکاح باطل ہوگا، اور ایک روایت میں ہے کہ باپ کے علاوہ کسی اور کی کرانی شادی بھی درست ہے، اور بالغ ہونے پر صغیرہ کو اختیار حاصل ہوگا جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے، اور کہا گیا ہے کہ نو برس کی عمر ہونے پر اختیار حاصل ہوگا، اس سے پہلے اگر طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور اس کا اختیار باطل ہوگا، اسی طرح اگر نو سال پورے ہونے پر اس کے شوہر نے وطی کی اور اس نے اختیار استعمال نہیں کیا تو اختیار باطل ہو جائے گا ^(۱)۔

صغیر کے ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی شادی کسی معیوب خاتون سے کرے جس کے عیب کی وجہ سے نکاح رد کر دیا جاتا ہے، اسی طرح صغیرہ کے ولی کو بھی ایسے معیوب مرد سے اس کی شادی کرنے کا اختیار نہیں ہے جس عیب کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا جاتا ہے، اس لئے کہ ولی کی ذمہ داری ہے کہ ان دونوں کے مفاوہ اور بھلائی کے مطابق کام کرے، اور ایسے نکاح میں ان دونوں کا کوئی مفاوہ نہیں ہے، پس اگر غیر مکلف لڑکے یا لڑکی کے ولی نے قابل رد عیب زدہ شخص سے شادی عیب کو جانتے بوجھتے کر دی تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ ولی نے ان دونوں کے لئے ایسا عقد کیا ہے جو جائز نہیں ہے، اور اگر ولی کو علم نہ ہو کہ شوہر معیوب ہے تو عقد صحیح ہو جائے گا، لیکن عیب کا علم ہونے پر عقد کو فسخ کرنا واجب ہوگا، لیکن ”المنتهی“ میں اس کے برعکس تحریر ہے جس سے وہم ہوتا ہے کہ فسخ مباح ہوگا، حنا بلہ میں سے بعض نے کہا کہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا، اور ان دونوں کے خیار کے لئے بلوغ کا انتظار کیا جائے گا ^(۲)۔

تفصیلات باب النکاح اور ولایت میں دیکھی جائیں۔

(۱) شرح منہج الارادات ۱۸۵/۲ طبع مکتبہ دار العروب مطالب ولی النفس فی شرح غایۃ المنتہی ۱۳۹/۵۔

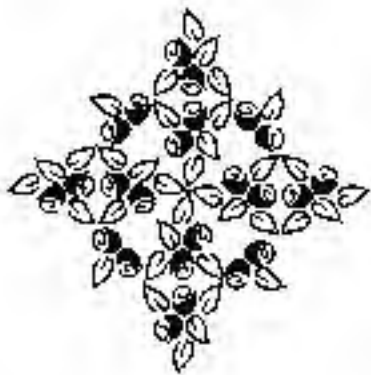
(۲) المنہج ۳۸۹/۶۔ ۵۳۶/۴، مطالب ولی النفس فی شرح غایۃ المنتہی ۱۵۳/۵۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار روح الشیخ ابن عابدین ۶۳۱/۲، ۶۳۲۔

ہشتم - ولایت علی المال:

۴۴- ولایت علی المال صغیر کے عقل کے ساتھ بالغ ہونے سے ختم ہو جاتی ہے، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور اس پر سے پابندی اٹھ جاتی ہے، لیکن اس کے لئے باتفاق فقہاء بشرط ہے کہ وہ رشید ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَابْتَغُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ، فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ" (۱) (اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں تو اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھ لو تو ان کے حوالہ ان کا مال کرو)۔

اس مسئلہ میں اختلاف تفصیل ہے جس کے لئے ابواب حجر کی جانب رجوع کیا جائے (۲)۔



فطری بلوغ سے ختم ہو جائے گی، یعنی وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائے تو جہاں چاہے وہ جاسکتا ہے، لیکن اگر اس کی خوبصورتی وغیرہ کی وجہ سے اس پر فساد کا اندیشہ ہو یا اس کے دوست اور یار بُرے لڑکے ہوں اور ان سے ان کو فاسد اخلاق کی عادت پڑ گئی ہو تو وہ والد کے ساتھ ہی رہے گا جب تک کہ اس کے اخلاق اچھے نہ ہو جائیں، اور اگر لڑکا بلوغ کے وقت پختہ عقل ہو تو جہاں چاہے جاسکتا ہے، کیونکہ اس کی ذات کی نسبت سے پابندی ختم ہو چکی ہے، اور لڑکا اگر بالغ ہو جائے خواہ بیمار یا مجنون ہو تو مشہور قول کے مطابق اس سے ماں کی پرورش ساقط ہو جائے گی۔

جہاں تک لڑکی کا تعلق ہے تو ماں کا حق حضانت اور ولایت علی النفس اس وقت تک باقی رہے گی جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے^(۱)، شافیعیہ کے نزدیک صغیر خواہ لڑکا ہو یا لڑکی محض بالغ ہونے سے اس پر ولایت ختم ہو جائے گی^(۲)۔

حنا بلہ کے نزدیک حضانت صرف بچہ یا معتوہ پر ثابت ہوتی ہے، عاقل بالغ پر حضانت نہیں ہے، اگر وہ مرد ہے تو والدین سے علاحدہ تنہا رہ سکتا ہے، اور اگر عورت ہے تو وہ تنہا نہیں رہ سکتی ہے، اس کا باپ اسے اکیلے رہنے سے روک سکتا ہے، اس لئے کہ اسے اطمینان نہیں ہے کہ لڑکی کے پاس ایسے لوگ آئیں جو اسے بگاڑ دیں اور لڑکی اور اس کے خاندان کو عار لگ جائے، اور اگر اس کا باپ نہ ہو تو اس کے ولی اور خاندان والوں کو حق ہے کہ اس کو تنہا رہنے سے روک دیں (۳)۔

(۱) سورہٴ نساء - ۶۶

(۲) رد المحتار علی الدر المختار ۱۵/ ۹۳، ۹۵، البحر الرائق شرح کتبخ الدقائق ۱۹۰-۱۹۱، حاشیة الدسوقي علی المشرح الکبیر ۳۹۶، شرح الررقانی ۱۵/ ۲۹۳، ۲۹۷، الخرش ۱۵/ ۲۹۳، ۲۹۷، نہایۃ المحتاج ۳۵-۳۶، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۳، شرح منہاج الطالبین ۲۲۹-۲۳۰، ۲۳۲، المغنی لابن قدامع المشرح الکبیر ۳/ ۵۱۲، ۵۱۶-۵۱۷، تفسیر القرطبی ۲/ ۳۲، ۳۱، کشف القناع ۳/ ۱۱، ۱۷-۱۸.

(۱) حاشیة الدسوقي على المشرح الكبير ۳/ ۲۹۲-۲۹۳، الخرشبي ۲۰۷-۲۰۸،
۵/ ۲۹۱، شرح الحرثاني ۲/ ۲۶۳، ۵/ ۲۹۰.

(۲) نہایت مختصراً ۵۴۳ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح منہاج الطالبین ۳۰۰/۲۔

(۳) المغنی ۷/ ۶۱۴۔

بھول کر سلام پھیر دیا تو وہ اپنی نماز پر بناء (اسی نماز کو مکمل) کرے گا اور سجدہ سہو کرے گا۔

اگر نمازی کو نماز میں نکسیر پھوٹ جائے لیکن خون کپڑا یا بدن میں نہ لگے تو وہ اپنی نماز کی بناء کرے گا (یعنی نماز پوری کرے گا)۔

اگر مؤذن نے اذان کے دوران عمد آیا سہو بات کر لی تو بناء کرے گا، از سر نو دوبارہ نہیں دے گا۔

اگر خطبہ جمعہ کے دوران مسجد سے لوگ نکل جائیں پھر طویل فصل سے پہلے لوٹ آئیں تو امام اسی خطبہ کو جاری رکھے گا جو ان کی موجودگی میں دے رہا تھا، پھر سے شروع نہیں کرے گا۔

اسی طرح لفظ بناء کا استعمال فقہی قاعدہ پر تفریع یعنی اس پر مسئلہ کی تخریج کے لئے بھی ہوتا ہے۔

متعلقہ الفاظ:

الف- ترمیم:

۲- ترمیم عمارت کی اصلاح کو کہتے ہیں (۱)۔

ب- عمارۃ:

۳- عمارۃ وہ شئی ہے جس سے جگہ کو آباد کیا جائے، اس لفظ کا اطلاق گھر کی تعمیر پر بھی ہوتا ہے، عمارۃ کی ضد خراب یعنی ویران ہے، خراب اس جگہ کے لئے بولتے ہیں جو آباد رہنے کے بعد ویران و خالی ہو جائے (۲)۔

ج- اصل:

۴- ”اصل“ لغت میں کسی چیز کے نچلے حصہ کو کہتے ہیں۔

(۱) أساس البلاغ، مادۃ ”رکب“۔

(۲) الصحاح، المصباح، مقنن اللغة، مادۃ ”خراب“۔

بناء

تعریف:

۱- ”بناء“ لغت میں ایک شئی کو دوسری شئی پر اس طرح رکھنے کو کہتے ہیں جس سے اس کو پائیدار کرنا مقصود ہو (۱)۔

اس کا اطلاق گھر وغیرہ کے بناء پر ہوتا ہے، اس کی ضد ہدم (گرا نا) اور نفقش (تورنا) ہے۔

لفظ ”بناء“ کا اطلاق بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلق پر بھی ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: ”بنی علی اہلہ“، ”بنی باہلہ“ (اپنی زوجہ سے جماع کیا)، ان دونوں میں پہلا جملہ زیادہ فصیح ہے اور اس سے عقد نکاح کے بعد جماع مراد ہوتا ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ مرد جب شادی کرتا ہے تو لہن کے لئے نیا خیمہ بناتا ہے اور اسے تمام ضروریات سے آراستہ کرتا ہے (۲)۔

فقہاء اس لفظ کا استعمال گھر وغیرہ کے لئے کرتے ہیں، نیز عبادات میں ایسا خلل آجائے جس سے اس کی تجدید ضروری نہ ہو تو پہلی نیت سے ہی اس عبادت کو مکمل کر لینے کے لئے بھی فقہاء اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔

اس کی مثال مندرجہ ذیل ہے:

مہبوق (جس کی رکعت چھوٹی ہوئی ہے) نے امام کے ساتھ

(۱) الکلیات ۱/۳۱۷۔

(۲) أساس البلاغ، مادۃ ”بنی“۔

کی تعمیر واجب ہوتی ہے، جیسے مجبور شخص کے لئے گھر کی تعمیر، اگر اس میں واضح طور سے اس کا ایسا مفاد ہو کہ وہ بعد میں حاصل نہ ہو سکتا ہو۔

کبھی مکان بنانا حرام ہوگا، جیسے مشترکہ منفعت والی جگہوں مثلاً عام راستہ پر مکان بنایا جائے، یا لہو ولعب کے لئے بنایا جائے، یا نقصان پہنچانے کی نیت سے مثلاً پڑوسی کی ہوا بند کرنے کے لئے بنایا جائے۔

کبھی مستحب ہوتا ہے، جیسے مساجد، مدارس، اسپتال اور ہر ایسے کام کے لئے تعمیر جس میں مسلمانوں کا عمومی فائدہ ہو اور کسی واجب ذمہ داری کی تکمیل اس پر منحصر نہ ہو، ورنہ تو اس کی تعمیر واجب ہوگی، اس لئے کہ کسی واجب کی تکمیل جس چیز پر منحصر ہو وہ چیز بھی واجب ہو جاتی ہے۔

اور کبھی مکان کی تعمیر مکروہ ہوتی ہے، جیسے بغیر ضرورت اونچی عمارتیں بنائی جائیں^(۱)۔

مکان کی تعمیر کا ولیمہ:

۷- یہ مستحب ہے، جس طرح کسی خوشی کے حصول یا پریشانی کے ازالہ پر ولیمہ کئے جاتے ہیں، اور مکان کی تعمیر کے ولیمہ کو ”وکیلہ“ کہتے ہیں، اور اس کی نکاح کے ولیمہ کی طرح تاکید نہیں ہے^(۲)۔

بعض شافعیہ نے اس ولیمہ کے وجوب کا ایک قول ذکر کیا ہے، اس لئے کہ امام شافعی نے مختلف اقسام کے ولیموں کے ذکر کے بعد کہا، انہی میں سے وکیلہ ہے اور میں اس کے ترک کی اجازت نہیں دیتا۔

(۱) روحہ الطائین ۷/۳۳۲، حاشیہ ابن ماجہ ۵/۲۲۱، المغنی ۷/۱۱۔

(۲) مواہب الجلیل ۳/۳۳، بلغۃ السالک ۲/۱۳۲۔

اصطلاح میں ”اصل“ وہ ہے جس پر دوسری چیز کی بنیاد رکھی جائے، اس کے بالمقابل لفظ ”فرع“ ہے، نیز اس لفظ کا استعمال ”راجح“، ”دلیل“، ایسا قاعدہ جو جزئیات کو جمع کر لے اور اس پر جس سے کوئی چیز متفرع ہو جیسے باپ جس سے اس کی اولاد متفرع ہوتی ہے، ان سب معانی کے لئے ہوتا ہے^(۱)۔

۵- عقار:

۵- عقار (غیر منقولہ جائیداد وزمین) منقولہ کے برعکس ہوتا ہے، یہ ہر وہ ٹھوس ملکیت ہے جو زمین میں پائیدار ہوتی ہے^(۲)۔

اجمالی حکم:

اول: بناء (بمعنی مکان بنانا)

۶- بناء و تعمیر اصلاً مباح ہے، خواہ وہ سات گز سے زائد ہو، جہاں تک حدیث میں وارد ممانعت کا تعلق ہے: ”إذا أراد الله بعبده شراً أخضر له اللبن والطین، حتی یبني“^(۳) (جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کا بُرا چاہتا ہے تو اس کے لئے اینٹ اور مٹی کو اچھا و پسندیدہ بنا دیتا ہے تاکہ وہ تعمیر کرے) تو علامہ مناوی نے وضاحت کی ہے کہ اس ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جب تفاخر کے لئے بنایا جائے، یا ضرورت سے زائد بنایا جائے^(۴)، مکان پر بھی بقیہ پانچوں احکام مرتب ہوتے ہیں، چنانچہ کبھی مکان

(۱) الکلیات، مادۃ ”اصل“۔

(۲) الکلیات ۱۸۵/۳۔

(۳) حدیث: ”إذا أراد الله بعبده شراً أخضر له اللبن.....“ کو عراقی نے تخریج الاحیاء (۲۳۱/۳ طبع الحکمی) میں ابوداؤد کی طرف حضرت مالکؒ کی حدیث کے بطور منسوب کیا ہے اور اس حدیث کو جدید بتایا ہے۔

(۴) حاشیہ اقلیہ بی ۹۵/۵، فیض القدیر ۱/۲۶۳ طبع التجاریہ پور ”مصر“ لفظاً و معنی حسنی کی طرح ہے۔

بعض مالکیہ نے اسے مکروہ بتایا ہے، اور بعض مالکیہ سے مروی ہے کہ یہ ولیمہ مباح ہے۔
تفصیل اصطلاح ”ولیمہ“ میں دیکھی جائے۔

بناء کے احکام:

الف- کیا عمارت منقولہ اشیاء میں ہے؟

۸- حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ عمارت منقولہ سامانوں میں سے ہے^(۱)۔

بقیہ مسالک میں عمارت کا شمار غیر منقولہ سامانوں میں ہے^(۲)۔
تفصیل کے لئے اصطلاح ”عقار“ دیکھی جائے۔

ب- عمارت پر قبضہ:

۹- بیع میں عمارت پر قبضہ اس طرح ہوگا کہ خریدار کے لئے عمارت کو خالی کر دے اور خریدار کو اس میں تصرف پر قدرت دے دے، جیسا کہ حنفیہ اور شافعیہ نے صراحت کی ہے، یہ فقہاء فرماتے ہیں: تصرف پر قدرت دینے کی ایک شکل یہ ہے کہ مکان کی کنجی اس کے حوالہ کر دے، بشرطیکہ فروخت کنندہ نے عمارت کو اپنے سامان سے خالی کر دیا ہو اور کوئی شرعی یا حسی رکاوٹ بھی نہ ہو، فقہاء فرماتے ہیں: اس لئے کہ شارع نے قبضہ کو مطلق رکھا اور اس سے احکام وابستہ کئے، لیکن قبضہ کی کیفیت بیان نہیں کی، اور لغت میں قبضہ کی تعریف متعین نہیں ہے، لہذا عرف کا اعتبار کیا جائے گا، اور عرف میں قبضہ کی وہ شکل ہے جو ہم نے ذکر کی^(۳)، تفصیل کے لئے اصطلاح ”قبض“ دیکھی جائے۔

ج- فروخت شدہ مکان میں شفعہ:

۱۰- اگر زمین کے ساتھ مکان بھی ضمناً فروخت کیا جا رہا ہو تو ایسے مکان میں شفعہ جاری ہوگا، لیکن اگر تنہا مکان ہی فروخت کیا جائے تو اس میں شفعہ ثابت نہیں ہوگا، یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔

امام مالک اور عطاء کے نزدیک اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے کہ مکان میں بھی شفعہ ثابت ہوگا خواہ اسے تنہا فروخت کیا جائے^(۱)، دیکھئے: اصطلاح ”شفعہ“۔

و- مباح زمینوں میں تعمیر:

۱۱- جمہور فقہاء کی رائے میں مباح زمین پر تعمیر جائز ہے، خواہ حاکم سے اجازت نہ لی گئی ہو، صرف شارع کی اجازت کافی ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ مباح ہے جس طرح کلڑی کاٹنا اور شکار کرنا مباح ہے، لیکن چونکہ بعض علماء نے اس کے لئے حاکم کی اجازت ضروری قرار دی ہے، اس لئے اختلاف سے بچنے کے لئے اجازت لے لینا مستحب ہے^(۲)، یہ رائے شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ نیز حنفیہ میں سے امام ابو یوسف و امام محمد کی ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: حاکم کی اجازت کے بغیر تعمیر جائز نہیں ہے^(۳)، ان کی دلیل وہ حدیث ہے: ”لیس للممرء الا ما طابت به نفس امامہ“^(۴) (انسان کو صرف اسی چیز کا حق ہے جس پر اس

(۱) روح المعانی ۵/۶۹، البحر الرائق ۷/۲۱۶، المغنی لابن قدامہ ۵/۳۱۱، بدلیہ المجلد ۲/۲۲۸-۲۲۹۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/۳۶۱، الکافی ۱/۳۳۵۔

(۳) فتح القدیر ۳/۳۔

(۴) حدیث: ”لیس للممرء الا ما طابت به نفس امامہ“ کو طبرانی نے حضرت معاذ سے روایت کیا ہے جیسا کہ نصب الرایہ (۳/۲۹۰ طبع مجلس اعلیٰ) میں ہے، زبلی نے فرمایا: اس میں ضعف ہے۔

(۱) البحر الرائق ۷/۲۱۶، حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۳۸۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/۷۱، بدلیہ المجلد ۲/۲۲۸-۲۲۹، حاشیہ الدسوقی ۳/۷۶۳۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/۷۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۳۔

لئے بھی کہ اس نے دوسرے کی ملکیت میں اپنی وہ ملکیت شامل کر دی ہے جو اپنی ذات میں دوسرے کی اجازت کے بغیر قابل احترام نہیں ہے تو اس پر لازم ہوگا کہ اس دوسرے شخص کی ملکیت کو خالی و فارغ کرے، اور اگر زمین کا مالک بغیر عوض مکان لینا چاہے تو اسے یہ حق نہیں ہوگا^(۱)۔

حنفیہ کے یہاں اس صورت میں تفصیل ہے جب درخت یا مکان ایسے شرعی سبب کا گمان کر کے بنایا ہو جس کی وجہ سے بنانے والا معذور قرار پاتا ہو، ایسی صورت میں دیکھا جائے: اگر زمین کی قیمت مکان کی قیمت سے زائد ہو تو غاصب کو مکان توڑنے کا حکم دیا جائے گا، لیکن اگر زمین کی قیمت کم ہو تو توڑنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، بلکہ مکان والا زمین کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرے گا، اگر مکان ظلماً بنایا گیا ہو تو زمین کے مالک کو اختیار ہوگا کہ یا تو مکان ہٹانے کا حکم دے یا ایسی عمارت کو اپنی ملکیت میں لے لے جس کے توڑے جانے کا حق ثابت ہو گیا ہو^(۲)۔

مدت غصب کے دوران زمین کی منفعت کے ضمان اور اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء کے لئے اصطلاح ”غصب“ دیکھی جائے۔

ز۔ کرایہ کی زمین پر تعمیر:

۱۴۔ اگر کرایہ دار نے کرایہ کی زمین پر مکان تعمیر کر لیا تو مدت کرایہ داری ختم ہونے پر مکان ہٹانا اور زمین خالی کر کے مالک کو حوالہ کرنا کرایہ دار پر لازم ہوگا، اس لئے کہ مکان کی کوئی آخری انتہا نہیں ہوتی، اور مکان باقی رکھنے میں زمین کے مالک کا نقصان ہے، لہذا یہ کہ زمین کا مالک اس بات پر راضی ہو کہ توڑی ہوئی حالت میں مکان کی جو قیمت ہو

کے حاکم کی رضا مندی ہو)۔

دیکھئے: اصطلاح ”إحياء الموات“۔

ھ۔ زمین کو تعمیر کے لئے قبضہ میں لینا:

۱۲۔ اگر کسی شخص نے زمین کو تعمیر کے لئے قبضہ کیا اور اس میں اتنی مدت تک تعمیر نہیں کی جس مدت میں تعمیر ممکن ہے، اور نہ ہی کسی اور شکل میں اس زمین کو آباد کیا تو اس زمین پر اس کا حق ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ قبضہ کرنا تعمیر کا ذریعہ ہے، لہذا قبضہ سے تعمیر اسی قدر منحرف کی جائے گی جس قدر اس کے اسباب متقاضی ہوں، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں معاملہ کو قاضی کے پاس لے جایا جائے گا، اور طول مدت سے اس کا حق باطل نہیں ہوگا، بعض فقہاء نے یہ مدت تین سال بتائی ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: ”قبضہ کرنے والے کے لئے تین سال کے بعد حق نہیں ہے“، شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے، دیگر مسالک میں کچھ اختلاف اور تفصیل ہے^(۱) جس کے لئے اصطلاح ”إحياء الموات“ دیکھی جائے۔

و۔ غصب کی ہوئی اراضی میں تعمیر:

۱۳۔ اگر کسی نے غصب شدہ زمین پر مکان بنالیا اور زمین کے مالک نے مکان توڑنے کا مطالبہ کیا تو مکان توڑ دیا جائے گا، ابن قدامہ کہتے ہیں: اس مسئلہ میں ہمارے علم کے مطابق فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث نبوی ہے: ”لیس لعرق ظالم حق“^(۲) (ظالم شخص کی لگائی ہوئی چیز کا کوئی حق نہیں ہے)، اور اس

(۱) فتح القدیر ۵/۹۶، مغنی المحتاج ۲/۳۶۷، روح المعانی ۵/۲۸۷۔

(۲) حدیث: ”لیس لعرق ظالم حق“ کی روایت ابوداؤد (۳/۳۵۳ طبع عزت عبید دھاس) نے حضرت سعید بن زید سے کی ہے ابن حجر نے فتح الباری (۵/۱۹ طبع المستقیم) میں اسے قوی بتایا ہے۔

(۱) المغنی لابن قدامہ ۵/۳۸۹، مغنی المحتاج ۲/۳۹۱۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵/۳۱۱۔

کرایہ دار کو ادا کر دے اور مکان اپنی ملکیت میں لے لے تو صاحب مکان کی رضامندی سے وہ ایسا کر سکتا ہے، بشرطیکہ مکان توڑنے سے زمین کو نقصان نہ ہو، اور اگر مکان توڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو مالک زمین ٹوٹی ہوئی حالت میں مکان کی جو قیمت ہو ادا کر کے مکان کا مالک بن جائے گا، اس میں مالک مکان کی رضامندی ضروری نہیں ہوگی۔

حنفیہ کے نزدیک مطلق کرایہ داری اور ایسی کرایہ داری جس میں توڑنے کی شرط لگا دی گئی ہو، دونوں کے درمیان فرق نہیں ہے^(۱)۔

مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی نے طویل مدت جیسے نوے سال (ان حضرات کے مطابق جو اسے درست سمجھتے ہیں) کے لئے زمین کرایہ پر لی تاکہ اس میں تعمیرات کرے اور ایسا کیا، پھر مدت پوری گذر گئی اور مالک چاہتا ہے کہ کرایہ دار کو نکال دے اور اس کی تعمیرات کی منہدم شدہ حالت کی قیمت اسے ادا کر دے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، بلکہ اس پر واجب ہوگا کہ اپنی زمین میں تعمیرات کو باقی رہنے دے اور آئندہ کے لئے اجرت مثل وصول کرے، خواہ یہ کرایہ پر دی گئی زمین اس کی ملکیت ہو یا کسی مصرف پر وقف ہو^(۲)۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد مکان ہٹانے کی شرط لگائی گئی ہو تو کرایہ دار پر لازم ہوگا کہ شرط پوری کرتے ہوئے مکان ہٹالے، توڑنے سے مکان کو پہنچنے والے نقصان کا تاوان زمین کے مالک پر نہیں ہوگا، اور نہ ہی زمین کو برآمدہ اور درست کرنے کی ذمہ داری کرایہ دار پر ہوگی، اس لئے کہ مکان توڑنے پر دونوں راضی ہوئے ہیں، اور اگر معاملہ میں کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہو

بلکہ دونوں نے معاملہ کو مطلق رکھا ہو تو ایسی صورت میں کرایہ دار کو اپنا مکان ہٹالینے کا حق ہوگا، کیونکہ مکان اس کی ملکیت ہے، لہذا وہ اس کو حاصل کر سکتا ہے، البتہ مکان توڑنے کے بعد زمین کو برآمدہ کرنے کی ذمہ داری اسی پر ہوگی، اس لئے کہ زمین کا نقصان اس نے دوسرے کی ملکیت میں مالک کی اجازت کے بغیر پہنچایا ہے، اور اگر کرایہ دار مکان توڑنے سے انکار کرے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، لایہ کہ مالک زمین توڑنے کے نقصان کے تاوان کی ضمانت لینا ہو تو ایسی صورت میں کرایہ دار کو توڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔

جہاں تک مالک کا تعلق ہے تو اسے تین چیزوں کا اختیار ہے: یا تو کرایہ دار کو مکان کی قیمت ادا کر دے اور مکان کا مالک ہو جائے، یا مکان توڑ دے اور نقصان کے تاوان کا ضامن ہو، یا مکان باقی رہنے دے اور کرایہ دار سے اجرت مثل وصول کرے، تفصیل اصطلاح ”اجارہ“ میں دیکھی جائے^(۱)۔

ح - عاریۃ لی ہوئی زمین میں تعمیر:

۱۵ - اگر کسی نے عاریۃ کوئی زمین مکان بنانے کے لئے لی تو عاریت کی مدت ختم ہونے یا عاریت سے رجوع کر لینے کے بعد تعمیر کرنے کا اسے حق نہیں ہے، اگر ایسا کرتا ہے تو اس کا بنایا ہوا مکان توڑ دیا جائے گا اور اس کا حکم غاصب کا ہوگا، اور اس پر ضروری ہوگا کہ زمین کو برآمدہ کرے اور زمین کے نقصان کا ضمان ادا کرے، اس لئے کہ یہ عمل عدوان و زیادتی ہے^(۲)۔

اگر اس نے عاریت سے رجوع کئے جانے سے قبل تعمیر کی، تو اگر اس پر شرط لگائی گئی ہو کہ رجوع کے وقت بلا معاوضہ مکان توڑ لیا

(۱) فتح القدیر ۸/۲۵، روض الطالب ۲/۳۲۰، المغنی ۵/۳۹۰۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۳/۳۳۹۔

(۱) شرح روض الطالب ۲/۳۲۰، المغنی ۵/۳۹۰۔

(۲) روض الطالبین ۵/۳۳۷، المغنی ۵/۳۲۹۔

عی اصل ہے (۱)۔

ی۔ مساجد کی تعمیر:

۱۔ شہروں، گاؤں اور محلوں میں حسب ضرورت مساجد کی تعمیر فرض کفایہ ہے (۲)، اور وہ ان بڑے اعمال خیر میں سے ہے جن کی شارع نے ترغیب دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”فِي بُيُوتِ الَّذِينَ أُذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ“ (۳) (وہ) ایسے گھروں میں ہیں جن کے لئے اللہ نے اجازت دی ہے کہ انہیں بلند کیا جائے (بنایا جائے) اور ان میں اس کا نام لیا جائے، اور صحیح حدیث میں ہے: ”مَنْ بَنَى مَسْجِدًا، بَنَتْهُ بِيَّ بِيَّتْغِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ، بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ“ (۴) (جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے مسجد کی تعمیر کی اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی جیسا گھر جنت میں تعمیر کرے گا)، مساجد کی تعمیر میں جو امور ملحوظ رکھے جائیں گے ان کے لئے مسجد کی اصطلاح دیکھی جائے۔

ک۔ نجاست آمیز اینٹ سے تعمیر:

۱۸۔ شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ نجاست آمیز مواد و اشیاء سے گھروں وغیرہ کی تعمیر ضرورت کی وجہ سے جائز ہے جس طرح نجاست کو زمین میں بطور کھاؤ ڈالنا ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، اور ہی کہتے ہیں: ایسی چیز کے فروخت کرنے کی صحت پر عملی اجماع ہے (۵)۔

(۱) ابن ماجہ ۵/۵، کشاف القناع ۳/۱۱۱۔

(۲) کشاف القناع ۲/۳۶۳ طبع عالم الکتب بیروت۔

(۳) سورہ نور ۳۶۔

(۴) حدیث: ”مَنْ بَنَى مِثْلَهُ“ کی روایت بخاری (فتح ۵/۳۳ طبع المستقیم)

اور مسلم (۳/۲۲۸ طبع المصنوع) نے کی ہے۔

(۵) اقلیہ ۵/۵۵، مغنی المحتاج ۲/۱۱، تحفہ المحتاج ۳/۲۵۔

ہوگا تو شرط پر عمل کرتے ہوئے توڑنا ضروری ہوگا۔

اگر توڑنے کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو مفت نہیں توڑے گا، خواہ عاریت مطلقاً ہو یا کسی وقت تک کے لئے مقید ہو، اس لئے کہ مکان تقابل احترام مال ہے، لہذا اسے مفت میں توڑا نہیں جائے گا، اس صورت میں عاریت پر دینے والے شخص کو ان تین باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہوگا جو مطلق اجارہ کے سلسلہ میں مذکور ہوئیں، یہ تفصیل غیر حنفیہ کافی الجملہ مسلک ہے (۱)۔

حنفیہ نے مطلق عاریت اور موقت (کسی متعین وقت تک کے لئے) عاریت کے درمیان فرق کیا ہے، اگر عاریت موقت ہو اور مالک وقت سے قبل واپس لے لے تو توڑنے کی وجہ سے مکان کو پہنچنے والے نقصان کا وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ عاریت پر لینے والے کو مالک کی طرف سے دھوکا ہوا ہے، لیکن عاریت مطلق ہو تو اس صورت میں مالک پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، اس لئے کہ عاریت پر لینے والے کو خود دھوکا ہو رہا ہے، دھوکا دیا نہیں گیا ہے، کیونکہ اس نے معاملہ کے مطلق ہونے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ گمان کر لیا کہ مالک اسے طویل عرصہ تک چھوڑے رہے گا (۲)۔

ط۔ موقوفہ اراضی میں تعمیر:

۱۶۔ اگر کسی نے کرایہ پر لی ہوئی وقف کی زمین میں متولی وقف کی اجازت کے بغیر تعمیر کر لی تو اس کا مکان توڑا جائے گا اگر توڑنے سے زمین کو نقصان نہ پہنچتا ہو، اور وہ زمین کے ان منافع کا ضامن ہوگا جو اس کے ہاتھوں ختم ہوئی ہیں، اس مسئلہ میں ایسی صراحت حنفیہ نے کی ہے، غیر حنفیہ کے نزدیک ہر غصب شدہ شئی کی منفعت میں ضمان (۱) روض الطالب ۲/۳۳۳-۳۳۳، روحۃ الطالبین ۳/۳۳۸-۳۳۹، المغنی ۲/۳۳۹، الدسوقی ۳/۳۳۹۔

(۲) فتح القدیر ۶/۶۷، حاشیہ ابن ماجہ ۳/۵۰۳، ۵۰۵۔

ل۔ قبروں پر تعمیر:

۱۹۔ قبر کو پختہ کرنا اور اس پر تعمیر کرنا اس صورت میں مکروہ ہے جب قبر ایسی زمین میں ہو جو میت کی ملکیت رہی ہو، یا غیر آباد زمین میں ہو اور اس عمل سے فخر و مباہات مقصود نہ ہو، لیکن اگر وہ قبر کسی موقوفہ قبرستان میں ہو تو تعمیر کرنا حرام ہوگا، اور تعمیر کر دی گئی ہو تو اسے منہدم کر دیا جائے گا، اس لئے کہ اس عمل سے دوسرے لوگوں کو تنگی ہو جائے گی، اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تعمیر قبہ کی شکل میں ہو یا گھر ہو یا مسجد ہو^(۱)۔

قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کی ممانعت آئی ہے، ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: "لعن اللہ الیہود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد" (۲) (اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا)، اس کی تفصیل اصطلاح "قبر" میں دیکھی جائے۔

م۔ مشترکہ مقامات پر تعمیر:

۲۰۔ ایسے مقامات پر مخصوص شخصی تعمیر جائز نہیں ہے جن مقامات سے عام لوگوں کے حقوق متعلق ہوں جیسے عام راستے، صحراء میں عید گاہ، حج کے مقامات جیسے میدان عرفات اور مزدلفہ، اس لئے کہ اس سے لوگوں کو تنگی ہوگی، اور اس لئے بھی کہ یہ مقامات تمام مسلمانوں کے ہیں، لہذا کسی ایک کا انفرادی حق بنالیا درست نہیں ہوگا (۳)۔

ن۔ حمام کی تعمیر:

۲۱۔ امام احمد کی رائے ہے کہ حمام کی تعمیر مطلقاً مکروہ ہے، اور عورتوں کے لئے حمام بنانا مزید سخت مکروہ ہے، امام احمد کا قول منقول ہے کہ: جس نے عورتوں کے لئے حمام تعمیر کیا وہ عادل نہیں ہے^(۱)، بقیہ ائمہ کے نزدیک حمام کی تعمیر جائز ہے^(۲)۔

دوم۔ عبادات میں بناء:

یہاں پر "بناء" سے مراد عبادت منقطع ہو جانے کے بعد اسے مکمل کرنا ہے۔

۲۲۔ اگر کسی نے پاکی کی حالت میں نماز کی نیت باندھی، پھر اس نے بالقصد وضو توڑ دیا تو باتفاق فقہاء اس کی نماز باطل ہو جائے گی (۳)، لیکن اس کے ارادہ کے بغیر خود بخود وضو ٹوٹ جائے تو اس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، لہذا وہ پاک ہو کر اسی نماز پر "بناء" (پکی ہوئی نماز کی تکمیل) کرے گا، یہی امام شافعی کا قول قدیم ہے (۴)۔

مالکیہ کے نزدیک نماز میں بناء صرف وہ شخص کرے گا جس کا وضو نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے ٹوٹا ہو (۵)۔

شافعیہ کے جدید قول میں نماز باطل ہو جائے گی، بناء نہیں کی جائے گی، یہی حنابلہ کا مسلک ہے (۶)۔

(۱) کشاف القناع ۱/ ۱۵۸۔

(۲) جوہر الکلیل ۲/ ۱۹۵، ابن عابدین ۵/ ۳۳۔

(۳) روہۃ الطالبین ۱/ ۲۷۵، البدائع ۱/ ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳، جامعہ الدسوقی ۲۰۷۔

(۴) البدائع ۱/ ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳۔

(۵) جامعہ الدسوقی ۱/ ۲۰۷۔

(۶) روہۃ الطالبین ۱/ ۲۷۵، کشاف القناع ۱/ ۳۲۱۔

(۱) معنی المحتاج ۱/ ۶۳، بلعین المساک ۱/ ۳۲۷۔

(۲) حدیث: "لعن اللہ الیہود....." کی روایت بخاری (الفتح ۳/ ۲۰۰ طبع استغنیہ) اور مسلم (۱/ ۳۷۶ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۳) المغنی ۵/ ۵۷۶، معنی المحتاج ۲/ ۳۶۵، البدائع ۱/ ۲۶۵۔

بناء ۲۳-۲۵، بناء بالزوجه، بناء فی العبادات، بنان

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”حدث“ اور ”رعاف“۔ مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، دیکھئے: اصطلاح ”طواف“۔

بناء بالزوجه

دیکھئے: ”دخول“۔

بناء فی العبادات

دیکھئے: ”استئناف“۔

بنان

دیکھئے: ”اصح“۔

نماز میں بھول جانے والے کا اپنے یقین پر بناء کرنا:

۲۳- اگر کوئی شخص نماز میں رکعات کی تعداد یا کسی رکن کی ادائیگی کے بارے میں بھول جائے تو اصل یہ ہے کہ اس نے وہ عمل نہیں کیا، لہذا یقین یعنی کم تعداد پر بناء کرنا ضروری ہوگا^(۱)، دیکھئے: اصطلاح ”شک“۔

جمعہ کے خطبہ میں بناء:

۲۴- جمعہ کی نماز پڑھنے والے اگر درمیان نماز منتشر ہو جائیں اور طویل فصل سے قبل واپس آجائیں تو خطیب اپنے خطبہ پر بناء کرے گا (یعنی نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دوبارہ خطبہ دینے کی ضرورت نہیں ہوگی)^(۲)، دیکھئے اصطلاح ”خطبہ“۔

طواف میں بناء:

۲۵- فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے طواف شروع کیا پھر فرض نماز شروع ہوگئی تو وہ طواف کو روک کر جماعت کی نماز میں شامل ہو جائے گا، پھر (نماز کے بعد) اپنے طواف پر بناء کرے گا (یعنی آگے طواف جاری رکھے گا)، اس لئے کہ نماز پڑھنا ایک مشروع عمل ہے، اس سے طواف منقطع نہیں ہوگا جس طرح معمولی عمل سے منقطع نہیں ہوتا ہے^(۳)۔

اگر نماز فرض کے علاوہ ہو تو پچھلے طواف پر بناء کے صحیح ہونے کے

(۱) روضۃ الملائکین ۱/۳۰۹، حاشیۃ الدرر ۱/۲۵۷، کشاف القناع ۱/۳۰۱۔

(۲) روضۃ الملائکین ۱/۸، کشاف القناع ۲/۳۳۔

(۳) المغنی ۳/۳۹۵، حاشیۃ الطحاوی ۱/۳۹۸، الدرر ۲/۳۲، اسنی الطالب

۱/۳۷۹۔

حرام ہے^(۱)۔

شافیہ کے نزدیک اپنے زنا کے قطرہ منی سے پیدا ہونے والی لڑکی اس کے لئے حلال ہے، اس لئے کہ نطفہ زنا قابل احترام نہیں ہے، لیکن اختلاف سے بچنے کی خاطر ایسا نکاح مکروہ ہے^(۲)۔
دیکھئے: اصطلاح ”نکاح“۔

بنت

تعریف:

۱- بنت اور ابنة کے الفاظ ”ابن“ (بیٹا) کی مؤنث ہیں، لفظ ”ولد“ دونوں (لڑکا لڑکی) کے لئے بولتے ہیں^(۱)۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

بنت (بیٹی) سے متعلق احکام وارد ہیں، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

الف- نکاح:

۲- بیٹی کا نکاح: اپنی بیٹی سے نکاح کرنا مرد کے لئے حرام ہے، بیٹی سے کیا گیا عقد باطل ہے^(۲)، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ“^(۳) (تمہارے اوپر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں)، اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔

۳- زنا سے پیدا ہونے والی بیٹی سے نکاح: حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ زنا سے پیدا ہونے والی اپنی بیٹی سے بھی نکاح حرام ہے، اس لئے کہ وطی (جماع) جزیت کا سبب ہے، اور اپنے جزء سے استمتاع

(۱) المصباح الممیر، مادۃ ”ابن“، اور مادۃ ”ولد“، المغرب، مادۃ ”ولد“، مختار الصحاح، مادۃ ”بنی“۔

(۲) فتح القدیر ۵/۵۷۷، کشف القناع ۶۹/۵، مراتب الاجماع لابن حزم ص ۶۶۔

(۳) سورہ نساء، ۲۳۔

نکاح میں ولایت:

۴- فقہاء کا اتفاق ہے کہ باپ کو اپنی کنواری نابالغ بیٹی اور بالغ پاگل یا بے وقوف بیٹی کا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے خواہ بیٹی پر جبر کر کے ہو^(۳)۔

نابالغ ثیبہ بیٹی کے نکاح کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔
کنواری بالغ بیٹی کے نکاح کا جہاں تک تعلق ہے تو جمہور کے نزدیک باپ کو اس پر اجبار کا حق ہے، حنفیہ کا اس سے اختلاف ہے، بالغ ثیبہ (شوہر دیدہ) بیٹی کا نکاح باپ بغیر اجبار کے کرائے گا۔
تفصیل ”نکاح“ اور ”ولایت“ میں دیکھی جائے۔

ب- بیٹی کی وراثت:

۵- بیٹی اگر تنہا ہو تو میراث کا نصف حصہ اسے ملے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ“^(۴) (اور اگر ایک عی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف (حصہ) ہے)، اگر بیٹیاں دو یا دو سے زائد ہوں تو انہیں دو تہائی حصہ ملے گا، ارشاد ہے: ”فَإِنْ كُنَّ

(۱) الہدایہ مع فتح القدیر ۲/۲۶۵، الزرقانی شرح مختصر فطیل ۳/۲۰۳، کشف

القناع ۵/۷۲۔

(۲) المحلی شرح المنہج ۳/۲۳۱۔

(۳) فتح القدیر ۲/۳۹۱۔

(۴) سورہ نساء، ۱۱۔

نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ“^(۱) (اور اگر دو سے زائد عورتیں (بی) ہوں تو ان کے لئے دو تہائی (حصہ) اس (مال) کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے)، یہ حکم عام صحابہ کرام کے نزدیک ہے، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ دو بیٹیوں کا حکم وہی ہے جو ایک بیٹی کا ہے، اگر بیٹی کے ساتھ کوئی بیٹا بھی ہو تو بیٹا کو دو بیٹیوں کے برابر ملے گا، اور بیٹا نہیں عصہ بناوے گا، ارشاد ہے: ”يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ“^(۲) (اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں حکم دیتا ہے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے)۔
تفصیل اصطلاح ”ارث“ میں دیکھئے۔

بنت الابن

تعریف:

۱- ”بنت الابن“: ہر وہ بیٹی ہے جو بیٹے کے واسطے سے متوفی سے نسبت رکھتی ہو، خواہ اس کے باپ کا سلسلہ نسب (متوفی سے) کتنا ہی دور ہو، پس اس میں بیٹے کی بیٹی (پوتی) اور بیٹے کے بیٹے کی بیٹی (پڑپوتی) اور اس سے نیچے کی بھی آجائیں گی^(۱)۔

ج- نفقہ:

۶- فقہاء کا اتفاق ہے کہ غیر شادی شدہ غریب بیٹی کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہے اگر وہ مالدار ہو، اگر بیٹی خودی مالدار ہو تو اس کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر بیٹی بالغہ اور غریب ہو تو اس کا نفقہ بھی بعض شرائط کے ساتھ واجب ہوگا^(۲)۔

تفصیل کے لئے اصطلاح ”نفقہ“ دیکھی جائے۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

بنت الابن (پوتی) کے لئے فقہ اسلامی میں مخصوص احکام ہیں، ذیل میں ان میں سے کچھ اہم کا ذکر ہم اجمالاً کرتے ہیں:

نکاح:

۲- اپنی پوتی اور اس سے نیچے کی پوتیوں سے نکاح کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ“^(۲) بنت سے مراد موئنث فرع (اولاد) ہے خواہ وہ دور کی اولاد ہو، لہذا اس میں بیٹے کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی دونوں شامل ہیں، اور اس لئے بھی کہ اس پر مجتہدین کا اجماع ہے^(۳)۔

(۱) سورہ نساء ۱۱۔

(۲) سورہ نساء ۱۱۔

(۳) فتح القدیر ۳/۳۲۳-۳۲۴، کشاف القناع ۵/۸۱، لکھنوی علی المنہاج ۸۳، الحاشی علی مختصر فہرست ۲/۲۰۳، ۲۰۵۔

(۱) احکام القرآن لابن العربی ۲/۳۷۲۔

(۲) سورہ نساء ۲۳۔

(۳) الہدایہ مع التناویہ فتح القدیر ۲/۵۸، کشاف القناع ۵/۶۹۔

بنت الابن ۳-۴، بنت لبون، بنت مخاض

تفصیل کے لئے اصطلاح ”نکاح“ دیکھی جائے۔

ھ۔ دو صلبی بیٹیاں ہوں تو عام صحابہ کرام کے نزدیک پوتیاں وارث نہیں ہوں گی، لہذا یہ کہ ان پوتیوں کے ساتھ رشتہ میں ان کے برادر یا ان سے نیچے کوئی زینہ اولاد ہو تو اس وقت وہ پوتیوں کو عصبہ بنادے گا، اور دو عورتوں کے برادر ایک مرد کے حساب سے حصہ ملے گا^(۱)، تفصیل کے لئے اصطلاح ”فرائض“ دیکھی جائے۔

زکاۃ:

۳۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک پوتی کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے درمیان املاک کے منافع ایک دوسرے سے جڑے ہیں^(۱)، ہذا فعیہ کے نزدیک پوتی کو زکاۃ دینا اس حالت میں جائز نہیں ہے جب پوتی کا نفقہ وادار واجب ہو^(۲)۔
مالکیہ نے پوتی کو زکاۃ دینا جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ پوتی کا نفقہ اس کے وادار واجب نہیں ہوتا ہے^(۳)۔

بنت لبون

فرائض:

دیکھئے: ”ابن لبون“۔

۴۔ پوتی کے لئے میراث میں چند حالات ہیں جو اجمالاً مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ ایک پوتی کے لئے نصف ہے۔

ب۔ دو یا دو سے زائد پوتیوں کے لئے دو تہائی ہے۔

ان دونوں حالتوں کے لئے یہ شرط ہے کہ صلبی بیٹیاں موجود نہ ہوں، صلبی بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتی ان کے قائم مقام ہوتی ہے۔

ج۔ اگر پوتیوں کے ساتھ کوئی اولاد زینہ ہو تو وہ انہیں عصبہ بنادے گا، اور اس وقت ایک مرد کو دو عورتوں کے برادر حصہ ملے گا۔
د۔ ایک صلبی بیٹی کے ساتھ انہیں چھٹا حصہ ملے گا تا کہ صلبی بیٹی کا نصف اور پوتی کا سدس (چھٹا حصہ) مل کر دو تہائی (دو تہائی) ہو جائیں۔

بنت مخاض

دیکھئے: ”ابن مخاض“۔

(۱) الہدایہ مع فتح القدر ۲/۲۱-۲۲، المغنی ۲/۶۳۔

(۲) المجموع ۶/۲۲۹، المحلی علی الصہاح ۳/۸۳۔

(۳) المدوۃ الکبریٰ ۱/۲۹۷، ۲۹۸۔

(۱) شرح المسراۃ ص ۳۶۔

جسم کو سن کر دینے والا ہوتا ہے اسے بے ہوش کر دینے والا نہیں ہوتا۔
پھر اس پر استدلال کرتے ہوئے بڑی نفیس گفتگو فرمائی ہے جو ان کی
کتاب ”الفروق“ میں دیکھی جاسکتی ہے^(۱)۔

بخ

بھنگ استعمال کرنے کا شرعی حکم:

۴- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اتنی مقدار میں بھنگ کا استعمال جس
سے نشہ آجائے حرام ہے، اور بغیر عذر اس سے نشہ لینے پر تعزیر کی
جائے گی^(۲)، فقہاء کے نزدیک علاج معالجہ میں اس کا استعمال اور کسی
ناکارہ عضو کو کائے کی غرض سے ازاد عتقل (بے ہوشی) کے لئے اس کا
استعمال جائز ہے^(۳)۔

حنفیہ کے نزدیک غیر علاج میں بھنگ کے استعمال اور اس سے نشہ
آجانے پر اجراءے حد کے حکم میں مختلف آراء ہیں^(۴)۔

بھنگ استعمال کرنے کی سزا:

۵- جس چیز کا استعمال کرنا حرام ہے، اور جس کے استعمال کرنے پر
حد ثابت ہوتی ہے اس کی تعریف فقہاء کے نزدیک یہ ہے: ”نشہ پیدا
کرنے والا ہر مشروب“، اس تعریف کی بنیاد پر بیشتر فقہاء کا مذہب
ہے کہ بھنگ اور اس جیسی دیگر جامد اشیاء سے نشہ لینے والے پر حد
جاری نہیں کی جائے گی، خواہ بھنگ استعمال کے وقت سیال و پگھلا ہوا
ہو، البتہ ایسے شخص کو تعزیری سزا دی جائے گی^(۵)۔

(۱) الفروق للرافی ۱/ ۲۱۸، ۲۱۷ (فرق ۲۰)۔

(۲) الخرشنی ۱/ ۸۳، مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۷، تحفۃ المحتاج ۹/ ۱۶۹۔

(۳) الخرشنی ۱/ ۸۳، اصابہ الفقہیین ۳/ ۱۵۶، ابن عابدین ۵/ ۲۹۳ طبع بلاق،
مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۳/ ۲۱۳۔

(۴) ابن عابدین ۳/ ۷۰، مختصر الفتاویٰ المصریہ ص ۹۹، فتح القدیر ۳/ ۳۰،
۳/ ۸۳، ۸۴، ۱۶۰۔

(۵) الخرشنی ۱/ ۸۳، مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۷، تحفۃ المحتاج ۹/ ۱۶۹۔

تعریف:

۱- بخ (بھنگ) (ب پر زب کے ساتھ) لغت اور اصطلاح میں ایک
نشہ آور پودا ہے، یہ خشیش کے علاوہ ہوتا ہے اور درود میں آرام پہنچاتا
ہے^(۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- انیون:

۲- خشیش سے کشید کردہ نرم مادہ ہے، یہ تین قسم کے نیند آور مواد کا
مجموعہ ہے جن میں ایک مورفین ہے^(۲)۔

ب- خشیش:

۳- خشیش قنب بندی کا ایک قسم کا پتہ ہے، اگر اس میں سے ایک
درہم کے بقدر استعمال کیا جائے تو بہت زیادہ نشہ پیدا کر دیتا ہے^(۳)،
یہ بات ابن تیمیہ، ابن حجر عسکری اور ابن عابدین نے بتائی ہے، لیکن
قرانی نے نشہ لانے والا اور بے حس کرنے والا کے درمیان فرق بیان
کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خشیش

(۱) القاسوس الحیط، ابن عابدین ۵/ ۲۹۳ طبع بلاق۔

(۲) اصحاح فی المصیۃ والعلوم۔

(۳) ابن عابدین ۵/ ۲۹۵ طبع بلاق، مغنی المحتاج ۲/ ۱۸۷، مجموع فتاویٰ
ابن تیمیہ ۳۳/ ۲۱۳۔

بخ ۶-۷، بندق، بنوة، بهتان، بهیمتہ، بول

بھنگ کی طہارت کا حکم:

۶- فقہاء کا اتفاق ہے کہ بھنگ پاک ہے، اس لئے کہ فقہاء کے نزدیک نشہ آور شے کے نجس ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ سیال ہو^(۱)۔

بہتان

بحث کے مقامات:

دیکھئے: ”افتراء“۔

۷- فقہاء اس کا ذکر ”باب لا شربۃ“، نجاسات“ اور ”طلاق“ میں کرتے ہیں۔

بہیمتہ

بندق

دیکھئے: ”حیوان“۔

دیکھئے: ”صيد“۔

بول

بنوة

دیکھئے: ”قضاء الحاجۃ“۔

دیکھئے: ”ابن“۔

(۱) تحت المحتاج ۲۸۹، معنی المحتاج ۷۷، الخرش ۸۳، آسنی الطالب ۹۱، حاشیہ الطالبین ۹۱۔

بیات

دیکھئے: ”بیوتہ“۔

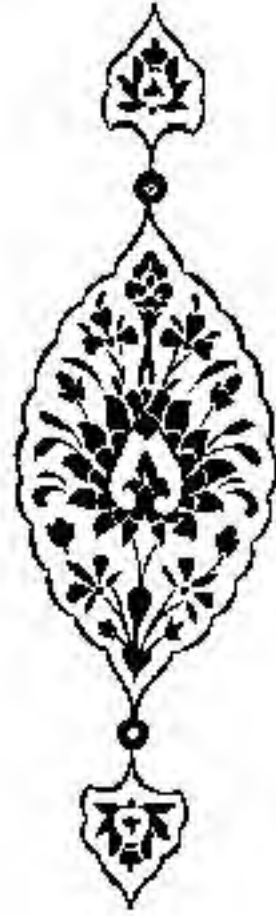
بیان

تعریف:

۱- بیان: لغت میں اظہار اور توضیح کو کہتے ہیں، اور پوشیدہ یا مبہم کی وضاحت کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“^(۱) (اس کو گویائی سکھائی) یعنی ایسا کلام سکھایا جس سے وہ اپنے مافی الضمیر اور اپنی بنیادی ضرورتوں کو بیان کرتا ہے، اس وصف بیان کے ذریعہ انسان کو تمام حیوانات پر امتیاز حاصل ہے^(۲)۔

اہل اصول اور فقہاء نے ”بیان“ کی جو تعریف کی ہے وہ اس لغوی مفہوم سے علاحدہ نہیں ہے^(۳)۔

چنانچہ اصولیین کے نزدیک بیان کی تعریف ہے: کسی ایسے شرعی حکم کی مراد کو بتانے والا کہ وہ حکم بذات خود مراد کو نہ بتاتا ہو، کبھی اس لفظ کو مطلق بول کر مدلول (وہ مفہوم جس کی وضاحت کی جارہی ہے) مراد لیا جاتا ہے، اور کبھی اس لفظ کا اطلاق وضاحت کرنے والے کے عمل پر بھی کیا جاتا ہے، ان تینوں معانی میں اس لفظ کے استعمال کی وجہ سے اس کی تفسیر میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے، چنانچہ مختلف مسالک و آراء نقل کرنے کے بعد عبدری کہتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ ”بیان“ ان



(۱) سورہ رجنہ ۳۔

(۲) المفردات للراغب رص ۶۹، المصباح للمبر، ترتیب القاسوس الجلیط، المغرب، کشف الاسرار عن اصول ابو دوی ۳/ ۱۰۳ طبع دار الکتاب العربی، ادبہ دہگول رص ۱۶۷-۱۶۸ طبع المجلدی۔

(۳) التعریفات للحر جانی۔

ہمور کے مجموعہ کا نام ہے^(۱)۔

اصولیین کے نزدیک بیان سے متعلق احکام:

۴- قول اور فعل کے ذریعہ بیان:

فقہاء اور اکثر متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فعل سے بھی بیان اسی طرح حاصل ہوتا ہے جس طرح قول سے حاصل ہوتا ہے۔

فعل سے بیان حاصل ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ میں دو دن رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھائی، اور اس طرح نبی ﷺ کے لئے نماز کے اوقات کی وضاحت و بیان عمل سے کی^(۱)، اور جب رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات دریافت کئے گئے تو آپ ﷺ نے پوچھنے والے سے فرمایا: ”صل معنا“^(۲) (ہمارے ساتھ نماز پڑھو)، اور جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”صلوا کما رأیتونی أصلي“^(۳) (نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو)، پھر آپ ﷺ نے دو دن دو مختلف اوقات میں نماز پڑھی اور اس طرح عمل سے اوقات نماز کی وضاحت فرمائی، حج میں آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ”خلوا عني مناسککم“^(۴) (مجھ سے مناسک حج حاصل کرو)، اور اس لئے بھی کہ بیان اظہار مراد کا نام ہے، تو یہ اظہار بسا اوقات قول کے بجائے فعل و عمل سے زیادہ واضح ہوتا ہے، اس لئے کہ

(۱) حدیث: ”امامت جبریل“ کو ترمذی نے حضرت ابن عباس سے موصول نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے (سنن ترمذی ۱/۲۷۸، ۲۸۰، طبع الجلی، نصب الراية ۲۲۱)۔

(۲) حدیث: ”صل معنا“ کی روایت مسلم (۲/۲۲۸، طبع الجلی) نے موصول کی ہے۔

(۳) حدیث: ”صلوا کما رأیتونی أصلي“ کی روایت بخاری (فتح ۱۱/۱۱۱، طبع الشیخ) نے کی ہے۔

(۴) حدیث: ”خلوا عني مناسککم“ کی روایت مسلم (۲/۲۳۳، طبع الجلی) اور احمد (۳/۳۱۸، طبع میریہ) نے کی ہے الفاظ امام احمد کے ہیں۔

متعلقہ الفاظ:

الف- تفسیر:

۲- تفسیر لغت میں کشف و اظہار کو کہتے ہیں، شرع میں تفسیر کا مطلب ہے آیت کے معنی، اس کے شان نزول، قصہ و واقعہ، اور اس کے نزول کے سبب کی وضاحت ایسے اسلوب میں کرنا جس سے اس کا معنی واضح ہو جائے۔

بیان اپنے عموم کے ساتھ تفسیر سے مختلف ہے، اس لئے کہ بیان کبھی بولنے والے کی دلالت حال جیسے خاموشی، سے بھی ہوتا ہے، جب کہ تفسیر ہمیشہ ایسے الفاظ سے ہی ہوگی جو معنی پر واضح دلالت کرتے ہوں^(۲)۔

ب- تاویل:

۳- تاویل کا مطلب لفظ کو اس کے معنی ظاہر سے کسی دوسرے ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جس کا احتمال ہو بشرطیکہ وہ احتمال قرآن اور حدیث کے مطابق ہو (دیکھئے: تاویل)، تاویل اور بیان کے درمیان فرق یہ ہے کہ تاویل ایسے کلام میں ہوتی ہے جس سے اول جملہ میں معنی مراد سمجھ میں نہیں آتا، اور بیان ایسے کلام میں ہوتا ہے جس سے اس کا معنی مراد اس کے بعض حصہ کی نسبت سے ایک نوع کے خفا کے ساتھ سمجھ میں آتا ہے^(۳)، لہذا بیان تاویل سے زیادہ عام ہے۔

(۱) ارتداد جلد ۱ ص ۱۶۸۔

(۲) دستور العلماء ۱/۲۵۹، ۲۵۰، ۳۳۰، سماع کردہ مؤسسۃ لاطمی للخطوط۔

(۳) دستور العلماء ۱/۲۵۷، تحریفات للجر جانی، مادۃ ”البيان“۔

بیان ۵-۷

بیان تقریر:

۶- بیان تقریر ہر وہ حقیقت ہے جو مجاز کا احتمال رکھتی ہو یا وہ عام جو خصوص کا احتمال رکھتا ہو، اگر اس کے ساتھ کوئی شی مل کر اس احتمال کو ختم کر دے وہ بیان تقریر ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ" (۱) (چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا)، اس آیت میں جمع کا صیغہ تمام ملائکہ کو عام ہے مگر اس میں یہ احتمال ہے کہ بعض ملائکہ مراد ہوں، لیکن "كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ" کے الفاظ نے اس احتمال خصوص کو ختم کر دیا، یہ بیان تقریر ہے (۲)۔

بیان تفسیر:

۷- بیان تفسیر ایسی چیز کا بیان ہے جس میں خفا ہو جیسے مشترک اور مجمل وغیرہ، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أَقِمُْوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ" (۳) (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو)، یہ آیت مجمل ہے، اس لئے کہ اس کے ظاہری حکم پر عمل ناممکن ہے، اس پر عمل کرنے کے لئے مراد سے واقفیت بیان سے ہوگی، پھر اس آیت کا بیان حدیث میں ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے نماز کی وضاحت کی اور زکوٰۃ کی وضاحت کے لئے فرمایا: "هاتوا ربع العشر" (۴) (چالیسواں حصہ ادا کرو) تو یہ بیان تفسیر ہوا (۵)۔

(۱) سورۃ حجر ۳۰۔

(۲) کشف الاسرار ۳/۱۰۵، ۱۰۷، اصول السرخسی ۲/۲۸۔

(۳) سورۃ نور ۵۶۔

(۴) حدیث: "هاتوا ربع العشر" کی روایت ابوداؤد (۲/۲۲۸ طبع عزت ہمد

دعاس) نے حضرت علی سے کی ہے بخاری نے اس کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ

ابن حجر کی تلخیص (۲/۷۳ طبع شریکۃ المطابع لغویہ) میں ہے۔

(۵) کشف الاسرار ۳/۱۰۷، اصول السرخسی ۲/۲۸۔

حدیث ہے: "أمر أصحابه بالخلق عام الحديبية، فلم يفعلوا ثم لما رآوه خلق بنفسه خلقوا في الحال" (۱) (نبی ﷺ نے حدیبیہ کے سال اپنے اصحاب کو خلق (سرمندہ) کرنے کا حکم دیا تو کسی نے نہیں کیا، پھر جب صحابہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے خود خلق فرمایا ہے تو انہوں نے بھی نوراً خلق کر لیا)، اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اظہار مراد فعل سے بھی اسی طرح حاصل ہوتا ہے جس طرح قول سے حاصل ہوتا ہے۔

کرنی، ابواسحاق مروزی اور بعض متکلمین کہتے ہیں: بیان صرف قول سے ہوتا ہے، ان حضرات کے نزدیک اصول یہ ہے کہ مجمل کا بیان متصل ہی ہوگا، اور فعل قول سے متصل نہیں ہوتا ہے (۲)۔
تفصیل کے لئے اصولی ضمیمہ دیکھئے۔

بیان کے انواع

۵- برہدوی کہتے ہیں: بیان کی چند قسمیں ہیں: بیان تقریر، بیان تفسیر، بیان تفسیر، بیان تبدیل، بیان ضرورت، یہ پانچ اقسام ہیں (۳)۔
یہ اشارہ مناسب ہے کہ بیان کی اضافت تقریر، تفسیر اور تبدیل کی طرف جنس کی اضافت اپنے نوع کی طرف کی قبیل سے ہے جیسے علم طب، یعنی بیان جو تقریر ہے، اسی طرح دیگر میں، اور ضرورت کی جانب بیان کی اضافت شی کی اپنے سبب کی جانب اضافت کی قبیل سے ہے۔

(۱) حدیث: "أمر النبي ﷺ..." کی روایت بخاری (فتح ۳۳۲/۵ طبع

التلخیص) نے کی ہے۔

(۲) اصول السرخسی ۲/۲۷، ارشاد المولر ص ۱۷۳۔

(۳) اصول البرہدوی ۳/۱۰۵۔

بیان ۸-۱۰

بیان تغیر:

۸- بیان تغیر وہ بیان ہے جس میں موجب کلام کی تبدیلی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں:

اول: تعلیق بالشرط: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتَوِهْنَ أَجُورَهُنَّ“^(۱) (پھر وہ اگر تمہارے لئے دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو)، اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) سے اجرت کا معاملہ کرنے کے بعد اس کی اجرت کی ادائیگی اس وقت تک واجب نہیں ہوگی جب تک کہ دودھ پلانا نہ پایا جائے، وجوب اجرت کا آغاز دودھ پلانے کے وقت سے ہوگا، تو یہ بیان اس حکم کی تبدیلی ہے جس کی رو سے نفس عقد اور معاملہ سے ہی بدل و اجرت واجب ہو جاتی ہے^(۲)۔

دوم: استثناء: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَلَيْتَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا“^(۳) (تو وہ ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے)، ”الف“ (ہزار) ایک مقررہ تعداد کو بتاتا ہے، جو تعداد اس سے کم ہو وہ یقیناً ”الف“ کے علاوہ کچھ اور ہوگا، لہذا اگر استثناء نہ ہوتا تو ہمیں یہی علم ہوتا کہ وہ ایک ہزار برس رہے، لیکن استثناء کے ذریعہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ ان میں نو سو پچاس برس رہے، اس طرح یہ استثناء اس مفہوم میں تبدیلی کر دیتا ہے جو لفظ ”الف“ (ہزار) سے واضح ہو رہا تھا^(۴)۔

بیان تبدیل:

۹- بیان تبدیل نسخ کا نام ہے، یعنی کسی حکم شرعی کو بعد کی کسی دلیل شرعی

سے ختم کر دینا^(۱)، نسخ شارع کے حق میں محض بیان ہے اس بات کا کہ پہلا حکم ختم ہو گیا ہے، اس میں منسوخی کا مفہوم نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ کو تو یہ معلوم تھا کہ فلاں وقت میں وہ حکم دوسرے حکم سے ختم ہو جائے گا، لہذا اللہ تعالیٰ کی نسبت سے وہ نسخ محض بیان ہے، منسوخ کرنے والا نہیں^(۲)۔

اصولیین کے نزدیک رائج یہ ہے کہ ایسے امر و نہی میں نسخ جائز ہے، جو ثابت بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی، بعض اصولیین نے فرمایا: نسخ جائز نہیں ہے، بسا اوقات یہ بھی کہا: کسی شی میں نسخ ہوا ہی نہیں ہے^(۳)۔ تفصیلات اصطلاح ”نسخ“ اور اصولی ضمیمہ میں دیکھی جائیں۔

بیان ضرورت:

۱۰- بیان ضرورت ایسا بیان ہے جو بغیر لفظ کے ضرورتاً حاصل ہوتا ہے، اس کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ بیان جو منطوق کے حکم (الفاظ میں بیان کئے گئے حکم) میں ہوتا ہے، جیسے مذکور حکم کسی خاموش حکم پر دلالت کرے، اس کی مثال میں فقہاء نے قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلَا تُمَرُّهُ الثَّلَاثُ“^(۴) (اور اگر مورث کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے)، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابتدائے کلام میں میراث کی اضافت ماں اور باپ دونوں کی جانب فرمائی، پھر ماں کے حصہ کا بیان کیا، تو یہ اس بات کا بیان ہوا کہ بقیہ حصہ باپ کا ہے، یہ باپ کے حصہ کی صراحت کے ترک کا بیان نہیں ہے بلکہ

(۱) تعریفات للحر جانی۔

(۲) کشف الاسرار ۳/۱۵۷۔

(۳) اصول السنن ۲/۵۴۔

(۴) سورہ نساء ۱۱۔

(۱) سورہ طلاق ۶۔

(۲) اصول السنن ۲/۳۵۔

(۳) سورہ نکتہ ۱۳۔

(۴) اصول السنن ۲/۳۵۔

بیان ۱۱

ایک سوا اور ایک دینا ہے، تو اس میں عطف کو پہلے لفظ (یعنی ”ایک سو“) کے لئے بیان بنایا گیا اور اسے بھی معطوف کی جنس سے قرار دیا گیا (یعنی ”ایک سو“ کے لفظ کی وضاحت حرف عطف ”و“ کے بعد والے لفظ ”ایک درہم“ سے کرتے ہوئے ”ایک سو“ کو جنس درہم سے تسلیم کیا گیا، اور ایک سو درہم اور ایک درہم یا ایک سو دینار اور ایک دینار کا قرار مانا گیا) یہ رائے حنفیہ کی ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں: ایسی صورت میں قرار کرنے والے پر صرف معطوف (حرف عطف کے بعد کا لفظ یعنی ایک درہم یا ایک دینار) لازم ہوگا، اور ”ایک سو“ کی جنس کی وضاحت میں قرار کرنے والے کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ وہ لفظ مبہم ہے تو اسی شخص سے اس کا بیان طلب کیا جائے گا اور عطف بیان کے لئے لائق نہیں ہوتا، اس لئے کہ عطف کو بیان کے لئے نہیں بنایا گیا ہے (۱)۔

ضرورت کے وقت سے بیان کی تاخیر:

ہر وہ لفظ جس میں بیان کی ضرورت ہو جیسے مجمل اور عام، مجاز اور مشترک، فعل متردد اور مطلق، اگر اس کا بیان مؤخر ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۱- پہلی صورت: ضرورت کے وقت سے مؤخر ہو جائے، یہ وہ وقت ہے کہ اگر اس وقت بیان نہ ہو تو مکلف کے لئے حکم کے مقصد کی معرفت ممکن نہ ہو، یہ صورت فوری واجبات میں ہوتی ہے، تو ایسی تاخیر جائز نہیں ہے، اس لئے کہ کسی شی کو جانے بغیر انجام دینا ان تمام لوگوں کے نزدیک ممتنع ہے جو تکلیف مالا یتطاق (وسعت سے بالا کام) کی ممانعت کے قائل ہیں، لیکن جن علماء نے وسعت سے بالاتر کام کا مکلف بنانے کو درست قرار دیا ہے وہ مذکورہ صورت کے

ابتدائے کلام میں باپ کی وراثت کے ذکر کی وجہ سے باپ کا حصہ منصوص (الفاظ میں مذکور) کی مانند ہو گیا (۱)۔

دوسری قسم: ایسا سکوت جو تکلم کی دلالت حال سے بیان ہوتا ہو، جیسے صاحب شرع کسی واقعہ کو دیکھ کر خاموش رہیں، اسے بدلنے کا حکم نہ دیں تو یہ باعتبار حال اس کے حق ہونے کا بیان ہوگا، مثال کے طور پر نبی ﷺ نے لوگوں کو مختلف قسم کے معاملات اور خرید و فروخت کرتے دیکھا لیکن ان پر نکیر نہیں فرمائی، انہیں وہ عمل کرتے رہنے دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ وہ سارے معاملات شریعت میں مباح ہیں، کیونکہ نبی ﷺ کے لئے جائز نہیں ہے کہ لوگوں کو کسی غلط و ممنوع عمل پر باقی رہنے دیں (۲)۔

تیسری قسم: وہ سکوت جسے دھوکہ ختم کرنے کی ضرورت کی وجہ سے بیان بنایا گیا ہے، جیسے باپ اپنے باشعور بیٹے کو خرید و فروخت کرتے دیکھتا ہے لیکن منع نہیں کرتا ہے تو اس کی خاموشی بیٹے کے لئے تجارت کی اجازت ہوگی تاکہ معاملہ کے دوسرے فریق کو دھوکہ سے محفوظ رکھا جاسکے، اس لئے کہ دھوکہ سے انہیں نقصان ہوگا اور نقصان و ضرر کے دفع کرنے کا حکم ہے، یہ بات حنفیہ نے کہی ہے، امام شافعی نے فرمایا: خاموشی اجازت تصور نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ باپ کے منع نہ کرنے میں کئی احتمالات ہیں، کبھی خاموشی بیٹے کے تصرف پر رضامندی کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی سخت غصہ کی وجہ سے ہوتی ہے یا لاپرواہی کی وجہ سے ہوتی ہے، اور قائل احتمال امر حجت نہیں بن سکتا (۳)۔

چوتھی قسم: ایسا سکوت جسے ضرورت کلام کی وجہ سے بیان قرار دیا گیا ہو، جیسے کوئی شخص کہے: فلاں کا مجھ پر ایک سوا اور ایک درہم ہے، یا

(۱) کشف الاسرار ۳/۱۳۷، اصول السنن ۲/۵۰۲۔

(۲) کشف الاسرار ۳/۱۳۸، اصول السنن ۲/۵۰۲۔

(۳) کشف الاسرار ۳/۱۵۱، اصول السنن ۲/۵۱۲۔

(۱) کشف الاسرار ۳/۱۵۲، اصول السنن ۲/۵۲۲۔

بیان ۱۲-۱۳

احکام کے مراتب بیان اور دیگر متعلقہ تفصیلات کے لئے اصولی ضمیمہ دیکھا جائے۔

فقہاء کے نزدیک بیان سے متعلق احکام

اقرار کردہ مجہول شی کا بیان:

۱۳- اگر کسی شخص نے کسی مجہول شی کا اقرار کیا اور اسے مطلق رکھا، مثلاً کہا: مجھ پر ایک شی ہے، یا ایک حق ہے، تو اقرار کرنے والے پر وہ لازم ہوگا، اس لئے کہ حق مجہول صورت میں بھی لازم ہوتا ہے جیسے کوئی ایسا مال ضائع کر دے جس کی قیمت وہ نہ جانتا ہو یا ایسا زخم لگا دے جس کے تاوان کی معرفت اسے نہ ہو، یا اس پر کسی حساب کا کچھ باقی رہ گیا ہو جس کی مقدار اسے نہ معلوم ہو اور وہ ادا کر کے یا راضی کر کے اپنا ذمہ فارغ کرنے کا محتاج ہے، تو اقرار کردہ شی کی جہالت اقرار کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہوگی، اور اقرار کرنے والے سے کہا جائے گا کہ مجہول شی کی وضاحت کرو، اگر وہ وضاحت نہ کرے تو حاکم اسے وضاحت پر مجبور کرے گا، اس لئے کہ اس کے صحیح اقرار کے نتیجے میں اس پر لازم جو چیز واجب ہوتی ہے اس سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے، اور یہ بیان و وضاحت کے ذریعہ ہی ہوگا، لیکن وضاحت میں وہ ایسی چیز بتائے گا جو ذمہ میں ثابت ہوئی ہو خواہ کم ہو یا زیادہ، اگر وہ وضاحت میں ایسی چیز کا نام لے جو ذمہ میں ثابت نہیں ہوتی تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، جیسے وہ یہ کہے کہ میری مراد اسلام کا حق یا ایک منگھی مٹی وغیرہ ہے، یہ رائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی ہے، اور یہی شافعیہ کا ایک قول ہے۔

شافعیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر مبہم اقرار جواب دعویٰ میں واقع ہو اور وہ وضاحت نہ کرے تو یہ اس کی جانب سے انکار مانا جائے گا اور اس پر یحیٰن پیش کی جائے گی، اگر پھر بھی گریز پر مصر رہا تو اس کو یحیٰن

عقلاً جواز کے قائل ہیں، اس کے قیاس اور پیش آنے کے قائل نہیں ہیں، تو عدم قیاس دونوں گروہ علماء کے نزدیک متفقہ ہے، اسی لئے ابو بکر قاتانی نے مذکورہ صورت کے ممتنع ہونے پر تمام ارباب شریعت کا اجماع نقل کیا ہے۔

۱۲- دوسری صورت: حکم دئے جانے کے وقت سے مؤخر ہو کر عمل کی ضرورت کے وقت بیان آئے، یہ صورت ان واجبات میں ہوتی ہے جو فوری نہیں ہوتیں، جہاں حکم کا کوئی ظاہر نہیں ہوتا جیسے متواطی اور مشترک اسماء، یا حکم کا ظاہر تو ہو لیکن خلاف ظاہر میں اس کا استعمال ہوا ہو جیسے تخصیص کے ذریعہ بیان کی تاخیر، اور اسی طرح نسخ کی تاخیر وغیرہ، اس صورت کے سلسلہ میں کئی رجحانات ہیں، جن میں اہم رجحانات مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ مطلقاً جواز کا رجحان، ابن برہان کہتے ہیں: اسی کے قائل ہمارے عام علماء، فقہاء و متکلمین ہیں، قاضی نے یہی رائے امام شافعی سے نقل کی ہے، اسی کو رازی نے ”المحصل“ میں اور ابن الحاجب نے اختیار کیا ہے، باجی نے کہا: اسی پر ہمارے اکثر اصحاب ہیں، اور قاضی نے یہی رائے امام مالک کی بتائی ہے۔

ب۔ مطلقاً ممانعت کا رجحان، یہ رائے ابو اسحاق مروزی، ابو بکر صیرفی، ابو حامد مروزی، ابو بکر دقاق، داؤد ظاہری اور ابہری سے نقل کی گئی ہے، قاضی نے کہا: یہی معتزلہ اور اکثر حنفیہ کا قول ہے۔

ج۔ تیسرا رجحان یہ ہے کہ اگر مجمل کا بیان نہ تبدیل ہو اور نہ تغیر تو مقارن (ساتھ ہوگا) یا طاری (بعد میں آنے والا ہوگا) دونوں درست ہیں، اور اگر یہ بیان تغیر ہو تو مقارن درست ہے، طاری کسی حال میں درست نہیں ہے، سمعانی نے حنفیہ میں سے ابو زید سے یہ رائے نقل کی ہے (۱)۔

(۱) ادب الدھولہ ص ۷۳، ۷۵، طبع المجلد، التبعہ فی اصول الفقہ للشیخ رازی تحقیق حسن پور ص ۲۰، طبع دار الفکر، المستملی ۱/ ۳۶۸، اصول المستملی ۲۸/ ۲۔

بیان ۱۴-۱۵

اور بیان تک دونوں بیویوں کے نفقہ لازم ہونے کے مسئلہ میں، نیز بیان کے الفاظ اور وہ افعال جن سے بیان ثابت ہوتا ہے جیسے وطی اور اس کے دوائی، ان مسائل میں فقہاء کے نزدیک تفصیلات ہیں جو اصطلاح ”طلاق“ میں دیکھی جائیں۔

غلام کی مبہم آزادی کا بیان:

۱۵- اگر کوئی شخص اپنے غلاموں سے کہے: تم میں سے ایک آزاد ہے، یا تم میں سے ایک کو میں نے آزاد کیا، اور کسی ایک متعین غلام کی نیت کرتا ہے تو واجب ہے کہ اس کی وضاحت کرے، اور اگر ان غلاموں میں سے کوئی حاکم کے سامنے معاملہ پیش کرے تو حاکم آقا کو وضاحت پر مجبور کرے گا، اور وہ اگر دو غلاموں میں سے ایک غلام کی آزادی کی وضاحت کرے تو دوسرے غلام کو حق ہوگا کہ آقا سے حلف اٹھوائے کہ اس نے اس دوسرے غلام کی آزادی کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور اگر آقا یوں کہے: میں نے اس کا ارادہ کیا تھا بلکہ اس کا ارادہ کیا تھا، تو اس کے اقرار پر اس کی گرفت کرتے ہوئے دونوں آزاد ہو جائیں گے (۱)؛ تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”حق“۔

سے نکول و گریہ مقرر دیا جائے گا، اور مدعی سے حلف لیا جائے گا (۱)۔ اگر اس نے کسی مجہول شئی کا مقرر کیا اور سبب کی وضاحت کر دی تو دیکھا جائے گا، اگر سبب ایسا ہو کہ جہالت اس کے لئے مضر نہ ہو جیسے غصب اور ودیعت، مثلاً اس نے کہا: میں نے فلاں کا مال غصب کیا، یا میرے پاس فلاں کی امانت ہے تو اس کا مقرر صحیح ہوگا، اور اسے غصب شدہ سامان یا مجہول امانت کے بیان اور ان دونوں کی تعیین پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اگر سبب ایسا ہو جس کے لئے جہالت مضر ہو جیسے بیع اور اجارہ تو مقرر صحیح نہیں ہوگا، اور اسے بیچنی ہوئی یا کرایہ پر لی ہوئی شئی کے بیان پر مجبور نہیں کیا جائے گا (۲)۔

مبہم طلاق میں بیان:

۱۴- اگر شوہر نے اپنی دو بیویوں سے کہا: تم دونوں میں سے ایک کو طلاق ہے، اور ان دو میں سے ایک متعین بیوی کا ارادہ کیا تو اس پر طلاق پڑ جائے گی، اور شوہر پر بیان لازم ہوگا اور اس کی تصدیق کی جائے گی، اس لئے کہ شوہر اس پر طلاق واقع کرنے کا مالک ہے تو اس کا بیان بھی درست ہوگا، اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس سے آگاہی خود اسی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے تو اس بابت اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور اس کے بیان کے وقت تک دونوں بیویاں اس سے علاحدہ رہیں گی، کیونکہ حرام اور مباح بیوی متعین نہیں ہے۔

اور شوہر پر فوراً بیان لازم ہوگا، اگر وہ تاخیر کرے تو گنہگار ہوگا، اور اگر بیان سے گریز کرے تو قید کیا جائے گا اور تعزیر کی جائے گی (۳)۔

= الطائین ۸/۱۰۳، المرسوط المشرقی ۶/۱۲۲-۱۲۳، الاشباہ والنظائر لابن نجیم رص ۱۶۹ طبع المطبعۃ المحمدیہ، الاختیار ۳/۱۳۵، ابن ماجہ ۳/۲۲، ۲۳، فتح القدیر ۳/۱۵۹ طبع الامیریہ الرقائی ۳/۱۲۶، المغنی لابن قدامہ ۲/۵۱۷۔

(۱) کسی الطالب ۳/۵۳-۵۴، الفتاویٰ الہندیہ ۲/۱۷-۱۸، الفتاویٰ الخانیہ بہامش الہندیہ ۱/۵۷۳، الاشباہ والنظائر لابن نجیم رص ۱۶۹، المغنی لابن قدامہ ۲/۳۶۷ طبع الریاض۔

(۱) فتح القدیر ۶/۲۸۵-۲۸۶ طبع الامیریہ البزازیہ شرح الہدایہ ۷/۵۳۹-۵۴۰، الریاض ۵/۳، المغنی لابن قدامہ ۵/۱۸۷ طبع الریاض، المہذب ۲/۳۳ طبع الخلیفی، جوہر الاکلیل ۲/۱۳۷، مہذب الجلیل ۵/۲۳۱۔

(۲) الریاض ۵/۳، درالمنکاح ۳/۸۲۔

(۳) نہایت المحتاج ۶/۳۶۳، شرح الخلیفی علی المنہاج ۳/۳۲۳-۳۲۵، روضۃ

ہوتا ہے جیسے مکان کا ایک کمرہ^(۱)۔

گھر خواہ مٹی سے بنا ہو، یا اینٹ اور گار اور پتھر سے، یا لکڑی سے بنایا گیا یا اون سے یا پوسٹین یا بال سے یا کھال سے بنایا گیا ہو، اور مختلف نوع کے خیموں سے بنے گھر، سبوں کے لئے ”بیت“ کا لفظ بولا جاتا ہے^(۲)۔

اس کا اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

بیت

تعریف:

۱- لغت میں ”بیت“ کا ایک معنی گھر ہے، گھر وہ ہے جس کی دیوار اور چھت ہو، خواہ اس میں کوئی رہنے والا نہ ہو، اس لفظ کا اطلاق فلیٹ کے گھر پر بھی ہوتا ہے، ”بیت“ کی جمع ”بیات“ اور ”بیوت“ آتی ہے۔ ”بیت“ کا اطلاق محل پر بھی ہوتا ہے، اسی معنی میں حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: ”بشروا خدیجۃ ببیت فی الجنة من قصب“^(۱) (حضرت خدیجہؓ کو جنت میں موتی کے ایک محل کی خوش خبری دے دیجئے)، لسان العرب میں ہے: یعنی انہیں ایک جوف دار موتی سے بنے گھر کی خوش خبری دیجئے۔

لفظ ”بیت“ مسجد کے لئے بھی بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”فِي بُيُوتٍ أُذِنَ اللَّهُ أَنْ تَرْفَعَ“^(۲) ((وہ) ایسے گھروں میں ہیں جن کے لئے اللہ نے اجازت دی ہے کہ انہیں بلند کیا جائے)۔

زجاج نے کہا: اس سے مراد مساجد ہیں^(۳)۔

”بیت“ کبھی مستقلاً ہوتا ہے، اور کبھی کسی مستقل مسکن کا ایک جز

متعلقہ الفاظ:

الف- دار:

۲- دار لغت میں اس کا نام ہے جو بیوت، منازل اور غیر مسقف صحن پر مشتمل ہو، ”دار“ کا لفظ مکان اور خالی حصہ دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ بیت اور دار کے درمیان فرق یہ ہے کہ ”دار“ بیوت اور منازل پر مشتمل ہوتا ہے^(۳)۔

ب- منزل:

۳- منزل لغت میں نزول (اترنے) کی جگہ کا نام ہے، کچھ جگہوں کا عرف یہ ہے کہ منزل وہ ہے جس میں بیوت، چھت، صحن اور مطبخ ہو جہاں آدمی اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتا ہے^(۴)۔

”منزل“ دار سے چھوٹا اور بیت سے بڑا ہوتا ہے، منزل میں کم از کم دو یا تین بیت ہوتے ہیں۔

ان الفاظ کے معانی کے سلسلہ میں الگ الگ علاقوں اور زمانوں

(۱) حدیث: ”بشروا خدیجۃ.....“ کی روایت بخاری (فتح ۳/ ۶۱۵ طبع الشریعہ) اور مسلم (۳/ ۱۸۸۳ طبع عینی البابی) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۲) سورہ نور ۳۶۔

(۳) لسان العرب، المصباح للمیر، المعرب فی ترتیب المعرب، الکلیات لابن البقاء ۱/ ۳۱۳-۳۱۴ تھوڑے تصرف کے ساتھ۔

(۱) المروط للمسر فی ۸/ ۱۶۰-۱۶۱ طبع المساعده۔

(۲) روضة الطائین ۱۱/ ۳۰ طبع المکتب الاسلامی۔

(۳) الکلیات لابن البقاء ۱/ ۳۱۳-۳۱۴ لسان العرب، المروط للمسر فی ۸/ ۱۶۰-۱۶۱۔

(۴) الکلیات لابن البقاء ۱/ ۳۱۳ لسان العرب، المصباح للمیر، مادہ ”نزل“۔

میں علاحدہ علاحدہ عرف رہا ہے^(۱)۔

گھر کی چھت پر رات گزارنا:

۴- سنت نبوی میں ایسے گھر کی چھت پر رات گزارنے کی وعید آئی ہے جس کی دیوار نہ ہو جو گرنے سے روک سکے۔

چنانچہ حضرت علی بن شیبان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من بات علی ظهر بیت لیس له حجار فقد برئت منه الذمۃ“^(۲) (جس کسی نے ایسے گھر کے اوپر رات گزاری جس میں رکاوٹ نہ ہو تو اس سے ذمہ ختم ہو گیا)، ایک روایت میں ”حجاب“ کا لفظ ہے، اور ایک دوسری روایت میں ”حجاز“ کا لفظ آیا ہے، یعنی پردہ کی دیوار جو سونے والے کو گرنے سے روکتی ہے، اور حدیث کے الفاظ ”برئت منه الذمۃ“ کا مطلب ہے کہ اس نے اپنی جان کے تحفظ کو زائل کر دیا اور اس رائیگاں شخص کی طرح ہو گیا جس کا کوئی ذمہ نہیں ہے، یعنی اس کی موت کی وجہ سے کسی پر کچھ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ جو شخص اس طرح سوئے گا وہ ممکن ہے نیند میں کروٹ لیتا ہو اگر جائے، اور مر کر خون رائیگاں کر لے، پھر یہ کہ جو شخص اس طرح مرے گا وہ موت کی تیاری کے بغیر مر جائے گا^(۳)۔

بیت سے متعلق احکام:

الف- بیع:

۵- جمہور فقہاء کے نزدیک اپنی ملکیت والے متعین اور حد بندی شدہ

(۱) المعرب فی ترتیب المعرب، المصنوع ۸/ ۶۳، ۶۸۔

(۲) حدیث: ”من بات“ کی روایت ابو داؤد (۲۹۵/۵) طبع عزت عید دماس (اور احمد (۷۹/۳) طبع المکتب الاسلامی) نے کی ہے یہ حدیث مجمع الرواۃ (۹۹/۸) طبع مکتبۃ القدسی میں بھی مذکور ہے ڈیڑھی نے کہا اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) فیض القدیر ۱/ ۹۱۔

گھر کو فروخت کرنا جائز ہے^(۱)، اور زمین کی فروختگی میں گھر ضمناً داخل ہوتا ہے، امام مالک نے کہا: گھر کی فروختگی میں وہ زمین بھی شامل ہوگی جس پر گھر بنا ہے، اور اسی طرح زمین کی فروختگی میں عمارت بھی شامل ہوگی، اور عمارت کے معاملہ میں زمین کی شمولیت اور زمین کے معاملہ میں اس زمین پر موجود عمارت وغیرہ کی شمولیت - خواہ یہ معاملہ خرید و فروخت کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں - اس وقت ہوگی جب کہ اس کے برعکس کی شرط نہ لگائی گئی ہو اور نہ اس کا عرف ہو، ورنہ شرط یا عرف کے مطابق عمل ہوگا۔

چنانچہ اگر بائع نے زمین سے عمارت کی علاحدگی کی شرط لگا دی، یا عرف ایسا ہو کہ بیع وغیرہ میں عمارت کو زمین سے علاحدہ سمجھا جاتا ہو تو ایسی صورت میں عمارت کے معاملہ میں زمین داخل نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر بائع عمارت سے زمین کی علاحدگی کی شرط لگا دی یا ایسا عرف جاری ہو تو زمین کا معاملہ کرنے میں عمارت اس میں داخل نہیں ہوگی^(۲)۔

تفصیل کے لئے اصطلاح ”بیع“ دیکھی جائے۔

ب- خیار رویت:

۶- گھر کی خریداری میں خریدار کو خیار رویت اس وقت حاصل ہوگا جب اس نے گھر کا معائنہ نہیں کیا ہو اور گھر کی رویت حاصل نہیں ہوئی ہو، اس لئے کہ گھر ان اشیاء میں سے ہے جن کی تعیین ضروری ہے، یہ رائے حنفیہ کی ہے اور شافعیہ و حنابلہ کا ایک قول ہے^(۳)، یہ فقہاء کہتے

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ۳/ ۴۰، ۴۱، ۶۳، ۱۰۳ طبع بیروت لبنان، نہایت المحتاج ۳/ ۳۸۹، ۳۹۲، مغنی المحتاج ۲/ ۱۱، ۱۵ طبع مصطفیٰ الحلیمی مصر، کشف القناع ۳/ ۱۷۰ اور اس کے بعد کے صفحات، نیل لاوطار ۵/ ۲۳۳، طبع دار الخلیل بیروت لبنان۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی لشرح الکبیر ۳/ ۱۷۰، ۱۷۱ طبع مصطفیٰ الحلیمی مصر۔

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۳/ ۶۳، مغنی المحتاج ۲/ ۱۸، المغنی لابن قدامہ ۳/ ۵۸۰۔

بیت ۷-۸

فی کل شریکۃ لم تقسم، ربعة، أو حائط...“ (۱) (نبی ﷺ نے ہر اس شرکت میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جس کی تقسیم نہ ہوئی ہو، وہ زمین ہو یا باغ...)، اور اس میں عمارت بھی داخل ہوگی، یہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے (۲)۔

حنفی کے نزدیک شریک اور پڑوسی کو مملوک زمین کے ضمن میں شفعہ حاصل ہوگا، اور یہ اس وقت ہوگا جب شفعہ کی شرطیں پائی جائیں (۳) تفصیل اصطلاح ”شفعہ“ میں ہے۔

و- اجارہ:

۸- گھر کے کرایہ کے معاملہ کا مقصود چونکہ گھر کی منفعت کو ایک متعین مدت کے لئے فروخت کر دینا ہے، تو منفعت کے اندر بھی وہ شرط ہوگی جو عقد بیع کے اندر بیع کے لئے شرط ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس منفعت سے انتفاع میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو، مثلاً یہ کہ وہ حرام ہو جیسے شراب، آلات لہو اور خنزیر کا گوشت۔

پس جمہور فقہاء کے نزدیک ناجائز مقصد کے لئے گھر کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، مثلاً کرایہ پر لینے والا اس کو شراب نوشی یا جو کھیلنے کی جگہ بنانا چاہتا ہو یا اس کو کلیسا یا مندر وغیرہ بنانا چاہتا ہو، اور ایسی صورت میں اجرت لیما حرام ہوگا جس طرح اجرت دینا بھی حرام ہوگا، اس لئے کہ اس میں معصیت پر اعانت ہے (۴)۔

(۱) حدیث: ”قضایہ النبیین فی کل...“ کی روایت مسلم (۳/۱۲۲۹ طبع عیسیٰ المہاجر المصلی) نے کی ہے۔

(۲) جامعہ الدوسقی ۳/۲۷۳ اور اس کے بعد کے صفحات، مغنی المحتاج ۲/۸۶۱، ۲/۸۶۲، ۲/۸۶۳، ۲/۸۶۴، ۲/۸۶۵، ۲/۸۶۶، ۲/۸۶۷، ۲/۸۶۸، ۲/۸۶۹، ۲/۸۷۰، ۲/۸۷۱، ۲/۸۷۲، ۲/۸۷۳، ۲/۸۷۴، ۲/۸۷۵، ۲/۸۷۶، ۲/۸۷۷، ۲/۸۷۸، ۲/۸۷۹، ۲/۸۸۰، ۲/۸۸۱، ۲/۸۸۲، ۲/۸۸۳، ۲/۸۸۴، ۲/۸۸۵، ۲/۸۸۶، ۲/۸۸۷، ۲/۸۸۸، ۲/۸۸۹، ۲/۸۹۰، ۲/۸۹۱، ۲/۸۹۲، ۲/۸۹۳، ۲/۸۹۴، ۲/۸۹۵، ۲/۸۹۶، ۲/۸۹۷، ۲/۸۹۸، ۲/۸۹۹، ۲/۹۰۰، ۲/۹۰۱، ۲/۹۰۲، ۲/۹۰۳، ۲/۹۰۴، ۲/۹۰۵، ۲/۹۰۶، ۲/۹۰۷، ۲/۹۰۸، ۲/۹۰۹، ۲/۹۱۰، ۲/۹۱۱، ۲/۹۱۲، ۲/۹۱۳، ۲/۹۱۴، ۲/۹۱۵، ۲/۹۱۶، ۲/۹۱۷، ۲/۹۱۸، ۲/۹۱۹، ۲/۹۲۰، ۲/۹۲۱، ۲/۹۲۲، ۲/۹۲۳، ۲/۹۲۴، ۲/۹۲۵، ۲/۹۲۶، ۲/۹۲۷، ۲/۹۲۸، ۲/۹۲۹، ۲/۹۳۰، ۲/۹۳۱، ۲/۹۳۲، ۲/۹۳۳، ۲/۹۳۴، ۲/۹۳۵، ۲/۹۳۶، ۲/۹۳۷، ۲/۹۳۸، ۲/۹۳۹، ۲/۹۴۰، ۲/۹۴۱، ۲/۹۴۲، ۲/۹۴۳، ۲/۹۴۴، ۲/۹۴۵، ۲/۹۴۶، ۲/۹۴۷، ۲/۹۴۸، ۲/۹۴۹، ۲/۹۵۰، ۲/۹۵۱، ۲/۹۵۲، ۲/۹۵۳، ۲/۹۵۴، ۲/۹۵۵، ۲/۹۵۶، ۲/۹۵۷، ۲/۹۵۸، ۲/۹۵۹، ۲/۹۶۰، ۲/۹۶۱، ۲/۹۶۲، ۲/۹۶۳، ۲/۹۶۴، ۲/۹۶۵، ۲/۹۶۶، ۲/۹۶۷، ۲/۹۶۸، ۲/۹۶۹، ۲/۹۷۰، ۲/۹۷۱، ۲/۹۷۲، ۲/۹۷۳، ۲/۹۷۴، ۲/۹۷۵، ۲/۹۷۶، ۲/۹۷۷، ۲/۹۷۸، ۲/۹۷۹، ۲/۹۸۰، ۲/۹۸۱، ۲/۹۸۲، ۲/۹۸۳، ۲/۹۸۴، ۲/۹۸۵، ۲/۹۸۶، ۲/۹۸۷، ۲/۹۸۸، ۲/۹۸۹، ۲/۹۹۰، ۲/۹۹۱، ۲/۹۹۲، ۲/۹۹۳، ۲/۹۹۴، ۲/۹۹۵، ۲/۹۹۶، ۲/۹۹۷، ۲/۹۹۸، ۲/۹۹۹، ۳/۱، ۳/۲، ۳/۳، ۳/۴، ۳/۵، ۳/۶، ۳/۷، ۳/۸، ۳/۹، ۳/۱۰، ۳/۱۱، ۳/۱۲، ۳/۱۳، ۳/۱۴، ۳/۱۵، ۳/۱۶، ۳/۱۷، ۳/۱۸، ۳/۱۹، ۳/۲۰، ۳/۲۱، ۳/۲۲، ۳/۲۳، ۳/۲۴، ۳/۲۵، ۳/۲۶، ۳/۲۷، ۳/۲۸، ۳/۲۹، ۳/۳۰، ۳/۳۱، ۳/۳۲، ۳/۳۳، ۳/۳۴، ۳/۳۵، ۳/۳۶، ۳/۳۷، ۳/۳۸، ۳/۳۹، ۳/۴۰، ۳/۴۱، ۳/۴۲، ۳/۴۳، ۳/۴۴، ۳/۴۵، ۳/۴۶، ۳/۴۷، ۳/۴۸، ۳/۴۹، ۳/۵۰، ۳/۵۱، ۳/۵۲، ۳/۵۳، ۳/۵۴، ۳/۵۵، ۳/۵۶، ۳/۵۷، ۳/۵۸، ۳/۵۹، ۳/۶۰، ۳/۶۱، ۳/۶۲، ۳/۶۳، ۳/۶۴، ۳/۶۵، ۳/۶۶، ۳/۶۷، ۳/۶۸، ۳/۶۹، ۳/۷۰، ۳/۷۱، ۳/۷۲، ۳/۷۳، ۳/۷۴، ۳/۷۵، ۳/۷۶، ۳/۷۷، ۳/۷۸، ۳/۷۹، ۳/۸۰، ۳/۸۱، ۳/۸۲، ۳/۸۳، ۳/۸۴، ۳/۸۵، ۳/۸۶، ۳/۸۷، ۳/۸۸، ۳/۸۹، ۳/۹۰، ۳/۹۱، ۳/۹۲، ۳/۹۳، ۳/۹۴، ۳/۹۵، ۳/۹۶، ۳/۹۷، ۳/۹۸، ۳/۹۹، ۴/۱، ۴/۲، ۴/۳، ۴/۴، ۴/۵، ۴/۶، ۴/۷، ۴/۸، ۴/۹، ۴/۱۰، ۴/۱۱، ۴/۱۲، ۴/۱۳، ۴/۱۴، ۴/۱۵، ۴/۱۶، ۴/۱۷، ۴/۱۸، ۴/۱۹، ۴/۲۰، ۴/۲۱، ۴/۲۲، ۴/۲۳، ۴/۲۴، ۴/۲۵، ۴/۲۶، ۴/۲۷، ۴/۲۸، ۴/۲۹، ۴/۳۰، ۴/۳۱، ۴/۳۲، ۴/۳۳، ۴/۳۴، ۴/۳۵، ۴/۳۶، ۴/۳۷، ۴/۳۸، ۴/۳۹، ۴/۴۰، ۴/۴۱، ۴/۴۲، ۴/۴۳، ۴/۴۴، ۴/۴۵، ۴/۴۶، ۴/۴۷، ۴/۴۸، ۴/۴۹، ۴/۵۰، ۴/۵۱، ۴/۵۲، ۴/۵۳، ۴/۵۴، ۴/۵۵، ۴/۵۶، ۴/۵۷، ۴/۵۸، ۴/۵۹، ۴/۶۰، ۴/۶۱، ۴/۶۲، ۴/۶۳، ۴/۶۴، ۴/۶۵، ۴/۶۶، ۴/۶۷، ۴/۶۸، ۴/۶۹، ۴/۷۰، ۴/۷۱، ۴/۷۲، ۴/۷۳، ۴/۷۴، ۴/۷۵، ۴/۷۶، ۴/۷۷، ۴/۷۸، ۴/۷۹، ۴/۸۰، ۴/۸۱، ۴/۸۲، ۴/۸۳، ۴/۸۴، ۴/۸۵، ۴/۸۶، ۴/۸۷، ۴/۸۸، ۴/۸۹، ۴/۹۰، ۴/۹۱، ۴/۹۲، ۴/۹۳، ۴/۹۴، ۴/۹۵، ۴/۹۶، ۴/۹۷، ۴/۹۸، ۴/۹۹، ۵/۱، ۵/۲، ۵/۳، ۵/۴، ۵/۵، ۵/۶، ۵/۷، ۵/۸، ۵/۹، ۵/۱۰، ۵/۱۱، ۵/۱۲، ۵/۱۳، ۵/۱۴، ۵/۱۵، ۵/۱۶، ۵/۱۷، ۵/۱۸، ۵/۱۹، ۵/۲۰، ۵/۲۱، ۵/۲۲، ۵/۲۳، ۵/۲۴، ۵/۲۵، ۵/۲۶، ۵/۲۷، ۵/۲۸، ۵/۲۹، ۵/۳۰، ۵/۳۱، ۵/۳۲، ۵/۳۳، ۵/۳۴، ۵/۳۵، ۵/۳۶، ۵/۳۷، ۵/۳۸، ۵/۳۹، ۵/۴۰، ۵/۴۱، ۵/۴۲، ۵/۴۳، ۵/۴۴، ۵/۴۵، ۵/۴۶، ۵/۴۷، ۵/۴۸، ۵/۴۹، ۵/۵۰، ۵/۵۱، ۵/۵۲، ۵/۵۳، ۵/۵۴، ۵/۵۵، ۵/۵۶، ۵/۵۷، ۵/۵۸، ۵/۵۹، ۵/۶۰، ۵/۶۱، ۵/۶۲، ۵/۶۳، ۵/۶۴، ۵/۶۵، ۵/۶۶، ۵/۶۷، ۵/۶۸، ۵/۶۹، ۵/۷۰، ۵/۷۱، ۵/۷۲، ۵/۷۳، ۵/۷۴، ۵/۷۵، ۵/۷۶، ۵/۷۷، ۵/۷۸، ۵/۷۹، ۵/۸۰، ۵/۸۱، ۵/۸۲، ۵/۸۳، ۵/۸۴، ۵/۸۵، ۵/۸۶، ۵/۸۷، ۵/۸۸، ۵/۸۹، ۵/۹۰، ۵/۹۱، ۵/۹۲، ۵/۹۳، ۵/۹۴، ۵/۹۵، ۵/۹۶، ۵/۹۷، ۵/۹۸، ۵/۹۹، ۶/۱، ۶/۲، ۶/۳، ۶/۴، ۶/۵، ۶/۶، ۶/۷، ۶/۸، ۶/۹، ۶/۱۰، ۶/۱۱، ۶/۱۲، ۶/۱۳، ۶/۱۴، ۶/۱۵، ۶/۱۶، ۶/۱۷، ۶/۱۸، ۶/۱۹، ۶/۲۰، ۶/۲۱، ۶/۲۲، ۶/۲۳، ۶/۲۴، ۶/۲۵، ۶/۲۶، ۶/۲۷، ۶/۲۸، ۶/۲۹، ۶/۳۰، ۶/۳۱، ۶/۳۲، ۶/۳۳، ۶/۳۴، ۶/۳۵، ۶/۳۶، ۶/۳۷، ۶/۳۸، ۶/۳۹، ۶/۴۰، ۶/۴۱، ۶/۴۲، ۶/۴۳، ۶/۴۴، ۶/۴۵، ۶/۴۶، ۶/۴۷، ۶/۴۸، ۶/۴۹، ۶/۵۰، ۶/۵۱، ۶/۵۲، ۶/۵۳، ۶/۵۴، ۶/۵۵، ۶/۵۶، ۶/۵۷، ۶/۵۸، ۶/۵۹، ۶/۶۰، ۶/۶۱، ۶/۶۲، ۶/۶۳، ۶/۶۴، ۶/۶۵، ۶/۶۶، ۶/۶۷، ۶/۶۸، ۶/۶۹، ۶/۷۰، ۶/۷۱، ۶/۷۲، ۶/۷۳، ۶/۷۴، ۶/۷۵، ۶/۷۶، ۶/۷۷، ۶/۷۸، ۶/۷۹، ۶/۸۰، ۶/۸۱، ۶/۸۲، ۶/۸۳، ۶/۸۴، ۶/۸۵، ۶/۸۶، ۶/۸۷، ۶/۸۸، ۶/۸۹، ۶/۹۰، ۶/۹۱، ۶/۹۲، ۶/۹۳، ۶/۹۴، ۶/۹۵، ۶/۹۶، ۶/۹۷، ۶/۹۸، ۶/۹۹، ۷/۱، ۷/۲، ۷/۳، ۷/۴، ۷/۵، ۷/۶، ۷/۷، ۷/۸، ۷/۹، ۷/۱۰، ۷/۱۱، ۷/۱۲، ۷/۱۳، ۷/۱۴، ۷/۱۵، ۷/۱۶، ۷/۱۷، ۷/۱۸، ۷/۱۹، ۷/۲۰، ۷/۲۱، ۷/۲۲، ۷/۲۳، ۷/۲۴، ۷/۲۵، ۷/۲۶، ۷/۲۷، ۷/۲۸، ۷/۲۹، ۷/۳۰، ۷/۳۱، ۷/۳۲، ۷/۳۳، ۷/۳۴، ۷/۳۵، ۷/۳۶، ۷/۳۷، ۷/۳۸، ۷/۳۹، ۷/۴۰، ۷/۴۱، ۷/۴۲، ۷/۴۳، ۷/۴۴، ۷/۴۵، ۷/۴۶، ۷/۴۷، ۷/۴۸، ۷/۴۹، ۷/۵۰، ۷/۵۱، ۷/۵۲، ۷/۵۳، ۷/۵۴، ۷/۵۵، ۷/۵۶، ۷/۵۷، ۷/۵۸، ۷/۵۹، ۷/۶۰، ۷/۶۱، ۷/۶۲، ۷/۶۳، ۷/۶۴، ۷/۶۵، ۷/۶۶، ۷/۶۷، ۷/۶۸، ۷/۶۹، ۷/۷۰، ۷/۷۱، ۷/۷۲، ۷/۷۳، ۷/۷۴، ۷/۷۵، ۷/۷۶، ۷/۷۷، ۷/۷۸، ۷/۷۹، ۷/۸۰، ۷/۸۱، ۷/۸۲، ۷/۸۳، ۷/۸۴، ۷/۸۵، ۷/۸۶، ۷/۸۷، ۷/۸۸، ۷/۸۹، ۷/۹۰، ۷/۹۱، ۷/۹۲، ۷/۹۳، ۷/۹۴، ۷/۹۵، ۷/۹۶، ۷/۹۷، ۷/۹۸، ۷/۹۹، ۸/۱، ۸/۲، ۸/۳، ۸/۴، ۸/۵، ۸/۶، ۸/۷، ۸/۸، ۸/۹، ۸/۱۰، ۸/۱۱، ۸/۱۲، ۸/۱۳، ۸/۱۴، ۸/۱۵، ۸/۱۶، ۸/۱۷، ۸/۱۸، ۸/۱۹، ۸/۲۰، ۸/۲۱، ۸/۲۲، ۸/۲۳، ۸/۲۴، ۸/۲۵، ۸/۲۶، ۸/۲۷، ۸/۲۸، ۸/۲۹، ۸/۳۰، ۸/۳۱، ۸/۳۲، ۸/۳۳، ۸/۳۴، ۸/۳۵، ۸/۳۶، ۸/۳۷، ۸/۳۸، ۸/۳۹، ۸/۴۰، ۸/۴۱، ۸/۴۲، ۸/۴۳، ۸/۴۴، ۸/۴۵، ۸/۴۶، ۸/۴۷، ۸/۴۸، ۸/۴۹، ۸/۵۰، ۸/۵۱، ۸/۵۲، ۸/۵۳، ۸/۵۴، ۸/۵۵، ۸/۵۶، ۸/۵۷، ۸/۵۸، ۸/۵۹، ۸/۶۰، ۸/۶۱، ۸/۶۲، ۸/۶۳، ۸/۶۴، ۸/۶۵، ۸/۶۶، ۸/۶۷، ۸/۶۸، ۸/۶۹، ۸/۷۰، ۸/۷۱، ۸/۷۲، ۸/۷۳، ۸/۷۴، ۸/۷۵، ۸/۷۶، ۸/۷۷، ۸/۷۸، ۸/۷۹، ۸/۸۰، ۸/۸۱، ۸/۸۲، ۸/۸۳، ۸/۸۴، ۸/۸۵، ۸/۸۶، ۸/۸۷، ۸/۸۸، ۸/۸۹، ۸/۹۰، ۸/۹۱، ۸/۹۲، ۸/۹۳، ۸/۹۴، ۸/۹۵، ۸/۹۶، ۸/۹۷، ۸/۹۸، ۸/۹۹، ۹/۱، ۹/۲، ۹/۳، ۹/۴، ۹/۵، ۹/۶، ۹/۷، ۹/۸، ۹/۹، ۹/۱۰، ۹/۱۱، ۹/۱۲، ۹/۱۳، ۹/۱۴، ۹/۱۵، ۹/۱۶، ۹/۱۷، ۹/۱۸، ۹/۱۹، ۹/۲۰، ۹/۲۱، ۹/۲۲، ۹/۲۳، ۹/۲۴، ۹/۲۵، ۹/۲۶، ۹/۲۷، ۹/۲۸، ۹/۲۹، ۹/۳۰، ۹/۳۱، ۹/۳۲، ۹/۳۳، ۹/۳۴، ۹/۳۵، ۹/۳۶، ۹/۳۷، ۹/۳۸، ۹/۳۹، ۹/۴۰، ۹/۴۱، ۹/۴۲، ۹/۴۳، ۹/۴۴، ۹/۴۵، ۹/۴۶، ۹/۴۷، ۹/۴۸، ۹/۴۹، ۹/۵۰، ۹/۵۱، ۹/۵۲، ۹/۵۳، ۹/۵۴، ۹/۵۵، ۹/۵۶، ۹/۵۷، ۹/۵۸، ۹/۵۹، ۹/۶۰، ۹/۶۱، ۹/۶۲، ۹/۶۳، ۹/۶۴، ۹/۶۵، ۹/۶۶، ۹/۶۷، ۹/۶۸، ۹/۶۹، ۹/۷۰، ۹/۷۱، ۹/۷۲، ۹/۷۳، ۹/۷۴، ۹/۷۵، ۹/۷۶، ۹/۷۷، ۹/۷۸، ۹/۷۹، ۹/۸۰، ۹/۸۱، ۹/۸۲، ۹/۸۳، ۹/۸۴، ۹/۸۵، ۹/۸۶، ۹/۸۷، ۹/۸۸، ۹/۸۹، ۹/۹۰، ۹/۹۱، ۹/۹۲، ۹/۹۳، ۹/۹۴، ۹/۹۵، ۹/۹۶، ۹/۹۷، ۹/۹۸، ۹/۹۹، ۱۰/۱، ۱۰/۲، ۱۰/۳، ۱۰/۴، ۱۰/۵، ۱۰/۶، ۱۰/۷، ۱۰/۸، ۱۰/۹، ۱۰/۱۰، ۱۰/۱۱، ۱۰/۱۲، ۱۰/۱۳، ۱۰/۱۴، ۱۰/۱۵، ۱۰/۱۶، ۱۰/۱۷، ۱۰/۱۸، ۱۰/۱۹، ۱۰/۲۰، ۱۰/۲۱، ۱۰/۲۲، ۱۰/۲۳، ۱۰/۲۴، ۱۰/۲۵، ۱۰/۲۶، ۱۰/۲۷، ۱۰/۲۸، ۱۰/۲۹، ۱۰/۳۰، ۱۰/۳۱، ۱۰/۳۲، ۱۰/۳۳، ۱۰/۳۴، ۱۰/۳۵، ۱۰/۳۶، ۱۰/۳۷، ۱۰/۳۸، ۱۰/۳۹، ۱۰/۴۰، ۱۰/۴۱، ۱۰/۴۲، ۱۰/۴۳، ۱۰/۴۴، ۱۰/۴۵، ۱۰/۴۶، ۱۰/۴۷، ۱۰/۴۸، ۱۰/۴۹، ۱۰/۵۰، ۱۰/۵۱، ۱۰/۵۲، ۱۰/۵۳، ۱۰/۵۴، ۱۰/۵۵، ۱۰/۵۶، ۱۰/۵۷، ۱۰/۵۸، ۱۰/۵۹، ۱۰/۶۰، ۱۰/۶۱، ۱۰/۶۲، ۱۰/۶۳، ۱۰/۶۴، ۱۰/۶۵، ۱۰/۶۶، ۱۰/۶۷، ۱۰/۶۸، ۱۰/۶۹، ۱۰/۷۰، ۱۰/۷۱، ۱۰/۷۲، ۱۰/۷۳، ۱۰/۷۴، ۱۰/۷۵، ۱۰/۷۶، ۱۰/۷۷، ۱۰/۷۸، ۱۰/۷۹، ۱۰/۸۰، ۱۰/۸۱، ۱۰/۸۲، ۱۰/۸۳، ۱۰/۸۴، ۱۰/۸۵، ۱۰/۸۶، ۱۰/۸۷، ۱۰/۸۸، ۱۰/۸۹، ۱۰/۹۰، ۱۰/۹۱، ۱۰/۹۲، ۱۰/۹۳، ۱۰/۹۴، ۱۰/۹۵، ۱۰/۹۶، ۱۰/۹۷، ۱۰/۹۸، ۱۰/۹۹، ۱۱/۱، ۱۱/۲، ۱۱/۳، ۱۱/۴، ۱۱/۵، ۱۱/۶، ۱۱/۷، ۱۱/۸، ۱۱/۹، ۱۱/۱۰، ۱۱/۱۱، ۱۱/۱۲، ۱۱/۱۳، ۱۱/۱۴، ۱۱/۱۵، ۱۱/۱۶، ۱۱/۱۷، ۱۱/۱۸، ۱۱/۱۹، ۱۱/۲۰، ۱۱/۲۱، ۱۱/۲۲، ۱۱/۲۳، ۱۱/۲۴، ۱۱/۲۵، ۱۱/۲۶، ۱۱/۲۷، ۱۱/۲۸، ۱۱/۲۹، ۱۱/۳۰، ۱۱/۳۱، ۱۱/۳۲، ۱۱/۳۳، ۱۱/۳۴، ۱۱/۳۵، ۱۱/۳۶، ۱۱/۳۷، ۱۱/۳۸، ۱۱/۳۹، ۱۱/۴۰، ۱۱/۴۱، ۱۱/۴۲، ۱۱/۴۳، ۱۱/۴۴، ۱۱/۴۵، ۱۱/۴۶، ۱۱/۴۷، ۱۱/۴۸، ۱۱/۴۹، ۱۱/۵۰، ۱۱/۵۱، ۱۱/۵۲، ۱۱/۵۳، ۱۱/۵۴، ۱۱/۵۵، ۱۱/۵۶، ۱۱/۵۷، ۱۱/۵۸، ۱۱/۵۹، ۱۱/۶۰، ۱۱/۶۱، ۱۱/۶۲، ۱۱/۶۳، ۱۱/۶۴، ۱۱/۶۵، ۱۱/۶۶، ۱۱/۶۷، ۱۱/۶۸، ۱۱/۶۹، ۱۱/۷۰، ۱۱/۷۱، ۱۱/۷۲، ۱۱/۷۳، ۱۱/۷۴، ۱۱/۷۵، ۱۱/۷۶، ۱۱/۷۷، ۱۱/۷۸، ۱۱/۷۹، ۱۱/۸۰، ۱۱/۸۱، ۱۱/۸۲، ۱۱/۸۳، ۱۱/۸۴، ۱۱/۸۵، ۱۱/۸۶، ۱۱/۸۷، ۱۱/۸۸، ۱۱/۸۹، ۱۱/۹۰، ۱۱/۹۱، ۱۱/۹۲، ۱۱/۹۳، ۱۱/۹۴، ۱۱/۹۵، ۱۱/۹۶، ۱۱/۹۷، ۱۱/۹۸، ۱۱/۹۹، ۱۲/۱، ۱۲/۲، ۱۲/۳، ۱۲/۴، ۱۲/۵، ۱۲/۶، ۱۲/۷، ۱۲/۸، ۱۲/۹، ۱۲/۱۰، ۱۲/۱۱، ۱۲/۱۲، ۱۲/۱۳، ۱۲/۱۴، ۱۲/۱۵، ۱۲/۱۶، ۱۲/۱۷، ۱۲/۱۸، ۱۲/۱۹، ۱۲/۲۰، ۱۲/۲۱، ۱۲/۲۲، ۱۲/۲۳، ۱۲/۲۴، ۱۲/۲۵، ۱۲/۲۶، ۱۲/۲۷، ۱۲/۲۸، ۱۲/۲۹، ۱۲/۳۰، ۱۲/۳۱، ۱۲/۳۲، ۱۲/۳۳، ۱۲/۳۴، ۱۲/۳۵، ۱۲/۳۶، ۱۲/۳۷، ۱۲/۳۸، ۱۲/۳۹، ۱۲/۴۰، ۱۲/۴۱، ۱۲/۴۲، ۱۲/۴۳، ۱۲/۴۴، ۱۲/۴۵، ۱۲/۴۶، ۱۲/۴۷، ۱۲/۴۸، ۱۲/۴۹، ۱۲/۵۰، ۱۲/۵۱، ۱۲/۵۲، ۱۲/۵۳، ۱۲/۵۴، ۱۲/۵۵، ۱۲/۵۶، ۱۲/۵۷، ۱۲/۵۸، ۱۲/۵۹، ۱۲/۶۰، ۱۲/۶۱، ۱۲/۶۲، ۱۲/۶۳، ۱۲/۶۴، ۱۲/۶۵، ۱۲/۶۶، ۱۲/۶۷، ۱۲/۶۸، ۱۲/۶۹، ۱۲/۷۰، ۱۲/۷۱، ۱۲/۷۲، ۱۲/۷۳، ۱۲/۷۴، ۱۲/۷۵، ۱۲/۷۶، ۱۲/۷۷، ۱۲/۷۸، ۱۲/۷۹، ۱۲/۸۰، ۱۲/۸۱، ۱۲/۸۲، ۱۲/۸۳، ۱۲/۸۴، ۱۲/۸۵، ۱۲/۸۶، ۱۲/۸۷، ۱۲/۸۸، ۱۲/۸۹، ۱۲/۹۰، ۱۲/۹۱، ۱۲/۹۲، ۱۲/۹۳، ۱۲/۹۴، ۱۲/۹۵، ۱۲/۹۶، ۱۲/۹۷، ۱۲/۹۸، ۱۲/۹۹، ۱۳/۱، ۱۳/۲، ۱۳/۳، ۱۳/۴، ۱۳/۵، ۱۳/۶، ۱۳/۷، ۱۳/۸، ۱۳/۹، ۱۳/۱۰، ۱۳/۱۱، ۱۳/۱۲، ۱۳/۱۳، ۱۳/۱۴، ۱۳/۱۵، ۱۳/۱۶، ۱۳/۱۷، ۱۳/۱۸، ۱۳/۱۹، ۱۳/۲۰، ۱۳/۲۱، ۱۳/۲۲، ۱۳/۲۳، ۱۳/۲۴، ۱۳/۲۵، ۱۳/۲۶، ۱۳/۲۷، ۱۳/۲۸، ۱۳/۲۹، ۱۳/۳۰، ۱۳/۳۱، ۱۳/۳۲، ۱۳/۳۳، ۱۳/۳۴، ۱۳/۳۵، ۱۳/۳۶، ۱۳/۳۷، ۱۳/۳۸، ۱۳/۳۹، ۱۳/۴۰، ۱۳/۴۱، ۱۳/۴۲، ۱۳/۴۳، ۱۳/۴۴، ۱۳/۴۵، ۱۳/۴۶، ۱۳/۴۷، ۱۳/۴۸، ۱۳/۴۹، ۱۳/۵۰، ۱۳/۵۱، ۱۳/۵۲، ۱۳/۵۳، ۱۳/۵۴، ۱۳/۵۵، ۱۳/۵۶، ۱۳/۵۷، ۱۳/۵۸، ۱۳/۵۹، ۱۳/۶۰، ۱۳/۶۱، ۱۳/۶۲، ۱۳/۶۳، ۱۳/۶۴، ۱۳/۶۵، ۱۳/۶۶، ۱۳/۶۷، ۱۳/۶۸، ۱۳/۶۹، ۱۳/۷۰، ۱۳/۷۱، ۱

گھر کی چیزوں میں پڑوسی کے حق کی رعایت :

۹- حدیث شریف میں پڑوسی کے حق کی بڑی تاکید آئی ہے، اس کے حق کی رعایت اور حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”ما زال جبریل یوصینی بالجوار حتی ظننت أنه سیورثه“^(۱) (مجھے حضرت جبریل علیہ السلام ہمہ پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنادیا جائے گا)۔

اور ارشاد ہے: ”والله لا یؤمن بالله لا یؤمن بالله لا یؤمن بالله؟ قال: الذی لا یؤمن جاره بوائفہ“^(۲) (خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، پوچھا گیا: کون یا رسول اللہ؟ فرمایا: جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں)۔

اسی لئے جائز نہیں ہے کہ گھر کا مالک گھر میں کوئی ایسا قدم اٹھائے جس سے اس کے پڑوسی کو نقصان ہو، جیسے پڑوسی کی دیوار کے پہلو میں بیت الخلاء کے لئے گڑھا کھودے، یا وہاں پر حمام بنائے یا تنور بنائے یا لوہاری کی دوکان یا اس جیسا کوئی ایسا پیشہ شروع کر دے جس سے گھر کے پڑوسی کو اذیت ہو۔

ایسے امور جو دونوں گھروں کے درمیان انجام دئے جائیں، جیسے دونوں کے درمیان امتیازی دیوار قائم کرنا، تو اس کی دو حالتیں ہیں: یا تو وہ دیوار کسی ایک کی ملک میں مخصوص ہو، اور دوسرے کے لئے صرف پردہ بن جائے، تو ایسی حالت میں دوسرے کو اس دیوار میں ضرر رساں تصرف کا حق مطلقاً نہیں ہوگا، چنانچہ دوسرے کے لئے

(۱) حدیث: ”ما زال جبریل...“ کی روایت بخاری (فتح ۲۳۱/۱۰ طبع انتقہ) اور مسلم (۲۰۲۵/۳ طبع عیسیٰ البابی النعلی) نے کی ہے۔
(۲) حدیث: ”والله لا یؤمن بالله لا یؤمن بالله؟“ کی روایت بخاری (فتح ۲۳۳/۱۰ طبع انتقہ) نے کی ہے۔

حرام ہوگا کہ اس پر لکڑیاں رکھے، یا اس پر پل بنائے یا حراب بنائے یا ایسے تصرفات کرے جو دیوار کو نقصان پہنچائیں اور اس کی مضبوطی کو متاثر کریں، اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے^(۱)، اس لئے کہ فقہی قاعدہ بالکل عام ہے کہ ”لا ضرر ولا ضرار“ (نہ ابتداء نقصان پہنچانا ہے اور نہ بدلہ میں نقصان پہنچانا ہے)، اور اس لئے کہ نبی ﷺ کا قول عام ہے: ”لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه“^(۲) (کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے)۔

اگر تصرف ایسا ہو جو دیوار کو نقصان پہنچائے اور نہ کمزور کرے تو جائز ہے، بلکہ مالک کے لئے مستحب و بہتر ہے کہ اپنے پڑوسی کو دیوار کے استعمال اور اس میں تصرف کی اجازت دے، اس لئے کہ اس میں پڑوسی کو آرام اور فائدہ پہنچانا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”ارتفاق“ اور ”جوار“۔

گھروں میں داخل ہونا:

۱۰- فقہاء کا اتفاق ہے کہ دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حرام فرمایا ہے کہ دوسرے کے گھروں میں باہر سے جھانکیں، یا ان میں ان کے مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہوں، تاکہ کوئی شخص کسی کی پوشیدہ چیز نہ دیکھے، یہ حرمت ایک حد تک ہے اور وہ حد اجازت طلبی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے گھروں کو لوگوں کی رہائش کے لئے خاص فرمایا ہے، اور

(۱) المغنی ۳/۵، روح المعانی ۳/۲۱۱۔

(۲) حدیث: ”لا یحل مال...“ کی روایت احمد (۲/۵ طبع المکتب الاسلامی) ورنجی (۱۰۰/۶ طبع دار المعرفہ) نے کی ہے زبلی نے اس کو دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جدید ہے (دیکھئے نصب الرایۃ ۳/۱۶۹ طبع دار الماسون)۔

گھروں کے اندر جھانکنا بھی حرام ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”لو أن امرؤاً اطلع عليك بغیر إذن، فحذفتہ بحصاة، ففقات عينه لم یکن عليك جناح“،^(۱) (اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور تم اسے نکری سے مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی باز پرس نہیں ہے)۔

گھر میں داخل ہونے کی اباحت:

۱۱- اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا مباح قرار دیا ہے جس میں کوئی نہیں رہتا ہو، ارشاد ہے: ”لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَیْرَ مَسْكُونَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ“،^(۲) (تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم ان مکانات میں داخل ہو جاؤ (جن میں) کوئی رہتا نہ ہو (اور) ان میں تمہارا کچھ سامان ہو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو)، کیونکہ اجازت طلب کرنے کی علت یہ تھی کہ محرمات پر نظر پڑ جانے کا اندیشہ تھا، تو جب یہ علت نہیں رہی تو حکم بھی نہیں رہا^(۳)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ”استئذان“۔

عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے گھر میں کسی کو آنے کی اجازت دے جب تک شوہر سے اجازت نہ لے لے، یا اسے ظن

(۱) حدیث: ”لو أن امرؤاً.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۲/۲۳۳ طبع الاستیعاب) اور مسلم (۳/۱۶۹ طبع عیسیٰ البابی) نے کی ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۲) سورہ نور ۲۹۔

(۳) آیت میں وارد لفظ متاع سے مراد تمام قسم کا انفاق ہے اس لئے کہ داخل ہونے والا اپنے کسی انفاق کے لئے داخل ہوگا، بیوت غیر مسکونہ سے مراد طلبہ کے لئے مدارس، ہوٹل، دکان، استیلاخانہ اور ہر وہ جگہ ہے جہاں اس سے اصل مقصد کے لئے جایا جاتا ہے (تفسیر القرطبی ۲/۲۲۱)۔

لوگوں کو گھروں سے لطف و آرام حاصل کرنے کا انفرادی طور پر مالک بنایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَیْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا، ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ“،^(۱) (اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو)۔

فقہاء نے جنگ کی حالت کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا ہے، لہذا ایسے گھر میں داخل ہونا جائز ہے جہاں سے دشمن سامنے ہو جاتا ہو، مجاہدین ایسے گھر میں داخل ہو سکتے ہیں تاکہ وہاں دشمن سے مقابلہ کریں^(۲)، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب ظلم یا ظن غالب ہو کہ اس گھر میں فساد و فجور موجود ہے، چنانچہ امام یا اس کے نائب کے لئے جائز ہے کہ فساد یوں کے گھر پر چھاپہ ماریں، حضرت عمرؓ نے ایک نوحہ کرنے والی عورت کے گھر پر چھاپہ مارا اور اس کو درہ سے مارا یہاں تک کہ اس کا دوپٹہ گر گیا، حضرت عمرؓ سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تو کہا کہ ایسی عورت کے لئے حرمت نہیں ہے، یعنی اس لئے کہ وہ حرام کام میں مشغول ہے^(۳)، اور وہ باندیوں کے حکم میں ہوگئی، حضرت عمرؓ نے گھر کی حرمتوں کو توڑنے پر تعزیری سزا جاری فرمائی، یہ واقعہ ایسے شخص کے ساتھ ہوا جو رات کی تاریکی کے بعد دوسرے کے گھر میں کپڑے میں لپیٹا لینا پایا گیا تو حضرت عمرؓ نے سو کوڑے مارے^(۴)۔ جس طرح بغیر اجازت گھروں میں داخل ہونا حرام ہے اسی طرح

(۱) سورہ نور ۲۷، تفسیر القرطبی ۲/۲۱۳-۲۱۴۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵/۱۲۶، اہل المدارک ۳/۵۴-۵۵ طبع عیسیٰ الحلبي مصر۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۸۰-۱۸۱۔

(۴) مصنف عبدالرزاق ۷/۳۰۱۔

ہو تو یہ دعا پڑھے: ”اللہم انی أسألك خیر المولج وخیر المخرج باسم اللہ ولجناء وباسم اللہ خرجنا، وعلى اللہ ربنا توکلنا“ (۱) (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں بہتر داخل ہونا اور بہتر نکلنا، اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اللہ کے نام سے ہم نکلے، اور اپنے رب اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا) پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔

گھر میں مرد اور عورت کی فرض نماز:

۱۳- فقہاء کا اتفاق ہے کہ گھر میں مرد اور عورت کے لئے فرض نماز کی ادائیگی درست ہے، اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مرد اگر فرض نماز تنہا گھر میں پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی، لیکن وہ گنہ گار ہوگا، اس لئے کہ حنابلہ کے نزدیک جماعت کی نماز آزاد اور قدرت رکھنے والے لوگوں پر واجب ہے۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ جماعت فرض کفایہ ہے، مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک جماعت سنت موکدہ ہے، لیکن فقہائے مذاہب کا اتفاق ہے کہ جماعت نماز کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے، صرف حنابلہ میں سے ابن عقیل کا قول اس سے مستثنیٰ ہے۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد میں جماعت سے نماز گھر میں تنہا نماز سے افضل ہے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صلاة الجماعة افضل من صلاة أحدکم وحده بخمس وعشرين درجة“ (۲) (جماعت کی نماز

غالب ہو کہ جائز ضرورت کی وجہ سے شوہر اس بات سے راضی ہوگا (۱)، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا یحل للمرأة أن تصوم وزوجها شاهد إلا بإذنه، ولا تأذن فی بیتہ إلا بإذنه“ (۲) (کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ روزہ رکھے اور اس کا شوہر موجود ہو جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لے، اور نہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں کسی کو آنے کی اجازت دے)۔

اپنے گھر میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے کی دعا:

۱۴- رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے آداب میں سے گھر میں داخل ہوتے وقت اور گھر سے نکلنے وقت دعا کرنا ہے۔

چنانچہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے گھر سے باہر نکلتے تو یہ دعا پڑھتے: ”باسم اللہ وتوکل علی اللہ اللہم انی أعوذ بک أن أضل، أو أضل أو أزل أو أزل أو أظلم أو أظلم أو أجهل أو أجهل علی“ (۳) (شروع اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں، یا پھسل جاؤں یا پھسلایا جاؤں، یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، یا جہالت کا کام کروں یا میرے ساتھ جہالت و نادانی کا معاملہ کیا جائے)۔

گھر میں داخل ہونے کی دعا حضرت ابو مالک اشعرؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل

(۱) مطالب اولیٰ امی ۵/۲۵۸، شرح فتح القدیر ۳/۷۰۷۔

(۲) حدیث: ”لا یحل للمرأة أن تصوم“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۹۵/۹ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”کان إذا خرج“ کی روایت ابوداؤد (۵/۳۲۷ طبع عزت عبید دہاس) اور ترمذی (۵/۳۹۰ طبع مصطفیٰ المہلبی) نے کی ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۱) حدیث: ”إذا ولج.....“ کی روایت ابوداؤد (۵/۳۲۸ طبع عبید دہاس) نے کی ہے اس کی سند میں شرح ابن عبید جفری اور راوی حدیث ابو مالک کے درمیان انقطاع ہے لہذا حدیث ضعیف ہے دیکھئے تہذیب التہذیب (۳/۳۲۸، ۳۲۹ طبع دار صادر)۔

(۲) حدیث: ”صلاة الجماعة“ کی روایت بخاری (الفتح ۱۳۱/۲ طبع المستقیم) اور مسلم (۱/۳۲۹ طبع مجلس) نے کی ہے الفاظ مسلم کے ہیں۔

تہا نماز سے پچیس گنا افضل ہے)، اور ایک روایت ہے: ”بسیع وعشرین درجة“ (ستائیس درجہ افضل ہے)۔

عورتوں کے حق میں گھر ہی میں نماز افضل ہے، اس لئے کہ حضرت ام سلمہ کی مرفوع حدیث ہے: ”خیر مساجد النساء فہو بیوتہن“^(۱) (عورتوں کی سب سے بہتر مسجد ان کے گھروں کا اندرون ہے)، اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صلاة المرأة في بيتها افضل من صلاتها في حجرةها، و صلاتها في مخدعها افضل من صلاتها في بيتها“^(۲) (کمرہ میں عورت کی نماز گھر میں نماز سے افضل ہے، اور کوشہ میں نماز کمرہ میں نماز سے افضل ہے)، اور حضرت ام حمید ساعدیہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قد علمت و صلاتک في بیتک خیر لک من صلاتک في حجرةک، و صلاة في حجرةک خیر لک من صلاتک في دارک، و صلاتک في دارک خیر لک من صلاتک في مسجد قومک، و صلاتک في مسجد قومک خیر لک من صلاتک في الجماعة“^(۳) (مجھے معلوم

ہے کہ خوابگاہ میں تمہاری نماز کمرے میں نماز سے بہتر ہے، اور کمرے میں تمہاری نماز مکان میں تمہاری نماز سے بہتر ہے، اور مکان میں تمہاری نماز اپنی قوم کی مسجد میں تمہاری نماز سے بہتر ہے، اور اپنی قوم کی مسجد میں تمہاری نماز جامع مسجد میں تمہاری نماز سے بہتر ہے)۔

امام نووی کہتے ہیں: شوہر کے لئے مستحب ہے کہ اپنی بیوی کو مسجد کی جماعت میں شرکت کی اجازت دے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا تمنعوا إماء اللہ مساجد اللہ، ولكن لیخرجن و هن تغلات“^(۱) (اللہ کی بندویں کو اللہ کے گھروں سے مت روکو، لیکن وہ اس طرح باہر نکلیں کہ وہ خوشبو ترک کئے ہوئی ہوں)، اور حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے: ”إذا استأذنکم نساؤکم باللیل إلی المسجد فاذنوا لهن“^(۲) (جب تم سے تمہاری عورتیں رات میں مسجد جانے کی اجازت چاہیں تو انہیں اجازت دے دو)۔

لیکن اگر عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور جماعت میں شامل ہونے سے فتنہ پیدا ہوتا ہو تو مسجد کی جماعت میں شامل ہونا عورت کے لئے مکروہ ہوگا، اور شوہر کو اس سے روکنے کا اختیار ہوگا اور اس پر اسے گناہ نہیں ہوگا، حدیث میں وارد عورت کو روکنے کی ممانعت کو نبی تنزیہی پر محمول کیا گیا ہے، اس لئے کہ گھر میں رہنے کا عورت پر شوہر کا حق واجب ہے تو اس واجب کو وہ فضیلت کے لئے ترک نہیں کرے گی^(۳)۔

(۱) حدیث حضرت ام سلمہؓ ”خیر مساجد النساء.....“ کی روایت احمد (۲/۲۹۷ طبع المیزان) نے کی ہے متاوی نے فیض میں ذہبی سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس کی سند کچھ ٹھیک ہے (فیض القدیر ۳/۳۹۱ طبع المکتبۃ التجاریہ)۔

(۲) حدیث: ”صلاة المرأة في بيتها.....“ کی روایت ابوداؤد (۱/۳۸۳ طبع عبید دہاس) نے کی ہے نووی نے المجموع میں کہا کہ ابوداؤد نے مسلم کی شرط پر صحیح سند سے اس کو روایت کیا ہے (۱۹۸۳ طبع إدارة المطابع الممیریہ)۔

(۳) حدیث: ”أم حمید.....“ کی روایت احمد (۱/۳۷۱ طبع المیزان) نے کی ہے اور ابن حجر نے اس کو صحت بتایا ہے جیسا کہ نیل الاوطار (۳/۱۶۱ طبع دار الفکر) میں ہے۔

(۱) حدیث: ”لا تمنعوا إماء اللہ.....“ کی روایت ابوداؤد (۱/۳۸۱ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے کی ہے۔ اور نووی نے المجموع (۳/۱۹۹ طبع إدارة المطابع الممیریہ) میں کہا کہ اس کی اسناد شیعین کی شرط پر صحیح ہے۔

اور اس کے پہلے جز کی روایت مسلم (۱/۳۲۷ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے کی ہے۔ (۲) حدیث: ”إذا استأذنکم.....“ کی روایت بخاری (۲/۳۳۷ طبع المکتبۃ) اور مسلم (۱/۳۲۷ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے کی ہے۔

(۳) روح الطائین ۱/۳۳۱، الشرح المفیر ۱/۲۳۳، الاختیار ۱/۵۷، کشاف القناع ۱/۵۵۵، المجموع ۳/۱۸۹-۱۹۰۔

گھر میں نفل نماز:

۱۴- گھر میں نفل نمازیں پڑھنا مسنون ہے (۱)۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”صلوا ایہا الناس فی بیوتکم، فإن أفضل صلاة المرء فی بیتہ إلا المكتوبة“ (۲) (لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، انسان کی سب سے افضل نماز اس کے گھر کے اندر کی ہے، سوائے فرض نمازوں کے)۔

گھر میں نفل نماز کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ گھر کی نماز اخلاص سے زیادہ قریب اور ریا و دکھاوے سے دور ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں عمل صالح کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے جو عمل صالح کا اعلان کرنے سے افضل ہے۔

گھر میں نوافل ادا کرنے کی ایک علت ارشاد نبوی ﷺ میں اس طرح آئی ہے: ”اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم، ولا تتخلوها قبورا“ (۳) (اپنی کچھ نمازیں اپنے گھروں میں پڑھو اور انہیں قبرستان نہ بناؤ) تو جس گھر میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا اور جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی وہ گھر ویران قبر کی طرح ہے، اس لئے یہ خیر کی بات ہے کہ انسان اپنی نماز کا ایک حصہ اپنے گھر میں ادا کرے تاکہ گھر کو اللہ کے ذکر اور تقرب سے آباد رکھے، یہ مفہوم حضرت جابرؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إذا قضی أحدکم الصلاة فی مسجده، فلیجعل لبیتہ نصیبا من

(۱) المجموع ۳۹۱ ص۔

(۲) حدیث: ”صلوا ایہا الناس.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۲/ ۲۱۳ طبع الشریعہ) نے کی ہے دیکھئے المغنی لابن قدامہ ۲/ ۱۴۱۔

(۳) حدیث: ”اجعلوا فی بیوتکم.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۳۹/ ۶۲ طبع الشریعہ) اور مسلم (۱/ ۵۳۸ طبع عیسیٰ البابی الحلی) نے کی ہے۔

صلاتہ، فإن الله جاعل فی بیتہ من صلاتہ خیرا“ (۱) (جب تم میں سے کوئی شخص اپنی مسجد میں نماز پوری کر لے تو اپنی نماز کا ایک حصہ اپنے گھر کے لئے رکھے، اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی وجہ سے اس کے گھر میں خیر فرمائے گا)۔

گھر میں اعتکاف:

۱۵- فقہاء کا اتفاق ہے کہ مرد کے لئے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے، یعنی گھر کی وہ جگہ جو نماز کے لئے تیار و علاحدہ کر دی گئی ہو۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ عورت کے لئے بھی اسی طرح اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف جائز نہیں ہے، ان حضرات کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ہے: ”سئل عن امرأة جعلت علیہا - أي نذرت - أن تعتکف فی مسجد بیتہا، فقال: بدعة، وأبغض الأعمال إلى الله البدع، فلا اعتکاف إلا فی مسجد تقام فیہ الصلاة“ (ان سے ایک ایسی خاتون کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کی نذر مانی تھی تو آپؓ نے فرمایا: یہ بدعت ہے، اور اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل بدعات ہیں، لہذا اعتکاف صرف اسی مسجد میں ہوگا جس میں نماز قائم کی جاتی ہے)، اور اس لئے بھی کہ گھر کی مسجد حقیقتاً اور حکماً مسجد نہیں ہے۔

اور اگر ایسا جائز ہوتا تو امہات المؤمنین نے بیان جواز کے لئے ایک بارعی سہی ایسا کیا ہوتا۔

حنفیہ کے نزدیک عورت کے لئے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف

(۱) حدیث: ”إذا قضی“ کی روایت مسلم (۱/ ۵۳۸ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

بیت ۱۶، البیت الحرام

کرنا جائز ہے، اس لئے کہ عورت کے حق میں اعتکاف کی جگہ وہی ہے جہاں اس کی نماز افضل ہے، جیسا کہ مرد کے حق میں یہ بات ہے، اور عورت کی افضل نماز اس کے گھر کی مسجد میں ہے، لہذا اعتکاف کی جگہ بھی اس کے گھر کی مسجد ہوئی، جیسا کہ فقہاء حنفیہ نے یہ بھی کہا کہ عورت کے لئے گھر میں اعتکاف کی جگہ سے باہر گھر میں ہی ٹکنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ حسن کی روایت میں ہے (۱)۔

البیت الحرام

تعریف:

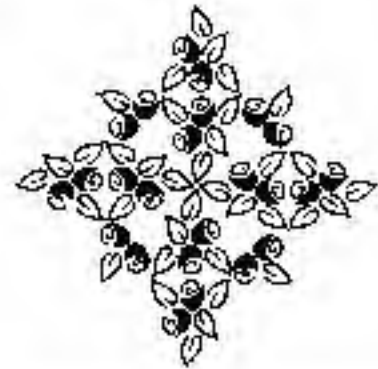
۱- ”البیت الحرام“ کا اطلاق کعبہ پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ”البیت الحرام“ کہا ہے، ارشاد ہے: ”جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ“ (۱) (اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مہر لیا ہے)۔

کعبہ کو اس کی عظمت و شرف کے اظہار کے لئے ”بیت اللہ“ بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وُطِّهُرُ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ“ (۲) (اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے)۔

اطلاق مسجد حرام، حرم مکہ اور اس کے ارد گرد کے ان مقامات تک پر ہوتا ہے جن کے نشانات معروف ہیں (۳)۔

گھر میں رہنے کی قسم کا حکم:

۱۶- اگر کسی نے قسم کھائی کہ گھر میں نہیں رہے گا، اور اس کی کوئی نیت نہیں ہے، پھر وہ بالوں کے گھر، یا کیمپ یا خیمہ میں رہتا ہے تو اگر قسم کھانے والا شخص شہروں کا رہنے والا ہے تو وہ حائث نہیں ہوگا، اور اگر قسم کھانے والا دیہات و گاؤں کا رہنے والا ہے تو حائث ہو جائے گا، اس لئے کہ بیت (گھر) اس جگہ کا نام ہے جہاں رات گزاری جاتی ہے، اور یمنین قسم کھانے والے شخص کے عرفی مقصود سے وابستہ ہوتی ہے، اور دیہات کے رہنے والے بال کے بنے گھروں میں رہتے ہیں، تو اگر قسم کھانے والا شخص دیہاتی ہو تو حائث ہو جائے گا، برخلاف اس کے کہ قسم کھانے والا شخص شہری ہو (کہ وہ حائث نہیں ہوگا) (۲)۔



(۱) سورۃ مائدہ/۹۷۔

(۲) سورۃ حج/۲۶۔

(۳) القرطبی ۸/۱۰۳، تفسیر آیت: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ“ سورۃ توبہ/۲۸، دستور العلماء ۲/۳۰-۳۱، إعلام الساجد لدار الرشیدی ص ۵۸، ۵۹، تفسیر القرطبی ۳/۱۳۷ اور اس کے بعد کے صفحات، تفسیر آیت: ”إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ“ (سورۃ آل عمران/۷۷)، الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۱۵۷، ۱۵۸۔

(۱) فتح القدیر ۲/۳۰۹، اشرح الصغیر ۱/۲۵۷، المجموع ۶/۳۸۰، کشاف القناع ۲/۳۵۲۔

(۲) الموسوط للسرھنسی ۸/۱۶۷ (دیکھئے ”مسائل“)

اجمالی حکم:

۲- البیت الحرام زمین میں اللہ کی عبادت کے لئے بنائی جانے والی پہلی مسجد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ“^(۱) (سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے وضع کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے) (سب کے لئے) برکت والا اور سارے جہان کے لئے راہنما ہے۔

حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زمین پر بنائی جانے والی پہلی مسجد کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسجد حرام“^(۲)۔

کعبہ اور مسجد حرام کے احکام کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”کعبہ“ اور ”مسجد حرام“۔

بیت الزوجیۃ

تعریف:

۱- ”بیت“ لغت میں گھر کو کہتے ہیں، ”بیت الرجل“ آدمی کا گھر^(۱)۔

”بیت الزوجیۃ“ ایسا متعین انفرادی مقام ہے جو بیوی کے لئے مخصوص ہو، جس میں شوہر کے باشعور فرد خانہ میں سے کوئی دوسرا شخص نہ رہتا ہو، گھر کا اپنا مخصوص دروازہ ہو، اور دیگر گھریلو سہولیات ہوں خواہ بیت کے اندر ہوں یا دار کے اندر، اور ان میں کسی دوسرے فرد کی شرکت بیوی کی رضا مندی کے بغیر نہ ہو^(۲)، یہ شرط ان غریب لوگوں میں نہیں ہے جو بعض گھریلو سہولیات میں مشترک ہوتے ہیں^(۳)۔

بیت الخلاء

بیوی کی رہائش میں ملحوظہ امور:

۲- حنفی کی مفتی بہ رائے^(۴)، حنابلہ کی رائے^(۵) اور یہی شافعیہ کی

دیکھئے: ”قضاء الحاجۃ“۔

(۱) لسان العرب، المصباح المہیر، المغرب، مادۃ ”بیت“۔

(۲) بیت الزوجیۃ، بعض قوانین میں اس کے لئے ”بیت الطاعۃ“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۶۶۲-۶۶۳ طبع دار احیاء التراث العربی، لشرح

الصغیر علی قرب المساکک ۲/۳۳۳، ۵۰۷، ۵۳۷۔

(۴) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۶۶۲، ۶۶۳ طبع دار احیاء التراث العربی، فتح القدیر

۲/۱۹۳، ۲۰۷ طبع دار احیاء التراث العربی۔

(۵) المغنی لابن قدامہ ۵/۵۶۹ طبع مکتبۃ الریاض الحدیث، کشف القناع

۵/۶۰۲ طبع مکتبۃ انصر الحدیث، مطالب اولیٰ انہی ۵/۶۱۶۔

(۱) سورہ آل عمران ۹۶۔

(۲) حدیث حضرت ابو ذرؓ: ”مسائل رسول اللہ ﷺ...“ کی روایت بخاری

(الفتح ۶/۲۱۷ طبع المکتبۃ) اور مسلم (۱/۳۷۰ طبع المکتبۃ) نے کی ہے۔

بیت الزوجیہ ۳

عموماً عورت کی حالت کے شایاں ہو، اس لئے کہ وہ سامان زندگی ہے خواہ مکان ہو یا کمرہ ہو یا کچھ اور^(۱)۔

حنفیہ کی ظاہر روایت یہ ہے کہ صرف شوہر کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”أَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ“^(۲) (ان (مطلعات) کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو)، اس آیت میں خطاب شوہروں سے ہے، حنفیہ میں سے علماء کی بڑی تعداد اسی کی قائل ہے، اور امام محمد نے اسی کی صراحت کی ہے^(۳)۔

شافعیہ کا تیسرا قول بھی یہی ہے کہ بیوی کا گھر شوہر کی مالی وسعت، تنگی اور متوسط حالت کے اعتبار سے ہوگا جس طرح نفقہ میں ہوتا ہے^(۴)۔

بیوی کے گھر کے لئے شرائط:

۳- فقہاء کی رائے ہے کہ^(۵) بیوی کے گھر میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت کی جائے گی:

(۱) شرح منہاج الطالبین وحامیہ اقلیوبی ۳/۲۳ طبع مصطفیٰ لکھنؤ مصر، نہایت الحجاج ۱۸۶/۷ طبع المکتب الاسلامی الریاض۔

(۲) سورہ طلاق ۶۔

(۳) ابن ماجہ ۲/۶۶۳-۶۶۳، فتح القدیر ۳/۱۹۳، ۲۰۷۔

(۴) المہذب ۲/۱۶۳ دار المعرفہ۔

(۵) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۳۰۲، ۳۰۷، ۶۶۲-۶۶۳، بدائع الصنائع ۲/۲۳، شرح فتح القدیر ۳/۲۰۷، حامیہ الدسوقی علی المشرع الکبیر ۲/۳۳۳-۳۳۳، ۵۰۸-۵۰۹ طبع عیسیٰ لکھنؤ مصر، الخرشنی علی مختصر فہرست ۲/۳۳۳، شرح الترقائی ۳/۵۹-۶۰ طبع دار الفکر، نہایت الحجاج ۱۸۶/۷، ۳۷۵، ۳۷۶۔

۲/۱۸۳، ۱۸۶، ۱۸۹، شرح منہاج الطالبین ۳/۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴ طبع عیسیٰ البابی لکھنؤ مصر، المغنی ۲/۲۶۷-۲۶۷، ۵۶۸-۶۱۶، کشاف ۲/۶۱۹، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، مطالب اولیٰ ۵/۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱ طبع المکتب الاسلامی دمشق۔

ایک روایت ہے^(۱) کہ بیوی کی رہائش کا معیار زوجین کی مالی حالت کے مطابق ہونا چاہئے، اس لئے کہ مالداروں کی رہائش فقیروں جیسی نہیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“^(۲) (اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا موافق دستور کے)، لفظ معروف کا تقاضا ہے کہ زوجین کی حالت کی رعایت کی جائے۔

اور اس لئے بھی کہ بیوی کا رہائش گھر واصل دائمی اور مستقل گھر ہوتا ہے، لہذا یہ بھی نفقہ اور کپڑا کے قائم مقام ہو، اور اختلاف و نزاع کے وقت حاکم ان دونوں کی حالت کی رعایت کرے گا۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ ”محل طاعت“ (بیوی کا رہائش مکان) زوجین کے اہل شہر میں جاری رواج کے مطابق اور شوہر و بیوی کی استطاعت کے بقدر ہوگا، پس اگر فقر یا غنا میں دونوں برابر ہوں تو دونوں کی حالت کی رعایت کی جائے گی، اگر شوہر غریب ہو صرف معمولی خرچ کی قدرت رکھتا ہو تو صرف شوہر کی استطاعت کا اعتبار ہوگا، اور اگر شوہر مالدار و صاحب استطاعت اور بیوی غریب ہو تو بیوی کی حیثیت سے برتر اور شوہر کی حیثیت سے فروتر حالت کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر بیوی مالدار و صاحب استطاعت ہو اور شوہر غریب ہو لیکن اپنی حالت سے بہتر کی استطاعت رکھتا ہو، البتہ بیوی کی حالت کے برابر استطاعت نہ ہو تو جس حالت تک کی اس کے اندر استطاعت ہے، اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا^(۳)۔

شافعیہ کا معتمد قول یہ ہے کہ بیوی کا رہائش گھر ایسے معیار کا ہوگا جو

(۱) روایت الطالبین للہووی ۵/۲۰۷ طبع المکتب الاسلامی۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۳۳۔

(۳) حامیہ الدسوقی علی المشرع الکبیر ۲/۵۰۸-۵۰۹، ۵۱۳ طبع عیسیٰ لکھنؤ مصر، شرح الترقائی ۲/۲۳۵ طبع دار الفکر، اہل المدارک شرح احیاء السالك ۲/۳۳۳ طبع عیسیٰ لکھنؤ مصر۔

بیت الزوجیۃ ۳

الف۔ شوہر کے بے شعور بچہ کے علاوہ شوہر کے دوسرے افراد خانہ سے خالی ہو، اس لئے کہ بیوی کو اپنے مخصوص گھر میں دوسرے کی شرکت سے ضرر پہنچے گا، نیز اسے اپنے سامانوں کے تین اطمینان نہیں ہوگا، اور دوسروں کی شرکت اس کے لئے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے رہنے میں رکاوٹ بنے گی، ”بیت الزوجیۃ“ (بیوی کے خصوصی گھر) کے تعلق سے اس رائے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

لیکن وہ مکان جس میں بیوی کا مخصوص گھر بھی واقع ہے، اس مکان میں شوہر کے اقارب یا شوہر کی دوسری بیویاں رہتی ہوں اور یہ بیوی ان کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو تو فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مکان کے اندر بیوی کا ایسا علاحدہ گھر ہو جس کو بند کرنے کا دروازہ ہو اور اس گھر کے ساتھ دیگر سہولیات فراہم ہوں تو ایسا گھر بیوی کے لئے کافی ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسی صورت میں مکان کے بقیہ حصہ میں شوہر کے اقارب کے رہنے پر بیوی کو اعتراض کا حق نہیں ہوگا، بشرطیکہ ان میں سے کوئی فرد بیوی کو ایذا نہ پہونچاتا ہو، فقہاء حنفیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں شوہر اپنی دوسری بیوی کو بھی اس مکان میں رکھ سکتا ہے بشرطیکہ سہولیات (یعنی کچن و استنج خانہ و غسل خانہ وغیرہ) مشترک نہ ہوں، کیونکہ یہ سہولیات ہی جھگڑے کا سبب بنتی ہیں^(۱)۔

شافعی مسلک بھی فی الجملہ یہی ہے^(۲)۔

بعض حنفیہ کا ایک قول جسے ابن عابدین نے پسند کیا ہے، یہ ہے کہ بارتہ اور کم رتبہ بیوی کے درمیان فرق کیا جائے گا، ذی حیثیت اور مالدار بیوی کو تو پورا مکان علاحدہ دینا ہوگا، لیکن متوسط حیثیت کی بیوی کے لئے مکان کا ایک گھر کافی ہوگا^(۳)۔

مالکیہ نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے، وہ اسی جیسی ہے، جیسا کہ صاحب اشرح الکبیر نے اس کی صراحت کی ہے، وہ کہتے ہیں: بیوی کو حق ہے کہ شوہر کے اقارب مثلاً شوہر کے والدین کے ساتھ ایک مکان میں رہنے سے انکار کر دے، اس لئے کہ ایک ساتھ رہنے میں شوہر کے اقارب بیوی کی حالت سے آگاہ ہوں گے جس سے بیوی کو ضرر ہوگا، لیکن کم رتبہ بیوی ان کے ساتھ رہنے سے انکار کرنے کا حق نہیں رکھتی ہے، اسی طرح اگر ذی حیثیت بیوی پر شوہر کے گھر والوں نے اپنے ساتھ رہنے کی شرط لگا رکھی ہو تو اسے بھی انکار کا حق نہیں ہوگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب ان اقارب کی نظر بیوی کی پوشیدہ چیزوں (ستر وغیرہ) پر نہیں پڑتی ہو، مالکیہ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ شوہر اس کے ساتھ دوسری بیوی سے اپنی چھوٹی اولاد کو رکھ سکتا ہے، اس صورت میں کہ بیوی کو بوقت دخول اس بچہ کا علم ہو یا اس بچہ کی پرورش کرنے والا اس کے باپ کے علاوہ کوئی نہ ہو خواہ بیوی کو بوقت دخول بچہ کا علم نہ ہو^(۱)۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر شوہر نے اپنی دو بیویوں کو ایک مکان میں ٹھہرایا، ہر ایک کو علاحدہ گھر میں، تو یہ درست ہے بشرطیکہ ان میں سے ہر ایک کا گھر اس جیسی عورتوں کی رہائش کے مثل ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس جیسی عورت کی رہائش کے لئے پورا مستقل مکان ہوتا ہو تو شوہر پر پورا مکان دینا لازم ہوگا^(۲)۔

شوہر یا بیوی کا خادم خواہ وہ خادم بیوی کی جانب سے ہو یا شوہر کی جانب سے، مکان میں رہ سکتا ہے، اس لئے کہ اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اور خادم ایسا ہی فرد ہو سکتا ہے جس کے لئے بیوی کو دیکھنا جائز ہے جیسے کہ آزاد عورت^(۳)۔

(۱) اشرح الکبیر وجامیۃ الدسوقی ۲/۵۱۲، ۵۱۳۔

(۲) المغنی ۷/۲۶۷-۲۷۰، کشاف القناع ۵/۱۹۷۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۲/۶۵۳-۶۵۵، شرح فتح القدیر ۲/۱۹۹، ۲۰۱، جامیۃ

(۱) ردالمحتار ۲/۶۶۳۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۶/۳۷۵۔

(۳) ردالمحتار ۲/۶۶۳۔

بیت الزوجیۃ ۴-۵

مخصوص گھر میں رکھے^(۱)۔

بیوی کے لئے اپنے مخصوص گھر سے نکلنے کی اجازت؟
اصل یہ ہے کہ بیوی کو شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مخصوص گھر سے باہر نکلنے کا حق نہیں ہے، لیکن مخصوص حالات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان حالات کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایسی اہم حالتیں مندرجہ ذیل ہیں:

الف- اپنے گھر والوں سے ملاقات:

۵- حنفیہ کے نزدیک رائج یہ ہے کہ عورت اپنے مخصوص گھر سے ہر ہفتہ اپنے والدین سے ملاقات کے لئے اور ہر سال اپنے محرم رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے نکل سکتی ہے خواہ اس کا شوہر اجازت نہ دے^(۲)۔

نیز بیوی اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی عیادت اور جنازہ میں شرکت کے لئے نکل سکتی ہے^(۳)۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ بیوی اپنے والدین سے ملاقات کے لئے ہر ہفتہ اپنے گھر سے اس صورت میں نکل سکتی ہے جب والدین اس سے ملاقات کی قدرت نہ رکھتے ہوں، ورنہ اگر والدین ملاقات کر سکتے ہوں تو بیوی نہیں نکلے گی^(۴)۔

مالکیہ نے جائز قرار دیا ہے کہ عورت اپنے والدین سے ملاقات کے لئے اپنے گھر سے نکل سکتی ہے، اور ہفتہ میں ایک بار والدین سے

ب- بیوی کا گھر اس کی سوکن کی رہائش سے خالی ہو، اس لئے کہ دونوں کے درمیان غیرت ہوتی ہے، اور اکٹھا رہنے سے دونوں میں اختلاف و جھگڑا پیدا ہوگا، لہذا یہ کہ وہ دونوں ایک ساتھ رہنے پر راضی ہو جائیں، اس لئے کہ حق انہی دونوں کا ہے (وہ اس پر راضی ہو سکتی ہیں)، البتہ اس رضامندی کے بعد پھر رجوع (یعنی علاحدہ رہائش کے مطالبہ) کا انہیں حق ہوگا۔

ج- بیوی کا گھر اچھے و نیک پروسیوں کے درمیان ہو، ایسے پرہیزگار جن کی شہادت قبول کی جاتی ہے، تاکہ بیوی کو اپنی جان اور مال کا اطمینان حاصل ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بغیر پروسیوں کے گھر شرعی رہائش نہیں ہے اگر اسے اپنی جان اور مال کا اطمینان نہیں۔

د- بیوی کے گھر میں وہ تمام چیزیں ہوں جو ان جیسی عورتوں کی زندگی کے لئے عموماً ضروری ہوتی ہیں، جیسا کہ گذرا، اور گھر کی تمام ضروری سہولیات ہوں۔

بیوی کے گھر میں شیر خوار بچہ کی رہائش:

۴- فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت پر اپنے بچہ کو دودھ پلانا متعین ہو جائے، یا اس نے شادی سے قبل دودھ پلانے کے لئے خود کو اجرت پر دیا ہو پھر شادی کی ہو تو شوہر کو حق نہیں ہے کہ دودھ پلانے کے معاملہ کو فسخ کرادے، اسی طرح اگر شوہر نے بیوی کو دودھ پلانے کی اجازت دے رکھی ہو تو بھی معاملہ فسخ کرانے کا حق نہیں ہے، ان دونوں صورتوں میں بیوی کا حق ہے کہ اپنے ساتھ شیر خوار بچہ کو اپنے

(۱) ابن عابدین ۲/۶۳، حاشیہ الدسوقی ۳/۱۳-۱۴، نہایۃ المحتاج ۵/۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶،

بیت الزوجی۶

شبہ نہ ہو، اسی طرح ان کی عیادت اور ان کے جنازہ میں شرکت کر سکتی ہے خواہ شوہر موجود نہ ہو، اور اس نے اپنے جانے سے پہلے نہ اجازت دی ہو اور نہ منع کیا ہو، اور اگر اس نے جانے سے قبل منع کر دیا ہو تو عورت کے لئے ٹکنا جائز نہیں ہے، اور باہر نکلنے سے مراد سفر کے علاوہ ٹکنا ہے، اور عدم موجودگی سے مراد شوہر سے عدم موجودگی ہے (۱)۔

حنابلہ نے اجازت دی ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی اجازت سے اپنے والدین سے ملاقات کے لئے جاسکتی ہے، شوہر کی اجازت کے بغیر جانے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ شوہر کا حق واجب ہے جسے کسی غیر واجب امر کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں ہوگا، خواہ ملاقات کا جو بھی سبب ہو، اور شوہر کی اجازت کے بغیر صرف ضرورتاً نکل سکتی ہے، اور شوہر کو حق نہیں ہے کہ بیوی کو اپنے والدین سے ملاقات کرنے سے منع کرے، لایکہ اس کو قرآن احوال سے اس بات کا اندازہ ہو کہ بیوی سے والدین کے ملاقات کرنے سے ضرر حاصل ہوگا، تو ایسی صورت میں شوہر کو حق ہوگا کہ دفع ضرر کے لئے والدین کو بیوی سے ملاقات کرنے سے منع کر دے (۲)۔

ب- عورت کا سفر کرنا اور رہائشی گھر سے باہر رات گزارنا:
۶- حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت فرض حج کی ادائیگی کے لئے اپنے رہائشی گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور شوہر کو حق نہیں ہوگا کہ اسے روک دے، اس لئے کہ حج اصل شرع کی رو سے فرض ہے، اور

(۱) شرح منہاج الطالبین وحاشیہ عمیرہ ۹/۳۷، روضۃ الطالبین للمودودی ۹/۶۱، نہایۃ المحتاج ۷/۱۹۰۔

(۲) کشاف القناع ۵/۱۵۸-۱۵۹ (اس کتاب میں طباعت کی غلطی سے مفہوم الٹ گیا ہے اور والدین کی زیارت سے بیوی کو روکنے کا مفہوم آ گیا ہے جب کہ صحیح وہ بات ہے جو ہم نے نوید ذکر کی ہے جیسا کہ مسلک حنفی کی دیگر تمام کتب مراجع میں ہے)، المغنی لابن قدامہ ۷/۲۰ طبع مکتبۃ الریاض الحمدیہ شرح غنیمی الارادات ۳/۹۹ مطالب اولیٰ اُسی ۵/۲۷۲۔

ملاقات کی اجازت دی جائے گی بشرطیکہ اس کی ذات پر اطمینان ہو خواہ وہ نوجوان ہو، اور اس کی حالت کو امانت پر ہی محمول کیا جائے گا یعنی اس پر اطمینان ہی کیا جائے گا جب تک کہ اس کے خلاف ظاہر نہ ہو جائے، اور اگر شوہر نے قسم کھائی کہ بیوی اپنے والدین سے ملاقات نہیں کرے گی تو شوہر کو اپنی قسم میں حانث بنایا جائے گا، بایں طور کہ تقاضی بیوی کو ملاقات کے لئے نکلنے کا حکم دے گا، اور جب وہ عملاً نکلے گی تو شوہر حانث ہو جائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب اس کے والدین اسی شہر میں رہتے ہوں، اگر وہ دور رہتے ہوں تو بیوی کو ملاقات کا حکم نہیں دیا جائے گا، اور بیوی کو والدین سے ملاقات کے لئے جانے کا حق اس صورت میں نہیں ہوگا جب شوہر نے اللہ کی قسم کھائی ہو کہ بیوی نہیں نکلے گی، اور اس جملہ کو مطلق رکھا ہو یعنی مخصوص ملاقات سے ممانعت کے بجائے مطلق نکلنے سے ممانعت کی قسم کھائی ہو، اور یہ اطلاق لفظ میں بھی ہو اور نیت میں بھی، پس شوہر کے خلاف فیصلہ کر کے اس کے نکلنے کا حکم نہیں دیا جائے گا خواہ وہ اپنے والدین سے ملاقات کی درخواست کرے، اس لئے کہ جس صورت میں اس نے مخصوص ملاقات کی ممانعت کی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کو ضرر پہنچانا چاہتا ہے، لہذا شوہر کو حانث بنایا جائے گا، برخلاف اس کے کہ اگر اس نے قسم میں عمومیت رکھی تو اس سے بیوی کو ضرر پہنچانے کا مقصد ظاہر نہیں ہوتا ہے، لہذا شوہر کے خلاف اس کے نکلنے کا فیصلہ کر کے شوہر کو حانث نہیں بنایا جائے گا، اور اگر اس کی ذات کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو وہ باہر نہیں نکلے گی خواہ وہ باہر نکلنے والی ہی کیوں نہ ہو، اور نہ کسی قابل اعتماد خاتون کے ساتھ نکلے گی، اس لئے کہ نکلنے سے وہ فساد کا شکار ہوگی (۱)۔

شافعیہ نے اپنے معتمد قول میں بیوی کو اجازت دی ہے کہ اپنے گھر والوں سے ملاقات کے لئے خواہ وہ محارم ہوں جاسکتی ہے جہاں

(۱) حاشیۃ المدوئی علی الشرح الکبیر ۴/۵۱۳، شرح الترغاتی ۳/۲۳۷، ۲۳۸۔

بیت الزوجیۃ ۷-۹

صورت میں شوہر کے لئے مستحب ہے کہ بیوی کو جانے کی اجازت دے، کیونکہ اس میں صلہ رحمی ہے، اور شرکت سے بیوی کو روکنا قطع رحمی ہے، نیز شوہر کی عدم اجازت بسا اوقات اس کی مخالفت پر بیوی کو آمادہ کر سکتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے طریقہ سے زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے، لہذا شوہر کو چاہئے کہ بیوی کو نہ روکے^(۱)۔
حنابلہ نے ان صورتوں کے حکم کی صراحت نہیں کی ہے۔

۷- ضروریات کی تکمیل کے لئے نکلنا:

۹- جمہور فقہاء کی رائے میں بیوی کے لئے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے رہائشی گھر سے نکلنا اس صورت میں جائز ہے جب بیوی کو کوئی اچانک ضرورت پیش آجائے اور قابل اعتماد شوہر یا بیوی کا کوئی محرم اس کو پورا نہ کرے۔

اسی طرح اپنی بعض لازمی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی نکل سکتی ہے جیسے مکان کے کسی حصہ سے یا مکان کے باہر سے پانی لانا، اسی طرح کھانا لانا وغیرہ ایسی ضروریات جن سے انسان بے نیاز نہیں ہو سکتا، اور شوہر ان ضروریات کی تکمیل نہ کرے، اسی طرح شوہر نے بیوی کو بُری طرح مارا ہو، یا اسے قاضی کے پاس جا کر اپنا حق طلب کرنے کی ضرورت ہو تو بھی نکل سکتی ہے^(۲)۔

حنفی نے صراحت کی ہے کہ اگر عورت کا گھر غصب کردہ ہو تو وہ اس گھر سے نکل سکتی ہے، اس لئے کہ مقصود یہ گھر میں رہائش حرام ہے،

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۵۹۲، ۶۶۳، الفواکیر الدوایی ۲/۳۸۶، ۳۸۷، تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج ۲/۳۰۸، کشاف القناع ۵/۹۷، مطالب اولیٰ الیٰ ۵/۲۷۱، المغنی لابن قدامہ ۵/۲۰۷۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۵۹۲، ۶۶۳، البحر الرائق ۳/۲۱۲، ۲۶۳ طبع دار المعرفہ، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/۵۱۱، الفواکیر الدوایی ۲/۳۰۹ طبع دار المعرفہ، نہایۃ المحتاج ۵/۱۹۶، روہۃ الطالبین للعووی ۹/۱۶۱، کشاف القناع ۵/۹۷، مطالب اولیٰ الیٰ ۵/۲۷۱۔

اگر عورت نے شوہر کی اجازت سے نفلی حج کا احرام باندھ لیا تو شوہر کو احرام ختم کرانے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ نفلی حج شروع کر دینے کے بعد پورا کرنا واجب ہوتا ہے^(۱)۔

شافعیہ کے نزدیک عورت شوہر کی اجازت سے حج کے لئے نکل سکتی ہے، اس لئے کہ عورت صرف شوہر کی اجازت سے ہی فرض یا نفلی حج کے لئے جاسکتی ہے^(۲)۔

ج- اعتکاف:

۷- فقہاء کی رائے ہے کہ عورت مطلقاً مسجد میں اعتکاف کے لئے اپنے شوہر کی اجازت سے اپنے رہائشی گھر سے نکل سکتی ہے اور اعتکاف کی مدت تک مسجد میں ٹھہر سکتی ہے^(۳)۔

د- محارم کی دیکھ ریکھ:

۸- حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ عورت اپنے محرم اقارب جیسے والدین اور بہنوں کی دیکھ ریکھ کے لئے اپنے رہائشی گھر سے نکل سکتی ہے، مثلاً مریض کی تیمارداری اور عیادت کے لئے نکل سکتی ہے، بشرطیکہ ان کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی نہ ہو اور انہیں اس عورت کی ضرورت ہو، عورت ان کی ضرورت کے بقدر ان کی دیکھ ریکھ کرے گی، اسی طرح اگر عورت کے اقارب میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کے لئے وہ نکلے گی، اور اس

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/۱۳۶، ۶۶۳، شرح فتح القدیر ۲/۳۳۰، ۳۳۲، حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۲/۸۷، ۵۱۷، کشاف القناع ۲/۳۸۵، المغنی لابن قدامہ ۳/۵۳۱، الکافی ۱/۵۱۹۔

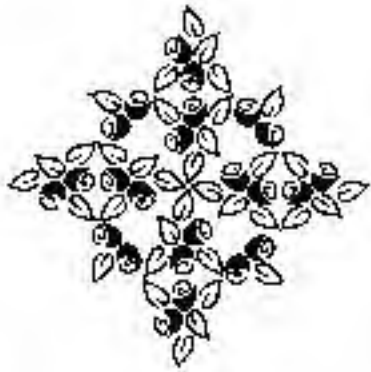
(۲) نہایۃ المحتاج ۳/۲۲۳، روہۃ الطالبین للعووی ۹/۶۱۔
(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۱۲۹، شرح فتح القدیر ۲/۳۰۹، الدسوقی ۱/۵۳۱-۵۳۲، ۵۳۵، نہایۃ المحتاج ۳/۱۲۸، روہۃ الطالبین ۹/۶۳، کشاف القناع ۲/۳۸۵، المغنی ۳/۵۳۱، الکافی ۱/۵۱۹۔

بیت الترویجیہ ۱۰

سکتی ہے جب گھریا اس کا کچھ حصہ انہدام کے قریب ہو اور اس کا اشارہ مقررینہ پایا جا رہا ہو، نیز شوہر کی اجازت سے وہ کسی علمی مجلس میں شرکت کے لئے جاسکتی ہے، شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتی ہے۔

رہائشی گھر میں رہائش سے بیوی کے انکار کے اثرات:

۱۰- فقہاء کی رائے ہے کہ عورت اگر رہائشی گھر میں رہائش سے بلا وجہ انکار کر دے، خواہ گھر سے باہر نکلنے کے بعد وہاں رہائش سے انکار ہو یا ابتداء ہی اس گھر میں جانے سے انکار کر دے جب کہ اس نے اپنا مہر مخمل وصول کر لیا ہو اور شوہر نے وہاں رہائش کا مطالبہ کیا ہو تو عورت کو نفقہ اور رہائش کا حق اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک کہ وہ وہاں واپس نہ لوٹے، اس لئے کہ عورت نے انکار کر کے شوہر کا حق جس فوت کر دیا جس کی وجہ سے نفقہ واجب ہوتا ہے، لہذا ایسی عورت نامرمان قرار پائے گی^(۱)۔



اور حرام سے گریز واجب ہے، اور اس صورت میں اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، یہی حکم اس صورت میں ہے جب عورت ایسے گھر میں جانے سے انکار کر دے^(۱)۔

شافعیہ^(۲) اور حنابلہ^(۳) نے صراحت کی ہے کہ عورت اپنے رہائشی گھر سے باہر کام کرنے کے لئے نکل سکتی ہے اگر شوہر نے اس کی اجازت دی ہو، اس لئے کہ یہ حق خود ان دونوں کا ہے اور ان دونوں سے نہیں نکل رہا ہے، اگر عورت نے عقد نکاح سے قبل اپنے کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر دیا ہو پھر اس نے شادی کی ہو تو دودھ پلانے کے لئے وہ باہر نکل سکتی ہے، اس لئے کہ یہ عقد اجارہ صحیح ہے، اور شوہر اس اجارہ کو فسخ کرنے یا عورت کو رضاعت سے روکنے کا حق نہیں رکھتا جب تک کہ اجارہ کی مدت ختم نہ ہو جائے، اس لئے کہ عقد اجارہ کے منافع کی ملکیت عورت نے شوہر سے نکاح سے قبل حاصل کی ہے اور ساتھ ہی شوہر کو اس کا علم تھا۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ عورت اپنے رہائشی گھر سے نکل سکتی ہے اگر اسے کسی فاسق یا چور سے اپنی جان یا مال کا اندیشہ ہو، یا عاریت پر گھر دینے والا شخص عورت کو گھر سے نکال دے، اسی طرح شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ عورت شوہر کی مطلقاً اجازت سے کسی محرم کے ساتھ باہر اور سفر پر نکل سکتی ہے^(۴)۔

حنفیہ^(۵) اور شافعیہ^(۶) نے صراحت کی ہے کہ عورت اپنے رہائشی گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر بھی اس صورت میں نکل

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۲۳۶-۶۳۷، البحر الرائق ۳/۱۹۵، شرح فتح القدیر ۳/۱۹۶۔
 (۲) تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج ۸/۳۳۱۔
 (۳) کشاف القناع ۵/۱۹۶، مطالب ولی اللہ ۵/۲۷۲، ۲۷۳۔
 (۴) نہایۃ المحتاج ۷/۱۹۶۔
 (۵) البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۳/۲۱۲-۲۱۳۔
 (۶) نہایۃ المحتاج ۷/۱۹۶۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۲۳۶-۶۳۷، البحر الرائق ۳/۱۹۵، شرح فتح القدیر ۳/۱۹۶۔

(۲) تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج ۸/۳۳۱۔

(۳) کشاف القناع ۵/۱۹۶، مطالب ولی اللہ ۵/۲۷۲، ۲۷۳۔

(۴) نہایۃ المحتاج ۷/۱۹۶۔

(۵) البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۳/۲۱۲-۲۱۳۔

(۶) نہایۃ المحتاج ۷/۱۹۶۔

بیت المال ۱-۲

ملک میں قبضہ تو ثابت ہو، لیکن اس کا مالک متعین نہ ہو بلکہ وہ تمام لوگوں کا مال ہو، قاضی ماوردی اور قاضی ابویعلیٰ کہتے ہیں: یہ ہر وہ مال ہے جس کے مستحق مسلمان ہوں، لیکن مسلمانوں میں سے کوئی اس کا مالک متعین نہ ہو، ایسا مال بیت المال کے حقوق میں سے ہے، پھر کہتے ہیں: اور بیت المال کسی جگہ کا نہیں بلکہ اس شعبہ کا نام ہے (۱)۔

بیت المال

تعریف:

۱- بیت المال، لغت میں ایسی جگہ ہے جو مال کی حفاظت کے لئے بنائی گئی ہو خواہ وہ جگہ خاص ہو یا عام۔

جہاں تک اصطلاح کا تعلق ہے تو ”بیت مال المسلمین“ اور ”بیت مال اللہ“ کے الفاظ ابتدائے اسلام میں ایسے مقام یا مکان کے لئے استعمال ہوتے تھے جن میں اسلامی حکومت کے منقولہ عمومی اموال جیسے فسی، خمس غنائم وغیرہ ان کے مصارف میں خرچ کرنے تک حفاظت کے لئے رکھے جاتے تھے، پھر اس مفہوم کو بتانے کے لئے صرف ”بیت المال“ کا لفظ بولا جانے لگا، اور مطلق ”بیت المال“ بولنے سے یہی مفہوم مراد ہونے لگا (۱)۔

بعد کے اسلامی ادوار میں اس لفظ ”بیت المال“ کا مفہوم مزید وسیع ہوا اور اس جہت و شعبہ کے لئے استعمال ہونے لگا جو مسلمانوں کے عمومی مال جیسے نقد، سامان اور اسلامی اراضی وغیرہ کا مالک ہوتا ہے۔

یہاں پر عمومی مال سے مراد ہر وہ مال ہے جس پر مسلمانوں کے

(۱) کتاب الخراج ص ۳۲ پر قاضی ابویوسف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں اراضی میریہ بیت المال کے اموال میں شمار نہیں ہوتی تھیں، لیکن ابن ماجہ بن اور متاخرین حنفیہ کے کلام میں صراحت ہے کہ یہ اراضی بیت المال کے اموال میں ہیں، دیکھئے اصطلاح ”ارض حوز“ اور اصطلاح ”ارضاد“۔

خلیفہ وغیرہ کے مخصوص اموال کے خزانے ”بیت مال الخلیفۃ“ (مخصوص بیت المال) کہلاتے ہیں۔

۲- ”دیوان بیت المال“ اور ”بیت المال“ میں فرق ملحوظ رکھنا چاہئے، ”دیوان بیت المال“ وہ ادارہ ہے جہاں آمد و خرچ اور عمومی اموال کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے، یہ ماوردی اور ابویعلیٰ کے نزدیک حکومت کا ایک دیوان (محکمہ) ہے، ان دونوں حضرات کے عہد میں چار دیوان ہوا کرتے تھے، ایک فوج کا دیوان، دوسرا ائمال کا دیوان، تیسرا کورنروں کا دیوان، اور چوتھا بیت المال کا دیوان (۲)، دیوان کو بیت المال کے اموال میں تصرف کا اختیار نہیں ہوتا، اس کا کام صرف ریکارڈ رکھنے تک محدود رہتا ہے۔

دیوان دراصل دفتر یا رجسٹر کو کہتے ہیں، ابتدائے اسلام میں ایسے رجسٹر کو کہتے تھے جس میں بیت المال سے وظیفہ پانے والوں کے نام درج

(۱) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۳۵ مجلس ۱۳۵ھ، الاحکام السلطانیہ لقاضی ابی الحسن الماوردی ص ۲۱۳ طبع لعلی، اس میں یہ مٹا رہ ہے کہ بیت المال کی اعتباری شخصیت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اس کے نمائندوں کے توسط سے طبی شخص کا معاملہ کیا جائے گا، اس کا اپنا مالی ذمہ ہوگا جس کی رو سے اس کے حق میں اور اس کے اوپر حقوق کا برت ہوں گے، اس کی جانب سے اور اس کے خلاف دعویٰ دائر کیا جائے گا، اس کا نمائندہ پہلے امام المسلمین ہوتا تھا یا دوسرا شخص جس کے ذمہ وہ کیا گیا ہو، اور اب اس کا نمائندہ وزیر مالیات یا متعلقہ ذمہ دار ہوتا ہے۔

(۲) الماوردی ص ۲۰۳، ابویعلیٰ ص ۲۲۲۔

بیت المال ۳

پرنکس لیا جاتا ہو تو دیوان میں ان کے ساتھ عقد مصالحت اور ان سے لئے جانے والے ٹیکس کی مقدار کا ذکر^(۱)۔

اسلام میں بیت المال کا آغاز:

۳۔ بعض مراجع سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر بن خطابؓ نے بیت المال قائم کیا، ابن الاثیر نے اس کا ذکر کیا ہے^(۲)، لیکن بیشتر مراجع میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کے لئے بیت المال قائم کیا تھا۔

چنانچہ ابن عبد البر کی ”الاستیعاب“ اور ابن حجر کی ”تہذیب التہذیب“ میں معقیب بن ابوقاطمہ کی سوانح میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں بیت المال کا ذمہ دار بنایا تھا^(۳)، بلکہ ابن الاثیر نے ایک دوسرے مقام پر ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا ایک بیت المال سخ کے مقام پر (مدینہ کے مضافات میں) تھا، اور آپ وہیں سکونت رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ مدینہ منتقل ہو گئے تو ان سے کہا گیا کہ کیا وہاں اس کی نگرانی کے لئے کسی کو مامور نہ کر دیا جائے، آپ نے کہا: نہیں، چنانچہ آپ اس کے اموال مسلمانوں پر خرچ کرتے تھے، تا آنکہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں بچتا، جب آپ مدینہ منتقل ہو گئے تو بیت المال اپنے گھر میں بنالیا، جب حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے امانت داروں کو جمع کیا اور بیت المال کو کھولا تو اس میں ایک دینار کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا جو تھیلے سے گر گیا تھا تو سبھوں نے حضرت ابو بکرؓ کے لئے

ہوتے تھے^(۱) پھر اس کے مفہوم میں تنویر پیدا ہوا جیسا کہ مذکور ہوا۔ کاتب دیوان کے فرائض میں سے یہ ہے کہ بیت المال کے قوانین کی حفاظت عادلانہ ٹیکس کے مطابق کرے، نہ تو زائد ہو کہ رعایا پر ظلم ہو اور نہ کم ہو کہ بیت المال کا حق متاثر ہو^(۲)۔

بیت المال سے متعلق امور میں کاتب دیوان کی ذمہ داری ہے کہ بیت المال کے قوانین اور اس کے ٹیکسوں کی حفاظت کرے، قاضی ماوردی اور قاضی ابویعلیٰ نے کاتب کی ذمہ داریوں میں چھ کام بتائے ہیں، جو مختصر اور ج ذیل ہیں:

الف۔ کام کی ایسی تعیین کہ وہ دوسرے سے ممتاز ہو جائے، اور کام کے گوشوں کی تفصیل جن کے احکام مختلف ہوتے ہیں۔

ب۔ ملک کی حالت کا ذکر، آیا وہ طاقت کے ذریعہ فتح ہوا ہے یا صلح کے ذریعہ، اور ملک کی زمین کے عثری یا خراجی ہونے کی بابت تفصیلی طور پر کیا احکام طے پائے ہیں۔

ج۔ ملک کے خراج کے احکام کا ذکر اور ملک کی اراضی کی بابت طے شدہ امر، آیا وہ خراج مقاسمہ ہے یا خراج وظیفہ (زمین پر متعین دراہم کی شکل میں وظیفہ)۔

د۔ ہر علاقہ کے اہل ذمہ اور عقد جز یہ میں ان پر جو کچھ مقرر کیا گیا اس کی تفصیل ذکر کرے۔

ه۔ اگر ملک میں معدنی وسائل ہیں تو معدنی اجناس اور ہر جنس کی تعداد کا ذکر، تاکہ ان سے نکلنے والے وسائل پر لی جانے والی مقدار معلوم ہو۔

و۔ اگر ملک کی سرحد دار الحرب سے ملی ہو اور ان کے ساتھ ہوئی مصالحت کی رو سے دارالاسلام میں ان کے اموال کے داخل ہونے

(۱) الماوردی ص ۲۰۷، ابویعلیٰ ص ۲۲۸، ۲۲۹۔

(۲) الکامل لابن الاثیر ۲/ ۲۹۰ دارالطہارہ لمیریہ مقدمہ ابن خلدون: باب

دیون الاعمال والجنایات ص ۲۳۲ طبع القاہرہ۔

(۳) الاستیعاب بہامش الاصابہ ص ۵۵۳ طبع المکتبۃ التجاریہ ۱۳۵۸ھ۔

(۱) حاشیہ اقلیہ علی شرح المجلد لسماع النوی ص ۱۹۰ طبع مکتبۃ المدینہ۔

(۲) ابویعلیٰ ص ۲۳۷۔

بیت المال ۴-۵

رحمت کی دعا کی (۱)۔

کہتے ہیں: حضرت ابو بکر نے حکم دیا تھا کہ ان کے نفقہ کے لئے بیت المال سے جو کچھ لیا گیا ہے ان کی وفات کے بعد وہ سب واپس کر دیا جائے (۲)۔

امام ابو یوسف کی ”کتاب الخراج“ میں ہے کہ حضرت ابو بکر کے زمانہ خلافت میں حضرت خالد بن ولید نے اہل حیرہ کے ساتھ اپنے معاہدہ نامہ میں لکھا: میں نے ان کے لئے طے کیا کہ ہر بوڑھا شخص جو کام کرنے کے قائل نہیں رہ جائے یا وہ کسی مصیبت کا شکار ہو جائے، یا جو پہلے تو مالدار تھا اب فقیر ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اس پر صدقہ کرنے لگیں، میں نے ان کا جزیہ معاف کر دیا اور ان کی نیز ان کے اہل و عیال کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی جب تک وہ دارالاسلام اور دارالہجرۃ میں مقیم ہیں۔۔۔ اور میں نے ان پر شرط لگائی کہ جن چیزوں پر ان سے صلح ہوئی ہے وہ وصول کی جائیں یہاں تک کہ وہ اسے بیت المال میں جمع کرا دیں (۳)۔

۴- جہاں تک دور نبوی کا تعلق ہے تو کتب سنت وغیرہ کے جن مراجع تک ہماری رسائی ہو سکی ان میں عہد نبوت میں اس لفظ ”بیت المال“ کے نام کا استعمال نہیں ملتا، لیکن متعدد احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیت المال کے کچھ کام اس وقت موجود تھے، اس لئے کہ فنی، خمس غنائم، صدقات کے اموال اور فوج کے لئے اسلحہ و سامان وغیرہ عمومی اموال با ضابطہ لکھے جاتے اور صرف و خرچ کے وقت تک محفوظ رکھے جاتے تھے (۴)۔

(۱) الکامل ۲/۲۹۰۔

(۲) الکامل ۲/۲۹۱۔

(۳) کتاب الخراج ص ۱۳۲-۱۳۵ طبع المکتبۃ ۱۳۸۲ھ۔

(۴) مسند احمد ۱/۵۹۸، الخراج لابی یوسف ص ۳۶، الترتیب الاداریہ

۱/۳۹۸، ۳/۱۱، ۴/۱۲۔

حضرت عمرؓ کے دور کے بعد سے تمام اسلامی ادوار میں بیت المال کا عمل جاری رہا، یہاں تک کہ جب موجودہ جدید نظام آیا تو موجودہ دور میں بعض اسلامی ممالک میں بیت المال کا کام صرف گمشدہ اور لا وارث اموال کی حفاظت تک محدود رہ گیا اور بیت المال کے دوسرے کام وزارت مالیات اور وزارت خزانہ انجام دینے لگے۔

بیت المال کے اموال میں تصرف کا اختیار:

۵- بیت المال میں تصرف کا اختیار صرف خلیفہ یا اس کے نائب کو ہے (۱)، اس لئے کہ امام ان امور میں مسلمانوں کا نائب ہے جن میں کوئی متعین شخص صاحب تصرف نہیں ہوتا، بیت المال کے حقوق میں تصرف کرنے والا ہر شخص امام کے اختیار سے اپنا اختیار حاصل کرتا ہے، ضروری ہے جیسا کہ رواج بھی ہے کہ خلیفہ کسی امانت دار اور قدرت رکھنے والے شخص کو بیت المال کا ذمہ دار متعین کرے، خلیفہ کی نیابت میں بیت المال میں تصرف کرنے والا شخص ”صاحب بیت المال“ کہلاتا ہے، اور وہ خلیفہ کی جانب سے مفوضہ اختیارات کے مطابق تصرف کرتا ہے۔

بیت المال کے اموال میں خلیفہ کو تصرف کے اختیار حاصل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی و خواہش سے تصرف کرے گا جس طرح اپنے ذاتی مال میں تصرف کرتا ہے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو کہا جائے گا کہ بیت المال میں فساد آگیا ہے یا اس کا نظام درست نہیں رہا، اور ایسی صورت حال کے لئے مخصوص احکام ہیں جن کی تفصیل آری ہے، ان اموال میں خلیفہ کا تصرف اس طرح ہوگا جس طرح یتیم کے مال میں ولی یتیم تصرف کرتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے کہا: اس مال میں میری حیثیت یتیم کے ولی کی ہے، اگر مجھے ضرورت نہیں رہی تو

(۱) جوہر الاکلیل ۱/۲۶۰۔

بیت المال ۶

الف۔ زکاۃ اور اس کی انواع، جسے امام وصول کرے گا، خواہ اموال ظاہرہ کی زکاۃ ہو یا اموال باطنہ، جیسے چرنے والے جانور، پیداوار، نقد اور سامان تجارت، مسلم تاجروں کے عثر جب وہ عاشر کے پاس سے اپنی تجارت کا سامان لے کر گزریں۔

ب۔ منقولہ غنائم کا خمس، اور غنیمت اراضی و جائیداد کے علاوہ ہر وہ مال ہے جو قتال کے ذریعہ کفار سے حاصل ہو، چنانچہ اس غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) بیت المال میں داخل کیا جائے گا تاکہ اسے اس کے مصارف میں خرچ کیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ...“ (۱) (اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں حاصل ہو سو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے)۔

ج۔ زمین کے معادن سے نکلنے والے سونا، چاندی اور لوہا وغیرہ کا خمس، (۲) اور کہا گیا ہے کہ سمندر سے نکالے گئے موتی، عنبر وغیرہ میں بھی اسی کے مثل لازم ہوگا (۳)۔

د۔ رکاز (کنز) کا خمس، رکاز ہر وہ مال ہے جسے کسی انسان نے زمین میں دفن کر دیا ہو، یہاں اس سے مراد اہل جاہلیت اور کفار کے وہ خزانے ہیں جو کسی مسلمان کو ملیں، تو اس کا خمس بیت المال کو دیا جائے گا اور خمس کے بعد بقیہ مال پانے والے شخص کا ہوگا۔

ھ۔ لٹی: یہ ہر وہ منقولہ مال ہے جو بغیر قتال اور بغیر گھوڑوں و سواروں سے حملہ کے کفار سے حاصل ہو (۴)۔

نہیں لوں گا، اور اگر ضرورت ہوئی تو معروف کے مطابق کھاؤں گا اور جب خوش حالی ہوگی تو ادا کروں گا (۱)، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں وہ اپنی صوابدید کے مطابق ایسا تصرف کرے گا جو مسلمانوں کے لئے بہتر اور ان کے زیادہ مفاد میں ہو، محض خواہش و مرضی اور خود غرضی سے تصرف نہیں کرے گا (۲)۔

قاضی ابو یعلیٰ نے وضاحت کی ہے کہ امت کے امور میں امام کی دس ذمہ داریاں ہیں، ان میں فنی اور صدقات کی حسب شرع وصولی، وظائف اور بیت المال سے دیگر اخراجات کی تعیین اصراف و بخل سے بچتے ہوئے، اور تقدیم و تاخیر کے بغیر ان کی اپنے وقت پر ادائیگی (۳)، اور امام کو یہ حق ہے کہ بیت المال سے ایسے لوگوں کو انعامات دے جن سے مسلمانوں کو کھانا فائدہ ہو اور دشمن کے خلاف قوت حاصل ہو، اور اس جیسے دیگر امور جن میں مفاد ہو۔

ابتداءً اسلامی حکومت میں طریقہ یہ تھا کہ کسی شہر یا صوبہ کا عامل (گورنر) امام کی جانب سے مقرر ہو کر بیت المال کے لئے وصولی اور خرچ میں امام کا نائب ہوتا تھا، اور اس کے لئے ضروری تھا کہ معتبر شرعی طریقہ پر تصرف کرے، یہ اختیار قاضیوں کو حاصل نہیں تھا (۴)، اور بعض شہروں میں صاحب بیت المال شہر کے گورنر کے بجائے براہ راست خلیفہ کے ماتحت ہوتا تھا۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی:

۶۔ بیت المال کے ذرائع آمدنی مندرجہ ذیل اصناف ہیں، ان میں سے ہر ایک پر قبضہ کی نوعیت علاحدہ ہے جس کی تفصیل آ رہی ہے:

(۱) الخراج لابی یوسف ص ۱۱ طبع استغیہ۔

(۲) الخراج لابی یوسف ص ۶۰۔

(۳) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۱۱، ۱۲۔

(۴) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۵۲۔

(۱) سورۃ انفال ص ۳۱۔

(۲) ابن ماجہ ص ۳۳/۲۔

(۳) الخراج لابی یوسف ص ۷۰، المغنی ص ۲۷۔

(۴) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۳۵، ابن ماجہ ص ۳۲۸/۳، جوہر الاکلیل

بیت المال ۶

فی کی چند قسمیں ہیں:

(۱) وہ اراضی وجائد اور جنہیں مسلمانوں کے خوف سے کفر چھوڑ کر چلے جائیں، یہ اراضی وجائد اور وقف ہوں گی جس طرح قتال کے ذریعہ غنیمت میں حاصل اراضی وقف ہوتی ہیں، اور ان کے منافع ہر سال تقسیم کئے جائیں گے، شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے (۱)، اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے (دیکھئے: فی)۔

(۲) وہ منقولہ اشیاء جو وہ چھوڑ کر چلے جائیں، ان اشیاء کو نواری تقسیم کر دیا جائے گا، وقف نہیں کیا جائے گا (۲)۔

(۳) کفار سے حاصل کیا گیا خراج یا ایسی اراضی کی اجرت جن کے مالک مسلمان ہوں اور انہیں کرایہ پر کسی مسلمان یا ذمی کو دیا گیا ہو، یا ایسی اراضی کی اجرت جنہیں ان کے مالک اہل ذمہ کے قبضہ میں برقرار رکھا گیا ہو خواہ صلحاً برقرار رکھا گیا ہو یا بزور طاقت ان پر قبضہ کرنے کے بعد انہیں مالکان اہل ذمہ کو دے دیا گیا ہو کہ وہ ہمیں خراج ادا کریں گے۔

(۴) جزیہ جزیہ وہ مال ہے جو مسلمانوں کے ملک میں رہائش کی وجہ سے کفار پر لازم ہوتا ہے، ہر بالغ اور قدرت رکھنے والے مرد پر ایک متعین مقدار مال بطور جزیہ واجب ہوتا ہے، یا پورے شہر پر لازم کیا جاتا ہے کہ ایک متعین مقدار ادا کی جائے، اگر ایسا شخص جزیہ ادا کرے جس پر جزیہ کی ادائیگی واجب نہیں ہے تو اس کی حیثیت جزیہ کی نہیں بلکہ ہدیہ کی ہوگی (۳)۔

(۵) اہل ذمہ کے عثر: یہ وہ ٹیکس ہے جو اہل ذمہ سے ان کے ایسے اموال پر لیا جاتا ہے، جن کو تجارت کے لئے وہ دارالحرب لاتے

ہیں یا جنہیں لے کر وہ دارالحرب سے دارالاسلام آتے ہیں، یا دارالاسلام میں ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرتے ہیں، ان اہل ذمہ سے یہ ٹیکس سال میں ایک مرتبہ لیا جائے گا جب تک کہ وہ دارالاسلام سے نکل کر پھر دوبارہ لوٹ کر دارالاسلام نہ آئیں۔

اسی طرح یہ عثر ان حربی تاجروں سے بھی لیا جائے گا جو امان لے کر سامان تجارت ہمارے ملک میں لائیں (۱)۔

(۶) وہ مال جو حربی صلح کی رو سے مسلمانوں کو ادا کریں۔

(۷) مردہ کا مال اگر وہ قتل کر دیا جائے یا مر جائے، اور زندیق کا مال اگر وہ قتل کر دیا جائے یا مر جائے، ان دونوں کا مال وراثت میں نہیں تقسیم ہوگا بلکہ وہ فی ہوگا، حنفیہ کے نزدیک مردہ کے مال کے مسئلہ میں تفصیل ہے (۲)۔

(۸) ذمی کا مال اگر مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو، اور اسی طرح ذمی کا مال اس کے وارث کو دینے کے بعد جو بیچ جائے وہ بھی فی ہے (۳)۔

(۹) قتال کے ذریعہ غنیمت میں حاصل اراضی، یہ زراعتی اراضی ہیں، ان حضرات کی رائے کے مطابق جو ان کو مستحقین غنیمت میں تقسیم کئے جانے کے قائل نہیں ہیں (۴)۔

و۔ بیت المال کی اراضی اور اس کی املاک کی پیداوار اور تجارت و معاملہ کے منافع۔

ز۔ ہدیے، تحائف اور وصایا جو جہاد یا دیگر مفاد عام کی خاطر بیت

(۱) الدرر وحاشیہ ابن عابدین ۳۹/۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) الدرر المختار مع حاشیہ ۳۰۰/۳، شرح المصباح ۳۸۸/۳، جوہر الاکلیل ۲۷۹/۲، المغنی ۲۹۸/۶، ۳۰۱۔

(۳) شرح المصباح ۱۳۶/۳، ۱۳۷، ۱۸۸، المغنی ۱۲۸/۸، ۲۹۶/۶۔

(۴) جوہر الاکلیل ۲۶۰/۱، حاشیہ الدرر علی المشرع الکبیر ۱۹۰/۲ اور دیکھئے اصطلاح "ارض حوز"۔

= ۲۵۹/۱، اقلیو بی ۱۳۶/۳، المغنی ۲۰۲/۶۔

(۱) اقلیو بی علی شرح المصباح ۱۹۱/۳۔

(۲) اقلیو بی علی شرح المصباح ۱۸۸/۳۔

(۳) المغنی ۵۰۷/۸۔

بیت المال ۶

امال کو پیش کئے جائیں^(۱)۔

چوروں وغیرہ کے پاس سے لٹکیں اور ان کا دعویدار کوئی نہ ہو، ایسے

اموال کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا^(۱)۔

ک۔ ایسے مسلمان کا ترکہ جو مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو، یا اس کا وارث تو ہو لیکن وہ پورے مال کا وارث نہ بنتا ہو (ان اہل علم کے نزدیک جو ”رد“ کے قائل نہیں ہیں)، اسی طرح وہ مقتول جس کا وارث نہ ہو، اس کی ویت بیت المال میں داخل کی جائے گی، اور اسے فی کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔

اس نوع میں بیت المال کا حق شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بطور میراث ہے، یعنی بیت المال عصبہ بنتا ہے، حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے مال کو بیت المال میں بطور فی داخل کیا جائے گا بطور میراث نہیں^(۲) (دیکھئے: ارث)۔

ل۔ ستاوان اور ضبط کردہ مال، زکاۃ نہ دینے والے سے اس کے مال کا ایک حصہ بطور ستاوان لیا جانا حدیث میں منقول ہے، اسحاق بن راہویہ اور ابو بکر عبد العزیز اسی کے قائل ہیں، یہ منقول ہے کہ ایک شخص لٹکایا ہوا پھل لیا اور چا گیا اس سے اس کی قیمت کا دو گنا ستاوان لیا گیا، یہ رائے حنابلہ اور اسحاق بن راہویہ کی ہے^(۳)، ظاہر بات ہے کہ اس نوع کے ستاوان جب وصول کئے جائیں گے تو انہیں مصالح عامہ پر خرچ کیا جائے گا، اور اس طرح یہ مول بیت المال کا حق قرار پائے گا۔

منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے بعض کورزوں کے کچھ مول یہ دیکھ کر ضبط کر لئے تھے کہ ان کی کورزی کے سبب ان کے یہاں خوشحالی آگئی تھی، اس طرح کے مول بھی بیت المال میں داخل کئے جائیں گے۔

ح۔ وہ ہدایا جو ایسے قاضیوں کو پیش کئے گئے ہوں جنہیں منصب قضا پر آنے سے پہلے ہدایا نہ پیش کئے جاتے ہوں، یا اس منصب سے پہلے پیش تو کئے جاتے ہوں لیکن ہدایہ پیش کرنے والے کا کوئی مقدمہ اس قاضی کے پاس زیر سماعت ہو، ایسے ہدایا اگر ہدایہ دینے والے کو واپس نہیں کئے گئے تو بیت المال میں واپس کئے جائیں گے^(۴)، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ابن المغنیہ کو دیا گیا ہدایہ واپس لے لیا^(۵)۔

اسی طرح وہ ہدایا جو اہل حرب کی جانب سے امام کو پیش کئے جائیں، نیز وہ ہدایا جو حکومت کے عمال و کورزوں کو پیش کئے جائیں، یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس نے بھی ہدایہ دینے والے کو اپنے خاص مال سے ہدایہ نہ دیا ہو^(۶)۔

ط۔ وہ ٹیکس جو رعایا پر ان کے مفاد کی خاطر فرض کئے گئے ہوں خواہ وہ جہاد کے لئے ہوں یا کسی اور مقصد کے لئے، لیکن ایسا ٹیکس لوگوں پر اسی وقت لگایا جائے گا جب بیت المال سے وہ ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، اور وہ کام ضروری ہو، ورنہ بصورت دیگر یہ آمدنی غیر شرعی ہوگی^(۷)۔

ی۔ لا وارث مول، یہ ہر وہ مال ہے جس کا مالک معلوم نہ ہو جیسے گرے پڑے سامان، امانت، رہن، اسی قسم میں وہ اموال بھی ہیں جو

(۱) المغنی ۸/۵۰۷۔

(۲) روئے الطائین للحوی ۱/۳۳، شرح لمہاج وحامیہ اقلیوبی ۳/۳۰۳، المغنی ۸/۷۷۔

(۳) حدیث: ”أن النبي أخذ من ابن المنيّة.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۲۰/۵ طبع استنباطی) اور مسلم (۳/۶۳ طبع المجلدی) نے کی ہے۔

(۴) الدر المختار ۳/۲۸۰، الخطاب والمواق ۳/۵۸۳، دیکھئے فتاویٰ امبکی ۱/۲۱۵، تاریخ کردہ مکتبہ القدسی ۱۳۵۶ھ۔

(۵) ابن ماجہ ۶/۵۷، الاحکام السلطانیہ لابن بطی ۲/۲۳۰۔

(۱) روئے الطائین ۵/۲۷۹، متن فلیل وجوہر الاکیل ۲/۵۹، ابن ماجہ ۳/۲۸۲۔

(۲) ابن ماجہ ۵/۳۸۸، فتح القدیر ۵/۷۷۷، شرح لمہاج ۳/۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، المغنی ۵/۶۸۳، الاحکام السلطانیہ لابن بطی ۲/۲۱۵، الدر المختار ۱/۱۹۰۔

(۳) المغنی ۲/۵۷۳، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹

بیت المال ۷-۹

بیت المال کے شعبے اور ہر شعبہ کے مصارف:

۷- بیت المال میں آنے والے اموال کے مصارف متنوع ہیں، ان میں سے بیشتر اصناف ایسے ہیں کہ ان کو دوسری قسم کے مصارف میں خرچ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ضرورت ہوئی کہ بیت المال کے اموال کو ان کے مصارف کے لحاظ سے مختلف صنفوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ان مصارف میں خرچ کی سہولت ہو، امام ابو یوسف نے صراحت کی ہے کہ بیت المال میں خرچ کے اموال زکاۃ سے علاحدہ رکھے جائیں گے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: صدقہ (زکاۃ) اور عشر کے اموال کو خرچ کے مال میں نہیں ملایا جائے گا، اس لئے کہ خرچ تمام مسلمانوں کے لئے فی ہے اور زکاۃ صرف ان لوگوں کا حق ہے جن کی تعیین اللہ نے قرآن کریم میں فرمادی ہے (۱)۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ امام کی ذمہ داری ہے کہ بیت المال کی املاک کو چار مدوں میں تقسیم کرے، دوسرے مسالک کے قواعد بھی فی الجملہ تقسیم اموال کے خلاف نہیں ہیں، حنفیہ نے کہا ہے کہ امام بیت المال کے چار مدوں میں سے کسی ایک مد سے قرض لے کر دیگر مدوں کے مصارف پر خرچ کر سکتا ہے، لیکن جس مد سے قرض لیا گیا ہے اسے واپس کرنا ضروری ہے بشرطیکہ جس مد سے قرض لے کر دوسرے مد میں خرچ کیا گیا ہے قرض دینے والے مد کا مال اس دوسرے مد میں خرچ کرنا جائز نہ ہو (۲)۔

اور چاروں مد (شعبے) درج ذیل ہیں:

پہلا شعبہ: زکاۃ کا شعبہ:

۸- اس مد کے حقوق ہیں: چرنے والے جانوروں کی زکاۃ، عسری

اراضی کے عشر، عاشر کے پاس سے گذرنے والے مسلم تاجروں سے وصول کیا گیا عشر، اموال باطنہ کی زکاۃ اگر امام نے اسے وصول کیا ہو۔ اس مد کے مصارف وہ آٹھ مصارف ہیں جن کی صراحت قرآن کریم نے کر دی ہے، اس مسئلہ میں اختلاف اور تفصیل ہے جس کے لئے اصطلاح زکاۃ دیکھی جائے۔

ماوردی نے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا ہے کہ ان اموال کی بابت کس نوع کا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ انہوں نے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی رائے میں یہ اموال بیت المال کا حق ہیں، یعنی بیت المال کے ایسے املاک ہیں جن میں امام کو اپنے اجتہاد و صوابدید سے تصرف کا اختیار حاصل ہے جس طرح فی کے مال میں اسے اختیار تصرف حاصل ہے، اس لئے امام ان اموال کو مال فی کی طرح مصالح عام میں خرچ کر سکتا ہے، اور امام شافعی کی رائے یہ نقل کی ہے کہ بیت المال میں زکاۃ کا مال مستحقین زکاۃ کے لئے محض محفوظ رکھا جاتا ہے، جب مستحقین آجائیں گے تو انہیں زکاۃ کا مال دینا ضروری ہے، اگر مستحقین نہ ملیں تو اموال زکاۃ کو بیت المال میں محفوظ رکھا جائے گا، مذہب قدیم کی رو سے محفوظ رکھنا واجب ہے، جب کہ جدید قول کے مطابق جائز ہے، دونوں مذہبوں میں فرق اس لئے ہے کہ زکاۃ امام کو دین فرض ہے یا جائز، اس میں ان کی دو رائیں ہیں۔

ابو یعلیٰ حنبلی نے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام احمد کا قول امام شافعی کے قول کی مانند ہے، انہوں نے اموال ظاہرہ کی زکاۃ میں ایک رائے قول امام ابو حنیفہ کی مانند ذکر کیا ہے (۱)۔

دوسرا شعبہ: خمس کا شعبہ:

۹- خمس سے مراد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی، ص ۲۱۳ طبع ۱۳۲۷ھ، الاحکام السلطانیہ

لابی یعلیٰ، ص ۲۳، ۲۴۔

(۱) الخراج، ص ۸۰۔

(۲) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین، ۵/۲، ۵۷۳، ۲۸۲/۳۔

بیت المال ۱۰-۱۱

مالک کا علم نہ ہو، یا چوری کا مال جس کا مالک معلوم نہ ہو، اور اس جیسے دوسرے اموال جن کا پیچھے ذکر ہوا، یہ اموال بیت المال کے اس مد میں اس کے مالکان کے لئے محفوظ رکھے جائیں، اگر مالکان کے علم کی امید ختم ہو جائے تو انہیں ان کے مصرف میں خرچ کر دیا جائے گا۔

اس مد کے اموال کا مصرف، جیسا کہ ابن عابدین نے زیلعی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حنفیہ کا مشہور مسلک یہی ہے، یہ ہے کہ تقیہ فقیر (لا وارث فقیر) اور ایسے فقراء جن کے اولیاء نہ ہوں، اس مد سے ان لوگوں کے نفقہ، دوائیں، ان کے کفن کے اخراجات اور ان کی جنائیت کی دیت ادا کی جائے گی، ماوردی نے کہا: امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان لوگوں پر اصل مالکان کی جانب سے بطور صدقہ خرچ کیا جائے گا۔

غیر حنفیہ کے نزدیک اس مد کے اموال کو کسی مخصوص مصرف کے ساتھ خاص کرنے کا ذکر ہمیں نہیں ملا، لہذا ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ان اموال کوئی کی طرح مصالح عامہ میں خرچ کیا جائے گا، ابو یعلیٰ اور ماوردی نے لا وارث مرنے والے کے مال کے بارے میں یہی صراحت کی ہے^(۱)، اس طرح ان حضرات کے نزدیک بیت المال کے مدات تین رہ جاتے ہیں، چار نہیں۔

چوتھا شعبہ: فنی کا شعبہ:

۱۱- اس مد کے اہم ذرائع آمدنی مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ فنی کی اقسام جن کا ذکر پیچھے گذرا۔

ب۔ خمس میں اللہ اور اس کے رسول کا حصہ۔

ج۔ وہ اراضی جو مسلمانوں کو غنیمت میں حاصل ہوئی ہوں، اس قول کی رو سے کہ انہیں تقسیم نہیں کیا جائے گا، اور نہ وہ اصطلاحی وقف ہیں۔

الف: منقولہ اموال غنیمت کا خمس، ایک قول یہ ہے کہ غنیمت میں ملنے والی جائیدادوں کا بھی خمس مراد ہے۔

ب۔ پائے جانے والے خزانہ جاہلیت کا خمس، اور ایک قول میں اسے زکاۃ کہا گیا ہے۔

ج۔ اموال فنی کا خمس، یہ امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد کی ایک روایت ہے، امام احمد کی دوسری روایت اور مسلک حنفیہ والی یہ ہے کہ فنی میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔

اس مد کے مصرف میں پانچ حصے ہوں گے، اللہ اور اس کے رسول کا حصہ، قرابت داروں کا حصہ، یتیموں کا حصہ، مساکین کا حصہ، ابن السبیل (مسافر) کا حصہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ“^(۱) (اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں حاصل ہو سو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے)، پہلا حصہ نبی کریم ﷺ اپنی حیات میں لیتے تھے، آپ ﷺ کے بعد یہ حصہ امام کی رائے کے مطابق مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، چنانچہ اس حصہ کو آئندہ ذکر ہونے والے فنی کے مد میں منتقل کر دیا جائے گا، بقیہ چاروں حصے ان کے مستحقین کے لئے بیت المال میں محفوظ رکھے جائیں گے تا آنکہ ان پر خرچ ہو جائیں، ان حصوں کو امام مصالح عامہ میں خرچ نہیں کر سکتا ہے^(۲)۔

تیسرا شعبہ: لا وارث اموال کا شعبہ:

۱۰۔ یہ وہ لفظ (گری پڑی چیز) وغیرہ لا وارث اموال ہیں جن کے

(۱) سورۃ انفال، ۳۱۔

(۲) ابن عابدین ۵۷/۲، المغنی ۶/۶، الاحکام السلطانیہ لابن یعلیٰ دس ۱۲۱،

۲۳۵، ۲۳۶، للماوردی دس ۱۲۷۔

(۱) الاحکام السلطانیہ لابن یعلیٰ دس ۲۱۵، للماوردی دس ۱۹۳۔

بیت المال ۱۲-۱۳

جائیں گے جیسا کہ فقہاء کے کلام میں مذکور ہوا ہے، اس میں تمام مصالح کا احاطہ واستقصاء نہیں کیا گیا ہے، اس لئے کہ مصالح کی جہات لاتعداد ہیں، جو ہر زمانہ میں اور ہر شہر و ملک میں بدلتی بھی رہتی ہیں۔

۱۳- چند اہم مصالح جن میں اس مد کے اموال خرچ کئے جائیں گے مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ وظیفہ، یہ بیت المال میں ایک حصہ ہے جو ہر مسلمان کو دیا جائے گا خواہ وہ فوجی خدمت کے قائل ہو یا نہ ہو، یہ حنابلہ کا ایک قول ہے جسے صاحب معنی نے پیش کیا ہے، یہی شافعیہ کا ایک قول ہے جو ان کے نزدیک خلاف اظہر ہے، امام احمد نے فرمایا کہ فنی میں ہر غنی فقیر مسلمان کا حق ہے۔

اس قول کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ...“^(۱) (جو کچھ اللہ اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فتنے و لوادے، سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا)، پھر فرمایا: ”لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا، وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ“^(۲) (ان حاجت مند مہاجرین کا (یہ خاص طور پر) حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کے طلبگار ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ تو صادق ہیں)، پھر فرمایا: ”وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ...“^(۳) (اور (ان کا بھی حق ہے) جو دارالاسلام اور ایمان میں ان کے

(۱) سورہ ہشر ۷۔

(۲) سورہ ہشر ۸۔

(۳) سورہ ہشر ۹۔

و۔ اس زمین کا خراج جو مسلمانوں کو غنیمت میں ملی ہو، خواہ اسے وقف شمار کیا جائے یا غیر وقف۔

ھ۔ ان خزانوں کا خمس جن کے مالک کا علم نہ ہو یا جن پر طویل زمانہ گزر گیا ہو۔

و۔ زمین سے نکلنے والے معدنی وسائل یا پٹرول وغیرہ کا خمس، اور ایک قول یہ ہے کہ اس نوع سے وصول کی جانے والی شی زکاۃ ہوگی، اس کی مقدار چالیسواں حصہ ہے، اور اسے زکاۃ کے مصارف میں صرف کیا جائے گا۔

ز۔ لا وارث مرنے والے مسلمان کا مال اور اس کی دیت۔

ح۔ رعایا پر لگائے گئے ٹیکس جو کسی متعین مقصد کے لئے نہیں لگائے گئے ہوں۔

ط۔ قاضیوں، کورمزوں اور امام کو پیش کئے گئے ہدایا۔

ی۔ غیر حنفیہ کی رائے کے مطابق سابقہ مد کے اموال (لا وارث اموال کا مد)۔

مال فنی کے مصارف:

۱۲- اس مد کے اموال کا مصرف مسلمانوں کے عمومی مصالح ہیں، یہ اموال امام کے قبضہ میں رہیں گے، اور وہ اپنی صواب دید و اجتہاد کے مطابق اس میں سے عمومی مصالح میں خرچ کرے گا۔

فقہاء جب علی الاطلاق بولتے ہیں کہ فلاں نفقہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا، تو فقہاء کی مراد یہی چوتھا مد ہوتی ہے، اس لئے کہ صرف یہی مد عمومی مصالح کے لئے مخصوص ہے، برخلاف دوسرے مصارف کے، کہ ان میں خرچ کے مصارف متعین ہیں، ان کے علاوہ مصارف میں انہیں خرچ نہیں کیا جائے گا، ذیل میں بعض وہ مصالح ذکر کئے جاتے ہیں جن میں اس مد کے اموال صرف کئے

بیت المال ۱۳

المسلمین، یجری علیہم حکم اللہ الذی یجری علی المؤمنین، ولا یكون لهم فی الغنیمۃ والفسیء شیء، إلا أن یجاہدوا مع المسلمین“^(۱) (پھر انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ قبول کر لیں تو تم ان سے قبول کر لو اور انہیں چھوڑ دو، پھر انہیں اپنے ملک سے مہاجرین کے ملک میں منتقل ہو جانے کی دعوت دو، اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں وہ سارے حقوق ملیں گے جو مہاجرین کے حقوق ہیں، اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں، اگر وہ منتقل ہونے سے انکار کریں تو انہیں بتاؤ کہ تب وہ مسلمان اعرابی کی مانند ہوں گے، ان پر اللہ کے وہ احکام جاری ہوں گے جو مؤمنین پر جاری ہوتے ہیں، اور انہیں غنیمت اور فی میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، **إلا** یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں)۔

اور کہا گیا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک فی کا پورا مال ان تمام لوگوں کے مابین تقسیم کرنا ضروری ہے جن کے وظائف اس سال بیت المال میں مقرر ہیں اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا جائے گا، اور نہ ہی مصالح کے لئے کچھ فراہم کیا جائے گا سوائے خمس خمس (یعنی اللہ اور اس کے رسول کا حصہ) کے، لیکن شافعیہ کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ بیت المال میں جن کے وظائف مقرر ہیں انہیں ان کی ضرورت کے بقدر دیا جائے گا، اور بچا ہوا مال فی مصالح میں خرچ کیا جائے گا^(۲)۔

ب۔ اسلحہ، جنگی ساز و سامان، حفاظتی اشیاء، جہاد اور مسلمانوں کے وطن سے دفاع کے اخراجات۔

ج۔ ان ملازمین کی تنخواہیں جن کی ضرورت مسلمانوں کو اپنے عمومی معاملات میں ہوتی ہے، جیسے قضاۃ، محاسبین، حدود مامور

قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں محبت کرتے ہیں اس سے جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے)، پھر فرمایا: ”وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ...“^(۱) (اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان کے بعد آئے)، ان آیات میں تمام مسلمانوں کو شامل کر لیا گیا ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے سورہ حشر کی ان آیات کو پڑھنے کے بعد کہا: یہ یعنی آخری آیت نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے، اور اگر میں زندہ رہا تو ”سرجمیر“ سے ایک چرواہا آکر اس میں سے اپنا حصہ لے گا، جس کے لئے اسے پسینہ نہیں بہانا پڑا (محنت نہیں کرنی پڑی)۔

حنابلہ کا دوسرا قول جو شافعیہ کا نظیر قول بھی ہے، یہ ہے کہ فی کے مستحقین سرحدوں پر مورچہ بند مجاہدین، مسلم افواج اور ان کے مصالح پورے کرنے والے افراد ہیں، یہ ان مصالح کے علاوہ ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اعرابی وغیرہ جو راہ خدا میں جہاد کے لئے خود کو تیار نہیں رکھتے ان کا اس میں کوئی حق نہیں ہے جب تک کہ وہ عملاً جہاد میں شریک نہ ہوں۔

اس قول کی دلیل صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَمَرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْ صَاهٍ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ...“ (نبی کریم ﷺ جب کسی لشکر یا سر یہ کا امیر کسی کو مقرر فرماتے تو اسے اپنی ذات کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے...)، اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ وَكَفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحْوِلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابٍ

(۱) حدیث بریدہ ”كَانَ إِذَا أَمَرَ أَمِيرًا...“ کی روایت مسلم (۳/۱۳۵) طبع الجلی نے کی ہے۔

(۲) شرح الصالح وجامع القلیوبی ۲/۲۱۳، ۱۸۹، ۱۹۱، المغنی ۶/۱۳۳۔

(۱) سورہ حشر، ۱۰۔

بیت المال ۱۳

کر جائے تو اسے اس سال کا حصہ دیا جائے گا، لیکن جو سال کے آخر میں یا سال مکمل ہونے کے بعد انتقال کر جائے تو اس کا وظیفہ اس کے وارث کو دینا ضروری ہے^(۱)۔

وہ بے کس، لاوارث اور قیدی وغیرہ ایسے محتاج مسلمانوں کی ضروریات کی تکمیل، جن کے پاس نہ اپنا مال ہو جس سے ان پر خرچ کیا جائے، نہ ان کے رشتہ دار ہوں جن پر ان کا نفقہ واجب ہو، تو بیت المال کی جانب سے ان کے نفقہ، کپڑے، اور دیگر ضروریات جیسے دوا، علاج کے اخراجات اور میت کی تجہیز پوری کی جائیں گی، اسی طرح ایسے شخص کی جنایت کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی جس کے مسلمانوں میں عاقلہ نہ ہوں، یا اس کے عاقلہ تو ہوں لیکن وہ مکمل یا بعض ادائیگی کے قائل نہ ہوں، تو بیت المال بقیہ دیت ادا کرے گا، کافر کی طرف سے عاقلہ کی ذمہ داری پوری نہیں کی جائے گی، بعض شافعیہ نے وضاحت کی ہے کہ جنایت کرنے والے کا اقرار بیت المال کے خلاف قبول نہیں کیا جائے گا، جس طرح عاقلہ کے خلاف قبول نہیں کیا جاتا ہے^(۲)۔

۷۔ بیت المال سے اہل ذمہ پر خرچ: ذمی یا غیر ذمی کافر کا مسلمانوں کے بیت المال میں حق نہیں ہے، لیکن اگر ذمی اپنی کمزوری کی وجہ سے محتاج ہو گیا ہو تو اسے اس قدر دیا جائے گا جس سے وہ اپنی بھوک مٹا سکے^(۳)، امام ابو یوسفؒ کی ”کتاب الخراج“ میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے اہل حیرہ کو معاہدہ نامہ میں لکھ کر دیا تھا کہ جو بوڑھا شخص کام کے قائل نہ رہے، یا وہ کسی آفت کا شکار ہو جائے، یا وہ

کرنے والے لوگ، مفتیان، امر، مؤذنین، مدرسین اور اس طرح کے وہ تمام لوگ جو اپنے آپ کو مسلمانوں کے مصالح کے لئے فارغ کر لیتے ہیں، ان حضرات کی اور ان کے اہل و عیال کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی، اور اس کی مقدار میں زمانہ اور علاقہ کے فرق سے فرق ہوتا رہے گا، اس لئے کہ حالات اور نرخ بدلتے رہتے ہیں^(۱)۔

یہ تنخواہیں ملازمین کی ہر لحاظ سے اجرت نہیں ہوگی، بلکہ یہ اجرت کی طرح ہوگی، اس لئے کہ قضا اور اس جیسی طاعات پر اجرت لیما ہی سرے سے جائز نہیں ہے^(۲)۔

پھر اگر ملازمین کے لئے مقدار متعین کر دی گئی ہو تو وہ اسی مقدار کا مستحق ہوگا، ورنہ وہ اپنے جیسے ملازمین کے برابر کا مستحق ہوگا بشرطیکہ اس جیسے لوگ صرف اجرت کے ساتھ کام کرتے ہوں^(۳)۔

ان لوگوں کے اور انواع کے وظائف اگر بیت المال میں موجود نہ ہوں تو یہ وظائف بیت المال پر قرض ہوں گے، اور بیت المال کو مہلت دی جائے گی جس طرح تنگ دستی کی صورت میں قرض میں مہلت دی جاتی ہے، لیکن دوسرے مصالح کا معاملہ اس سے علاحدہ ہے وہ مصالح اسی وقت پورے کئے جائیں گے جب ان کی قدرت ہو، عدم قدرت کی صورت میں وہ باقی نہیں رہیں گے^(۴)۔

حنفیہ کے نزدیک رائج یہ ہے کہ اہل وظائف جیسے قاضی، مفتی، مدرس وغیرہ میں سے کوئی شخص سال ختم ہونے سے پہلے انتقال

(۱) ابن ماجہ بن ۳۸۰-۲۸۱، المغنی ۶/۲۱۷۔

(۲) ابن ماجہ بن ۳۸۲۔

(۳) الصہاج وصحیۃ القلیوبی ۳۸، ۲۵۵، ۲۵۶۔

(۴) الاحکام السلطانیہ لابن یعلیٰ رص ۲۳۶، شرح الصہاج ۳۸۳، ۳۹۶، جوہر الاکلیل ۲/۲۷۱، الخراج لابن یوسف رص ۱۸۷، روہۃ الطالبین للنووی

۱۱/۱۱، ۱۳۷، ۱۳۸۔

(۱) الدرر المختار ۳/۲۸۲۔

(۲) ابن ماجہ بن ۵/۳۱۳، جوہر الاکلیل ۲/۲۷۱، القلیوبی ۲/۲۹۲، ۱۲۵/۳،

۲۹۶، ۲۹۷، ۲۱۱/۳، ۲۱۲، المجموع ۲/۳۰۳، کشاف القناع ۱/۲۳۲، اکسی

الطالب ۳/۸۳، ۸۶۔

(۳) ابن ماجہ بن ۳/۲۸۲۔

بیت المال ۱۳

دیتے ہیں، ان سے اگر ان کے مفوضہ کاموں میں غلطی ہو جائے جس کے نتیجے میں جان، عضو یا مال کا نقصان ہو جائے مثلاً تعزیر میں زیادتی کی وجہ سے مجرم کی موت ہو جائے تو اس کی دیت کا ضمان بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔

اگر مفوضہ کام امام یا کسی دوسرے ذمہ دار کی مخصوص ضرورت سے متعلق ہو تو ایسی صورت میں ضمان اس کے عاقلہ پر یا اس کے خاص مال میں جیسی صورت ہو، واجب ہوگا، اس لئے کہ ان کی غلطیاں بسا اوقات زیادہ ہوتی ہیں، تو اگر وہ خود یا ان کے عاقلہ اس کا بوجھ اٹھائیں تو یہ ان کے لئے مہلک ثابت ہوگا۔

یہ رائے حنفیہ اور مالکیہ کی ہے، یہی حنابلہ کی اصح رائے ہے، اور شافعیہ کا قول غیر ظہر ہے، شافعیہ کا ظہر قول اور حنابلہ کے نزدیک اصح کے بالمقابل قول یہ ہے کہ ضمان اس کے عاقلہ پر ہوگا، لیکن عمداً نقصان کیا گیا ہو تو بالاتفاق نقصان کرنے والے پر ضمان ہوگا (۱)۔

ط۔ ان حقوق کی ادائیگی جنہیں شرع نے ان کے مستحقین کے لئے تسلیم کیا ہو اور تو اہد شرع کی رو سے ان کی ادائیگی کسی متعین فرد پر نہ آتی ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر طواف کے ازدحام میں، یا مسجد عام میں یا بڑی شاہراہ پر کسی شخص کا قتل ہو جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو ایسے مقتول کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی، اس لئے کہ حضرت علیؑ نے کہا: ”اسلام میں کوئی خون راگیا نہیں جائے گا“ (۲)۔

(۱) ابن ماجہ ص ۳۸۰، الدرر النوری ۳/۵۵، روۃ الطائیین ۱۱/۳۰۸، المغنی ۳/۳۲۸، ۳/۳۱۲۔

(۲) یہ اثر: ”لا یطل فی الاسلام دم“ حضرت علی بن ابی طالبؑ کا قول ہے صاحب المغنی (۷/۹۱ طبع المریض) نے بغیر کسی کی جانب منسوب کئے ذکر کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ مکہ میں ازدحام میں ایک شخص کا قتل ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اسلام میں کوئی خون

غنی رہا ہو پھر فقیر ہو جائے اور اس کے مذہب والے اس پر صدقہ کرنے لگیں تو اس کا جزیہ معاف ہو جائے گا، اور اس کی نیز اس کے گھر والوں کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی جب تک وہ دارالہجرہ اور دارالاسلام میں مقیم رہے، اسی کے مثل ابو عبید نے ”کتاب الاموال“ میں نقل کیا ہے (۱)۔

و۔ بیت المال کے فنی کے مد کے مصارف میں کافروں کے ہاتھوں میں قید مسلمانوں کی رہائی بھی ہے، امام ابو یوسفؒ نے ”کتاب الخراج“ میں حضرت عمر بن خطابؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ہر وہ مسلم قیدی جو کافروں کے ہاتھوں میں قید ہو اس کی رہائی کے لئے بیت المال سے خرچ کیا جائے گا، شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی رہائی خود اس کے اپنے مال سے کرنی جائے گی، دیکھئے: ”اسری“۔

اسی کے مشابہ بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر غیر ماکول اللحم جانوروں کا مالک جانوروں کو چارہ فراہم نہ کرے، اور اس کے فقر کی وجہ سے اس کو مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا ہو تو ان جانوروں پر بیت المال سے مفت خرچ کیا جائے گا، اسی طرح موقوفہ جانور کا چارہ بیت المال سے دیا جائے گا اگر اس جانور کی آمدنی سے اس کا خرچ پورا کرنا ممکن نہ ہو (۲)۔

ز۔ مسلم ممالک کے عمومی مصالح جیسے مساجد، راستے، پل، نہر اور مدارس وغیرہ کی تعمیر اور نقصانات کی مرمت و اصلاح (۳)۔

ح۔ حکومتی ادارہ کے افراد کی غلطی سے ہونے والے نقصانات کا ضمان:

جیسے سربراہ، قاضی اور اسی طرح وہ تمام افراد جو عمومی کام انجام

(۱) الخراج ص ۱۳۲، الاسوال ص ۵۵۔

(۲) الخراج لابن یوسف ۱۹۶، المواع ص ۸۷، جوہر الاکلیل ۱/۲۶۰، ۲/۲۷۰، ۲/۲۰۹، اقلیو بی ۸۶/۳، ۹۳، ۲۱۵، کشاف القناع ص ۵۵۔

(۳) المغنی ۶/۲۱۷، شرح المصباح ص ۹۵۔

بیت المال ۱۴-۱۵

فقراء اگر زیادہ ضرورت مند ہوں تو ایسی صورت میں امام کچھ مال تو اس شہر والوں پر خرچ کرے گا جہاں سے جمع کیا گیا ہے اور اکثر مال ان دوسرے محتاجوں پر خرچ کرے گا^(۱)۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر بیت المال پر دو حق اکٹھا ہو جائیں اور بیت المال کی استطاعت دونوں حق سے کم لیکن ان میں سے ایک حق سے زائد ہو تو ان دونوں حقوق میں سے ایسے حق پر صرف کیا جائے گا جس پر اگر اس وقت صرف نہ کیا جائے تو وہ بیت المال پر قرض ہو جائے گا جیسے فوج کے وظائف، جنگی سامان اور اسلحے وغیرہ کی قیمت، اس حق پر صرف نہیں کیا جائے گا جو سہولت اور مصلحت کے بطور واجب ہوتا ہے جیسے راستے وغیرہ^(۲)۔

بیت المال میں زائد اموال:

۱۵- بیت المال پر واجب حقوق کی ادائیگی کے بعد بچے ہوئے زائد اموال کے بارے میں علماء کے تین رجحانات ہیں:

اول: شافعیہ کا مسلک ہے کہ زائد اموال کو ان لوگوں پر خرچ و تقسیم کر دیا جائے گا جن سے مسلمانوں کو عام فائدہ پہنچتا ہے، زائد اموال کا ذخیرہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ مسلمانوں کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس وقت مسلمانوں پر وہ لازم ہو جاتی ہے، فقہ شافعی کی ”المہاج“ اور اس کی شرح میں ہے: زائد اموال ان بالغ مردوں پر تقسیم کر دیا جائے گا جن کے وظائف بیت المال میں مقرر ہیں، ان کے علاوہ دوسروں پر یا ان کی اولاد پر نہیں خرچ کیا جائے گا۔

قلیوبی کہتے ہیں: مقصد یہ ہے کہ بیت المال میں کچھ باقی نہ رہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے عبد اللہ بن سہل انصاری کی دیت اور فرمائی جب انہیں خیبر میں قتل کر دیا گیا اور قاتل کا پتہ نہیں چل سکا تھا، انصار نے قسامت کا حلف لینے سے انکار کر دیا تھا اور یہودیوں کی قسم کو انہوں نے قبول نہیں کیا تھا، تو نبی ﷺ نے اس کی دیت اپنے پاس سے اور فرمائی اس لئے کہ اس کا خون راگیاں جانا آپ کو پسند نہیں تھا^(۱)۔

اسی قسم میں لفظ کے اعلان کی اجرت ہے، قاضی اس سامان کے اعلان کی اجرت بیت المال سے اس طور پر ادا کرائے گا کہ وہ اجرت صاحب سامان پر قرض ہوگی^(۲)۔

بیت المال کے اخراجات میں ترجیحات:

۱۴- مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ آل نبی (سادات) پر سب سے پہلے خرچ کرنا مستحب ہے جن پر صدقہ حرام ہے، اس میں حضرت عمرؓ کی اقتداء ہے، کہ انہوں نے بیت المال سے آل نبی ﷺ کو سب سے پہلے دیا، پھر اس کے بعد ان اہالیان شہر کے مفادات پر خرچ کیا جائے گا جن سے مال جمع کیا گیا ہے، جیسے ان کی مساجد کی تعمیر، ان کی سرحدوں کی آباد کاری، ان کے قضاۃ و مؤذنین کے وظائف، ان کے قرضوں کی ادائیگی، ان کی جنایات کی دیت کی ادائیگی، اور انہیں سال بھر کی ضروریات کے بقدر دیا جائے گا۔

جس شہر سے مال جمع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ دوسرے شہر کے

= راگیاں نہیں ہے، تو حضرت عمرؓ نے بیت المال سے اس کی دیت اور فرمائی، اس واقعہ کو عبد الرزاق نے ”مصنف“ (۵/۱۰) طبع مجلس علمی البند میں نقل کیا ہے لیکن یہ حضرت علیؓ کا جملہ نہیں ہے۔

(۱) حدیث: ”محممل دینہ عبد اللہ.....“ کی روایت بخاری (فتح ۲/۵۶۶ طبع المستقیم) اور مسلم (۳/۱۲۹۳ طبع المجلس) نے کی ہے دیکھئے المغنی

۸/۷۸، الدر المنثور مع حاشیہ ۵/۳۰۶۔

(۲) المہاج مع الشرح ۳/۱۲۱، ۱۲۸۔

(۱) جوہر الاکلیل ۱/۲۶۰، اقلیوبی ۳/۱۹۰، الشرح المکبیر و جامعہ الدسوقی ۲/۱۹۰۔

(۲) الاحکام السلطانیہ لابن علی ص ۲۳۷۔

بیت المال ۱۶

فوری ادائیگی کر دی جائے گی، جیسے کہ خوش حال شخص پر دین کی فوری ادائیگی ضروری ہوتی ہے، اور اگر مال موجود نہیں ہے تو ادائیگی کا وجوب تو ہوگا لیکن مہلت دی جائے گی جس طرح تنگ دست پر دین کی ادائیگی میں مہلت دی جاتی ہے۔

دوسری نوع کے مصرف وہ ہیں جو بدل کے طور پر نہیں بلکہ مصلحت اور سہولت کے بطور مستحق ہوتے ہیں، یہ استحقاق اس وقت ہوگا جب مال موجود ہو، لہذا جب مال موجود ہو تو یہ مصرف واجب ہوگا، اور مال موجود نہ ہو تو بیت المال سے اس مصرف کا وجوب ساقط ہو جائے گا، پھر اگر اس کا ضرر عام ہو تو وہ مسلمانوں پر فرض کفایہ کی قبیل سے ہوگا یہاں تک کہ کوئی شخص اسے انجام دے دے جس سے کفایت ہو جائے، جیسے جہاد فرض کفایہ ہے، اور اگر اس کا ضرر عام نہ ہو جیسے قریبی راستہ دشوار گزار ہو لیکن لوگوں کو دوسرا اور کار راستہ اچھا مل جاتا ہو یا کوئی گھاٹ ختم ہوگئی ہو لیکن دوسری گھاٹ موجود ہو، تو جب مال نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال سے اس کا وجوب ساقط ہو جائے گا تو تمام لوگوں سے بھی اس کا وجوب ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ بدل موجود ہے^(۱)۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ کبھی کسی علاقائی بیت المال میں ایسی تنگی کی صورت پیدا ہوتی ہے، یعنی امام کے تحت کسی صوبہ کے بیت المال میں، تو اگر خلیفہ نے اس صوبہ پر کسی کو گورنر مقرر کیا ہو اور وہاں کے مال خرچ سے فوج کے وظائف پورے نہ ہو سکیں تو گورنر خلیفہ سے درخواست کرے گا کہ وہ بیت المال سے اخراجات مکمل کرائے، لیکن اگر صدقات کے موال سے اس کے حلقہ میں ان کے مصارف پورے نہ ہو سکیں تو ایسی صورت میں ان کی تکمیل کے لئے خلیفہ سے

دوم: حنفیہ کا مسلک ہے کہ زائد موال کو بیت المال میں آئندہ مسلمانوں کو پیش آنے والے کسی حادثہ کے لئے محفوظ رکھا جائے گا۔ سوم: امام کی صواب دید پر ہوگا، شافعیہ میں سے قلیوبی نے کہا: محققین نے کہا ہے کہ امام کو اختیار ہوگا کہ زائد موال محفوظ رکھے، ”جوہر الاکلیل“ کے مصنف نے ”المدونہ“ سے نقل کیا ہے کہ فی میں مسلمان فقراء سے آغاز کیا جائے گا، پھر جو کچھ باقی بچے اسے لوگوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا، والا یہ کہ امام اسے مسلمانوں کی آئندہ پیش آنے والی ضروریات کے لئے محفوظ رکھنا چاہئے^(۱)۔

اگر بیت المال سے حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکے:

۱۶- ماوردی اور ابویعلیٰ نے اس صورت حال کی وضاحت کی ہے جس میں بیت المال سے حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکے، ان دونوں کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ بیت المال پر دو قسم کے استحقاقات ہیں:

اول: جس میں بیت المال کا رول صرف حفاظت ہے، جیسے شمس اور زکاة، اس مال پر استحقاق اس وقت ہوگا جب مال موجود ہو، لہذا اگر مال موجود ہے تو اس کے مصرف کو استحقاق ہوگا، اگر موجود نہیں ہے تو اس کا استحقاق نہیں ہوگا۔

دوم: جس میں خود بیت المال مستحق ہوتا ہے، یہ فی وغیرہ کا مال ہے، اس کے مصارف دونوع کے ہیں:

ایک وہ مصرف جو بدل کے طور پر مستحق ہوتا ہے، جیسے فوجیوں کی تنخواہیں، اور خریدے گئے اسلحے و جنگی سامان کی قیمت، اس مصرف کے استحقاق میں مال کی موجودگی کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ یہ بیت المال پر لازمی حق ہے خواہ مال موجود ہو یا نہ ہو، لہذا اگر مال موجود ہوگا تو

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۲۱۵، ولابی یعلیٰ ص ۲۳۷، دیکھئے شرح المنہاج جو حاشیہ قلیوبی ۱۹۱۳ء، جوہر الاکلیل ص ۲۶۰۔

(۱) لہاوردی ص ۲۱۵ طبع مصطفیٰ لکھنؤ، ابویعلیٰ ص ۲۳۷، شرح المنہاج ص ۲۶۰۔

بیت المال ۱۷-۱۸

(اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اونٹ قرض لیا، پھر صدقات کے اونٹ سے اسی جیسا واپس فرمادیا)، یہ بیت المال کے صدقات کی آمدنی پر قرض ہوتا ہے^(۱)۔

مطالبہ نہیں کرے گا، اس لئے کہ افواج کی تنخواہوں میں ان کی بقدر کفایت ضرورت ملحوظ ہوتی ہے، اور اہل صدقات کے حقوق کا تعلق و اعتبار اموال صدقات کی موجودگی سے ہے^(۱)۔

بیت المال کے اموال کا فروغ اور ان میں تصرف:

۱۸- بیت المال میں اخراجات کے مذکورہ بالا اختیارات کے علاوہ امام کو بیت المال کے اموال میں تصرف کا اختیار ہے، اس مسئلہ میں فقہی قاعدہ یہ ہے کہ بیت المال کے اموال میں امام کی حیثیت یتیم کے مال میں ولی کی ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے کہا: میں نے اس مال میں اپنی ذات کو ولی یتیم کے مرتبہ میں رکھا ہے^(۲)، لہذا بیت المال میں امام کو وہ تصرفات حاصل ہوں گے جو یتیم کے مال میں اس کے ولی کو حاصل ہیں۔

لیکن یہ قاعدہ بالکل مطلق نہیں ہے، لہذا دونوں میں ہر رخ سے مشابہت ضروری نہیں ہے^(۳)، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ بیت المال سے ملکیت عطا کرے یا اس سے جاگیر دے۔

بعض فقہاء کی ذکر کردہ اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

الف- نبی: امام کے لئے جائز ہے کہ بیت المال کی کوئی شے فروخت کر دے اگر اس میں قاعدہ ہو، جہاں تک اپنے لئے اس میں سے کچھ خریدنے کا سوال ہے تو درمختار میں تحریر ہے کہ بیت المال کے وکیل سے بیت المال کی کوئی چیز خریدنا اور بیچنا امام کے لئے درست نہیں ہے، اس لئے کہ امام یتیم کے وکیل کی طرح ہے، لہذا

بیت المال پر دیون کے سلسلہ میں امام کے تصرفات:

۱۷- اگر بیت المال پر دیون آجائیں اور بیت المال میں ادائیگی کے لئے اموال نہ ہو تو امام کو اختیار ہوگا کہ بیت المال کے ایک مد سے دوسرے مد کے لئے قرض لے، حنفیہ نے اس کی صراحت کی ہے، کہتے ہیں: اگر اس مد میں جس کے لئے قرض لیا ہے آمدنی آجائے تو قرض و بندہ مد کو واپس کر دیا جائے گا، والا یہ کہ صدقات یا خمس غنائم سے اہل خراج پر صرف کیا گیا ہو اور وہ غریب ہوں، تو اس صورت میں قرض واپس نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اہل خراج (جن پر خرچ کیا گیا ہے) فقر کی وجہ سے خود بھی صدقات کے مستحق ہیں، اسی طرح اہل خراج کے علاوہ دوسرے لوگ اگر مستحق مصرف ہوں تو ان پر خرچ کی صورت میں بھی قرض و بندہ مد قرض واپس نہیں کیا جائے گا^(۲)۔

امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ رعایا سے بیت المال کے لئے قرض یا عاریت حاصل کرے: ”وقد استعار النبی ﷺ دروعاً للجهاد من صفوان بن أمية“^(۳) (نبی کریم ﷺ نے جہاد کے لئے صفوان بن امیہ سے زرہیں عاریت لی تھیں)، ”واستسلف علیہ الصلوٰۃ والسلام بغير اورد مثله من ابل الصلقة“^(۴)

(۱) الاحکام السلطانیہ لابی یطیٰ ص ۷۷، لہاوردی ص ۳۱۔

(۲) ابن ماجہ ص ۲۷، ۵۷، ۲۸۲۔

(۳) حدیث: ”استعار النبی ﷺ“ کی روایت ابو داؤد (۳۲۸/۳) طبع عزت عبید دھاس) اور حاکم (۳۸/۳) طبع دائرة المعارف ایشانیہ) نے کی ہے حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۴) حدیث: ”استسلف علیہ الصلوٰۃ والسلام“ کی روایت مسلم (۱۲۲۳) طبع النجفی) نے حضرت ابو داؤد سے کی ہے۔

(۱) الاحکام السلطانیہ لابی یطیٰ ص ۲۳۔

(۲) طبقات ابن سعد ۳/۵۸، اخبار عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۳۳۰،

اخبار عمر بن الخطاب للطحاوی و اجیر ص ۳۱۳۔

(۳) نہایہ الحجاج ۵/۱۱۸۔

بیت المال ۱۹

ھ۔ قرض دینا: ابن اثیر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ہند بنت عتبہ کو چار ہزار قرض دیا تاکہ وہ اس سے تجارت کرے اور اس کی ضمانت ہو^(۱)۔

قرض دینے کے قائم مقام ہی واپس لینے کی نیت سے خرچ کرنا بھی ہے، اسی میں سے لا وارث جانور وغیرہ پر خرچ کرنا بھی ہے تاکہ اسے ضائع ہونے سے محفوظ رکھا جائے، پھر جانور کے مالک سے اخراجات بیت المال کو واپس دلایا جائے گا، اور اگر مالک معلوم نہ ہو تو جانور کو فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی قیمت سے بیت المال کا حق لے لیا جائے گا^(۲)۔

جاگیر دے کر مالک بنا دینا:

۱۹- حنفیہ کی رائے ہے کہ امام ایسی اراضی جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ کسی وارث کے قبضہ میں ہو ظلم و خود غرضی کے بغیر مصلحت کے پیش نظر ایسے شخص کو جس سے مسلمانوں کو نفع و فائدہ ہو بطور جاگیر دے سکتا ہے جس طرح امام کو اختیار ہے کہ بیت المال کے دوسرے اموال سے عطا کرے، اس لئے کہ زمین اور مال ایک شئی ہے، قاضی ابو یوسف نے ایسا ہی کہا ہے، اور دلیل یہ دی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے کسریٰ اور اہل کسریٰ کے اموال کو بیت المال کے لئے خاص کر دیا، اور ہر اس شخص کا مال جو جنگ میں قتل کیا گیا ہو یا دار الحرب سے جانا ہو یا تالاب یا جھاڑی میں مر گیا ہو اس کو خاص کر دیا، اس کا خرچ ستر لاکھ تھا تو اس میں سے جاگیر کچھ لوگوں کو عطا کی جاتی تھی، ابو یوسف کہتے ہیں: اس کی حیثیت ایسے مال کی ہے جو نہ کسی کا ہو اور نہ کسی وارث کے قبضہ میں ہو، تو امام عادل کو اختیار ہے کہ اس

بیت المال میں مذکورہ عمل صرف ضرورت کی بنا پر جائز ہے، بحر الرائق میں یہ اضافہ ہے کہ متاخرین کے مفتی بہ قول کے مطابق اس صورت میں فروخت کرنا جائز ہے جب جائیداد کو اس کی دوگنی قیمت پر خریدنے کی پیشکش کی گئی ہو^(۱)۔

ب۔ اجارہ: بیت المال کی زمین پر دائمی وقف کے احکام جاری ہوں گے، لہذا انہیں اجرت پر دیا جائے گا جس طرح وقف کو اجرت پر دیا جاتا ہے^(۲)۔

ج۔ مساقات: امام کی طرف سے بیت المال کے باغات پر مساقات (بٹائی پر درخت دینا) درست ہے، جس طرح اپنے زیر ولایت بچہ کے لئے تصرف کا اختیار رکھنے والے کی طرف سے درست ہے^(۳)۔

د۔ اعارہ: اس مسئلہ میں شافعیہ کا قول مختلف ہے کہ امام بیت المال کے اموال میں سے کوئی چیز عاریت پر دے سکتا ہے یا نہیں، اسنوی نے اس بنیاد پر اس کے جواز کی رائے دی ہے کہ جب امام بیت المال سے کسی کو ملکیت دے سکتا ہے تو عاریت پر دینا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا، اور ربی نے کہا: امام کے لئے مطلقاً جائز نہیں ہے کہ بیت المال کے اموال کو عاریت پر دے جیسے کہ ولی کو اپنے زیر ولایت بچہ کے مال میں یہ اختیار نہیں ہے^(۴)، قلیوبی نے کہا: پھر اگر کسی نے بیت المال سے کوئی چیز عاریت پر لی اور وہ اس کے ہاتھ میں بلاک ہوگئی تو اس پر ضمان نہیں ہوگا اگر بیت المال میں اس کا حق ہو، اور اس کو عاریت کا نام دینا مجاز ہے^(۵)۔

(۱) ابن ماجہ بن الدرائق ۲۵۵/۳، ۲۵۸۔

(۲) ابن ماجہ بن ۳۹۷۔

(۳) حاشیہ القلیوبی علی شرح ابنہما ج ۱ ص ۶۱۔

(۴) نہایۃ المحتاج ۱۱۸۔

(۵) حاشیہ شرح ابنہما ج ۲ ص ۲۰۔

(۱) الکافی ۳۹۳۔

(۲) جوہر الاکلیل ۲۲۰/۳۔

بیت المال ۲۰

ج۔ وہ اراضی جن کے مالکان فوت ہو گئے ہوں اور کوئی ایسا وارث نہ ہو جو صاحب فرض یا عصبہ ہونے کی حیثیت میں ان اراضی کا مستحق ہوتا ہو، امام شافعی کے اصحاب کی اس مسئلہ میں دو رائیں ہیں: پہلی رائے یہ ہے کہ ایسی اراضی وقف ہوں گی، اس رائے کی رو سے ان اراضی کو بیچنا اور جاگیر دینا جائز نہیں ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ اس وقت تک وقف نہیں ہوں گی جب تک امام انہیں وقف نہ کر دے، اس رائے کے مطابق امام کے لئے جائز ہے کہ انہیں مالکانہ جاگیر دے جس طرح ان کفر و خست کرنا جائز ہے۔

ایک تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو بطور جاگیر دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کفر و خست کرنا جائز ہے، اس لئے کہ بیع ایک معاوضہ ہے اور جاگیر دینا ایک صلہ و انعام ہے، اور قیمتیں جب نقد ہو جائیں تو ان کا حکم عطایا کے سلسلہ میں اصول ثابتہ (غیر منقولہ اشیاء) کے حکم سے علاحدہ ہوتا ہے، اس طرح دونوں میں فرق ہو گیا، اگرچہ ان دونوں میں فرق بہت معمولی ہے^(۱)۔

مالکیہ کے نزدیک یہی حکم اس آباد زمین کا ہے جو جبراً حاصل کی گئی ہو، ایسی زمین کو مالکانہ جاگیر دینا امام کے لئے جائز نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمین میں محض قبضہ و غلبہ سے ہی وہ وقف ہو گئی^(۲)، مالکیہ کے نزدیک ہمیں یہ مسئلہ نہیں ملا کہ جو اراضی مالکان کے فوت ہو جانے کی وجہ سے بیت المال میں آگئی ہوں آیا ان میں مالکانہ جاگیر دینا جائز ہے یا نہیں؟

انتفاع و استفادہ کے لئے جاگیر دینا:

۲۰۔ امام کے لئے جائز ہے، اگر وہ مصلحت سمجھتا ہو کہ بیت المال کی

میں سے انعامات اور عطا ایسے لوگوں کو دے جن سے اسلام کو فائدہ ہو^(۱)، ابن عابدین نے یہ بات نقل کی ہے اور کہا ہے: یہ اس بات کی صراحت ہے کہ جاگیریں کبھی تو غیر آباد اراضی سے ہوں گی اور کبھی بیت المال سے، ایسے لوگوں کے لئے جو بیت المال کے مصارف میں سے ہوں، جیسا کہ امام جہاں مصلحت محسوس کرے مال دے سکتا ہے، اور جسے جاگیر دی گئی ہے وہ زمین کا مالک ہوگا، اسی لئے اس زمین سے عشر لیا جائے گا، اس لئے کہ وہ صدقہ کے درجہ میں ہے^(۲)۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے جیسا کہ ماوردی اور ابو یعلیٰ نے اس کی تفصیل کی ہے یہ ہے کہ اراضی بیت المال کی تین قسمیں ہیں: الف۔ ایک وہ اراضی جو امام نے خمس کے طور پر یا اہل غنیمت کی رضامندی سے بیت المال کے لئے اپنایا ہو، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کسریٰ اور اس کے اہل کی اراضی خاص کر لیا تھا، اور اس میں کسی کو جاگیر نہیں دی، پھر جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس میں سے جاگیر دی اور اس میں سے فنی کا حق وصول کیا، ماوردی نے کہا: اس کی حیثیت اقطاع اجارہ (بطور کرایہ جاگیر دینے) کی تھی نہ کہ اقطاع تملیک (بطور ملکیت جاگیر دینے) کی، اور اس کو بطور ملکیت جاگیر میں دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اسے بیت المال کے لئے خاص کئے جانے کے بعد وہ تمام مسلمانوں کی ملکیت ہو گئی، لہذا اس پر داغی وقف کا حکم جاری ہوگا۔

ب۔ اراضی خراج، کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اراضی خراج کا کچھ حصہ وقف ہے، جس کا خراج اجرت ہے، اور کچھ حصہ ان کے مالکان کی ملکیت ہے جس کا خراج جزیہ ہے۔

(۱) الخراج لابی یوسف، ص ۵۷، ۵۸۔

(۲) رد المحتار ۳/۲۶۵۔

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی، ص ۱۵۳-۱۵۵، لابی یعلیٰ، ص ۲۱۳۔

(۲) المشرح الکبیر و جامع الدسوقی، ص ۶۸/۳۔

بیت المال ۲۱-۲۴

بیت المال کے حقوق بیت المال میں لانے سے قبل ملکیت میں دے دینا:

۲۲- حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ خراج کو مالک کے لئے چھوڑ دے، عشر کو نہیں، پھر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ خراج مالک کے لئے حائل ہوگا، بشرطیکہ مالک ایسے لوگوں میں شامل ہو جو بیت المال سے کچھ بھی استحقاق رکھتے ہیں، ورنہ مالک اس کو صدقہ کر دے گا۔

اور اگر امام نے عشر وغیرہ اموال زکاۃ چھوڑ دیا ہو اور وصول نہ کیا ہو تو اس کے لئے بلا جماع جائز نہیں ہوگا، اور مالک خود سے انہیں فقراء وغیرہ مصارف زکاۃ پر خرچ کرے گا^(۱)۔

بیت المال کے دیون:

۲۳- بیت المال کے دیون افراد کے ذمہ میں ثابت ہوتے ہیں، پس اگر امام نے عام رعایا پر یا کسی خاص طبقہ یا کسی شہر والوں پر ان کی مفاد کی خاطر کچھ اموال لازم کیا ہو، جیسے افواج کی تیاری یا قیدیوں کی رہائی اور جیسے چوکیداری اور نہروں کی کھدائی کی اجرت، تو امام کی طرف سے لازم کئے گئے مال کو جس نے ادا نہ کیا ہو اس کے ذمہ میں وہ مال بیت المال کے واجب دین کے بطور باقی رہے گا، اور اس مال کی ادائیگی سے گریزان کے لئے جائز نہیں ہوگا^(۲)۔

بیت المال کا انتظام اور اس کا بگاڑ:

۲۴- بیت المال کا انتظام درست تسلیم کیا جائے گا جب امام عادل ہو، مال کو حق کے ساتھ وصول کرتا ہو اور مستحق جگہ پر خرچ کرتا ہو، اور

ارضی یا اس کی جائیداد میں سے کچھ لوگوں کو تعاون کے طور پر یا نفع حاصل کرنے کے لئے جاگیر دے، مالکیہ نے کہا: پھر امام نے جبراً حاصل کردہ زمین جو جاگیر میں دی ہو، اگر کسی متعین شخص کو دیا ہو تو اس کی موت سے جاگیر ختم ہو جائے گی، اور اگر کسی شخص اور اس کی اولاد اور اس کی نسل کے لئے دیا ہو تو اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اس جاگیر کی مستحق ہوگی، عورت کو مرد کے برابر ملے گا۔

اور دیکھئے: ”ارفاق، ارساد، أرض حوزہ“، اور بعض مالکیہ نے اس جیسی ارضی کو وقف بتایا ہے^(۱)۔

بیت المال کی جائیداد کا وقف:

۲۱- حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ امام کے لئے بیت المال سے وقف کرنا جائز ہے، پھر انہوں نے کہا: اگر سلطان نے بیت المال کے وکیل سے ارضی اور کھیت خریدی ہو تو اس کی شرائط کی رعایت ضروری ہے، اور اگر بیت المال ان کو وقف کر دیا ہو تو شرائط کی رعایت واجب نہیں ہے^(۲)۔ شافعیہ نے جیسا کہ عمیرہ برسی نے نقل کیا ہے، بیت المال سے امام کے وقف کرنے کی رائے دی ہے، وہ کہتے ہیں: اس لئے کہ امام کو بیت المال سے کسی کو ملکیت دینے کا حق ہے، اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سوا عراق کی ارضی میں کیا تھا کہ انہیں مسلمانوں پر وقف کر دیا تھا^(۳)۔

اور دیکھئے: ”ارصاد“۔

(۱) ابن حابدین ۳/۲۲۶، ۲۵۹، الفتاویٰ المہدیہ ۲/۵۶۲، ۶۵۰، رسالہ ذخیرۃ الآمال فی حکم ما رتب وأرصد من بیت المال للحموی، المشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/۶۸، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المنہاج ۳/۹۲، المغنی ۵/۵۲۶، نہایۃ المحتاج ۵/۳۳۷، ۳۵۶، الاحکام السلطانیۃ للماوریدی ۱/۹۶، لا بی علی ۱/۲۱۹۔

(۲) ابن حابدین ۳/۳۱۸۔

(۳) حاشیہ عمیرہ و قلیوبی علی شرح المنہاج ۳/۱۸، ۹۷، نہایۃ المحتاج ۵/۱۱۸۔

(۱) ابن حابدین ۲/۵۷۔

(۲) ابن حابدین ۲/۵۷۔

بیت المال ۲۵

یہ انتظام فاسد قرار پائے گا جب امام غیر عادل ہو، ناحق لوگوں سے مال وصول کرتا ہو، یا وصول تو حق کے مطابق کرتا ہو لیکن اس کو مسلمانوں کے مفاد کے علاوہ میں اور غیر شرعی طریقہ پر خرچ کرتا ہو، جیسے کہ اپنے مخصوص مفاد میں خرچ کرتا ہو یا صرف اپنے اقارب و رشتہ داروں کو دیتا ہو یا اپنی خواہش کے مطابق ایسے لوگوں کو وہ چیز دیتا ہو جو اس کے مستحق نہ ہوں، اور مستحق لوگوں کو نہ دیتا ہو، بیت المال کا فساد یہ بھی ہے کہ امام بیت المال کی ذمہ داری کسی غیر عادل کے سپرد کر دے اور بیت المال کے اموال میں اس کے تصرفات پر نظر نہ رکھے، جس کی وجہ سے غلط تصرف اور نقصانات واقع ہوں۔

بیت المال کے فساد کی صورت وہ بھی ہے جس کی طرف ابن عابدین نے اشارہ کیا ہے کہ امام بیت المال کے چاروں مد کے اموال غلط ملط کر دے، وہ الگ الگ نہ ہو^(۱)۔

۲۵- اور جب بیت المال میں فساد آجائے تو اس پر چند احکام مرتب ہوں گے جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ جس شخص پر بیت المال کا حق ہو۔ اگر اس کی اطلاع نہ ہو۔ اس کے لئے درست ہے کہ اگر بیت المال میں خود اس کا اپنا حق ہو جو اسے نہ ملا ہو تو وہ اپنے حق کے بقدر اپنے اوپر واجب حق میں سے روک لے، اور اگر بیت المال میں اس کا حق نہ ہو تو اسے اختیار ہوگا کہ اپنے اوپر واجب حق کو براہ راست بیت المال کے مصارف میں خرچ کر دے جیسے مسجد یا رباط کی تعمیر میں خرچ کر دے، بعض شافعیہ نے اس کا تذکرہ بالخصوص ایسے لفظ کے بارے میں کیا ہے جس کا مالک معلوم ہونے کی امید ختم ہوگئی ہو، یا ایسے کپڑے وغیرہ کا ذکر کیا ہو جسے ہوانے اڑا کر اس کے گھر میں لا ڈالا ہو، اور اس کا مالک معلوم نہ ہو اور معلوم ہونے کی امید بھی نہ رہے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہندی

کا پانی اتر جانے سے جو زمین کھل جائے اس میں اگر کوئی کھیتی کرے تو اس پر اس کی اجرت مسلمانوں کے مصالح کے لئے لازم ہوگی، اور اگر مصالح کے اموال میں اس کا حصہ ہو تو اس کے حصہ کے بقدر اس سے ساقط ہو جائے گا^(۱)، انہوں نے اس پر استدلال حضرت عائشہؓ سے مروی اس روایت سے کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے کہا: مجھے ایک خزانہ ملا تو میں نے اسے سلطان کو پیش کیا، حضرت عائشہؓ نے اس سے فرمایا: تمہارے منہ میں خاک^(۲)۔

ب۔ اگر سلطان مستحق لوگوں کا حق نہ ادا کرے، اور ان میں سے کسی کو بیت المال کا کوئی مال ہاتھ لگ جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے کہ مستحق شخص اتنی مقدار لے لے جو امام اسے دیا کرتا تھا، یہ ان چار اقوال میں سے ایک قول ہے جنہیں امام غزالی نے ذکر کیا ہے۔

ان میں سے دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے مستحق کو اختیار ہے کہ ہر دن اپنی غذائی ضرورت کے بقدر لے لے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ایک سال کی ضرورت کے بقدر لے لے۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی بھی ایسی چیز لینے کا جواز نہیں ہے جس کی اجازت اسے نہ دی گئی ہو۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ بیت المال سے چوری جائز نہیں ہے خواہ بیت المال کا انتظام درست ہو یا نہ ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ امام غزالی کے نقل کردہ اقوال میں سے چوتھے قول سے اتفاق کرتے ہیں۔

حنفیہ نے جو کچھ کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا شخص اس صورت حال میں اپنے حق کے بقدر دیا نہ لے سکتا ہے مگر اسے یہ حق

(۱) قلیوبی ۳/۸۹، ۱۸۷۔

(۲) ابن ماجہ ۵۶/۲۔

(۱) ابن ماجہ ۵۶/۲۔

بیت المال ۲۶

اس پر واجب ہو گیا اس کا مثل واپس کرے گا اگر وہ چیز مثلی ہو، اور اس کی قیمت واپس کرے گا اگر وہ قیمت والی ہو۔
البتہ بیت المال سے چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹنے کے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، اس میں ان کے دو رجحانات ہیں:

ایک رجحان وہ ہے جو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، ان حضرات نے اپنی اس رائے پر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ایک روایت سے استدلال کیا ہے کہ ”نفس کے غلاموں میں سے ایک غلام نے نفس میں سے چوری کر لی، اسے حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا، اور فرمایا: ”مال اللہ سرق بعضہ بعضاً“^(۱) (وہ اللہ کا مال ہے، اللہ کے مال میں سے بعض نے بعض کی چوری کی)۔

نیز اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے بیت المال سے چوری کی تھی، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس مال میں ہر شخص کا حق ہے^(۲)۔

دوسرا رجحان جسے مالکیہ نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اس رائے پر استدلال آیت قرآنی: ”وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا“^(۳)

(۱) حدیث: ”مال اللہ سرق بعضہ بعضاً“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۸۶۳ طبع علمی) نے کی ہے، پھر یہی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی جبارہ ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(۲) قول حضرت عمرؓ: ”لو ملہ فما من أحد...“ کو عبد الرزاق نے اپنی مصنف (۲۱۴/۱۰ طبع مجلس علمی) میں روایت کیا ہے۔

(۳) سورہ مائدہ/۳۸۔

نہیں ہے کہ جس مد میں اس کا استحقاق ہے اس کے علاوہ دوسرے مد سے وہ لے، والا یہ کہ ضرورت ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے، کہ اس وقت اگر اپنے مد کے علاوہ سے لینا جائز نہ ہو تو اس کا نتیجہ ہوگا کہ ہمارے زمانہ میں کسی کا حق باقی نہ رہے گا، اس لئے کہ ہر مد کے اموال علاحدہ نہیں رہتے، بلکہ وہ لوگ تمام اموال کو خلط ملط کر دیتے ہیں، اگر وہ اس مال میں سے نہ لے جو اس کے ہاتھ لگ گیا ہے تو وہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا، جیسا کہ ابن عابدین نے اس کا فتویٰ دیا ہے^(۱)۔

ج۔ ایک حکم یہ ہے جس کا فتویٰ متاخرین شافعیہ (جون ۲۰۰ھ کے بعد کے ہیں) نے بعض متقدمین سے اتفاق کرتے ہوئے دیا ہے، اور متاخرین مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں، کہ اگر بیت المال کا انتظام درست نہ ہو تو تقسیم میراث کے بعد جو بچ جائے اسے زوجین کے علاوہ اہل فرض پر (جن کے حصے قرآن میں متعین ہیں) دوبارہ تقسیم کر دیا جائے گا، اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو ذوی الارحام پر تقسیم کیا جائے گا۔

بیت المال کا انتظام درست ہونے کی صورت میں شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک اصل حکم یہ ہے کہ بچے اموال میراث میں رو (دوبارہ تقسیم میراث) اور ذوی الارحام پر تقسیم جاری نہیں ہوگی، بلکہ تمام ترک یا ذوی الفروض سے بچنے کے بعد ترک اگر عصبہ نہ ہوں تو بیت المال کا ہوگا^(۲)۔

بیت المال کے اموال پر زیادتی:

۲۶۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی نے بیت المال کی کوئی چیز ناحق ضائع کر دی تو وہ اپنے کئے ہوئے نقصان کا ضامن ہوگا، اور کسی نے بیت المال سے کوئی چیز ناحق لے لی تو اس کا لوٹانا

(۱) ادب المفایض/۱۹۸۔

(۲) ادب المفایض/۱۹۸۔

بیت المال ۲۷-۲۸

بیت المال سے حلف لے گا، اور عامل سے تاوان لیا جائے گا^(۱)۔

ولاۃ کی نگرانی اور محصلین کا محاسبہ:

۲۸- امام اور اس کے ولاۃ کی ذمہ داری ہے کہ وہ زکاۃ وغیرہ بیت المال کے حقوق کی وصولی پر مقرر کئے گئے افراد کی نگرانی کریں، بیت المال کے اموال میں ان کے تصرفات پر گہری نظر رکھیں اور اس کا پورا پورا حساب لیں۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو حمید ساعدی کی حدیث ہے کہ ”استعمل النبی ﷺ رجلاً من الأزد علی صدقات بنی سلیم یدعی ابن اللتیبة، فلما جاء حاسبه“^(۲) (نبی ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو جس کا نام ابن اللتیبة تھا، بنو سلیم کے صدقات کی وصولی پر مقرر فرمایا تھا، جب وہ آیا تو آپ ﷺ نے اس سے حساب لیا)۔

قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں: صدقات کی وصولی کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کاتب دیوان کے سامنے اس کا پورا حساب پیش کرنا واجب ہے، اور کاتب دیوان پر واجب ہے کہ پیش کئے گئے حساب و کتاب کی صحت کی جانچ پڑتال کرے، یہ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر اور خراج دونوں کے مصارف ایک ہیں۔

امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق عمال پر عشر کا حساب پیش کرنے کی ذمہ داری نہیں ہے، اس لئے کہ عمران کے نزدیک صدقہ ہے، اس کا مصرف ولاۃ کے اجتہاد پر موقوف نہیں ہے۔

خراج کے عمال پر دونوں مسالک کی رو سے حساب پیش کرنا

(۱) الاحکام السلطانیہ لابن یعلیٰ ص ۲۳۹۔

(۲) نہایۃ لأرب المعیری ۱۹۲/۸ طبع دارالکتب المصریہ، اور حدیث ابو حمید

الساعدی کی تاریخ (فقہ نمبر ۶ میں) کذب و کجی ہے۔

(اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو) کے عموم سے کیا گیا ہے کہ یہ حکم عام ہے جس میں بیت المال اور غیر بیت المال دونوں سے چوری کرنے والے شامل ہیں، اور نیز یہ کہ اس چور نے بھی ایک محفوظ مال کو لیا ہے، اور اس میں کوئی قوی شبہ نہیں ہے، لہذا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جس طرح کہ کوئی دوسرا اگر ایسا مال چوری کرتا جس میں قوی شبہ نہیں ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا^(۱)۔

بیت المال کے اموال کے سلسلہ میں مقدمہ:

۲۷- اگر بیت المال پر کسی حق کا دعویٰ کیا جائے، یا بیت المال کا کوئی حق کسی دوسرے پر ہو، اور دارالتضاء میں مقدمہ پیش کیا جائے تو قاضی جس کے روپر مقدمہ پیش کیا گیا ہے، اس مقدمہ میں فیصلہ کا مجاز ہوگا خواہ وہ بھی مستحقین میں سے ایک ہو۔

لیکن اگر وہ قاضی خود ہی مدعی یا مدعا علیہ ہو تو سرے سے اس پر یا اس کے نائب پر دعویٰ قائم ہی نہیں ہوگا بلکہ ضروری ہوگا کہ اس کی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کیا جائے جو اس قاضی یا دوسرے قاضی کے پاس مدعی یا مدعا علیہ بنے^(۲)۔

جن مسائل میں دعویٰ کیا جانا ممکن ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیت المال کی آمدنی پر عامل نے تو قبضہ کر لیا ہو، لیکن صاحب بیت المال عامل سے وصول پانے کا انکار کرتا ہو تو ایسی صورت میں عامل سے مطالبہ کیا جائے گا کہ صاحب بیت المال کے قبضہ کرنے پر ثبوت پیش کرے، اگر اس کے پاس ثبوت نہ ہو تو وہ صاحب

(۱) فتح القدیر لابن ہمام ۵/۱۳۸، المشرح الکبیر بحامیۃ الدسوقی ۲/۱۳۸، شرح

المصالح للمحلی بحامیۃ اہلبو عیمرہ ۳/۱۸۹، المغنی لابن قدامہ ۸/۲۷۷۔

(۲) شرح المصالح للمحلی ۳/۳۰۳، نہایۃ المحتاج ۸/۳۲۳۔

بیت المال ۲۹

واجب ہے، اور کاتب دیوان کے لئے پیش کردہ حساب کی صحت کو جانچ لینا ضروری ہے۔

پھر جن عمال کا محاسبہ واجب ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہوں گے:

اول: اگر اس کے اور کاتب دیوان کے درمیان حساب میں اختلاف نہ ہو تو کاتب دیوان کا حساب درست تسلیم کر لیا جائے گا، اور اگر ولی الامر (سربراہ) کو اس میں شبہ محسوس ہو تو وہ اسے گواہان پیش کرنے کا حکم دے گا، اگر اس طرح شبہ ختم ہو جائے تو حلف نہیں لیا جائے گا، اور اگر شبہ باقی رہے اور ولی الامر اس پر حلف لیا چاہے تو عامل سے حلف لیا جائے گا، کاتب دیوان سے نہیں، اس لئے کہ مطالبہ عامل سے ہے کاتب دیوان سے نہیں۔

دوم: اگر عامل اور کاتب دیوان میں حساب میں اختلاف ہو جائے:

تو اگر ان دونوں کا اختلاف آمدنی میں ہو تو عامل کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ وہ منکر ہے۔

اور اگر ان دونوں کا اختلاف خرچ میں ہو تو کاتب کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ وہ منکر ہے۔

اور اگر ان دونوں کا اختلاف خراج کی مقدار میں ہو، جیسے کہ کسی پیمائش کے اندر دونوں کا اختلاف ہو جائے جس کی دوبارہ پیمائش ممکن ہو تو دوبارہ پیمائش کی جائے گی اور جو نتیجہ نکلے اس کے مطابق عمل کیا جائے گا، اور اگر دوبارہ پیمائش ممکن نہ ہو تو رب المال سے حلف لیا جائے گا، پیمائش کرنے والے سے نہیں^(۱)۔

۲۹- ماوردی اور ابویعلیٰ نے اس سلسلہ میں محاسبہ کا طریقہ تفصیل سے

بتایا ہے، اور ان امور کا جائزہ لیا ہے جو مصلحین سے ولایہ کے قبضہ کر لینے میں حجت قرار پائیں گے، اور یہ کہ اس میں قبضہ کے اقرار پر عمل کیا جائے گا، اگر وہ خط و تحریر کا انکار کر دے یا اس کا اعتراف نہ کرے تو دو اویں کا عرف یہ ہے کہ اس پر اکتفا کیا جائے گا، اور وہ حجت ہوگا، لیکن فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر ولی اعتراف نہ کرے کہ یہ اس کا خط ہے یا اس کا انکار کرے تو وہ خط اس پر لازم نہیں ہوگا اور نہ قبضہ میں حجت قرار پائے گا، اور جبراً اس پر لازم قرار دینے کے لئے اس کی تحریر سے موازنہ کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ محض دھمکا دینے کے لئے اس کے خط سے مقابلہ کیا جائے گا تا کہ وہ اپنی خوشی و رضامندی سے اعتراف کر لے۔

بسا اوقات ولی خط کا اعتراف تو کرتا ہے لیکن قبضہ سے انکار کرتا ہے، ایسی صورت میں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے مخصوص حقوق سلطانیہ کے اندر اس کو عالمین کے حق میں ادائیگی کی حجت اور ولایہ کے خلاف قبضہ کی حجت قرار دی جائے گی، ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے پھر کہا ہے: امام شافعی کے مسلک میں یہی ظاہر رائے ہے، امام ابوحنیفہ کے ظاہر مذہب میں یہ نہ تو ولی کے خلاف حجت ہے اور نہ عامل کے حق میں حجت ہے، یہاں تک کہ وہ الفاظ میں اس کا اقرار کرے، جیسے کہ ذاتی قرضوں میں ہوتا ہے، ماوردی کہتے ہیں: ان دونوں کے درمیان جفرق ہم نے ذکر کیا وہ اطمینان بخش ہے^(۱)۔

مسلمانوں کے عمال کے پاس مال عام میں سے جو کچھ آتا ہے یا جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس آمد و صرف پر بیت المال کے احکام جاری ہوں گے، اس لئے اس پر محاسبہ جاری ہوگا^(۲)۔

(۱) نہایہ لا رب ۸/۹۲ اور الکتب المصریہ الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۳۸۔

(۲) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۳۵۔

(۱) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۳۰، دیکھئے نہایہ لا رب فی ادب العرب للمویری ۸/۹۲، ۱۹۱۔

بیت المقدس ۱-۳، بیت النار، بیتوتہ

اس کے ساتھ ساتھ ”بیت المقدس“ کی مسجد اقصیٰ کے کچھ مخصوص احکام ہیں جو دوسری مساجد کے لئے نہیں ہیں (دیکھئے: المسجد الاقصیٰ) (۱)۔

بیت المقدس

تعریف:

۱- بیت المقدس: سرزمین فلسطین میں عبادت کے ایک معروف مقام کا نام ہے، تقدیس کا اصل معنی تطہیر و پاک کرنا ہے، ارض مقدسہ پاک زمین کو کہتے ہیں۔

ابن منظور نے کہا: بیت المقدس کی طرف نسبت کر کے مُقَدَّسِی اور مُقَدَّسِی کہا جاتا ہے، صاحب معجم البلدان نے اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بعض مقامات پر اس کا نام ”البیت المقدس“ رکھا ہے۔

بیت النار

دیکھئے: ”معابد“۔

بیتوتہ

دیکھئے: ”تبیات“۔

اجمالی حکم:

۲- ”بیت المقدس“ کا نام اب اس شہر کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں مسجد اقصیٰ ہے، مخصوص مقام عبادت کے لئے اس کا استعمال نہیں ہوتا ہے، فقہاء اور مؤرخین کے کلام میں یہ نام دونوں معانی میں مستعمل رہا ہے، جیسا کہ صاحب معجم البلدان وغیرہ نے استعمال کیا ہے، اب اس شہر کو ”القدس“ بھی کہتے ہیں، یہ نام بھی عربوں کے کلام میں آیا ہے، چنانچہ لسان العرب میں ہے، ثاعرنے کہا:

لَا نَوْمَ حَتَّى تَهْبِطِي أَرْضَ الْعُلَس

وَتَشْرَبِي مِنْ خَيْرِ مَاءٍ بِقُلُس

(اس وقت تک نیند نہیں آئے گی جب تک تم عدس کی سرزمین

میں نہ اترو اور قدس کا بہترین پانی نہ پی لو)۔



(۱) لسان العرب: مادہ ”قدس“، معجم البلدان۔

بیض

تعریف:

۱- بیض (انڈے) معروف چیز ہے، کہا جاتا ہے: ”باض الطائر بیض بیضا“ (پرندہ نے انڈا دیا)، واحد لفظ ”بیضة“ ہے، ”بیضة“ کا لفظ ”خصیہ“ کے لئے بھی بولتے ہیں^(۱)، ”خصیہ“ کے احکام اصطلاح ”خصیہ“ میں دیکھے جائیں۔

انڈے سے متعلق احکام:

۱- مأكول اللحم اور غیر مأكول اللحم جانوروں کے انڈے:
۲- انڈا کھانے کی حلت اور حرمت سے متعلق تفصیل اصطلاح ”أطعمہ“ میں گزر چکی ہے، یعنی فی الجملہ مأكول اللحم جانور کا انڈا کھانا حلال ہے، اور جن جانوروں کا گوشت کھانا حرام ہے ان کا انڈا کھانا بھی حرام ہے^(۲)۔

جلالہ (نجاست کھانے والا جانور) کے انڈے:

۳- جلالہ کے انڈے کھانے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے (جلالہ وہ (مرغی) ہے جو نجاست تلاش کرتی اور کھاتی ہے اگر کھلی ہوئی ہو تو گندگیوں میں گھومتی ہے)۔

(۱) المصباح المیر: مادہ ”بیض“، حاشیہ الدسوقی ۶۰/۱، روح البیان ۳۹۳، المغنی لابن قدامہ ۱/۵۷۔

(۲) دیکھئے مسعود جلد ۵، اصطلاح ”أطعمہ“، فقرہ نمبر ۸۱۔

حنفیہ اور شافعیہ نے اپنے صحیح قول میں حکم کی بنیاد اس کے گوشت میں تغیر اور بدبو پر رکھی ہے، لہذا اگر گوشت میں تغیر پیدا ہو جائے اور اس سے بدبو آنے لگے تو اس کے انڈے کھانا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، اور شافعیہ کے صحیح قول میں کھانا حرام ہے، اس لئے کہ وہ نجاست میں سے ہو گیا، اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ نے جلالہ کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے^(۱)۔

حنابلہ اور بعض شافعیہ نے جلالہ کے انڈے کھانے کی حرمت کے لئے قید لگائی ہے کہ اس کی غذا کا بیشتر حصہ نجاست ہو، کیونکہ اس کے بارے میں حدیث وارد ہے۔

بعض شافعیہ نے کہا: جلالہ کے انڈے کھانا مکروہ تریبی ہے، اس لئے کہ ممانعت صرف گوشت میں تغیر کی وجہ سے ہے جو موجب حرمت نہیں ہے، فقہاء شافعیہ نے کہا: اور یہی اصح قول ہے اور یہی حنابلہ کے نزدیک ایک روایت ہے، اور مالکیہ کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ جلالہ کے انڈے کھانا حلال ہے، اس لئے کہ وہ ایک زندہ سے پیدا ہوا ہے، اور ہر زندہ پاک ہے، اور اگر جلالہ کے گوشت میں تغیر نہ ہو اور نہ بدبو ہو بایں طور کہ وہ گندگی بھی کھاتی ہو لیکن اس کی غذا کا اکثر حصہ نجاست نہ ہو تو اس کے انڈے کھانا بالاتفاق حلال ہے^(۲)۔

نجس پانی میں انڈے ابالنا:

۴- اگر نجس پانی میں انڈے ابالے جائیں تو جمہور (حنفیہ،

(۱) حدیث ”مبھی عن أكل لحم الجلالة وشرب لبها“ کی روایت ابوداؤد (۳۸/۱۳۸ طبع عزت عبید دھاس) نے کی ہے ابن حجر نے الفتح (۶۳۸/۹ طبع المستقر) میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۲) البدائع ۵/۳۰، ابن ماجہ ۵/۱۹۵، ۲۱۶، مراآی الفلاح ص ۱۸، المطالب ۱/۹۲، الدسوقی ۱/۵۰، نہایۃ المحتاج ۸/۱۳۷، مغنی المحتاج ۳/۳۰۳، الروضہ ۳/۲۷۸، شرح منشی الارادات ۳/۳۹۹، المغنی ۸/۵۹۳، ۵۹۴۔

بیض ۵-۷

یہی زیادہ صحیح قول ہے، اس لئے کہ اب وہ انڈا ایک جداگانہ دوسری چیز ہو گیا ہے، لہذا اس کا کھانا حلال ہوگا۔
حنفیہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے خواہ اس کا چھلکا سخت نہ ہو، یہ شافعیہ کا ایک قول ہے، اس لئے کہ وہ فی نفسہ ایک پاک شے ہے۔

مالکیہ کے نزدیک خشکی کا ایسا جانور جس میں بہتا خون ہو، اگر اس کو ذبح نہ کیا گیا ہو تو اس کا انڈا کھانا حلال نہیں ہے، ^۱ لایہ کہ وہ ایسا جانور ہو جو مردہ بھی بغیر ذبح کے پاک ہوتا ہے جیسے مڈی اور گھڑیاں، اس کا انڈا کھانا حلال ہے ^(۱)۔

انڈے کی فروختگی:

۷- انڈے کی فروختگی میں وہی شرائط ہیں جو دوسری چیزوں کے فروخت کرنے میں ہیں، یعنی یہ کہ وہ موجود ہو، قیمت والا ہو، پاک ہو، قابل انتفاع ہو اور اس کی حوالگی پر قدرت ہو..... دیکھئے: ”بیض“۔

اور اسی لئے گندے انڈے کی بیع جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ انتفاع کے قابل نہیں ہے، اور مرغی کے پیٹ میں موجود انڈے کی بیع جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ معدوم کے حکم میں ہے..... ^(۲)۔

اس کے ساتھ ساتھ انڈے کو ربوی اشیاء میں شمار کرنے اور نہ کرنے کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، حنابلہ نیز مالکیہ میں سے ابن شعبان کا مذہب ہے، اور یہی شافعیہ کے نزدیک قول قدیم ہے کہ انڈے کو اموال ربویہ میں شمار نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک ربا کی

شافعیہ، حنابلہ، اور مرجوح قول میں مالکیہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے، مالکیہ کے رائج قول میں اس کا کھانا حلال نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے مسامات میں نجس پانی سرایت کر جانے کی وجہ سے وہ نجس ہو جائے گا اور اس کو پاک کرنا دشوار ہوگا ^(۱)۔

خراب انڈے (جو عام صورت میں خراب ہو جائے):

۵- اگر انڈا خون میں تبدیل ہو جائے تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے صحیح مذہب میں اور شافعیہ کے اصح مذہب میں نجس ہو جائے گا، شافعیہ کا دوسرا قول ہے کہ وہ پاک ہے، اور اگر انڈے میں صرف بدبو پیدا ہوئی ہو تو وہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پاک ہے جیسے کہ بدبو دار گوشت، لیکن مالکیہ کے نزدیک وہ نجس ہے۔

اگر انڈے کی زردی اس کی سفیدی میں مل جائے لیکن بدبو نہ پیدا ہو تو وہ پاک ہے ^(۲)۔

موت کے بعد نکلنے والے انڈے:

۶- ایسے ماکول اللحم جانور کی موت کے بعد اس سے نکلنے والا انڈا کھانا بالاتفاق حلال ہے، جس جانور کو ذبح کرنے کی ضرورت نہ ہو، ^۱ لایہ کہ وہ انڈا گندہ ہو گیا ہو۔

اگر جانور کو ذبح کرنا ضروری ہو اور اس کو ذبح نہ کیا گیا ہو تو اس کی موت کے بعد نکلنے والا انڈا کھانا اس وقت حلال ہوگا جب انڈا کا چھلکا ٹھوس ہو گیا ہو، یہ رائے حنابلہ کی ہے اور شافعیہ کے نزدیک

(۱) فتح القدیر ۱/ ۱۸۶، سنن ترمذی ۱/ ۲۰۷، الدسوقی ۱/ ۶۰، مغنی المحتاج ۳/ ۵۳۵، المغنی ۱/ ۵۷۔

(۲) ابن عابدین ۳/ ۵۰۵، الدسوقی ۱/ ۵۰، منہج الجلیل ۱/ ۲۷، مغنی المحتاج ۱/ ۸۰، ۳/ ۵۳۵، المجموع ۲/ ۵۱۰، نہایۃ المحتاج ۸/ ۱۲، کشاف القناع ۱/ ۱۹۱-۱۹۲، لغزوع ۱/ ۲۵۲، ۲۵۳۔

(۱) البدائع ۵/ ۲۳، مختصر الطحاوی ص ۳۰، الدسوقی ۱/ ۵۰، اسنی لفظ العرب ۱/ ۱۳، المجموع ۱/ ۲۸۳، التعلیوکی ۲/ ۷۲، کشاف القناع ۱/ ۵۷، المغنی ۱/ ۵۷۔

(۲) المجموع ۸/ ۲۱۳، شرح منشی الارادات ۲/ ۱۲۲۔

بیض ۷

وہ روایت ہے جسے مسلم نے حضرت عبادہؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”سمعت رسول اللہ ﷺ ینہی عن بیع المذهب بالمذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، إلا سواء بسواء، عیناً بعین، فمن زاد أو ازاد فقد أربى“ (۱) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی سے، گیہوں کو گیہوں سے، جو کو جو سے، کھجور کو کھجور سے اور نمک کو نمک سے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، والا یہ کہ وہ برابری اور نقد ہو، جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی معاملہ کیا۔

اگر جنس مختلف ہو جائے لیکن علت مختلف نہ ہو تو تفاضل (کسی ایک جانب سے اضافہ) جائز ہوگا، اس لئے کہ جنس مختلف ہونے کی صورت میں تفاضل حرام نہیں ہوتا لیکن علت طعم (کھانے والی شے) کی وجہ سے اوصار حرام ہوگا، نبی کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث میں ہی فرمایا: ”فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبیعوا کیف شئتم، إذا كان يداً بيداً“ (جب یہ اشیاء مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ دست بدست ہو)۔

انڈے کی انڈے سے بیج شافعیہ کے نزدیک صرف وزن سے جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک وزن یا اندازے سے جائز ہے، اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے مثل نہیں (۲)۔

(۱) حدیث: ”كان ينهى عن بيع المذهب.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۲۱۰ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۲) البدائع ۵/۸۳، ۸۵، ۸۷، ابن ماجہ ۳/۷۷، ۸۱، الہدایہ ۳/۶۱-۶۲، المشرع المصنوع ۲/۱۵، ۲۳، ۲۹، طبع المجلد، مجمع الجلیل ۲/۵۳، ۵۴، الدسوقي ۳/۲۰-۲۱، الخطاب ۳/۵۳، ۵۴، نہایت المجموع ۳/۳۱۰ اور اس کے بعد کے صفحات، المجموع شرح المہذب ۳/۳۹ اور اس کے بعد کے صفحات، نیز ۱۰/۵۸، ۶۳، ۷۹، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱

انڈے میں بیج سلم:

۸- جمہور فقہاء- حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور ایک روایت میں حنابلہ- کے نزدیک انڈے سے انڈے کی بیج سلم جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حنفیہ کے نزدیک علت جنس کی وجہ سے ربا ہو جائے گا، مالکیہ، شافعیہ اور ایک روایت میں حنابلہ کے نزدیک علت طعم کی وجہ سے ربا ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک اصح روایت میں انڈے کی انڈے سے بیج سلم جائز ہے، اس لئے کہ یہ اموال ربوہ میں سے نہیں ہے، انہوں نے اس پر حضرت ابن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں صدقہ کے اونٹ وصول کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ صدقہ کے اونٹ میں ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ لیتے تھے^(۱)۔ جمہور فقہاء کے نزدیک انڈے کو مسلم فیہ (بیج سلم میں سامان) بنا کر جائز ہے، اور ایسی صورت میں انڈے میں وہ شرائط ہوں گی جو ہر مسلم فیہ میں ہوتی ہیں یعنی اس کی جنس اور صفت معلوم ہو اور ایسا ہو جس کی مقدار اور صفت متعین کرنا ممکن ہو..... وغیرہ۔

انڈے میں مقدار اور صفت متعین کرنا ممکن ہے، اس لئے کہ اس میں جہالت معمولی ہوتی ہے، جو باعث نزاع نہیں ہوتی ہے، اور چھوٹے اور بڑے انڈے برابر ہوتے ہیں^(۲)، اس لئے کہ اتنے

= المطالب ۲/۲۶، کشاف القناع ۳/۲۵۲، شرح منہج الارادات ۲/۱۹۳، ۲۰۰، المغنی ۳/۱۳۔

(۱) حدیث: "امر النبی ﷺ ابن عمرو....." کی روایت ابو داؤد (۶۵۲/۳ طبع عزت عید دہاس) نے کی ہے اور بیہقی (۲۸۸/۵ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے اسے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے اور صحیح بتایا ہے۔

(۲) یہ قدیم رائج عرف کے لحاظ سے ہے اب عرف یہ ہے کہ انڈوں کے حجم کے درجات کو ان کے وزن اور حجم کے لحاظ سے متعین کر لیا جاتا ہے، لہذا انڈے میں عدد کے لحاظ سے بیج سلم کے وقت اس عرف کی رعایت کی

معمولی فرق میں لوگوں کے درمیان عموماً تنازع نہیں ہوتا، لہذا وہ معدوم کی طرح ہے، اور اس لحاظ سے انڈوں میں عدد کے لحاظ سے بیج سلم جائز ہے، یہ مسلک امام زہری کے علاوہ حنفیہ کا ہے، اسی طرح حنابلہ میں سے جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی اس میں عدد کے لحاظ سے سلم جائز ہے، اور بڑے یا چھوٹے یا متوسط کی شرط لگا دینے سے تفاوت ختم ہو جائے گا۔

مالکیہ کے نزدیک بھی اس میں عدد کے لحاظ سے بیج سلم جائز ہے، بشرطیکہ اس کو متعین کرنا ممکن ہو، مثلاً اس کو دھاگہ سے ناپ کر کسی امانت دار آدمی کے پاس دھاگہ رکھ دیا جائے، اس لئے کہ بڑے اور چھوٹے کی غرض و غایت مختلف ہوتی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک انڈوں میں عدد یا ناپ کے لحاظ سے بیج سلم جائز نہیں ہے، تقریبی وزن کے لحاظ سے ہی جائز ہے، حنابلہ میں سے ابو الخطاب اور حنفیہ میں سے زہری کے نزدیک اور شافعیہ کے ایک قول میں انڈوں میں بیج سلم جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے چھوٹے بڑے سائز کے مختلف ہونے کی وجہ سے ضبط ممکن نہیں ہے^(۱)۔

حرم میں اور حالت احرام میں انڈے پر زیادتی:

۹- حرم میں جس جانور کا شکار حرام ہے اس کے انڈے کو نقصان پہنچانا بھی حرام ہے، اگر کوئی اسے توڑ دے یا بھون دے تو ضائع کرنے کے دن اس مقام پر جو اس کی قیمت ہوگی وہ قیمت اسے ادا کرنی ہوگی، اس لئے کہ انڈے کا شکار کی اصل و بنیاد ہے، کہ اسی سے شکار کی پیدائش

= جائے گی (کمینی)۔

(۱) البدائع ۵/۲۰۸، ابن ماجہ ۳/۲۰۳، حاشیہ الدسوقی ۳/۲۰۷، لشرح الصغير ۳/۹۹ طبع المحلی، شرح المحلی و حاشیہ قلیوبی و عمیرہ ۳/۲۳۹-۲۵۰، اسنی المطالب ۲/۱۲۹، امجد ۱/۳۰۶، نہایہ المحتاج ۳/۱۹۲، شرح منہج الارادات ۲/۲۱۵، المغنی ۳/۳۰۸، ۳۲۰۔

بیض ۹

موت ہوئی ہے تو جمہور کے نزدیک زندہ چوزہ کی قیمت لازم ہوگی، اور مالکیہ کے نزدیک اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، اور اگر توڑنے سے پہلے چوزہ کی موت کا علم ہو جائے تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔

اور اگر حالت احرام میں کسی شخص نے کوئی انڈا توڑ دیا، یا اسے بھون دیا اور اس کا تاوان ادا کر دیا، یا کسی غیر محرم شخص نے اس کی وجہ سے عی حاصل کیا تو یہ انڈا کھانا اس پر حرام ہوگا، اس لئے کہ وہ میتہ کی طرح ہو گیا، یہ مسلک مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا ہے، حنفیہ کے نزدیک ایسے انڈے کو کھانا حلال ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک غیر محرم کے لئے اس کا کھانا حلال ہے، جیسا کہ المجموع میں اس قول کو صحیح بتایا ہے، اور ابن المقرئ نے اس پر یقین کا اظہار کیا ہے، اسی طرح قاضی کے علاوہ حنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ میں سے سند کے نزدیک کھانا حلال ہے۔

سند کے علاوہ مالکیہ کے نزدیک، شافعیہ کے ایک قول میں، اور حنابلہ میں سے قاضی کے نزدیک غیر محرم (حلال شخص) کے لئے اس کا کھانا اسی طرح حرام ہے جس طرح محرم کے لئے حرام ہے۔

جو تفصیل مذکور ہوئی وہ حرم مکہ کے انڈے سے متعلق ہے، جہاں تک حرم مدینہ کے انڈے کا تعلق ہے تو اس پر کوئی جزا نہیں ہے، اگرچہ وہ حرام ہے اور اس پر گناہ ہوگا^(۱)۔

یہ تفصیلات شکار یعنی غیر پالتو پرندوں کے انڈوں کے سلسلہ میں ہیں، پالتو پرندہ (جس کی گھروں میں پرورش کی جاتی ہے جیسے مرغی) کے انڈوں پر کچھ واجب نہیں ہے۔

ہوتی ہے، لہذا احتیاطاً اسے بھی شکار کا حکم دیا جائے گا، صحابہ کرام سے مروی ہے کہ انہوں نے شتر مرغ کے انڈوں کے بارے میں قیمت ادا کرنے کا فیصلہ کیا، یہ حنفیہ، حنابلہ اور مزنی کے علاوہ شافعیہ کے نزدیک ہے، مزنی نے کہا یہ حلال ہے اس پر کوئی جزا تاوان نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک ہر ایک انڈے پر اس کی ماں کی قیمت کے دسواں حصہ کے بقدر گندم واجب ہوگا یا اس گندم کے بدلہ روزے لازم ہوں گے ہر ایک مد کے بدلہ ایک روزہ ہوگا۔ ابن عرفہ نے ظاہر اسے سمجھا ہے کہ دس انڈوں میں ایک بکری واجب ہوگی، مالکیہ نے حرم مکہ کے کبوتر کے انڈوں کو مستثنیٰ کیا ہے، اس میں ایک بکری کی قیمت کے دسواں حصہ کے بقدر گیہوں واجب ہوگا، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے اس سلسلہ میں ایسی فیصلہ فرمایا تھا۔

خراب انڈوں میں بالاتفاق کوئی ضمان نہیں ہوگا، بشرطیکہ وہ شتر مرغ کا انڈا نہ ہو، اس لئے کہ ضمان اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انڈے شکار بن سکتے تھے جب کہ خراب انڈوں میں یہ امکان مفقود ہے۔

خراب انڈے اگر شتر مرغ کے ہوں تو حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ میں سے امام الحرمین اور حنابلہ میں سے ابن قدامہ کے نزدیک اس میں بھی کچھ واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ جب وہ جاندار نہیں ہے، اور نہ آئندہ اس کے جاندار ہونے کی کوئی توقع ہے تو وہ پتھر اور لکڑی کی طرح ہو گیا۔

امام الحرمین کے علاوہ شافعیہ نے اور ابن قدامہ کے علاوہ حنابلہ نے یہ کہا کہ وہ شتر مرغ کے انڈے کے چھلکے کی قیمت کا ضمان ادا کرے گا، اس لئے کہ اس کے چھلکے کی قیمت ہوتی ہے، لیکن ابن قدامہ نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اس میں کچھ بھی واجب نہیں ہے، اور اگر انڈا توڑ دیا اور اس سے مردہ چوزہ نکلا تو اگر توڑنے کی وجہ سے چوزہ کی

(۱) البدائع ۲/۴۰۳، ابن ماجہ ۲/۲۱۶، الدرر ۲/۴۲، ۸۳، الشرح المختصر ۱/۲۹۷ طبع المجلس، مع الجلیل ۱/۵۳۳، مغنی المحتاج ۱/۵۲۵، اسنی الطالب ۱/۵۱۳، شرح منشی الارادات ۲/۲۶۹، ۵۸، کشاف القناع ۳/۳۶۹، مغنی ۳/۵۱۶۔

انڈے کو غصب کرنا:

۱۰- انڈا غصب کرنا بھی دوسرے اموال کو غصب کرنے کی طرح حرام ہے، اور غصب کرنے والے پر ضمان لازم ہوگا، اگر غصب کیا گیا انڈا موجود ہو تو اس کو لوٹانا واجب ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”لا یأخذون أحدکم مال أخیه لآعبا ولا جادا ومن أخذ عصا أخیه فلیردھا“^(۱) (تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا کوئی مال ہرگز ہرگز نہ مذاق میں لے اور نہ سنجیدگی میں لے، اور جس نے اپنے بھائی کا عصا لیا وہ اسے واپس کر دے)، اگر وہ غصب شدہ انڈا ختم ہو گیا ہو تو اس کے مثل کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک انڈا مثلیات میں سے ہے، اگر مثل اوکرا و شوار ہو تو قیمت ادا کرے گا۔

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کسی نے انڈا غصب کیا اور اسے کسی مرغی کے نیچے سینے کے لئے رکھا یہاں تک کہ اس سے بچہ نکل آیا تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک غصب کرنے والا شخص اس جیسا انڈا اس کے مالک کو دے گا، اور بچہ غاصب کا ہوگا، اس لئے کہ غصب شدہ چیز بدل گئی ہے اور دوسری چیز بن گئی ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بچہ انڈے کے مالک کا ہوگا، اس لئے کہ وہ عین اسی کا مال ہے جو افزائش پا چکا ہے، اور غاصب کا کچھ نہیں ہوگا^(۲)۔

(۱) حدیث: ”لا یأخذون أحدکم.....“ کی روایت ابوداؤد (۵/۲۷۳ طبع عزت عید دھاس) اور ترمذی (۳/۶۲ طبع المکتب) نے کی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔
(۲) البدائع ۸/۱۳۸، حاشیہ الدسوقی ۳/۳۷۳، اسنی المطالب ۲/۵۵۵، المغنی ۵/۶۱۵، شرح منشی الارادات ۲/۳۰۷۔

بیطرہ

تعریف:

۱- بیطرۃ لغت میں جانوروں کے علاج کو کہتے ہیں، یہ لفظ ”بطور الشیء“ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے اس نے اس کو پھاڑ دیا، اسی سے لفظ ”بیطار“ بنا ہے، یعنی مویشی ڈاکٹر^(۱)۔
بیطرہ کا اصطلاحی معنی اس سے علاحدہ نہیں ہے^(۲)۔

شرعی حکم:

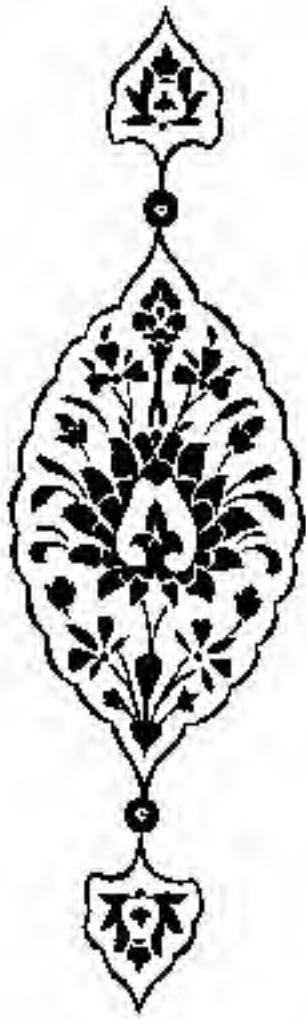
۲- جانوروں کا ایسا علاج معالجہ جس سے جانوروں کا فائدہ ہو خواہ یہ پچھنا لگانے اور داغنے کی وجہ سے ہو شرعاً جائز ہے^(۳) اور شرعاً مطلوب بھی ہے، اس لئے کہ یہ حیوان پر رحم و شفقت اور مال کی حفاظت ہے۔

اگر جانور کا علاج معالجہ کرنے والا جانور کو تلف کر دے یا اس کے عمل کی وجہ سے جانور مر جائے تو کیا وہ ضامن ہوگا؟ حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ نیز شافعیہ اپنے اصح قول میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کو علاج کی اجازت دی گئی ہو اور اسے اس فن کا علم و تجربہ حاصل ہو اور اس نے

(۱) المفروق فی اللغة لابن ہلال عسکری ص ۲۲۵، المغرب فی ترتیب المغرب، لسان العرب، المصباح المہیر، القاموس المحیط: مادہ ”بطر“۔
(۲) ابن ماجہ ۵/۳۳، حاشیہ اقلیو بی علی منہاج الفقہ ۳/۱۶۹۔
(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۵/۳۷۹، الآداب الشرعیہ والسخ المربعہ لابن مفلح المقدسی المکتب ۳/۱۳۳ طبع مکتبۃ المریض الحدیث۔

کوئی کوتاہی نہ کی ہو تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہے لیکن اگر اس کو علاج کی اجازت نہ دی گئی ہو یا جس قدر اجازت دی گئی ہو اس سے تجاوز کر گیا ہو یا ایسے آلات سے کاٹا ہو جو کند ہوں جس سے جانور کو تکلیف زیادہ ہوتی ہے، یا ایسے وقت میں کاٹا (آپریشن کیا) ہو جو کائنات کے لئے مناسب نہ ہو، یا اسی قسم کی کوئی اور کوتاہی پائی جائے تو ان تمام صورتوں میں وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا اتلاف ہے جس میں قصد اور غلطی سے ضمان میں فرق نہیں آتا، لہذا یہ اتلاف مال کے مشابہ ہوا، اور اس لئے کہ یہ حرام فعل ہے تو اس سے پیدا ہونے والے نقصان کا وہ ضامن ہوگا جس طرح ابتداء کاٹنے میں ضمان ہے، حدیث میں ہے: ”من تطب ولم يعلم منه طب فهو ضامن“^(۱) (جس نے علاج کیا حالانکہ وہ طب سے واقف نہیں تو وہ ضامن ہوگا) یعنی جس نے علاج کیا حالانکہ اسے اس کا تجربہ نہیں ہے تو وہ ضامن قرار دیا جائے گا^(۲)، حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ جس نے طبابت کی درحالیکہ اسے طب کا تجربہ نہیں ہے تو وہ ضامن ہے، اسی طرح ایسا شخص بھی ضامن ہوگا جس کو طب کا تجربہ تو ہے لیکن کوتاہی برتی یا زیادتی سے کام لیا۔

اس کی تفصیل متعلقہ مقامات (اجارہ، جنایات، حیوان، ضمان) میں دیکھی جائے۔



(۱) حدیث: ”من تطب ولم يعلم منه طب فهو ضامن“ کی روایت ابو داؤد (۱۰/۳۷۳) طبع عزت عید دہاس (اور حاکم (۲/۳۱۲) طبع دائرة المعارف الشیخانیہ) نے کی ہے حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور وہی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

(۲) رد المحتار علی الدر المختار وحامیہ حاشیہ ابن عابدین ۵/۳۳، جوہر الاکلیل ۲/۱۹۱، منہج الجلیل ۳/۵۵۷، المغنی ۵/۵۳۸، طبع مکتبۃ الریاض المدینہ، نہایت المحتاج إلی شرح المسہاج ۸/۳۰، فیض القدر ۶/۱۰۶ طبع مصطفیٰ محمد۔

تراجم فقہاء

جلد ۸ میں آنے والے فقہاء کا مختصر تعارف

ابن ابی حاتم

تراجم فقہاء

ابن خویزہ منداد

ابن حجر مکی: یہ احمد بن حجر پیشی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۰ میں گزر چکے۔

ابن حزم:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۰ میں گزر چکے۔

الف

ابن ابی حاتم: یہ عبدالرحمن بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۱ میں گزر چکے۔

ابن ابی لیلی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۸ میں گزر چکے۔

ابن تیمیہ: یہ عبدالسلام بن عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۷ ص ۴۴۳ میں گزر چکے۔

ابن الجوزی: یہ عبدالرحمن بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۳ میں گزر چکے۔

ابن حامد: یہ حسن بن حامد ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۳ میں گزر چکے۔

ابن حبان: یہ محمد بن حبان ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۳ میں گزر چکے۔

ابن حجر العسقلانی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۴ میں گزر چکے۔

ابن خزیمہ (۲۲۳-۳۱۱ھ)

یہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح ہیں، ابو بکر کنیت ہے، سلمی، نيساپوری، شافعی نسبت ہے، یہ فقیہ مجتہد تھے، حدیث کے عالم تھے، بعض علوم میں ان کی خدمات ہیں، انہوں نے اسحاق بن راہویہ، محمود بن غیلان، عتبہ بن عبد اللہ تھمدی مروزی، اسحاق بن موسیٰ خطمی وغیرہ سے احادیث روایت کیں، اور ان سے روایت کرنے والوں میں بخاری و مسلم، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم اور احمد بن مبارک مستملی وغیرہ ہیں، انہوں نے مزنی وغیرہ سے فقہ حاصل کیا۔ ابو علی حافظ نے کہا: ابن خزیمہ اپنی احادیث کے مجموعہ میں سے فقہی روایات کے اسی طرح حافظ تھے جس طرح قاری کو سورۃ یاد ہوتی ہے۔ ابن حبان نے کہا: سند اور متن کے حفظ میں ابن خزیمہ بے مثال تھے۔

بعض تصانیف: فن حدیث میں "المختصر الصحیح" اور "التوحید و اثبات صفة الرب" ہیں۔

[تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۹۲: شذرات الذہب ۲/۲۶۲: معجم المؤلفین

۹/۹۰۱: سؤالات ۶/۲۵۳]

ابن خویزہ منداد (؟ - ۳۹۰ھ)

یہ محمد بن احمد بن عبد اللہ بن خویزہ منداد مالکی، عراقی ہیں، فقیہ اور اصولی تھے، ابو بکر ابہری کے شاگرد ہیں، قاضی عیاض نے کہا:

ابن رجب

تراجم فقہاء

ابن القصار

ابو الولید باجی نے ان کے بارے کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے علماء عراق سے ان کا ذکر نہیں سنا۔

[الدیانج المذہب ص ۲۴۸؛ الباب ۳۶؛ معجم المؤلفین

۱۴۰۰ھ]

بعض تصانیف: ”خلائیات میں ایک بڑی کتاب“، ”کتاب فی اصول الفقہ“ اور ”اختیارات فی الفقہ“ ہیں۔

ابن عابدین:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۴ میں گزر چکے۔

[الوفی بالوفیات ۵۲/۲؛ معجم المؤلفین ۸/۲۸۰]

ابن رجب: یہ عبد الرحمن بن احمد ہیں:

ابن عبد البر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۱ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۱ میں گزر چکے۔

ابن رشد:

ابن عرفہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۲ میں گزر چکے۔

ابن سحون: یہ محمد بن عبد السلام ہیں:

ابن عمرو: یہ عبد اللہ بن عمرو ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۶ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۵۶ میں گزر چکے۔

ابن سیرین:

ابن قدامہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۸ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۳ میں گزر چکے۔

ابن شعبان (؟ - ۳۵۵ھ)

ابن القصار (؟ - ۳۹۸ھ)

یہ محمد بن قاسم بن شعبان بن محمد بن ربیعہ ہیں، ابو اسحاق کنیت اور قرطبی نسبت ہے، یہ نسبت ”قرط“ (کان کی بالی) کی جانب ہے، مصر کے فقہاء مالکیہ میں سے ہیں، تاریخ، ادب اور بیشتر علوم میں ان کی خدمات ہیں، مصر میں علماء مالکیہ کی رناست ان پر ختم تھی۔

ان کا نام علی بن احمد ہے، کنیت ابو الحسن، نسبت بغدادی، ابہری، شیرازی ہے، ابن القصار سے معروف ہیں، فقیہ، مالکی، اصولی، حافظ ہیں، بغداد میں منصب قضاء پر فائز ہوئے، ابو بکر ابہری وغیرہ سے فقہ حاصل کیا، اور ان سے ابو ذرہوی، قاضی عبد الوہاب، اور محمد بن عمروں وغیرہ نے فقہ حاصل کیا، ابو ذرہ نے کہا: یہ ان تمام علماء مالکیہ میں سب سے بڑے فقیہ ہیں جنہیں میں نے دیکھا، شیرازی نے کہا:

بعض تصانیف: ”الزاهی الشعبانی“ فقہ میں، ”کتاب فی احکام القرآن“، ”کتاب الرواۃ عن مالک“، ”کتاب المناسک“ اور ”کتاب السنن قبل الوضوء“ ہیں۔

ابن کثیر

تراجم فقہاء

ابو بردہ بن نیار

میرے علم میں اختلافی مسائل پر مالکیہ کی کوئی کتاب ان کی کتاب سے بڑی نہیں ہے، شاید اس سے مراد ان کی کتاب ”عیون لا دلتہ وایضاح الملتہ فی الخلافات“ ہے۔

[شجرۃ النور الزکیہ ص ۹۲: الدیبا ج ۱ ص ۱۹۹: معجم المؤلفین ۱۲/۷]

ابن الہمام:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گذر چکے۔

ابو امامہ: یہ صدی بن عجلان الباہلی ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۲ میں گذر چکے۔

ابن کثیر: یہ محمد بن اسماعیل ہیں:

ان کے حالات ج ۴ ص ۴۴۱ میں گذر چکے۔

ابن ماجہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۹ میں گذر چکے۔

ابن المبارک: یہ عبداللہ بن المبارک ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۸ میں گذر چکے۔

ابن مسعود:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۶ میں گذر چکے۔

ابن المقرئ: یہ اسماعیل بن ابی بکر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۰ میں گذر چکے۔

ابن المنذر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۰ میں گذر چکے۔

ابن نجیم: یہ زین الدین بن ابراہیم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گذر چکے۔

ابو البختری (? - ۸۲ھ)

ان کا نام سعید بن فیروز ہے، کنیت ابو البختری، نسبت دلاء طائی ہے، فقہاء اہل کوفہ میں ہیں، اپنے والد اور ابن عباس، ابن عمر اور عبدالرحمن سلمی وغیرہ سے روایت کی ہے، ان سے عمرو بن مرہ، عبداللہ علی بن عامر اور عطاء بن سائب وغیرہ نے روایت کی، ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، عجل نے کہا: یہ تابعی ثقہ ہیں، ابو زرعة نے کہا: یہ عمر سے روایت مرسلہ کرتے ہیں، صاحب حلیۃ الاولیاء نے ان کی سیرت میں کہا: شک کرنے والے پر حملہ آور، افتراء پرداز کے مخالف سعید بن فیروز ابو البختری ہیں، قراء کے ساتھ حجاج کے خلاف خروج کیا اور دیر جمہم میں قتل کر دئے گئے۔

[حلیۃ الاولیاء ۴/۳۷۹: شذرات الذہب ۱/۹۲: تہذیب

۱/۴۲: الأعلام ۳/۱۵۲]

ابو بردہ بن نیار (? - ۴۵ھ اس کے علاوہ بھی قول ہے)

یہ ہانی بن نیار بن عمرو بن عبید بن کلاب ہیں، کنیت ابو بردہ ہے، بنو حارثہ کے خلفاء میں سے اور صحابی ہیں، بیعت عقبہ، بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے، نبی کریم ﷺ سے روایت کی، ان سے ہراء بن عازب، جابر، عبدالرحمن بن جابر وغیرہم نے روایت کی ہے۔

[لأصابہ ۳/۵۹۶، ۴/۱۸: الاستیعاب ۴/۱۵۳: تہذیب

۱/۱۲: الطبقات الکبریٰ ۳/۴۵۱]

ابوبکر الصدیق

تراجم فقہاء

ابوموسیٰ اشعری

ابوبکر الصدیق:

ابوسعید الخدری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۲ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۵ میں گذر چکے۔

ابوبکر الطرطوشی: یہ محمد بن ولید ہیں:

ابوشامہ: یہ عبدالرحمن بن اسماعیل ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۵ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۲ ص ۴۴۵ میں گذر چکے۔

ابوثور:

ابوطحہ: یہ زید بن اہل ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۳ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۵ میں گذر چکے۔

ابوحنیفہ:

ابوعبید:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۴ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۶ میں گذر چکے۔

ابوالخطاب:

ابوعثمان الخیری (۲۳۰-۲۹۸ھ)

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۴ میں گذر چکے۔

یہ سعید بن اسماعیل بن سعید بن منصور ہیں، کنیت ابو عثمان، نسبت حیری اور نینسا پوری ہے، صداقت گفتار و شیریں بیانی میں مشہور مشائخ میں سے ایک ہیں، ری میں محمد بن مقاتل اور موسیٰ بن نصر سے اور عراق میں محمد بن اسماعیل احمسی وغیرہ سے حدیث سنی، ان کے اصحاب میں ابو عمر اور اسماعیل بن نجید سلمیٰ جیسے اشخاص ہیں۔

[البدایہ والنہایہ ۱۱/۱۱۵؛ النجوم الزاہرہ ۳/۱۷۷؛ سیر اعلام النبلاء ۱۴/۶۲؛ الأنساب ۴/۳۲۷]

ابوداؤد:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۴ میں گذر چکے۔

ابوالدرداء: یہ عویمر بن مالک ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۴ میں گذر چکے۔

ابو ذر: یہ جندب بن جنادہ ہیں:

ابوقلابہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۷۱ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۶ میں گذر چکے۔

ابوالسعود: یہ محمد بن محمد ہیں:

ابوموسیٰ اشعری:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۴ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گذر چکے۔

ابو ہریرہ

تراجم فقہاء

انس بن مالک

ابو ہریرہ:

اسحاق بن راہویہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۹ میں گذر چکے۔

ابو یوسف:

اسید بن الحفیر (؟ - ۲۰ھ)

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گذر چکے۔

یہ اسید بن حفیر بن مالک بن عتیک ہیں، کنیت ابو یحییٰ اور نسبت

اویسی ہے، صحابی ہیں، جاہلیت اور اسلام دونوں میں معزز رہے، اہل

مدینہ میں سے ہیں، عقلاء عرب میں شمار ہوتا تھا، نیز ذی رائے سمجھے

جاتے تھے، نبی ﷺ سے روایت کیا، ان سے ابو سعید خدری، انس،

ابو یعلیٰ انصاری، اور کعب بن مالک وغیرہم رضی اللہ عنہم نے روایت کیا

ہے، عقبہ ثانیہ میں متر انصار کے ساتھ شریک ہوئے، اور بارہ نقباء میں

سے ایک تھے، غزوہ احد میں شریک ہوئے جس میں ان کے جسم پر

سات زخم آئے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت ثابت قدم

رہے جبکہ لوگ ساتھ چھوڑ گئے تھے، غزوہ خندق اور دوسرے تمام

غزوات میں شریک رہے، حدیث میں ہے: "نعم الرجل اسید

بن الحفیر" (اسید بن حفیر کیا ہی اچھے شخص ہیں)، ان سے (۱۸)

احادیث مروی ہیں۔

[أسد الغابہ ۱/۱۱۳: تہذیب التہذیب ۱/۳۴۷: لا علام

۳۳۰/۱]

الاصطخری: یہ الحسن بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۰ میں گذر چکے۔

انس بن مالک:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۷۶ میں گذر چکے۔

الأبی الماکلی (؟ - ۸۲ھ)

یہ محمد بن خلیفہ بن عمر ہیں، کنیت ابو عبد اللہ، نسبت تونس، وشتانی

ہے، لبی سے مشہور ہیں، محدث، فقیہ، حافظ، مفسر، شعر کو تھے، ۸۰ھ

میں جزیرہ میں قضا کے منصب پر فائز رہے، ابن عرفہ سے علم حاصل کیا

اور ان کے ساتھ رہے، ان کی حیات میں فتون میں مہارت و ترقی

کے لئے مشہور ہوئے، ان کے مشہور محققین شاگردوں میں تھے، ان

سے امر کی ایک جماعت جیسے قاضی عمر قلشانی، ابو القاسم بن

ماجی، شعلبی اور عبد الرحمن مجدولی وغیرہم نے استفادہ کیا۔

بعض تصانیف: "شرح المملوۃ"، فقہ مالکی کی فروع میں،

"إکمال الإکمال" صحیح مسلم کی شرح میں ہے جس میں مازری،

عیاض قرطبی اور نووی کا احاطہ کیا ہے، اور "تفسیر القرآن" ہے۔

[نیل الاہتاج ص ۲۸۷: البدیع الطالع ۲/۱۶۹: معجم المؤلفین

۲/۸۷: الأعلام ۶/۳۴۹]

احمد بن حنبل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گذر چکے۔

ام سلمہ

تراجم فقہاء

جابر بن عبد اللہ

ام سلمہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۰ میں گذر چکے۔

الاوزاعی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۱ میں گذر چکے۔

الباجی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۱ میں گذر چکے۔

الترمذی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۵ میں گذر چکے۔

ت

ب

بریدہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۷۷ میں گذر چکے۔

الثوری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۵ میں گذر چکے۔

ث

البراء بن عازب:

ان کے حالات ج ۶ ص ۴۸۳ میں گذر چکے۔

البیہقی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۷۸ میں گذر چکے۔

ج

جابر بن عبد اللہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۶ میں گذر چکے۔

الحسن البصری

تراجم فقہاء

زفر

ح

الحسن البصری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۸ میں گذر چکے۔

المرافعی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۴ میں گذر چکے۔

الحکم بن عتیبہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۲ میں گذر چکے۔

الرویانی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۵ میں گذر چکے۔

د

الدردیر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۳ میں گذر چکے۔

الزرقانی: یہ عبدالباقی بن یوسف ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۶ میں گذر چکے۔

الزرقشی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۵ میں گذر چکے۔

زفر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۶ میں گذر چکے۔

الزختری

الزختری:

ان کے حالات ج ۶ ص ۴۸۷ میں گذر چکے۔

الزہری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

زید بن ثابت:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

الزبلی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

تراجم فقہاء

الشافعی

سہل بن سعد (؟ - ۹۱ھ)

یہ سہل بن سعد بن مالک بن خالد ہیں، کنیت ابو العباس، فہمت خزر جی، ساعدی، انصاری ہے، مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، نبی ﷺ سے روایت کیا، نیز ابی، عاصم بن عدی اور عمرو بن منبہ سے روایت کیا، اور ان سے ان کے صاحبزادے عباس، ابو حازم اور زہری وغیرہم نے روایت کیا ہے، کہا گیا ہے: مدینہ میں باقی رہ جانے والے وہ آخری صحابی ہیں، ابن مبینہ نے ابو حازم سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن سعد کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر میں مر جاؤں تو تمہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو یوں کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، کتب حدیث میں ان سے ۱۸۸ احادیث مروی ہیں۔

[لأصابہ ۸۸/۲: تہذیب التہذیب ۴/۵۲: الاستیعاب

۲/۶۶۴: الأعلام ۳/۲۱۰]

السیوطی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۹ میں گذر چکے۔

س

ش

سعید بن المسیب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۹ میں گذر چکے۔

سفیان بن عیینہ:

ان کے حالات ج ۷ ص ۴۲۹ میں گذر چکے۔

الشاطبی: یہ ابراہیم بن موسیٰ ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۸ میں گذر چکے۔

الشافعی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۰ میں گذر چکے۔

سلمہ بن الاکوع:

ان کے حالات ج ۶ ص ۴۸۸ میں گذر چکے۔

اشرنبلالی

تراجم فقہاء

صاحبین

اشرنبلالی: یہ حسن بن عمار ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۱ میں گذر چکے۔

شریک: یہ شریک بن عبداللہ النخعی ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۸۱ میں گذر چکے۔

الشعمی: یہ عامر بن شراحیل ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۲ میں گذر چکے۔

الشمی (۸۰۱ - ۸۷۲ھ)

یہ احمد بن محمد بن محمد بن حسن ہیں، کنیت ابو العباس، نسبت شمش، اسکندری حنفی ہے، محدث، مفسر، فقیہ، نحوی، اصولی ہیں، شیخ یحییٰ سیرامی سے علم حاصل کیا اور فقہ میں مہارت حاصل کی، اور علماء بخاری، شمس شطنونی اور قاضی شمس الدین بساطی وغیرہم سے علم حاصل کیا، ان سے ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور ان سے استفادہ باعث فخر تصور کیا، ساتھ ہی ان میں پاکدامنی، خیر، تواضع اور وقار و بہادری تھی۔ پھر تائبانی چرکسی کی تربت (مقبرہ) کی مشیخت و خطابت سوچی گئی، قاہرہ میں ۸۶۸ھ میں حنفی قضاء کا منصب پیش کیا گیا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔

بعض تصانیف: "کمال المرایة فی شرح النقایة" فقہ میں، "منہج المسالک الی الفیة ابن مالک"، اوفق المسالک لتادیة المناسک" اور "شرح نظم نخبۃ الفکر" علوم حدیث میں ہیں۔

[شذرات الذہب ۱/۳۳۳: الضوء الملامع ۲/۱۷۴: لا علام

۲/۱۹۹: معجم المؤلفین ۲/۱۴۹]

شہر بن حوشب (۲۰ - ۱۰۰ھ)

نام شہر بن حوشب، کنیت ابو سعید یا ابو عبداللہ، نسبت اشعری ہے، تابعی ہیں، فقیہ اور قاری ہیں، رجال حدیث میں سے ہیں، اپنی مولیٰ انما بنت یزید، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ، ابو ہریرہ، عائشہ، تمیم الداری اور ابن عمر وغیرہم سے روایت کیا، اور ان سے عبد الحمید بن بہرام، قتادہ، لیث، عبداللہ بن عثمان بن خشیم وغیرہم نے روایت کیا، ترمذی نے کہا: لام احمد نے کہا کہ شہر کے واسطہ سے عبد الحمید بن بہرام کی حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے، ترمذی نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ شہر کی حدیث حسن ہے، اور ان کو قوی بتایا ہے، بیہقی نے کہا: وہ ضعیف ہیں، ابن حزم نے کہا: وہ ساقط ہیں، ایک عرصہ تک بیت المال کے والی رہے۔

[تہذیب التہذیب ۳/۳۷۱: لا علام ۳/۲۵۹]

شیخین:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۲ میں گذر چکے۔

ص

صاحب روح المعانی: یہ محمود بن عبداللہ آلوسی ہیں:

ان کے حالات ج ۵ ص ۴۷۹ میں گذر چکے۔

صاحبین:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۳ میں گذر چکے۔

ابوحاتم ہے، ثقفی، بصری نسبت ہے، تابعی اور کبار تابعین میں سے ہیں، اپنے والد نیز علی، عبداللہ بن عمرو بن اسود بن سرج سے روایت کیا، ان سے ان کے بھتیجے ثابت بن عبید اللہ بن ابی بکرہ اور ان کے پوتے بحر بن مرار بن عبدالرحمن اور قناده وغیرہم نے روایت کیا، ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، عجلی نے کہا: بصری تابعی ثقہ ہیں، ابن حجر نے لاصابہ میں بلاذری سے جو نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شرف صحبت نبوی حاصل تھی، لیکن یہ غلط ہے، بصرہ میں پیدا ہونے والے وہ سب سے پہلے بچے تھے۔

[تہذیب التہذیب ۱۳۸/۶: لاصابہ ۳/۱۳۷: لا اعلام ۴۳/۴]

عبدالرحمن بن سابط (؟ - ۱۱۲ھ)

نام عبدالرحمن بن سابط ہے، اور کہا گیا ہے کہ عبدالرحمن بن عبداللہ بن سابط بن ابی حمیضہ بن عمرو ہے، تابعی مکی ہیں، نبی ﷺ سے مرسل روایت کیا، نیز عمر، سعد بن ابی وقاص، عباس بن عبدالمطلب، عباس بن ابی ربیعہ، معاذ بن جبل وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کیا، ان سے ابن جریر، لیث بن ابی سلیم، یزید بن ابی زیاد وغیرہ نے روایت کیا، یثیم نے عبداللہ بن عیاش کے واسطے سے انہیں ابن عباس کے شاگرد فقہاء میں شمار کیا ہے، ان کی احادیث بہت زیادہ ہیں، صحیح مسلم میں ان کی ایک حدیث ”الفتن“ میں ہے، ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

[تہذیب التہذیب ۱۸۰/۶]

عبدالرزاق: یہ عبدالرزاق بن ہمام ہیں:

ان کے حالات ج ۷ ص ۴۴۰ میں گزر چکے۔

ط

طاؤس:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۴ میں گزر چکے۔

الطبری: دیکھئے: محمد بن جریر الطبری:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۱ میں گزر چکے۔

ع

عائشہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۵ میں گزر چکے۔

عامر بن ربیعہ:

ان کے حالات ج ۴ ص ۴۵۵ میں گزر چکے۔

عبدالرحمن بن ابی بکرہ (۱۳ - ۹۶ھ)

نام عبدالرحمن بن ابی بکرہ نفیع بن حارث ہے، کنیت ابو بحر یا

عبداللہ بن الزبیر

تراجم فقہاء

عمر بن عبدالرحمن

عبداللہ بن الزبیر:

عطاء:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۶ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۸ میں گزر چکے۔

عبداللہ بن سلمہ (؟ - ؟)

عکرمہ بن خالد (؟ - ؟)

نام عبداللہ بن سلمہ، نسبت مراوی، کوئی ہے، تابعی ہیں، انہوں نے عمر، معاذ، علی، ابن مسعود اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہم سے روایت کیا ہے، ان سے ابواسحاق سبیعی اور عمرو بن مرة نے روایت کیا ہے، عجل نے کہا: کوئی، ثقہ ہیں، یعقوب بن شیبہ نے کہا: ثقہ ہیں، صحابہ کے بعد فقہاء کوفہ میں طبقہ اولیٰ میں شمار ہوتا ہے، ابو حاتم نے کہا: یعرف وینکر، ابن عدی نے کہا: مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ عکرمہ بن خالد بن عاص بن ہشام بن مغیرہ قرشی ہیں، تابعی ہیں، اپنے والد سے نیز ابو ہریرہ، ابن عباس، ابن عمر اور سعید بن جبیر وغیرہم سے روایت کیا ہے، ان سے ایوب، ابن جریج، عبداللہ بن طاؤس اور حنظلہ بن اوسفیان وغیرہم نے روایت کیا ہے، ابن معین، ابو زرہ اور نسائی نے کہا: وہ ثقہ ہیں، ابن حبان نے ثقافت میں ان کا ذکر کیا ہے۔ [طبقات ابن سعد ۵/۴۷۵: تہذیب المعجم ۵/۲۵۸]

[تہذیب المعجم ۵/۲۴۱]

علی بن ابی طالب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۹ میں گزر چکے۔

عبداللہ بن عمر: دیکھئے: ابن عمر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گزر چکے۔

عمر بن الخطاب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۹ میں گزر چکے۔

عبداللہ بن عمرو:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۶ میں گزر چکے۔

عمر بن عبدالرحمن (۲۳ - ۷۰ھ)

یہ عمر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ، مخزومی، مدنی ہیں، ابو ہریرہ، عائشہ، ابوبصرہ غفاری اور صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے، ان سے عبدالملک بن عمیر، عامر شعبی اور حمزہ بن عمرو عائدی ضعی نے روایت کیا ہے، ابن حبان نے ان کا ثقافت میں ذکر کیا ہے، ابن زبیر نے کوفہ کا گورنر نہیں بنایا تھا، پھر وہ تاج کے ساتھ ہو گئے۔

عثمان بن عفان:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۷ میں گزر چکے۔

عروہ بن الزبیر:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۴ میں گزر چکے۔

[تہذیب المعجم ۵/۴۷۲]

عز بن عبد السلام: یہ عبدالعزیز بن عبد السلام ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۴ میں گزر چکے۔

غ

ق

عمر بن عتبہ (؟) - حضرت عثمان بن عفان کی خلافت میں شہید ہوئے

یہ عمرو بن عتبہ بن فرقہ سلمی، کوئی ہیں، ان کے والد عتبہ صحابی ہیں، عبداللہ بن مسعود سے روایت کی، اور ان سے عبداللہ بن ربیعہ سلمی، حوط بن رافع عبدی اور شعبی نے روایت کیا ہے، زہد و عبادت میں معروف لوگوں میں سے تھے، ابن المبارک نے فضیل بن عیاض سے، انہوں نے اعمش سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: عمرو بن عتبہ بن فرقہ نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگیں، اللہ نے دو پوری کر دی، تیسری دعا کا میں انتظار کر رہا ہوں، میں نے دعا کی کہ مجھے دنیا سے بے رغبت کر دے کہ مجھے پرواہ نہ رہے میں نے کیا پایا اور کیا کھویا، اور میں نے دعا کی کہ مجھے نماز کی قوت عطا فرمائے تو خدا نے مجھے نماز سے حصہ عطا فرمایا، اور میں نے شہادت کی دعا مانگی، اس کی میں امید کر رہا ہوں، چنانچہ وہ شہید کئے گئے، اور عاتکہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، وہ ثقہ اور کم احادیث روایت کرنے والے تھے، ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

[تہذیب المعجم ۸/ ۴۴۲: الطبقات الکبریٰ ۶/ ۲۰۶]

محمد بن ابی القاسم (۶۳۹ - ۷۱۵ھ)

یہ محمد بن ابی القاسم بن عبدالسلام بن جمیل ہیں، کنیت ابو عبد اللہ، نسبت تونس، مالکی ہے، فقیہ، مفسر، اصولی، حافظ ہیں، تیونس اور قاہرہ میں ایک جماعت سے حدیث سنی جیسے ابو الحسن یوسف بن احمد بن محمود دمشقی اور قاضی القضاۃ شمس الدین محمد بن ابراہیم بن عبدالواحد المقدسی حنبلی سے سنا، حنینہ قاہرہ میں ایک مدت تک حکومت کی باگ سنبھالی، اسکندریہ میں ۶۹۹ھ میں قضاء کے منصب پر فائز ہوئے، پھر قاہرہ میں قیام پذیر رہ کر علوم میں مشغول رہے۔

آپ کی تصانیف میں ”کتاب مختصر التفریع“ ہے۔
[الذیبا ج المذہب ص ۳۲۳]

محمد بن الحسن:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۱ میں گزر چکے۔

المرغینانی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گزر چکے۔

المرزنی: یہ اسماعیل بن یحییٰ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گزر چکے۔

مسروق:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۹۳ میں گزر چکے۔

معاذ بن جبل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۳ میں گزر چکے۔

ک

الکاسانی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گزر چکے۔

کعب بن مالک:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گزر چکے۔

م

مالک:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۹ میں گزر چکے۔

الماوردی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۰ میں گزر چکے۔

مجاہد:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۰ میں گزر چکے۔

المعلیٰ

تراجم فقہاء

یحییٰ بن یحییٰ

المعلیٰ (؟ - ۲۱۱ھ)

معلیٰ بن منصور نام ہے، کنیت ابو یعلیٰ، فہست رازی ہے، حدیث کے رواۃ اور اس کے مصنفین میں سے ہیں، ثقہ اور شریف ہیں، ابو حنیفہ کے صاحبین ابو یوسفؒ و محمدؒ کے شاگردوں میں ہیں، انہوں نے مالک، سلیمان بن بلال، محمد بن میمون زعفرانی، یثیم بن حمید نسائی، ابو یوسف اور محمد بن حسن وغیرہم سے حدیث سنی، ان سے ان کے صاحبزادہ یحییٰ، ابو حنیفہ، ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابو ثور وغیرہم نے روایت کیا ہے، بار بار منصب قضا پیش کیا گیا لیکن انکار کیا۔

بعض تصانیف: "النواذر" اور "الأعمالی" دونوں فقہ میں ہیں۔

[تہذیب التہذیب ۱۰/۲۳۸: الجواہر المصنیۃ ۲/۱۷۷:]

الفوائد البیہ ص ۲۱۵: لا اعلام ۸/۱۸۹]

ی

یحییٰ بن یحییٰ (۱۴۲ - ۲۲۶ھ)

یہ یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر بن عبد الرحمن ہیں، کنیت ابو زکریا، فہست تمیمی، حنظلی، نسیسا پوری ہے، امام مالک سے مؤطا پر بھی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہ کر ان کی پیروی کی، ان کا شمار امام مالک کے اصحاب میں سے فقہاء میں ہوتا ہے، اپنے دور کے علم، دین، عبادت اور کردار کے اعلیٰ حاملین میں تھے، مالک، سلیمان بن بلال، دونوں حماد، ابو الاوص اور ابو قتادہ وغیرہ سے روایت کیا، ان سے بخاری اور مسلم نے روایت کیا، ترمذی نے مسلم کے واسطہ سے ان سے روایت کیا ہے، اور دیگر حضرات نے ان سے روایت کیا ہے، عبد اللہ بن احمد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ سے بھی آگے تھے، اور انہوں نے ان کی اچھی تعریف کی ہے نسائی نے کہا: وہ ثقہ ہیں۔

[تہذیب التہذیب ۱۱/۲۹۶: شجرة النور الزكية ص ۵۸:]

الديبان المہذب ص ۳۴۹: الأعلام ۹/۲۲۳]

ن

النسائی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۵ میں گذر چکے۔

نعیم الجمر (؟ - ؟)

نام نعیم بن عبد اللہ جمر، کنیت ابو عبد اللہ، فہست مدنی ہے، عمر بن خطابؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں، تابعی ہیں، ابو ہریرہ، ابن عمر، انس اور جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کیا، ان سے ان کے صاحبزادہ محمد، محمد بن عجلان، علاء بن عبد الرحمن اور داؤد بن قیس فراء نے روایت